پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
www.paksociety.com

مدیرۂ اعلیٰ: عذرا رسول
مدیرہ: انجم انصار .... معاون: آمنہ حماد

اداریہ

مجھے کچھ کہنا ہے — مدیرہ — 15

سلسلے وار ناول

امانت — رفعت سراج — 18
شامِ شہرِ یاراں — عنیزہ سید — 92

ناولٹ

رواج — مدیحہ عدنان — 52
محبت کھو گئی ہے — ناہید فاطمہ حسنین — 124
بے وفا سے وفا — زمر نعیم — 173

مکمل ناول

پارس — نمرہ احمد — 224

منی ناول

اک نئے موڑ پر — رضوانہ پرنس — 196

افسانے

ہار جیت — شمیم فضلِ خالق — 47
یہ کیسی محبت — عالیہ حرا — 77
راہ آسان ہو گئی — اسما قادری — 117
یہ زندگی کے رستے — عقیلہ حق — 147
امیدِ صبح — رابعہ نیازی — 157
بیٹی — ثمینہ عظمت علی — 219
نات — قانتہ رابعہ — 259

خصوصی مضامین

سنگھار — رفعت سراج — 264
سروے — شائستہ زریں — 266

مستقل عنوانات

دین کی باتیں — ادارہ — 16
بہنوں کی محفل — مدیرہ — 271

پبلشر و پرو پرائٹر: ذیشان رسول مقامِ اشاعت: گراؤنڈ فلور C-63 فیز II ایکس ٹینشن، ڈیفنس، مین کورنگی روڈ کراچی 75500
پرنٹر: جمیل حسن • مطبوعہ: ابنِ حسن پرنٹنگ پریس ہاکی اسٹیڈیم کراچی

پاکیزہ ڈائری — عظمیٰ آفاق سعید — 283
خوش ذائقہ — پاکیزہ بہنیں — 296
جلترنگ — انجم انصار — 287
سندیسے — پاکیزہ بہنیں — 298
میرا انتخاب — آمنہ حماد — 292
روحانی مشورے — ادارہ — 300
میں اکثر گنگناتی ہوں — صغریٰ زیدی — 294
ہومیو کلینک — 302

شعبہ اشتہارات
منیجر اشتہارات محمد شہزاد خان 0333-2256789 نمائندہ کراچی محمد رمضان خان 0333-2168391
نمائندہ لاہور سید افراز علی نازش 0332-4214400 رانا اے حمید 0323-2895528
ماڈل: اریشہ .... میک اپ: روز بیوٹی پارلر .... فوٹو گرافر: موسیٰ رضا
MEMBER APNS — CPNE
جلد 41 • شمارہ 10 • جنوری 2014 • زرِ سالانہ 700 روپے • قیمت فی پرچا پاکستان 60 روپے •
پتا: پوسٹ بکس نمبر 662 کراچی 74200 • فون: 35895313 (021) فیکس 35802551 (021) E-mail:jdpgroup@hotmail.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مجھے کچھ کہنا ہے......!

قارئین کرام! آپ سب کو نیا عیسوی سال مبارک ہو۔ دلی دعا ہے نئے سال کا سورج امن وآشتی کا پیغام لے کر طلوع ہو...... ہم سب موجودہ دگرگوں حالات پر شکوہ کناں رہتے ہیں کہ درحقیقت مسائل کے سیلاب نے سب کو ہی پریشان کر رکھا ہے...... سارے سال، بجٹ آتے رہتے ہیں...... مہنگائی ہر روز بڑھ رہی ہے...... ہوا، پانی، بجلی، گیس کی کمی نے جان ضیق کر رکھی ہے...... اور اس کے ساتھ ساتھ انسانی جان کی ہلاکتیں حالات میں مزید ہولناکی پیدا کیے ہوئے ہیں مگر کیا ہم نے کبھی یہ سوچا کہ ان مسائل کے سیلاب کو لانے میں ہم بھی شراکت دار ہیں...... اگر ہم اپنے محلے، چوراہوں اور سڑکوں کی صفائی کا خیال نہیں رکھتے...... تو بیماریاں پھیلانے والے عوامل میں ہم بھی شریک ہیں اگر ہماری دھواں چھوڑتی گاڑیاں...... اور سائلنسر نکلی موٹر سائیکلیں شاہراہوں میں فضائی آلودگی بڑھا رہی ہیں اور شور شرابا ہمارے اعصاب پر برے اثرات پیدا کر رہا ہے...... تو اس میں ہم بھی تو شریک ہیں۔

اگر ہم جان لیوا افواہوں کو موبائل کے توسط سے بلا سوچے سمجھے ایک جگہ سے دوسری جگہ پھیلا رہے ہیں...... تو ان گھیراؤ اور جلاؤ کرنے والے ہجوموں میں...... ہم گھر بیٹھے شریک ہیں۔ اس پر ہم...... گھر میں بیٹھ کر اپنے ملک کو روزانہ برا بھلا کہتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو گالیاں سناتے ہیں...... جبکہ ہم اپنے ملک کے لیے کچھ اچھا تو کیا خود بھی برا ہی کر رہے ہیں اور برا ہی سوچ رہے ہیں۔

اس لیے آج آپ سے یہی کہنا ہے...... کہ جب تک ہم اپنے ملک کو اپنا گھر نہیں سمجھیں گے...... تب تک اس کے مفاد کے لیے، ہم کچھ نہیں کر سکیں گے اور ہماری پہلی دعا یہی ہے کہ ہمارے گھر میں سکون اور طمانیت رہے اور سب زندہ سلامت رہیں، آمین۔

مدیرہ
انجم انصار

WWW.PAKSOCIETY.COM

اور ان (فرمانبردار اور پیغمبروں) کے قدم بہ قدم مریم کے بیٹے عیسیٰ کو ہم نے بھیجا (جو) اپنے آگے کی چیز یعنی تورات کی تصدیق کرنے والا (تھا) اور ہم نے اسے (کتاب) انجیل عنایت فرمائی جس میں (لوگوں کے لیے) ہدایت اور روشنی تھی اور وہ اپنے آگے والی (کتاب یعنی تورات) کی تصدیق کرنیوالی تھی اور پرہیز گاروں کی ہدایت کرنے والی اور نصیحت کرنے والی (۴۶) اور انجیل والوں کو چاہیے کہ جو کچھ اللہ نے انجیل میں نازل فرمایا ہے اسی کے موافق حکم کریں اور (یہ سمجھ رکھیں) جو کوئی اللہ کے نازل کیے ہوئے (احکام) کے موافق حکم نہ کرے تو وہی لوگ بدکار ہیں (۴۷) اور ہم نے آپ ﷺ کی طرف (بھی یہ) کتاب (یعنی قرآن مجید) سچائی کے ساتھ اتاری ہے (اور یہ بھی) اپنے آگے کتاب (تورات وانجیل) کی تصدیق کرنے والی ہے اور اس کی نگہبان ہے۔ پس (اے نبی ﷺ) تم ان لوگوں کے درمیان میں اس کے موافق جو اللہ نے نازل فرمایا ہے فیصلہ کیا کرو اور جو (امر) حق تمہارے پاس آچکا ہے اس سے (عدول کر کے) ان کی (بے جا) خواہشوں کی پیروی نہ کرو ہم نے تم میں سے ہر ایک (امت) کے لیے ایک شریعت اور ایک طریقہ مقرر کر دیا ہے اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک امت کر دیتا لیکن اس لیے جو کچھ تمہیں دیا ہے اس میں تمہاری آزمائش کرے پس تم نیکیوں میں جلدی کرو (تم سب کو اللہ کی طرف لوٹ کر جانا ہے پس وہ تمہیں اس امر سے خبردار کرے گا جس میں تم اختلاف کرتے تھے (۴۸) اور ان لوگوں میں اللہ کے نازل کیے ہوئے احکام کے موافق فیصلہ کرنا اور ان کی (بے جا) خواہشوں کی (ہرگز) پیروی نہ کرنا اور ان سے (ہمیشہ) بچتے رہنا (ایسا نہ ہو) کہ کسی حکم سے جو اللہ نے تمہاری طرف نازل کیا ہے یہ لوگ تمہیں گمراہ کر دیں پھر اگر یہ لوگ (تمہارے فیصلے سے) اعراض کریں تو سمجھ لو کہ اللہ یہی چاہتا ہے کہ انہیں ان کے بعض گناہوں کے سبب سے عذاب کرے اور بے شک اکثر لوگ بدکار ہیں (۴۹)

(سورۂ مائدہ آیت نمبر ۴۶ تا ۴۹)

سیدنا حامد ﷺ

صفاتی اسم مبارک

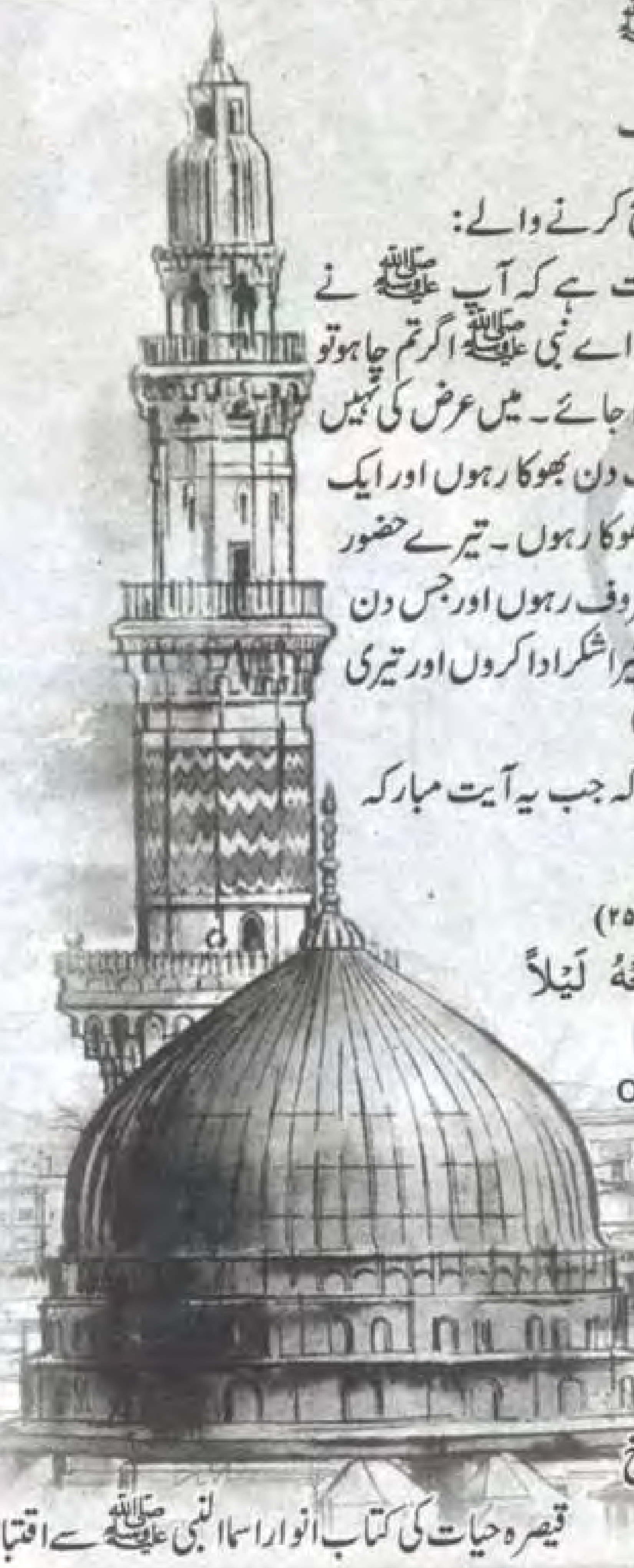

سب سے زیادہ اللہ کی تعریف و تسبیح کرنے والے:

1۔ حضرت ابو امامہ ؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔ کہ میرے رب نے مجھ سے فرمایا اے نبی ﷺ اگر تم چاہو تو تمہارے لیے وادی مکہ سونے کی بنا دی جائے۔ میں عرض کی نہیں پروردگار! میں تو یہ پسند کرتا ہوں کہ ایک دن بھوکا رہوں اور ایک دن پیٹ بھر کر کھانا کھاؤں۔ جس دن بھوکا رہوں۔ تیرے حضور گریہ وزاری کروں اور تیری یاد میں مصروف رہوں اور جس دن سیر ہو کر کھانا کھاؤں تو دل کی گہرائی سے تیرا شکر ادا کروں اور تیری تعریف و تسبیح کروں۔ (مدارج النبوۃ)

2۔ حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّأَصِيلًا (۲۵)
وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهُ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيلًا (۲۶) الدھر

ترجمہ: اور صبح و شام خدا کا نام لیا کرو○ اور رات کے وقت دیر تک خدا کے آگے سجدہ کیا کرو اور اس کی تسبیح بیان کرو۔

آپ ﷺ اور اکثر صحابہ ؓ کا ایک سال تک اسی پر عمل رہا۔ نماز پڑھتے پڑھتے ان کے پاؤں سوج جاتے تھے پھر ایک سال کے بعد اس کی فرضیت منسوخ ہو گئی اور یہ حکم ہوا۔

قیصرہ حیات کی کتاب انوار اسما النبی ﷺ سے اقتباس

WWW.PAKSOCIETY.COM

امانت

رفعت سراج

قسط 13

لہو سے سینچنے پڑتے ہیں برگ و بار کے موسم
بظاہر یوں لگا دینا شجر آسان کتنا ہے
جنہوں نے دھوپ کی دشواریاں جھیلیں بتائیں گے
بدن پر سایۂ دیوار و در آسان کتنا ہے
شکستِ خاک سے لے کر نمو یابی کے منظر تک
ذرا دشوار ہے رستہ مگر آسان کتنا ہے

بات ایک امانت ہے، ذات ایک امانت ہے عفت ایک امانت ہے، زندگی خدا کی امانت ہے، زمین کے وجود پر سورج کی روشنی امانت ہے، تاروں کا نور ...... چاند کی چاندنی امانت...... امانت کو خیانت سے بدل دیا جائے تو چہار سو اندھیروں کا راج ہے۔ اسی اندھیرے میں امانت کی تابانیاں پھر سے روشنی کی کرنیں بکھیرتے ہوئے چہار سو اجالا کردیتی ہیں۔

امانت و خیانت کو واضح کرتی ایک پُردرد مگر خوب صورت تحریر

WWW.PAKSOCIETY.COM

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

ڈاکٹر مہر جان نیورو سرجن تھیں۔ اپنی بہن گل جان اور بیٹیوں رابعہ اور رومانہ کے لیے ایک سخت گیر بہن اور ماں تھیں۔ وہ ہر کسی کو شک کی نگاہ سے دیکھتی تھیں...... اصیل خان اُن کے گھر کا ایک ملازم اور معتمدِ خاص تھا۔ کائناز اپنے دادا شاہ عالم کے ساتھ ڈاکٹر مہر جان کے پڑوس میں رہتی ہے وہ اور روما بیسٹ فرینڈز ہیں لیکن مہر جان کو روما کی اتنی دوستی بھی پسند نہیں۔ ایس پی شاہ زمان خان، جابر علی کو اپنے قابو میں کرنے کے لیے اس کی بیٹی کی شادی کے لیے اپنے ایک شریکِ کاروبار وارث علی کا رشتہ دیتا ہے جو بربان کو نا قابلِ قبول ہوتا ہے۔ اصیل خان ماضی کے دنوں میں اپنے اور مہر جان کے گزرے یادگار لمحات میں گم ہوتا ہے کہ گل جان اسے مہر جان کے ہوش میں آنے کی اطلاع دیتی ہے۔ صابرہ، بربان کو فون کرتی ہے تو اس کی بات کائناز سے ہوتی ہے۔ صابرہ فون پر بات کر رہی تھی کہ جابر علی اٹھ جاتا ہے اور وہ صابرہ پر چیختا ہے۔ فائزہ، احمر کے ساتھ شبینہ سے ملنے آتی ہے تو اس کے جانے سے پہلے ہی جابر علی آجاتا ہے اور وہ اس کے آنے پر اپنی ناراضی کا اظہار کرتا ہے۔ شبینہ اپنے اندر اتنی ہمت نہیں پا رہی تھی کہ ستارہ کو بتا دے کہ شادی اس کی نہیں بلکہ ستارہ کی ہو رہی ہے۔ گل جان نے روما کو بتایا کہ رابی کی شادی ہو رہی ہے تو روما بھی پریشان ہوگئی۔ رابی اپنا کمرا بند کر کے بیٹھی تھی یہ بات گل جان کے لیے باعثِ تشویش تھی۔ بربان، شاہ عالم کے ہاں پہنچا تو اسے پتا چلا کہ وہ اپنا موبائل وہاں بھول گیا تھا۔ روما، گل جان سے پوچھتی ہے کہ وہ کائناز کو شادی میں بلا لے تو گل جان منع کر دیتی ہے۔ کائناز بخار کی شدت سے نڈھال تھی وہ دل بہلانے کے لیے روما کو فون کرتی ہے تو کوئی فون ریسیو نہیں کرتا۔ گل جان، رابی کو مہر جان کی دی ہوئی ساڑی دیتی ہے کہ وہ تیار ہو جائے۔ رابی نے ساڑی پہن کر اپنے آپ کو آئینے میں دیکھا اور پھر بے ترتیبی سے اپنے بال کاٹ لیے اس کے بعد اس نے تیزاب میں روئی بھگو کر اس سے اپنے چہرے پر لائنیں کھینچنا شروع کر دیں۔ اندر کی جلن نے ہر تکلیف کے احساس کو ختم کر دیا تھا۔ کائناز کہتی ہے تو شاہ عالم اسے روما کے گھر لے جاتا ہے۔ صابرہ کی بربان سے بات ہوتی ہے تو وہ کائناز کے بارے میں پوچھتی ہے۔ سہراب خان، رابی کی شکل دیکھ کر ششدر رہ جاتا ہے۔ رابی، شاہ عالم کے ساتھ ان کے گھر چلی جاتی ہے۔ مہر جان ایک بار پھر آئی سی یو میں داخل ہوگئی تھیں۔ شائستہ بیگم اور فائزہ شبینہ کے گھر آتی ہیں تو وہ انہیں دیکھ کر حیران رہ جاتی ہے شائستہ بیگم کو اس خبر سے تسلی ہوتی ہے کہ شبینہ کی شادی ہو رہی ہے لیکن صابرہ، ستارہ کی اس بات کی نفی کرتی ہے۔ شبینہ، صابرہ سے کہتی ہے کہ وہ ستارہ کو بتا دے کہ شادی اسی کی ہو رہی ہے۔ صابرہ بالآخر ستارہ کو بتاتی ہے کہ شادی اس کی ہو رہی ہے۔ مہر جان کو ہوش آتا ہے...گل جان کو پتا چلتا کہ... ان کا ذہن ماضی کی باتیں یاد کر رہا ہے اور وہ حال کو فراموش کر چکی ہیں۔ روما، رابی اور کائناز کو گل جان کے بارے میں بتاتی ہے۔ ستارہ کا وارث علی سے نکاح ہو جاتا ہے۔ گل جان، شاہ عالم کو بتاتی ہے کہ وہ مہر جان کا علاج نہیں کرائے گی اور وہ روما کو بھی کچھ دن کے لیے اپنے گھر میں رہنے کی اجازت دے دیں جس پر شاہ عالم کو کوئی اعتراض نہیں ہوتا۔ صابرہ، ستارہ کی رخصتی کے بعد بہت روتی ہے کہ ستارہ یہ کہہ کر گئی ہے کہ وہ اب کبھی اس گھر میں نہیں آئے گی۔ روما فکر مند ہوتی ہے کہ وہ کب تک مہر جان کے سامنے نہیں جائے گی۔ وارث علی اپنی بیوی ستارہ کے انداز دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے وہ بغیر کسی جھجک یا گھبراہٹ کے وارث علی سے بات چیت کر رہی تھی۔ ستارہ، بربان کو فون کر کے بتاتی ہے کہ شبینہ کی جگہ اس کی شادی ہوگئی ہے اور وہ اس سے ملنے اس کے گھر آسکتا ہے۔ گل جان، مہر جان کو اکیلا نہیں چھوڑتی ان کے ہی کمرے میں لیٹ کر ماضی میں گم ہو جاتی ہے جب وہ مہر جان سے کہتی ہے کہ اسے لگتا ہے کہ وہ اصیل خان سے محبت نہیں کرتی۔ مہر جان اس بات کی نفی کرتی ہے۔ بربان، ستارہ سے ملنے اس کے گھر جاتا ہے تو فون کر کے وارث علی سے ایڈریس سمجھتا ہے وارث علی بربان کی آمد سے تھوڑا پریشان ہو جاتا ہے۔ ستارہ، بربان کو بتاتی ہے کہ اب وہ اس گھر میں کبھی نہیں جائے گی۔ بربان اسے سمجھاتا ہے اور کہتا ہے کہ ہر مشکل میں وہ اس کے ساتھ ہے۔ صابرہ، ستارہ سے ملنے کے لیے بے چین ہوتی ہے۔ جابر علی، ایس پی سے ولیمے کی بابت دریافت کرتا ہے تو وہ اسے جھوٹی تسلیاں دے کر مطمئن کر دیتا ہے۔ رابی، بربان کو دیکھ کر سوچ میں پڑ جاتی ہے کہ وہ کون ہے۔ روما، شاہ عالم کے گھر آجاتی ہے۔ کائناز اسے پڑھنے کے لیے بلاتی ہے تو وہ اگلے دن سے پڑھنے کا کہتی ہے۔ جابر علی، ستارہ کے گھر آتا ہے تو وہ اسے ملے بغیر نوکر سے ایک پرچہ بھجوا دیتی ہے جس میں وہ لکھتی ہے کہ وہ سمجھ لے کہ ستارہ مر چکی ہے۔ اب وہ کبھی اس سے نہیں ملے گی۔ جابر علی سے اپنی یہ بے عزتی ہضم نہیں ہوتی اسے چپ لگ جاتی ہے۔ شاہ عالم، اصیل خان سے رابی اور روما کے والد کے بارے میں دریافت کرتے ہیں۔

اب آگے پڑھیں

شاہ عالم بہ نظرِ غائر اصیل خان کے چہرے کا جائزہ لے رہے تھے۔ اصیل خان نے بڑی مشکل سے پلکیں اٹھا کر شاہ عالم کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سی بے بسی تھی یوں جیسے کہ شاہ عالم نے اس سے کوئی بہت مشکل سوال کر ڈالا ہو یا کوئی معما حل کرنے کے لیے دے دیا ہو۔ شاہ عالم جیسے جہاں دیدہ انسان کے لیے اس کے چہرے پر ثبت بے بسی کو پڑھنا چنداں مشکل نہ تھا۔ انہوں نے فوراً اصیل خان کا مسئلہ حل کیا تا کہ وہ سکون کا سانس لے لے۔

”تم تو پریشان ہو گئے اصیل خان...... میں، میں نے تو بس ویسے ہی تم سے پوچھ لیا تھا اگر تم سمجھتے ہو کہ میں نے تم سے کوئی بہت مشکل سوال کر ڈالا ہے تو میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں بلکہ اپنا سوال ہی واپس لیتا ہوں۔ تم مطمئن رہو۔“

”نہیں شاہ صاحب...... ایسی کوئی بات نہیں ہے، بس وہ کچھ ایسی مجبوریاں ہوتی ہیں کہ سچ بولتے ہوئے زبان ساتھ نہیں دیتی۔“ اصیل خان بہ مشکل گویا ہوا۔

”ارے نہیں، نہیں اصیل خان...... تمہیں اتنی زیادہ ٹینشن لینے کی ضرورت نہیں...... بھئی دو بندے بیٹھتے ہیں، کوئی بات ہو جاتی ہے، یوں سمجھو میں نے تم سے کچھ نہیں پوچھا۔“

اصیل خان کی تو جیسے جان میں جان آگئی تھی، شاہ عالم نے خود ہی مشکل ڈالی تھی اور خود ہی آسان بھی کر دی۔

”ٹھیک ہے اصیل خان، اب تم جا کر اپنا کام کرو۔“ اصیل خان یہ سنتے ہی اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا تھا۔

”بہت بہت شکریہ شاہ صاحب...... انسان کسی کی بھلائی اور نیکی کا اجر نہیں دے سکتا، یہ تو بس اللہ ہی دیتا ہے۔“ اصیل خان بڑے خاکسارانہ انداز میں گویا ہوا۔

”بے شک...... تم نے صحیح کہا...... اجر دینا تو مالک کا ہی کام ہے اور سب سے بڑا اجر یہ ہے کہ رب راضی ہو جائے۔“ شاہ عالم کے منہ سے یہ سننا تھا کہ اصیل خان کی آنکھوں میں آنسو چمکنے لگے۔ اس پر رقت طاری ہوگئی۔ بڑی بے اختیاری، بے خودی کی کیفیت میں اس کے منہ سے نکلا تھا۔

”رب راضی ہو جائے...... اور کیا چاہیے، شاہ صاحب!“ اس نے اپنے آنسوؤں کو بہنے سے روکا اور ہتھیلیوں سے آنسو صاف کرنے لگا۔ شاہ عالم نے بڑی شفقت سے اس کا کندھا دبایا تھا جیسے تسلی دے رہے ہوں۔ طوفان ساحل سے ٹکرا کر واپس ہو گیا تھا۔ خطرہ ٹل گیا تھا مگر کب تک......؟ لڑکیاں بڑی ہو چکی تھیں، ان کے حوالے سے ابھی جانے کتنے لوگ ملیں گے؟ اور سب نے یہ ایک سوال تو لازمی کرنا ہے کہ ان لڑکیوں کا باپ کہاں ہے؟ دوسرا سوال...... باپ کا نام کیا ہے؟ تیسرا سوال...... زندہ ہے یا......؟

☆☆☆

گل جان، خانساماں بکس کے ساتھ کچن میں سمیٹا سمیٹی میں مصروف تھی۔ اس نے ایک ساس پین کا ڈھکن اٹھا کر دیکھا اور اچھی خاصی مقدار میں سالن دیکھ کر بڑی فکر مندی سے پوچھا تھا۔

”ارے یہ سالن ویسے کا ویسا پڑا ہے، تم نے اور اصیل خان نے کیا کھانا نہیں کھایا تھا آج؟“ خانساماں نے ایک نظر گل جان کی طرف دیکھا پھر بڑے مؤدبانہ انداز میں گویا ہوا۔

”وہ...... گل جان بی بی...... اصیل خان نے...... ہمارے کو منع کر دیا ہے۔“

”کیا منع کر دیا ہے؟“ گل جان ذرا جو نچی ہو۔

”وہ...... وہ بولتا ہے اب ہم کوٹھی سے کھانا نہیں کھائے گا، ہم اپنا کھانا خود بنائے گا۔“

”اوہ...... اپنا کھانا خود بنائے گا...... خود بنائے گا تو...... سودا سلف تو یہیں سے لے گا ناں...؟ گل جان

WWW.PAKSOCIETY.COM

الجھ کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔

''نہیں بیگم صاحبہ...... وہ بولتا ہے پہلے ہم کوٹھی میں کام کرتا تھا تو ہمارے کو روٹی حلال تھا۔ اب اِدھر ہمارا کوئی کام نہیں ہے، اب مفت کی روٹیاں نہیں توڑے گا...... کہیں کام کرے گا۔'' خانساماں اپنی دُھن میں بولتا چلا گیا اور گل جان اس کی طرف دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی۔ اس کا ذہن دوڑ دور تک قلابازیاں کھانے میں مصروف ہو گیا تھا یہ اچانک اصیل خان کو کیا ہو گیا؟

''وہ...... کہاں کام کرے گا؟'' وہ خانساماں کی طرف سے نظریں چرا کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔ جیسے وہاں اسے اصیل خان کھڑا ہوا دکھائی دے رہا ہو۔

''پتا نہیں بیگم صاحبہ...... بولتا ہے ہم کہیں مزدوری کرے گا مگر اپنا ہاتھ کا کمائی کھائے گا، بہت آرام کا روٹی توڑا ہے۔''

''بڑی جلدی خیال آ گیا......'' گل جان ایک گہری سانس لے کر معنی خیز انداز میں مسکرائی۔ اس مسکراہٹ کے جتنے بھی معنی تھے بہر حال خانساماں کی رسائی تو وہاں تک نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ سر جھکا کر دُھلے ہوئے برتنوں کو خشک کرنے میں مصروف ہو گیا تھا۔

گل جان اب اپنی جگہ لب بستہ کھڑی تھی گویا کہ اس کی آنکھوں کے سامنے کوئی فلم چل رہی تھی جو وہ بڑے انہماک سے دیکھ رہی تھی۔ جیسے ساحل پر بکھری خالی سیپیوں میں موتی ڈھونڈ رہی ہو۔ اس نے گہری سانس لی۔ ایک نظر خانساماں کی طرف دیکھا پھر سر جھکا کر کچن سے باہر چلی گئی۔

☆☆☆

وارث علی کے انتظار سے اکتا کر ستارہ بیڈ روم سے باہر آ گئی تھی۔ رات ہوتے ہی نوکر تو اپنے، اپنے کوارٹروں میں جا چکے تھے۔ ہولناک سناٹے میں اتنا بڑا گھر بھائیں بھائیں کرتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ اس کے دل پر عجیب سی وحشت چھانے لگی۔ وارث علی کا نمبر اس نے کئی مرتبہ ٹرائی کیا مگر فون بند مل رہا تھا۔ پہلے تو اس نے خود کو یہ سوچ کر سمجھا لیا کہ وہ کسی میٹنگ میں مصروف ہو گا لیکن پھر عجیب سے اندیشے اسے ستانے لگے کہ اگر وہ کہیں بہت زیادہ مصروف بھی ہو گیا تھا کم از کم گھر پر تو فون کر کے بتانا چاہیے تھا۔ وہ آہستہ آہستہ زینہ اتر کر نیچے آئی کہ شاید وہ صفائی کرنے والا ملازم لڑکا ہی نظر آ جائے تو اس سے دو چار باتیں کر کے اپنا ذہن اِدھر اُدھر کر لے۔ لڑکا تو دکھائی نہیں دیا البتہ اس نے ڈرائیور کو لاؤنج سے باہر جاتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔

''یہ یہاں کیا کر رہا تھا؟'' اس کے ذہن میں ایک سوال پیدا ہوا۔ فوراً ہی آواز دی۔

''شکور ایک بات سنو......'' ڈرائیور کو بھی شاید یہ اندازہ نہیں تھا کہ لاؤنج میں اس وقت اس کے علاوہ کوئی اور بھی ہے۔ چونک کر پلٹا...... ستارہ کو سامنے دیکھ کر ذرا گھبرا سا گیا جیسے کوئی چوری کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑا گیا ہو۔

''جی بیگم صاحبہ......!'' اُس نے خود کو سنبھال کر بڑے مؤدبانہ انداز میں کہا۔

''تم یہاں کیا کر رہے ہو؟'' ستارہ نے فوراً ہی اس سے پوچھ لیا تھا۔

''وہ جی...... بیگم صاحبہ...... گاڑی میں صاحب کا سامان پڑا ہوا تھا تو وہ میں اسٹور میں رکھنے گیا تھا۔ صاحب نے صبح مجھ کو بولا تھا۔ مجھے یاد نہیں رہا تھا۔ ابھی اپنے کوارٹر میں جا رہا تھا تو یاد آیا۔''

''اوہ......'' ستارہ کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

''تمہارے بیوی، بچے تمہارے ساتھ نہیں رہتے؟ میرا مطلب ہے تم کوارٹر میں اکیلے رہتے ہو؟'' ستارہ

نے پتا نہیں کیوں پوچھا تھا۔ شاید اسے خود بھی پتا نہیں تھا۔

''جی بیگم صاحبہ...... وہ...... صاحب کی اجازت نہیں ہے، بولتے ہیں گھر میں کوئی عورت نہیں ہے، تم بھی کام پر جاؤ گے تو گھر میں دوسرے مرد نوکر ہوں گے، اچھا نہیں لگتا۔''

''اچھا، اچھا......'' ستارہ نے ڈرائیور شکور کا جواب سن کر یوں گردن ہلائی جیسے اس کے جواب سے مطمئن ہو گئی ہو پھر ایک دم ہی جیسے اسے خیال آیا تھا۔

''وہ...... ایک بات سنو شکور......''

''جی بیگم صاحبہ......'' شکور نے پھر مؤدبانہ کہہ کر سر جھکا لیا۔

''اب تو اس گھر میں، میں آ گئی ہوں، تم اپنی بیوی کو ساتھ رکھ سکتے ہو۔ میں تمہارے صاحب سے بات کروں گی کیونکہ اب میں اکیلی عورت ہوں اور سارے نوکر مرد ہیں بلکہ میں تو تمہارے صاحب سے کہوں گی کہ تم میں سے جو بھی شادی شدہ ہے وہ اپنی بیوی کو لے کر آ جائے۔''

''مشکل ہے۔'' ڈرائیور کے منہ سے بے اختیار نکلا تھا۔

''مشکل ہے؟'' ستارہ ایک دم چونک پڑی۔

''کیا مشکل ہے؟ کیوں مشکل ہے؟'' ستارہ حیران ہو کر پے در پے سوال کر رہی تھی اور ڈرائیور شکور اب یوں دم سادھے کھڑا تھا جیسے اپنی لب کشائی پر پچھتا رہا ہو۔ ماتم کر رہا ہو کہ آخر اس نے منہ سے کچھ نکالا ہی کیوں؟

''کیا پوچھ رہی ہوں میں؟ کیا سوچنے لگے؟ بتاؤ ناں مجھے بھئی پہلے تو کوئی عورت نہیں تھی گھر میں لیکن اب تو میں ہوں ناں پھر کوئی مسئلہ؟''

''جی بیگم صاحبہ...... آپ ٹھیک بول رہی ہیں، بس آپ صاحب سے بات کر لیجیے گا۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ بھلا مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟ آپ خود سوچیں...... بس مجھے تو صاحب کے غصے سے ڈر لگتا ہے۔ آپ بات کر لیں گی تو اچھی بات ہے، میری عورت اس گھر میں آ جائے گی تو مجھے بھی آرام ہو گا۔''

''یہ تم یہاں کھڑے کیا کر رہے ہو؟'' اسی وقت ماحول میں وارث علی کی آواز گونجی تھی۔ ڈرائیور تو جیسے اس کی آواز سن کر تھر تھر کانپنے لگا اور ایک لمحے کے لیے تو ستارہ بھی چکرا کر رہ گئی تھی کیونکہ اسے یہ خیال نہیں رہا تھا کہ رات ہو چکی ہے اور وارث علی کسی بھی وقت اپنے گھر آ سکتا ہے۔ جلدی سے اس نے خود کو بڑی خوبی سے سنبھالا اور اعتماد سے گویا ہوئی۔

''وہ اصل میں ڈرائیور تو اپنا ہی کام کر رہا تھا۔ میں نیچے آئی تو یہ کچھ سامان وامان اسٹور میں رکھ کر جا رہا تھا تو یونہی میں نے اس سے پوچھ لیا کہ اگر یہ فیملی والا ہے تو اپنی بیوی کو یہاں لے آئے۔ تو یہ مجھے بتا رہا تھا کہ آپ کی اجازت نہیں ہے۔''

''تو ٹھیک کہہ رہا تھا یہ، تمہیں کیا مسئلہ ہو گیا ہے؟ میرا مطلب ہے تمہیں پرابلم کیا ہے؟'' وارث علی نے ستارہ کی طرف دیکھ کر بڑی سنجیدگی سے سوال کیا تھا اور ساتھ ہی ہاتھ کے اشارے سے ڈرائیور کو باہر جانے کا کہا تھا۔ ڈرائیور نے تو جیسے وہاں سے دوڑ لگا لی تھی۔

''اصل میں...... میں یہ دیکھ رہی تھی کہ اس گھر میں جتنے بھی نوکر ہیں...... سب مرد ہیں، ایک بھی عورت نہیں ہے تو مجھے یونہی خیال آیا کہ اگر ڈرائیور اپنی بیوی کو یہیں لے آئے تو وہ گھر کے کام کر لیا کرے گی اور اچھا ہے یہ بھی اپنی فیملی کے ساتھ رہے گا۔''

WWW.PAKSOCIETY.COM

وارث علی کے ہونٹوں پر ایک استہزائیہ سی مسکراہٹ نمودار ہوگئی۔

”بیگم صاحبہ......! آپ کیوں اتنی پریشان ہیں؟ یہ نوکر مرد ضرور ہیں مگر بے چارے پر کٹے پرندے ہیں، میرے پنجرے میں قید ہیں۔ ان کو نوکر نہیں میرے غلام سمجھو...... اور تمہیں پتا ہے غلام کون ہوتا ہے؟ غلام وہ ہوتا ہے جسے منہ مانگے داموں خرید لیا جاتا ہے۔“

وارث علی کے اس بدلے، بدلے اور بڑے اجنبی سے انداز پر۔ ستارہ ہکا بکا سی رہ گئی تھی۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ یہ وہی وارث علی ہے جو رات کو اس سے ملا تھا اور صبح اس سے بہت خوب صورت باتیں کر کے روانہ ہوا تھا۔

”آپ میری بات سمجھے نہیں...... عورت کے گھر میں ہونے سے بڑی سہولت رہتی ہے، میرا مطلب ہے ایک عورت کو دوسری عورت کے ہونے سے فائدہ ہی ہوتا ہے کوئی نقصان نہیں ہوتا۔“ ستارہ نے جیسے اب اپنی بات بہت وضاحت سے کی۔ انداز یوں تھا جیسے کہ وہ وارث علی کو پُرسکون کرنے کی بھرپور کوشش کر رہی ہو۔

”ایک عورت ہی مت مارنے کے لیے کافی ہوتی ہے ستارہ بیگم...... دو عورتوں کو تو ایک چھت کے نیچے ہونا ہی نہیں چاہیے۔“ وارث علی نے پھر بڑے عجیب و غریب لہجے میں بے تکا سا جواب دیا تھا۔

ستارہ کے سر پر جیسے پھر کوئی بم پھوٹا تھا۔ اسے تو وارث علی کا جواب اتنا بے تحمل اور بے تکا لگا تھا کہ وہ اپنی عادت سے مجبور ہو کر بولے بغیر رہ ہی نہیں سکی۔ فوراً بولی تھی۔

”ایسے خیالات رکھنے والے بندے کو تو سرے سے شادی ہی نہیں کرنی چاہیے۔“ ستارہ کی بات سن کر وارث علی بھی جیسے دم بخود سا رہ گیا تھا اسے امید نہیں تھی کہ ستارہ اس کے سامنے یوں ترکی بہ ترکی جواب دے گی اور اتنے اعتماد کا مظاہرہ کرے گی۔

اس نے ستارہ کی طرف دیکھا اور جیسے بڑی بے اختیاری کی سی کیفیت میں بولا تھا۔

”اتنی لمبی زبان......؟ اپنی حیثیت پہچانو بیگم صاحبہ...... تین کروڑ کی کوٹھی میں ملکہ بنی بیٹھی ہو جو عورت ایک کمرے کے مکان کا بندوبست کرنے کی اہلیت نہ رکھتی ہو، اسے خود ہی اپنی زبان کاٹ کر پھینک دینی چاہیے...... اپنی اوقات میں رہنا چاہیے۔“

وارث علی کا یہ انداز دیکھ کر ستارہ کی تو آنکھیں جیسے چھت سے لگ گئیں۔ اس کو تو وارث علی کے لب و لہجے نے اتنا زیادہ حیران کیا تھا کہ وقتی طور پر تو اس کی زبان ہی کٹ کر رہ گئی تھی۔ وہ وارث علی کی طرف گھورے چلی جا رہی تھی۔ وارث علی اس کی طرف دیکھ کر بڑے طنزیہ انداز میں مسکرا رہا تھا اور ساتھ ہی اسے سر سے پاؤں تک یوں دیکھ رہا تھا جیسے وہ انتہائی ناچیز اور حقیر قسم کی مخلوق ہو۔

ستارہ کے لیے یہ بہت بڑا طعنہ تھا۔ اس کے تو رگ و پے میں جیسے انگارے دوڑنے لگے۔ یہ اس کا نیا نویلا شوہر جو صبح اس پر سو جان سے نثار ہو رہا تھا اس وقت کس انداز میں بات کر رہا تھا؟ بالکل ایسے جیسے اس نے اپنے نوکروں کی طرح اسے بھی خریدا ہو۔ اس نے کمالِ ضبط کا مظاہرہ کرتے ہوئے قدرے پُرسکون لہجے میں اپنے دل کی بات کہی حالانکہ جی تو چاہ رہا تھا کہ بہت بری طرح کہے لیکن اتنے بڑے حادثے سے گزرنے کے بعد اب طبیعت میں کچھ احتیاط تو آ ہی گئی تھی۔

”میں نے تو نہیں کہا تھا کہ آپ مجھ سے شادی کریں اور نہ ہی مجھے تین کروڑ کی کوٹھی میں ملکہ بن کر رہنے کا شوق تھا۔ میرے والد نے آپ کی بہت تعریفیں کیں...... میری ماں کو کہا کہ تمہاری بیٹی خوش رہے گی...... نمازی، پرہیزگار، دین دار، امیر کبیر رشتہ مل رہا ہے۔“ ستارہ نے بھی اب اسی طرح جواب دیا جس کی وہ عادی

تھی۔ لہجے میں خود بخود تلخی انڈ پڑی تھی۔ اسے تو ہضم ہی نہیں ہو رہا تھا کہ وارث علی نے اس سے بات کس انداز میں کی ہے۔

”ذرا سنبھل کے...... ستارہ بیگم، ہم دیہاتی لوگ ہیں، عورت کو پیر کی جوتی سمجھتے ہیں۔“ یہ کہہ کر وہ آگے بڑھا...... ستارہ کا بازو بڑی سختی سے اپنی گرفت میں لیا اور اس کی آنکھوں میں جھانک کر مسکرایا۔

ستارہ کی حالت تو یوں تھی جیسے اس کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر چکی ہو۔ سکتے کی کیفیت میں وہ وارث علی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ وارث علی نے دوسرا ہاتھ بہت پیار سے اس کے گال پر پھیرا پھر ایک زوردار قہقہہ لگا کر وہ آگے بڑھ گیا۔

ستارہ اسی طرح پتھر کی بنی اپنی جگہ پر کھڑی رہ گئی تھی۔ رات سے اب تک کی محنت پر وارث علی نے لمحوں میں پانی پھیر دیا تھا۔ بظاہر سادہ سا وارث علی اندر سے اس قدر سفاک ہو سکتا ہے کم عمر، ناتجربہ کار ستارہ یہاں تک سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔

☆☆☆

جیسے تیسے رات تو کٹ گئی تھی۔ صابرہ کے لیے جابر علی کی گہری خاموشی بہت پریشان کن تھی کیونکہ حیران ہونا تو اس نے چھوڑ دیا تھا۔ اب تو صرف پریشانی لاحق ہوتی تھی۔ جابر علی نے اس سے معمول کی کوئی بات چیت نہیں کی۔ صابرہ سوچ، سوچ کر تھک گئی تھی کہ آخر جابر علی کو آج چپ کیوں لگی ہے؟ بہرحال وہ اس کے آس پاس آتی جاتی رہی کہ شاید وہ اسے متوجہ کر کے کوئی کام کہے...... مگر جابر علی نے اس کے آنے جانے کا کوئی نوٹس نہیں لیا۔ پھر نہ جانے کب سو گیا تھا۔ صابرہ نے جب کمرے میں جھانک کر دیکھا تو وہ اپنے مخصوص انداز میں خراٹے لے رہا تھا۔ صابرہ اسی طرح الٹے پاؤں واپس چلی آئی۔ کمرے میں جانے کے خیال سے وحشت سی ہونے لگی تھی پتا نہیں کیوں...... دل گھبرا رہا تھا۔ وہ سوچنے لگی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ معمولی سے کھٹکے سے اس کی نیند ٹوٹ جائے اور وہ طوفان جو شام سے اس کے سینے میں دبا ہوا ہے کسی بہانے باہر ابل پڑے۔ وہ برآمدے میں بچھے تخت پر آ کر لیٹ گئی تھی۔

جابر علی خاموش تھا۔ آج اس نے کسی کو کوئی سخت، سست یا کھری کھری نہیں سنائی تھی۔ اس کے باوجود پریشانی بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ دل کو ایک پل کے لیے چین و قرار نہیں تھا چونکہ جابر علی کی طویل خاموشی کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ ایک غیر معمولی واقعہ تھا۔

جابر علی کی گہری خاموشی اس کے چنگھاڑنے سے زیادہ خطرناک تھی۔

صابرہ کا پورا اعصابی نظام منجمد ہوتا جا رہا تھا۔

☆☆☆

ستارہ بیڈ پر بالکل چت لیٹی تھی...... اس نے آنکھوں پر بازو رکھا ہوا تھا۔ وارث علی اسے منانے کی کوشش کر رہا تھا مگر ستارہ کچھ دیر پہلے کا اس کا اندازِ گفتگو معاف کرنے پر تیار نہیں تھی۔ وارث علی نے اس کی انا کو زخم لگایا تھا۔ وہ نئی، نئی دلہن تھی، وارث علی جیسے بڑی عمر کے آدمی پر اس کے باپ نے احسان کیا تھا۔ اسے تو ستارہ کے پاؤں دھو دھو کر پینے چاہیے تھے مگر اس نے ایک دن کی دلہن کی ایسی کی تیسی کر کے رکھ دی تھی۔

”ارے بھئی...... تمہیں بتایا ناں...... ہم دیہاتی لوگ ہیں...... ایسا تو ہمارے خاندان میں پشتوں سے ہے...... پہلے ہم دیہاتوں میں زمینوں پر کاشتکاری کرواتے تھے sugar mill چلاتے تھے۔ اب شہر میں

WWW.PAKSOCIETY.COM

آ کر بڑے بڑے بزنس کرنے لگے ہیں لیکن مٹی تو وہی ہے..... اب جانے بھی دو یار..... دیکھو یہ میری عادت ہے، تم نئی نئی ہو، اس لیے پریشان ہوگئیں، کچھ وقت ساتھ گزرے گا تو عادت ہوجائے گی، چلو اب اپنا موڈ ٹھیک کرو۔'' ستارہ نے آنکھوں سے بازو ہٹا کر وارث علی کی طرف دیکھا۔

''جب شہر میں آکر کاروبار کرنے لگے ہیں اور شہریوں میں اٹھنے بیٹھنے لگے ہیں تو کیا اتنا پتا نہیں..... کہ شہر کی پڑھی لکھی لڑکی سے کیسے بات کرتے ہیں؟'' ستارہ نے روٹھے روٹھے انداز میں کہا۔ وارث علی نے ایک زبردست قہقہہ لگایا۔

''ارے بھئی..... تم شہر کی پڑھی لکھی لڑکی نہیں، اب وارث علی کی بیوی ہو، میں کسی لڑکی سے بات نہیں کروں گا۔ اپنی بیوی سے بات کروں گا۔ جو لڑکی ہوتی ہے وہ بیوی نہیں ہوتی اور جو بیوی ہوتی ہے وہ لڑکی نہیں ہوتی۔ بیوی تو بس بیوی ہوتی ہے۔'' وارث علی نے بڑے افلاطونی انداز میں فلسفہ بگھارنے کی کوشش کی مگر ستارہ کا موڈ ٹھیک نہیں ہوا۔ وہ اسی طرح آنکھیں بند کر کے لیٹی رہی جیسے وارث علی کے الفاظ ضائع چلے گئے ہوں اور اس نے وارث علی کی کوئی صفائی قبول نہ کرنے کا پکا فیصلہ کرلیا ہو۔

وارث علی نے اس کا بازو پکڑ کر اپنی طرف موڑا اور اپنا ایک شوہرانہ استحقاق استعمال کیا۔ ستارہ ایک دم تڑپ کر اس سے دور ہوگئی اور غصے بھری نظروں سے وارث علی کو دیکھ کر بولی۔

''مجھے ایسی باتوں سے کوئی خوشی نہیں ہوگی، میاں، بیوی کے رشتے کو آپس کا پیار، محبت اور خلوص مضبوط کرتا ہے اگر آپ مجھ سے اچھی طرح بات نہیں کر سکتے تو مجھے ان سب باتوں کی پروا بھی نہیں ہے۔''

وارث علی کی شریانوں میں تو جیسے جوار بھاٹا اٹھنے لگا۔ اس کے حساب سے دو ٹکے کی لڑکی اتنی دیر سے اس کی بے عزتی کیے جارہی تھی۔ وہ نخرے اٹھا اٹھا کر تھک گیا تھا۔

''ایسا کیا کہہ دیا تھا یہ تو جابر علی سے زیادہ پولیس والی بن رہی ہے۔ اکڑ دیکھو ذرا اس کی۔'' وہ دل ہی دل میں کھولتے ہوئے سوچ رہا تھا مگر وہ اتنا بے وقوف نہیں تھا کہ ایک نئی نویلی دلہن سے اتنا بگاڑ پیدا کرلیتا کہ وہ باپ کے گھر جا کر اس کی ساری محنت پر پانی پھیر دیتی۔ اس نے بڑی مشکل سے خود کو سنبھالا اور اب دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔

ہاتھ جوڑتے ہوئے وہ دل ہی دل میں کھولتے ہوئے سوچ بھی رہا تھا۔ ''ابھی تو میں ہاتھ جوڑ رہا ہوں کچھ دنوں کے بعد تیرا باپ میرے سامنے ہاتھ جوڑے گا۔'' مگر اس نے بڑی شیطانیت سے اور کمالِ مہارت سے اپنے اندرونی تاثرات چھپا کر پیار بھرے لہجے میں ستارہ سے کہا تھا۔

''ارے میری جان..... اب غصہ چھوڑ بھی دو..... رات گئی، بات گئی..... اب دیکھو ناں..... تم بھی تو کوئی غلطی کرسکتی ہو، کوئی ایسی بات کرسکتی ہو کہ مجھے غصہ آجائے..... لیکن میں تمہیں ہاتھ پکڑ کر گھر سے تو نہیں نکالوں گا ناں..... تم سوری کہہ دو گی، معافی مانگ لو گی تو میں معاف کردوں گا..... ارے بھئی میاں، بیوی کا رشتہ ہے ہی بے غیرتی کا رشتہ ذرا سی دیر میں دشمنوں کی طرح لڑ رہے ہوتے ہیں اور تھوڑی دیر بعد ہی دیکھو تو ایسا لگتا ہے کہ جیسے اُن سے زیادہ پیار کرنے والا جوڑا پوری دنیا میں کہیں نہیں ملے گا۔ جانے بھی دو یار..... بس اب معاف کردو..... ہماری نئی نئی شادی ہے اور یہ قیامت خیز رات ہمارے ہاتھ سے نکلی جارہی ہے، بری بات ہے یار..... سب کچھ تمہارے قدموں میں ڈھیر کردیا ہے، اپنے دل سمیت۔ کچھ تو قدر کرو، اچھا مسکرا تو دو۔''

وارث علی کم عمر، نئی نویلی دلہن کے چونچلے کررہا تھا اور ستارہ کا جیسے دم گھٹنے لگا تھا۔ آخر جبر کی بھی کوئی انتہا

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہوتی ہے۔ اسے کیا خبر تھی کہ جبر کی یہ گھڑیاں تو اب اس کا مقدر بن چکی ہیں۔ بہر حال اسے زبردستی مسکرانا تو تھا۔ اظہار تو کرنا تھا کہ اس نے وارث علی کی معافی قبول کرلی...... اور اب وہ اس سے خفا نہیں ہے۔

ستارہ کو مسکراتے ہوئے دیکھ کر وارث علی بھی بڑی خباثت سے مسکرایا۔ وہ تو پیسہ پھینک کر عورت خریدتا تھا۔ اس نے کب کسی عورت کی منتیں، خوشامدیں کی تھیں لیکن اس لڑکی نے اسے زندگی کے ایک نئے ذائقے سے آشنا کرادیا تھا۔

''آئندہ گھر سے اس طرح موڈ خراب کر کے مت جایئے گا۔ میں نے آج کچھ بھی نہیں کھایا۔ پریشانی میں میری بھوک اڑ جاتی ہے۔'' ستارہ نے بھی ادائے محبوبانہ کا برمحل مظاہرہ کیا۔ چھپ چھپ کر ٹی وی دیکھنے سے اتنا تو سیکھ ہی لیا تھا۔

''اوہو...... ہو...... ارے میری اتنی پیاری بیوی بھوکی بیٹھی ہے، لعنت ہو مجھ پر...... خالی پیٹ بھی کبھی پیار ہوا ہے......؟ ارے یہ پیار ویار تو بھرے پیٹ کی مستیاں ہیں...... کبھی کسی نے کسی فاقہ کش کے منہ سے روٹی کے بجائے پیار ویار کا لفظ سنا ہے؟ دھت تیرے کی...... چلو اٹھو میں تمہیں فائیو اسٹار ہوٹل میں کھانا کھلاتا ہوں ......رات تو اپنی ہے...... پہلے کھانا پھر گانا۔''...... وہ اب بڑے موڈ میں نظر آرہا تھا۔ فائیو اسٹار ہوٹل کی روشنیاں ستارہ کی آنکھوں میں چمکنے لگیں۔

☆☆☆

صبح، صبح جابر علی تیار ہوگیا تھا۔ اتنی صبح وہ آفس کے لیے کبھی نہیں نکلتا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ گھر سے بھاگ نکلنا چاہتا ہو۔ صابرہ کی الجھن بدستور تھی۔ اس نے بنا کوئی بات کیے ناشتا ٹیبل پر لا کر رکھ دیا تھا پھر جابر علی کی طرف یوں دیکھا تھا جیسے وہ اس کے بولنے کی منتظر ہو مگر جابر علی کے ہونٹوں پر تو جیسے تالے پڑے ہوئے تھے۔

''آج آپ بڑی جلدی جا رہے ہیں...... خیریت تو ہے؟'' صابرہ نے آخر خود ہی ہمت کر کے بات شروع کی۔

''ہاں...... ہاں...... ایک ایمرجنسی چل رہی ہے، رات سے فون آرہے تھے مگر میں نے سر درد کا بہانہ کردیا...... اس لیے جلدی جانا پڑ رہا ہے۔ شبینہ کالج جانے کے لیے تیار ہوگئی ہے؟''

''کالج......؟'' صابرہ نے چونک کر جابر علی کی طرف دیکھ کر کہا۔ جابر علی پتا نہیں کتنے عرصے بعد صابرہ سے بالکل نارمل انداز میں اور عام سے لہجے میں بات کر رہا تھا۔

''ہاں بھئی...... کالج...... بہت چھٹیاں کرلیں اس نے پڑھنا نہیں ہے کیا......؟''

''وہ میں سمجھی...... کہ شاید...... اسے اب کالج نہیں جانا...... میں نے خود ہی منع کردیا تھا کہ چھوڑو کالج والج...... تمہارے ابا جان کو شاید اچھا نہیں لگتا۔''

''تم تو ہو ہی بے وقوف عورت...... ارے بھئی اگر مجھے اچھا نہیں لگتا تو میں داخلہ کیوں دلاتا......؟ اٹھاؤ اسے اور کالج بھیجو...... آج کل کم پڑھی لکھی لڑکیوں کا کوئی حساب کتاب ہی نہیں بنتا...... بندے کے پاس پیسہ نہ ہو جہیز دینے کے لیے کم از کم اپنی اولاد کو اچھی تعلیم تو دے دے۔'' جابر علی نے نوالہ توڑتے ہوئے صابرہ کی طرف دیکھا۔

صابرہ کے لیے یہ جملہ انتہائی حیران کن تھا چونکہ جابر علی نے بچوں کو پڑھائی سے تو کبھی نہیں روکا تھا لیکن ان قیمتی خیالات کا اظہار بھی پہلے کبھی نہیں کیا تھا۔ وہ تو جیسے ریشہ خطمی سی ہوگئی بلکہ ایک طرح سے شادیِ مرگ کی

کیفیت طاری ہوگئی۔

''ابھی اٹھاتی ہوں اسے بھیجتی ہوں، میں تو خود چاہتی ہوں کہ وہ آگے پڑھے...... ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ...... لڑکی کے پاس ساتھ لے جانے کے لیے بہت سارا جہیز ہو نہ ہو کم از کم اچھی تعلیم ضرور ہونی چاہیے۔ سسرال میں پڑھی لکھی لڑکی کی پھر بھی عزت ہو جاتی ہے۔'' وہ یہ سب بولتی ہوئی کمرے سے باہر چلی گئی۔ جابر علی نے جاتی ہوئی صابرہ کی طرف دیکھا اور اس کے سامنے ایک دم ستارہ آ کھڑی ہوئی۔ نوالہ جو منہ میں تھا زہر بن کر اس کے حلق سے نیچے اترنے لگا۔ اتنے بڑے رئیس سے نکاح کیا اور بیٹی نے یہ صلہ دیا گھر آئے باپ کی کھڑے، کھڑے وہ تذلیل کی جو وہ قبر میں اترنے تک بھول ہی نہیں سکتا تھا۔

☆☆☆

''اتنی موٹی موٹی کتابیں آپ کا خون چوس لیں گی، آپ کو آخر سوجھی کیا......؟ کوئی فائدہ نہیں ہوتا عورت کو پڑھنے وڑھنے سے...... بس ایک دن اسے بچے ہی پالنے ہوتے ہیں۔'' گل جان اپنے بالوں کی چوٹی کو بل دیتی ہوئی دھپ سے مہر جان کے برابر میں آ کر بیٹھ گئی تھی۔ مہر جان نے کتاب سے لمحے بھر کے لیے نظریں اٹھا کر گل جان کی طرف دیکھا۔

''ہاں...... تو...... تم ہو ناں بچے پالنے کے لیے......'' یہ کہہ کر وہ پھر کتاب پر نظریں دوڑانے لگیں۔ گل جان نے شریر مسکراہٹ کے ساتھ مہر جان کی طرف دیکھا تھا۔

''ارے میں اپنے بچے پالوں گی یا آپ کے......؟''

''بھئی اگر اپنے بچوں کے ساتھ ساتھ تم نے بہن کے بچے بھی پال دیے تو کوئی احسان تو نہیں ہے ناں؟ وہ پنجابی کی ایک کہاوت ہے ناں، ماں مرے ماسی جیے...... یعنی خالہ جو ہوتی ہے وہ ماں کا نعم البدل ہوتی ہے۔''

''اب آپ اتنا سارا کام میرے سر نہ لگائیں۔ مجھے اپنے کام کیا تھوڑے ہوں گے۔ پتا نہیں آپ سے ملنے کی فرصت بھی ملے گی یا نہیں...... آپ بچے پالنے کی بات کر رہی ہیں۔'' گل جان اسی طرح شریر انداز میں مسکراہٹ روک کر مہر جان کی طرف دیکھ کر کہہ رہی تھی۔

''تم نے تو بڑی بے مروتی دکھائی، میں تو یہ سمجھ رہی تھی کہ تمہیں تو کوئی کام ہی نہیں ہوگا...... چلو بچے تم سے پلوا لیں گے۔''

''فالتو نہیں ہوں میں......'' گل جان نے جیسے ٹکا سا جواب دیا۔

''میں تو کہتی ہوں اب بھی سوچ لیں۔ بات آگے نہیں بڑھی، چھوڑ دیں یہ پڑھائی وڑھائی...... اصیل خان کو ویسے بھی شادی کی جلدی ہے۔'' گل جان نے جان بوجھ کر اصیل خان کا نام لے کر جیسے مہر جان کو چھیڑا تھا۔

''اسے تو ہر کام کی جلدی رہتی ہے، اندر آتا نہیں ہے...... جانے کی جلدی رہتی ہے۔ فون کرتا ہے تو بات ختم کرنے کی جلدی رہتی ہے۔ دبئی جاتا ہے تو صبح کو ہی واپس آچکا ہوتا ہے، کوئی کام کرتے ہوئے صبر دیکھا ہے تم نے اس میں؟ اتنا بے صبرا انسان میں نے تو آج تک نہیں دیکھا۔'' مہر جان یہ کہہ کر پھر کتاب پر نظریں دوڑانے لگیں۔

''بی بی جان...... سچی کہہ رہی ہوں میں، چھوڑ دیں یہ سب کچھ...... یہ ساری موٹی موٹی کتابیں ناں آپ کا سارا رنگ روپ چھین لیں گی۔ جب آپ کی شادی ہوگی ناں تو دلہن بن کے روپ بھی نہیں آئے گا بلکہ ہوسکتا ہے کہ آپ کو دو مہینے parlour جانا پڑے...... اپنی polish کرانے کے لیے، سروس کرانے کے

WWW.PAKSOCIETY.COM

لیے۔'' گل جان نے پھر چھیڑ چھاڑ کی۔

''بہت فکر ہے تمہیں میری...... ارے بھئی تمہیں ٹینشن لینے کی ضرورت نہیں ہے اگر تمہارا کوئی اچھا رشتہ مل گیا ناں...... تو پہلے تمہاری شادی ہو جائے گی اپنی وجہ سے تمہیں ویٹ نہیں کرنے دوں گی۔'' مہر جان نے بھی جیسے گل جان کا حساب چکایا۔

''بی بی جان...... میں تو آپ کے پاس اس لیے آئی تھی کہ وہ جو میرے نئے ڈریس سل کے آئے ہیں ناں ایک نظر وہ دیکھ لیں...... سچی بہت پیارے بنے ہیں......''

''دماغ خراب ہے میرا...... یعنی میرے امتحان ہونے والے ہیں، میں اپنی پڑھائی چھوڑ دوں اور تمہارے وہ بے وقوفوں والے کپڑے جا کر دیکھوں۔ لال، نیلے، ہرے، پیلے ایک تو تم اتنے فاسٹ کلر پہنتی ہو ناں کہ دیکھ کر چکر آنے لگتے ہیں مجھے...... اب جاؤ...... اور اپنے کپڑے پہن پہن کر آئینے میں خود کو دیکھ لو۔''

''لیکن بی بی جان......! اس طرح میرے پیٹ کا درد ٹھیک نہیں ہوگا۔ سچی...... اچھے کپڑے پہن کر جی چاہتا ہے ناں کہ کوئی دیکھے۔'' گل جان نے بڑی معصومیت سے مسکرا کر اور بڑی منت کے انداز میں جیسے مہر جان سے کہا تھا۔

''ایسا کرو کچن میں جاؤ...... فریج سے ہاضمے کی گولیاں نکالو...... دو گولیاں کھاؤ...... پیٹ کا درد اچھا خاصا کم ہو جائے گا...... اور ہاں سنو...... آئندہ جب دیکھو ناں کہ میں اسٹڈی میں بزی ہوں تو میرے پاس مت آنا...... سارا موڈ غارت ہو جاتا ہے۔ تم نے بھی کچھ ڈھنگ سے پڑھا ہوتا تو کسی پڑھنے والے کا احساس ہوتا...... سمجھ آ جاتا کہ اسٹڈی کسے کہتے ہیں۔''

''اب اتنی بھی جاہل نہیں ہوں بی بی جان میں، بارہ تو پڑھی ہیں ناں......!''

''ہاں...... بہت بڑا احسان کیا ہے تم نے بارہ پڑھ کر بھئی جو لوگ پرائیویٹ پڑھتے ہیں ناں...... ان میں بڑی کمی ہوتی ہے اور وہ کمی ہوتی ہے استاد کی کمی...... جو بندہ استاد سے سیکھتا ہے ناں، وہ کسی اور سے نہیں سیکھ سکتا۔ اسی لیے ریگولر پڑھنے والوں اور پرائیویٹ پڑھنے والوں میں بہت فرق محسوس ہوتا ہے۔''

''آپ ہر وقت بس اپنی پڑھائی کا رعب مت جمایا کریں مجھ پر...... اب...... آپ تو ہر وقت ہی پڑھتی رہتی ہیں۔ کس وقت بات کروں میں آپ سے؟ ایپلیکیشن لکھ کر دیا کروں کہ برائے مہربانی دو منٹ کے لیے پڑھائی بند کر دیں اور مجھ غریب کی ایک بات سن لیں۔''

''اور مجھے پتا ہے تم غریب کی بات کیا ہوگی؟'' مہر جان کا ذہن اب کتاب سے تو ہٹ ہی چکا تھا۔ اسے گل جان پر غصہ بھی آ رہا تھا اور پیار بھی...... بے وقوف ہی اتنی تھی بس اپنے دل سے غرض تھی اور اپنے دل کی باتوں سے غرض تھی۔ اتنی صلاحیت ہی نہیں تھی کہ سامنے والے کے جذبات کو بھی سمجھنے کی کوشش کرے۔

''آپ مجھے تو بڑے آرام سے جھاڑ پلا دیتی ہیں۔ دیکھوں گی جب اصیل خان آپ کے ہاتھ سے کتاب لے کر کہے گا بس کرو میرے ساتھ بیٹھ کر اچھی سی فلم دیکھو......'' گل جان نے اب بہن سے چھیڑ چھاڑ کی۔

''جب کہے گا تب دیکھوں گی...... مگر اتنی ہمت نہیں ہوگی اس میں؛ اسے میرے موڈ میرے مزاج کا اچھی طرح پتا ہے، زیادہ تنگ کرے گا تو ٹی وی اٹھا کر باہر روڈ پر پھینک دوں گی۔'' مہر جان نے بڑے غرور اور اعتماد سے کہا۔

''بس پھر تو آپ کے گھر میں ٹی وی ٹوٹا کریں گے اور نئے آیا کریں گے کیونکہ وہ بھی آپ کی طرح اڑیل اور ضدی ہے۔'' گل جان نے ہنستے ہوئے مہر جان کے گلے میں اپنی بانہیں ڈال دیں۔

''ہوگا اڑیل مگر مجھ سے زیادہ نہیں ہو سکتا......'' مہر جان نے خود کو گل جان کی بانہوں کی گرفت سے آزاد کراتے ہوئے بڑی شانِ بے نیازی سے جواب دیا۔

''یہ تو ہے...... بے چارہ اصیل خان غلطی سے کبھی آپ سے اگر روٹھ گیا آپ تو کبھی اسے منائیں گی بھی نہیں، آپ کو تو منانے کی نہیں منوانے کی عادت ہے ناں......!'' گل جان نے جیسے اصیل خان کے مستقبل کو تصور کی آنکھ سے دیکھتے ہوئے بڑے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔

''وہ ایسی غلطی کبھی نہیں کرے گا۔ تمہارے اور بابا کی طرح وہ بھی مجھے بہت اچھی طرح جانتا ہے۔'' مہر جان کا فطری اعتماد اسی طرح بولے جانے والے حرف، حرف میں سانس لے رہا تھا۔ اب گل جان اس کی طرف بڑی تشویش بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

☆☆☆

جابر علی حیرت کی آخری حد کو چھو چکا تھا۔ اس کی نظریں کانسٹیبل کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ بے دھڑک بولنے کا عادی اور بے خوف الفاظ استعمال کرنے کا خوگر......

''سر بس آپ کو یہی کہہ سکتا ہوں کہ ہم ریڈ کرنے کا تو سوچ بھی نہیں سکتے۔'' کانسٹیبل نے اپنی بات دُہرائی تو خاموشی کے پُرسکوت سمندر میں ارتعاش پیدا ہوا۔ اب اس نے خود کو سنبھالا اور غصے کی لہریں دباتے ہوئے گویا ہوا۔

''کیوں......؟ اُدھر دوسرے ملک کا بارڈر لگتا ہے؟''

''یہی سمجھ لیں سر...... وہ سب انسپکٹر خان محمد اسی لیے چھٹیوں پر چلا گیا ہے۔'' کانسٹیبل نے سر جھکا کر بڑے مؤدبانہ انداز میں کہا تھا۔

''مجھ سے اشاروں میں بات کرنے کی ضرورت نہیں ہے، صاف صاف بولو...... مسئلہ کیا ہے؟'' جابر علی اب اپنی فارم میں واپس آ گیا تھا۔ اس کے تیور کڑے تھے اور آنکھوں میں غصے کی کیفیت بہت واضح تھی۔

''سر بات...... ایس پی تک پہنچے گی اور میری پیٹی اتر جائے گی۔ آپ کے داماد وارث علی، ایس پی صاحب کے دوست ہیں اور وہ علاقہ ان کے ہاتھ میں ہے۔ آپ اُدھر ٹیم بھیجنے کی تیاری نہ کریں بلکہ سوچیں کہ کوئی آرڈر ملا ہی نہیں۔'' کانسٹیبل بولتا جا رہا تھا اور جابر علی نئے سرے سے حیرت کے سمندر میں غوطے لگا رہا تھا۔

''میرے داماد وارث علی کا علاقہ......؟'' وہ بہ مشکل گویا ہوا تھا۔

''یس سر......!'' کانسٹیبل اسی طرح مؤدبانہ انداز میں گویا ہوا تھا۔

''کیا بکتے ہو......؟ وہ تو ہیوی مشینری کے spare parts کا بزنس کرتا ہے۔ علاقوں ولاقوں سے اس کا کیا تعلق؟ مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہی...... اوہ بھائی...... اس وقت تمہاری بات میرے علاوہ اور کوئی نہیں سن رہا، ڈرنے کی ضرورت نہیں جو معاملہ ہے کھل کر بولو۔ وہ میرا مسئلہ ہے کہ میں کیا کرتا ہوں۔'' جابر علی اس سے زیادہ شاید برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ ایک دم چلّانے لگا۔

''ڈر تو لگتا ہے ناں سر...... چھوٹے چھوٹے بچے ہیں میرے، فیملی کا واحد سہارا ہوں اور آپ کو پتا ہے آج روزگار ملنا کتنا مشکل ہو گیا ہے۔'' کانسٹیبل کھسیاتے ہوئے بولا۔

جابر علی اب دم بخود سا ہو کر اس کی شکل دیکھنے لگا۔ اس کی تمام حسیات مجتمع ہو کر اسے بتا رہی تھیں کہ معاملہ بہت گڑبڑ ہے مگر وہ جابر علی ہی کیا جو اتنی آسانی سے ہار مان لیتا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

"علاقے تو گداگروں یا نمبریوں کے ہوتے ہیں۔ وارث علی کے علاقے سے تمہارا مطلب کیا ہے؟ ذرا یہ بات مجھے سمجھادو۔" اب اس نے ایک، ایک لفظ پر زور دے کر کہا تھا۔ کانسٹیبل نے نظریں اٹھا کر جابر علی کی طرف دیکھا پھر ہچکچاتے ہوئے بولا۔

"سر......! ان کا کوئی ایک بزنس تو نہیں ہے اور اب تو وہ آپ کے داماد ہیں، مجھ سے زیادہ تو اب ان کے بارے میں آپ کو پتا ہوگا۔"

"خاک پتا ہے مجھے......" جابر علی نے غصے کی شدت کو سنبھالتے ہوئے ایک دم بات کاٹ دی تھی۔

"وہ سر......" کانسٹیبل نے پھر کچھ کہنے کی کوشش کی مگر جابر علی نے فوراً تیزی سے اس کی بات کاٹ دی تھی۔

"دیکھو میرے پاس اوپر کے آرڈر ہیں، ایس پی صاحب کے پاس سے گزرے بغیر میرے پاس کیسے آسکتے ہیں، ذرا کچھ اپنی عقل سے کام لو، یعنی میں اوپر کا آرڈر بھی disobey کروں اور ایس پی صاحب کو بھی disobey کروں تو نوکری تمہاری نہیں میری خطرے میں ہے۔ اب تم مجھے سمجھاؤ اور جو کچھ بھی ہے کھل کر بولو۔ کوئی ضرورت نہیں ڈرنے کی، تم بے گناہ ہو۔ بے قصور ہو تو میں تمہارا نام بیچ میں آنے ہی نہیں دوں گا جو کچھ کرنا ہوگا اپنے بل بوتے پر اپنی ذمے داری پر کروں گا مگر تبھی کروں گا ناں جب تم مجھ سے کھل کر بات کرو گے...... اب صاف صاف بتاؤ کہ کیا مسئلہ ہے؟"

"سر وہ...... میری زبان ساتھ نہیں دے رہی...... آپ میری مجبوری کو سمجھیں...... آپ ریڈ کرنے نہ جائیں......" کانسٹیبل پھر ڈرتے ڈرتے گویا ہوا...... جابر علی نے پھر اسے کڑے تیور کے ساتھ گھورا۔

"تم میرے باس ہو یا میں تمہارا باس ہوں؟ میں کام کرنے جارہا ہوں تم مجھے ڈیوٹی کرنے سے منع کررہے ہو، مجھے لگتا ہے تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے جاکر کسی دماغ کے ڈاکٹر سے اپنا علاج کرواؤ اور مجھے اپنا کام کرنے دو۔"

"سر میں اتنی عرض کروں گا کہ آپ ایس پی صاحب سے خود بات کرلیں...... انہوں نے مجھے آپ کے پاس بھیجا تھا۔" کانسٹیبل نے گویا پھر ایک نیا دھماکا کیا...... جابر علی پر نئے سرے سے حیرت کا دورہ پڑا۔

"یار کیا مسئلہ ہے؟ یعنی ایس پی اپنا آرڈر پاس کرنے کے لیے تمہیں استعمال کررہے ہیں۔ اوہ بھئی مجھ سے کیا پردہ ہے، خیر......"

"سر...... آپ خود بات کریں...... انہوں نے جو حکم دیا میں آپ کے پاس آگیا اور بتادیا۔ انہوں نے تو مجھے بس یہی کہا تھا کہ جابر علی کو وہاں نہ جانے دو۔ اسے کہو بھلے اوپر سے آرڈر آیا ہے، تمہارا وہاں کوئی کام نہیں ہے۔"

جابر علی نے یہ سن کر ایک نظر کانسٹیبل پر ڈالی...... پھر ایک جھٹکے سے اپنی کرسی سے کھڑا ہوگیا...... بیلٹ درست کی، ٹیبل سے اپنی کیپ اٹھا کر سر پر رکھی پھر چھڑی اٹھاتے ہوئے کانسٹیبل سے گویا ہوا۔

"جاؤ...... جاکر تم اپنا کام کرو...... اور آئندہ کسی باس کا آرڈر لے کر میرے پاس مت آنا...... سمجھے......؟ یہ چمچہ گیری تمہیں واقعی نوکری سے فارغ کرادے گی۔ سمجھ گیا میں...... تمہیں ایس پی سے کچھ نہ کچھ ضرور ملتا ہوگا۔" یہ کہہ کر وہ بڑی تیزی سے اپنے کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔ کانسٹیبل بجائے اس کے... خوش ہوتا کہ جان چھوٹ گئی الٹا پریشان دکھائی دینے لگا تھا۔

☆☆☆

"بیٹا مجھے تو رات سے بہت فکر ہورہی ہے، تمہارے ابا کے ساتھ کوئی مسئلہ ہے۔ وہ کبھی اتنی دیر تک

خاموش نہیں رہے اور کوئی دن ایسا نہیں گزرا جس دن انہوں نے غصہ نہ کیا ہو۔"

"امی چھوڑیں...... آپ کیوں پریشان ہورہی ہیں؟ ہوسکتا ہے۔ ابا جان پر کام کا برڈن بہت زیادہ ہو...... آج کل حالات ہی ایسے ہیں۔ آپ کو تو پتا ہے ناں پولیس ڈیپارٹمنٹ پر کتنا پریشر ہے۔" شبینہ نے ماں کو تسلی دی۔

"بیٹا...... پچیس سال سے زیادہ کا عرصہ ہوگیا ہے تمہارے باپ کے ساتھ رہتے ہوئے اور شادی کے بعد اس ملک میں ایسے ایسے حالات ہوئے، کرفیو تک لگے مگر تمہارے باپ کو اتنی دیر تک۔ میں نے خاموش کبھی نہیں دیکھا۔ یقین کرو...... میرا تو دل گھبرا رہا ہے، ہول اٹھ رہے ہیں۔" صابرہ اسی طرح متفکر لہجے میں کہہ رہی تھی۔ آج تو وہ ٹھیک طرح سے کوئی کام ہی نہیں کرپا رہی تھی۔ حالانکہ کل رات تک اس نے سوچا تھا کہ وہ جابر علی سے بات کرے گی کہ وہ انہیں ستارہ کے گھر لے کر جائے لیکن جابر علی کے انداز دیکھ کر اس کی ہمت ہی نہیں پڑی تھی۔

"امی بس آپ کو تو پریشان ہونے کی عادت پڑگئی ہے۔ ابا جان شور مچائیں تو آپ کو پریشانی...... وہ خاموش ہوجائیں تو آپ کو پریشانی...... ہوگا کوئی ان کے ڈیپارٹمنٹ کا مسئلہ...... آج آجائیں گے تو خود ہی اندازہ ہوجائے گا۔ اچھا میں اپنے کپڑے استری کرلوں۔ ہوسکتا ہے کہ آج ابا جان ہمیں ستارہ کے گھر لے جائیں۔" شبینہ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولی۔ صابرہ نے اس کی طرف دیکھا اور دل ہی دل میں سوچنے لگی۔

"کتنی معصوم ہے میری بیٹی...... بلکہ شاید اس عمر میں سب لڑکیاں ایسی ہی ہوتی ہیں خواب کی دنیا میں پہنچنے کے لیے دیر نہیں لگاتیں۔ جابر علی شاید ہمیں ستارہ کے ہاں کبھی لے کر نہیں جائیں گے تو کیا میری بچی میرے گھر سے واقعی ہمیشہ کے لیے رخصت ہوگئی؟ نہیں، نہیں اب میں ایسا کوئی سمجھوتا نہیں کروں گی کہ جیتے جی اپنی اولاد کے لیے تڑپتی، ترستی رہوں۔ آج آئیں گے تو میں ضرور بات کروں گی۔" صابرہ کے انداز میں ایک قطعی پن تھا۔ ارادے کی پختگی تھی۔ اولاد کی محبت کی قوت نے کم از کم اس کے اندر لمحے بھر کے ہی لیے اعتماد تو پیدا کیا تھا۔ وہ اعتماد جو آج سے پہلے اس کی ذات میں کبھی جھلکتا ہوا دکھائی نہیں دیا تھا۔

☆☆☆

"انسپکٹر جابر علی آم کھاؤ پیڑ گننے کی ضرورت نہیں۔" ایس پی بڑے خشک اور اجنبی لہجے میں جابر علی سے بات کررہا تھا۔ آن کی آن میں اس نے جیسے آنکھیں ماتھے پر رکھ لیں۔ جابر علی کو حیرت کے پے در پے جھٹکے لگ رہے تھے۔ آج تو جیسے اس کے دماغ کی چولیں ہل کر رہ گئی تھیں۔ وہ بولے بنا تو نہیں رہ سکتا تھا۔ بات تو ڈیوٹی کی تھی جو اسے ادا کرنی تھی۔ جس کے لیے اس کے پاس آرڈرز آچکے تھے۔

"لیکن سر......! اصول اور انصاف کی بات ہے، آپ کلیئر تو کیجیے جو کچھ میں نے سنا ہے وہ غلط ہے یا صحیح......؟" ایس پی نے پھر بڑی بے مروتی سے جابر علی کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لینے کی کوشش کی اور سپاٹ لہجے میں گویا ہوا۔

"نوکری نہیں کرنی جابر علی......؟ یہ چھوٹی موٹی بے اصولیاں تو سمجھو نوکری کا حصہ ہوتی ہیں۔" اس نے لتاڑنے والے انداز میں بات کی تھی جابر علی تو اس کے انداز دیکھ کر ہی حد سے زیادہ پریشان ہوچکا تھا۔ اسی پریشانی کی کیفیت میں اس نے اٹک اٹک کر بولنے کی کوشش کی تھی۔

"لیکن سر! میں نے تو آج تک کوئی بے اصولی نہیں کی...... آپ کتنی ہی چھان بین کرلیں، انشاءاللہ

WWW.PAKSOCIETY.COM

........میرے ہاتھ آپ کو صاف ہی ملیں گے تو اب بے اصولی کیوں کروں......؟ ایسی کیا مجبوری ہے کہ میں اپنی زندگی بھر کی محبت ضائع کر دوں۔“

”بہت سخت مجبوری ہے، جابر علی کیونکہ اب بیٹی کا معاملہ ہے۔“

”کس کی بیٹی کا......؟“ جابر علی نے بہ مشکل خود کو سنبھالتے ہوئے قدرے انجان بن کر ایس پی کی طرف دیکھا تھا۔

”میری بیٹی تو بہت چھوٹی ہے، ظاہر ہے میں تمہاری بیٹی کی بات کر رہا ہوں۔ تمہاری وہ بیٹی جو وارث علی کے گھر میں آج عیش کر رہی ہے، ایک رات میں جس کا سوشل اسٹیٹس اتنا ہائی ہو گیا ہے کہ اس کا شمار ہائی جینٹری میں ہو گیا ہے، تم اپنی بیٹی کی خاطر تو کمپرومائز کرو گے ناں...... دیکھو یار یہ تو بڑی عزت کی بات ہوتی ہے بس اب میں تم سے اس سے زیادہ بات نہیں کروں گا۔ تم جا کر اپنا کام کرو اور اوپر کے آرڈر کا کیا کرنا ہے؟ وہ میں دیکھ لوں گا۔ بس تم بیچ میں ٹانگ مت اڑانا۔“

جابر علی نے اپنے پھڑکتے ہوئے دل کو بڑی مشکل سے سنبھالا۔ اس کی شریانوں میں جوار بھاٹا اٹھ رہا تھا۔ وہ اب سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں سمجھ گیا تھا کہ اس کے ساتھ بہت بڑا دھوکا ہوا ہے۔ وہ ایک دم اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔ اور سارے ادب آداب بالائے طاق رکھ کر اپنے مخصوص انداز میں پھٹ پڑا۔

”میرے ساتھ دھوکا ہوا ہے سر......“ ایس پی نے جابر علی کی طرف دیکھا اور طنزیہ مسکرایا۔

”خواہ مخواہ بات بڑھا رہے ہو جابر علی، کوئی فائدہ نہیں۔“

”میرا ہارٹ فیل ہو جائے گا، میں نے آج تک ایک پائی رشوت کی نہیں لی۔ اپنی اولاد کو حق حلال کی روٹی کھلائی ہے، میں بے ایمانی اور بے اصولی پر کمپرومائز نہیں کروں گا سر...... یہ میری آخری بات ہے۔ آپ چاہیں تو اپنی پیٹی اتار کر ابھی رکھ دیتا ہوں۔ اس سے پہلے کہ آپ یا کوئی اور مجھ سے یہ مطالبہ کرے۔“ جابر علی نے اپنی فطری انتہاپسندی کا مظاہرہ کیا تھا۔

”بے وقوف انسان...... وقت کے ساتھ ساتھ چلنا چاہیے...... اپنی تو تم نے جیسے تیسے گزار لی...... اب اپنی اولاد کی زندگی تو خراب مت کرو...... تم ان بچوں کو عیش کرا سکتے تھے مگر تم نے انہیں سوائے دال روٹی کے کچھ نہیں دیا وہ اِس دنیا میں رہتے ہیں۔ آج کی دنیا جو satellite کے ذریعے ہمارے گھروں میں آ چکی ہے۔ ہماری مٹھی میں بند ہے میں اندازہ کر سکتا ہوں کہ تم نے اپنی اولاد کو کتنی گھٹن میں پالا ہو گا۔ ایک، ایک چیز کے لیے وہ ترسے ہوں گے۔ حالانکہ تم چار کنال کی کوٹھی میں ان کو رکھ سکتے تھے۔“

ایس پی نے اپنی دانست میں جابر علی کو قائل کرنے کے لیے اپنے عہدے کا بڑا جائز استعمال کیا تھا کیونکہ اس کے سامنے جابر علی کھل کر اس طرح نہیں بول سکتا تھا جتنا کسی اپنے ہم پلہ کولیگ کے ساتھ بات کر سکتا تھا لیکن جابر علی نے اس وقت اس کے خیالات کے بالکل الٹ مظاہرہ کیا۔

”سر میرے اور میری اولاد کے معاملات میں بولنے کا حق آپ کو نہیں ہے۔ آپ مجھ سے صرف وہ سوال کریں جس کا تعلق پولیس ڈیپارٹمنٹ سے ہو۔ آپ کس ناتے میری اولاد سے ہمدردی کر رہے ہیں؟ میری اولاد فاقے مر جاتی تو بھی آپ کو اس سے کوئی مطلب نہیں ہونا چاہیے تھا۔ ایک تو میرے ساتھ آپ نے دھوکا کیا ہے اوپر سے بے ایمانی کے حق میں مجھے lecture بھی دے رہے ہیں۔“

”اپنی اوقات میں رہ کر بات کرو جابر علی، میں تمہارا باس ہوں۔“ ایس پی نے ٹیبل پر زور سے ہاتھ مار کر

کہا تھا۔ جابر علی نے ایس پی کی طرف دیکھا پھر بہت تحمل کے ساتھ مخاطب ہوا۔ جیسے اس نے چند سیکنڈز میں کچھ سوچ لیا تھا۔

”سر آپ میرے باس ہیں...... اس چھت کے نیچے...... آپ مجھے نوکری سے نکلوا سکتے ہیں، مجھے پروا نہیں، مجھ پر جھوٹا کیس بنوا سکتے ہیں، مجھے پروا نہیں لیکن جو آرڈر مجھے ملا ہے میں اس پر عمل کرنے کا پابند ہوں۔ یہ میری ڈیوٹی ہے آپ اپنا کام کیجیے اور میں اپنا کام کرنے جا رہا ہوں۔ میں نے وارث علی کے ساتھ اپنی بیٹی کا نکاح کیا ہے اپنی بیٹی کو فروخت نہیں کیا۔“ یہ کہہ کر وہ تیزی سے بغیر salute کیے باہر نکل گیا تھا۔ ایس پی کے تو تن بدن میں جیسے شعلے بھڑک رہے تھے۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جابر علی اسے دہکتی ہوئی دوزخ میں الٹا لٹکا کر چلا گیا ہو۔

☆☆☆

کائناز اور روما دونوں برہان کے سامنے بیٹھی تھیں۔ برہان force کے چیپٹر پر کوئی نوٹ لکھوا رہا تھا۔ کائناز کا ہاتھ بڑی تیزی سے چل رہا تھا جبکہ روما کے لکھنے کے انداز میں بہت آہستگی تھی۔ جیسے وہ بہت بنا بنا کر لکھ رہی ہو۔ برہان اس کی اسپیڈ دیکھتے ہوئے بہت آہستہ، آہستہ بول رہا تھا۔ دل ہی دل میں اسے خاصی کوفت ہو رہی تھی کیونکہ کائناز کے معاملے میں روما بہت سستی دکھا رہی تھی لیکن روما کے چہرے پر پھیلی ہوئی معصومیت میں بڑی مقناطیسیت تھی۔ وہ اسے ٹوکتے ٹوکتے رک جاتا تھا اور پھر لکھوانا شروع کر دیتا تھا۔

کائناز کا قلم اسی طرح بڑی تیز رفتاری سے کاغذ پر لکھتا جا رہا تھا اور اس کا لکھا ہوا برہان کو نظر بھی آ رہا تھا جبکہ روما نے اپنی نوٹ بک کو اس طرح سے پکڑا ہوا تھا کہ برہان کو اس کا لکھا ہوا نظر نہیں آ سکتا تھا۔

”بی بی...... آپ تھوڑی اسپیڈ پکڑیں......“ آخر کار اس کے منہ سے نکل ہی گیا۔

”جی سر کیا پکڑوں؟“ روما اپنے کسی گہرے خیال سے چونک کر برہان کی طرف دیکھنے لگی۔ اس کی نظروں کا خالی پن صاف بتا رہا تھا کہ وہ سرے سے ماحول میں موجود ہی نہیں ہے۔ اس کا ذہن تو کہیں اور ہی پہنچا ہوا ہے۔

”سر اس کا نام روما ہے، بی بی نہیں ہے۔“ کائناز نے الگ سے اپنی افلاطونیت جھاڑی۔

”جی، جی ٹھیک ہے وہ...... روما پلیز آپ تھوڑا سا تیز لکھیں، دیکھیں اتنا سلو لکھیں گی تو آپ کو امتحان میں بھی پرابلم ہوتی ہو گی۔ آپ کو پتا ہے ناں امتحان میں محدود ٹائم ہوتا ہے اور اس میں آپ کو بہت کچھ لکھنا ہوتا ہے۔“ روما اب بری طرح گھبرا گئی تھی۔

”جی سر! جی سر......! سر میں لکھ رہی ہوں آ...... آ...... آپ پلیز لکھوایئے۔“

کائناز نے ذرا سا سر اونچا کر کے روما کا لکھا ہوا دیکھنے کی کوشش کی تھی۔ روما نے جلدی سے اپنی نوٹ بک اس طرح سینے کے ساتھ لگا لی جیسے وہ کائناز سے چھپانے کی کوشش کر رہی ہو...... کائناز کو اس کے اس انداز پر بڑی حیرت ہوئی تھی۔ وہ مسکرا کر روما کی طرف دیکھنے لگی۔

”ارے! میں کون سا تمہارا dictation ٹھیک کر رہی ہوں۔ مجھ سے کیوں چھپا رہی ہو؟ دکھاؤ ناں کیا لکھا ہے؟ کہیں بہت پیچھے تو نہیں رہ گئی ہو؟“ اس نے بولتے بولتے بڑی سرعت سے روما کے ہاتھ سے اس کی نوٹ بک لے لی تھی۔ کائناز کی اس حرکت سے روما بری طرح سٹپٹا گئی تھی بلکہ رونے والی ہو گئی تھی۔

”کائناز یہ بہت غلط بات ہے، تم میری نوٹ بک مجھے واپس دو۔“ اس نے کائناز کے ہاتھ سے اپنی

WWW.PAKSOCIETY.COM

نوٹ بک لینے کی کوشش کی۔ برہان نے جیسے زچ ہو کر اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی اپنی نوٹ بک ٹیبل پر رکھ دی تھی اور سینے پر ہاتھ باندھ کر بڑے جتانے والے انداز میں اُن کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

''کائناز پلیز...... دو ناں......'' روما کائناز سے نوٹ بک چھیننے کی کوشش کر رہی تھی اور کائناز اس سے نوٹ بک بچانے کی کوشش کرتے ہوئے دور ہٹ رہی تھی۔

''دیکھیں، اگر آپ لوگ اسٹڈی میں سیریس نہیں ہیں تو مجھے بتا دیں۔ میں شاہ صاحب سے بات کر لیتا ہوں۔ اس طرح سے تو پڑھائی نہیں ہو سکتی۔ میرا خیال ہے آپ دونوں کو الگ الگ پڑھنا چاہیے۔'' برہان نے قدرے برا مان کر دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ روما گھبرا کر ایک دم سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ اس کے چہرے پر بڑی بے بسی کی کیفیت تھی۔ کائناز نے روما کی نوٹ بک پر نظر دوڑائی تو اس کی حیرت سے آنکھیں پھیل گئیں کیونکہ اس کے سامنے مہندی کے بہت خوب صورت ڈیزائن بنے ہوئے تھے اور کچھ لکھا ہوا نہیں تھا۔ اس نے حیرت اور اچنبھے کی کیفیت میں روما کی طرف دیکھا اور بے وقوفوں کی طرح بے سوچے سمجھے بول پڑی۔

''ارے، تم مہندی کے ڈیزائن بنا رہی تھیں۔ لکھ نہیں رہی تھیں؟ روما کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ اُف میرے خدایا۔ کیا ہو گا تمہارا؟ سر یہ تو مہندی کے ڈیزائن بنا رہی ہے۔ شاید اس کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ اس کا موڈ نہیں ہے۔ میں اسے زبردستی لے آئی تھی ناں......'' کائناز جلدی جلدی بولنے لگی۔ اسے تو حیرت بھی تھی اور کوفت بھی۔ یہ خیال نہیں تھا کہ اس وقت وہ اپنی دوست کو انجانے میں برہان کے سامنے ڈی گریڈ کر رہی ہے۔ شرمندگی کے مارے روما جیسے زمین میں گڑی جا رہی تھی۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ اپنی صفائی میں کیا کہے؟ کیونکہ چوری تو پکڑی جا چکی تھی۔ برہان بہت عاجز آئے ہوئے انداز میں دونوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے اپنے چہرے پر ایک بے بسی کی کیفیت بہت واضح تھی۔

کائناز نے برہان کی طرف دیکھا پھر بڑے شریر انداز میں گویا ہوئی۔

''سر! آپ یہ تو دیکھیں کتنا خوب صورت ڈیزائن بنایا ہے، پھول کتنے پیارے لگ رہے ہیں۔''

برہان نے کائناز کی طرف گھور کر دیکھا مگر فوراً ہی اپنی نظروں کا رخ بدل لیا۔ جانے اس لڑکی کی آنکھوں میں کیا جادو تھا شاید کوئی بھی دیر تک اس کی آنکھوں میں جھانک ہی نہیں سکتا تھا۔ بڑی پُراسرار کشش تھی۔ جس کا اندازہ اسے پہلے ہی دن ہو گیا تھا جبکہ روما کا پورا سراپا کچھ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے وہ کوئی سربستہ راز ہو۔ ایسا راز جس راز کو کھولنے کے لیے صدیوں کا سفر طے کرنا پڑے اور تجسس اور شوق کبھی ماند نہ پڑیں۔ زندگی بے انت سفر اور اٹل ارادے میں قید ہو کر رہ جائے۔ دوسرا کوئی کام نہ سوجھے۔ ایک مقصد، ایک لگن، ایک خیال اس... سربستہ راز کو کھولنے کے لیے کسی مرض کی طرح لاحق ہو جائے۔ وہ اپنی پہلی مرتبہ کی کیفیت سے فوراً ہی پیچھا چھڑا چکا تھا لیکن اس وقت جو صورتِ حال درپیش تھی دو خوب صورت اور مقناطیسی کشش رکھنے والی معصوم سی لڑکیاں اس کی فطرت کو للکار رہی تھیں۔

اس کی ثابت قدمی میں ارتعاش پیدا کر رہی تھیں جیسے اونچے اونچے پہاڑوں کے نیچے جب زلزلے کی ابتدا ہوتی ہے تو پہلے ارتعاش پیدا ہوتا ہے اور دوسرے مرحلے میں زمین ہلنے لگتی ہے۔ تیسرے مرحلے میں پہاڑ میں شگاف بھی پیدا ہو سکتا ہے وہ تو دوسرے مرحلے میں ہی جانے کا حوصلہ نہیں رکھتا تھا۔ تیسرا مرحلہ تو بہت بڑا امتحان تھا۔ وہ اپنے وجود کی کیفیات اور اپنے دل کی بے اعتدالی پر پریشان سا ہو گیا...... اب لازم تھا کہ وہ خود کو فوراً کنٹرول کرتا اور اپنے مقام کا تعین کر کے خود کو باور کراتا کہ اصل میں یہ لڑکیاں نہیں اس کی مجبوریاں ہیں۔

''سر! actually عید قریب ہے ناں تو یہ مہندی کے ڈیزائن بنا رہی ہے۔'' کائناز نے پھر شوخی کا مظاہرہ کیا۔ برہان نے اب خاصی حد تک خود پر کنٹرول کر لیا تھا۔ برا ماننے والے انداز میں گویا ہوا۔

''مجھے سامنے بٹھا کر آپ لوگ عید کی تیاریاں کریں گی؟''

''نہیں سر! آپ کے سامنے تو تیار ہو کر آئیں گے۔'' کائناز نے بڑی برجستگی سے کہا۔ روما تو جیسے تھر تھر کانپ رہی تھی۔ شرمندگی کے مارے اس کی بری حالت تھی جبکہ کائناز کو گدگدی ہو رہی تھی۔ روما کی آنکھوں میں ایک دم آنسو چمکنے لگے۔ دل تو پہلے ہی بھرا رہتا تھا۔ اس نے چھلکتے ہوئے آنسوؤں کو اپنی ہتھیلی سے پونچھتے ہوئے بڑی بے بسی کی کیفیت میں کہا۔

''سر وہ...... میں اسپیڈ سے نہیں لکھ پاتی ناں...... تو کائناز سے لے کر کاپی کر لیتی ہوں۔ آپ کائناز سے پوچھ لیجیے۔ ہمیشہ یہ پہلے لکھتی ہے پھر میں اسے کاپی کر لیتی ہوں۔'' روما کی آواز میں آنسوؤں کی نمی تھی اور وہ اپنے بہتے آنسوؤں کو ہتھیلیوں سے صاف کر رہی تھی۔ رقیق القلبی تو برہان کو ماں سے ورثے میں ملی تھی۔

''یہ تو کوئی اچھی بات نہیں ہے ناں...... اس طرح تو آپ کائناز پر ڈیپنڈ کرنے کی عادی ہو جائیں گی۔''

''وہ تو ہو چکی ہے سر...... ہر کام مجھ سے پوچھ کر کرتی ہے۔'' کائناز نے پھر بات کاٹ کر بڑی برجستگی سے جواب دیا تھا۔

''پلیز آپ تو خاموش رہیں مجھے بات کرنے دیں۔''

''سوری سر......'' کائناز اب سر جھکا کر بڑی اچھی بچی بن کر بیٹھ گئی۔

''دیکھیں روما...... ڈیپنڈ کرنے والے لوگ کبھی بڑے ٹارگٹ اچیو نہیں کر پاتے۔ آپ خود کو چیلنج کریں،

جنوری 2014ء...... نئے سال
کا آغاز اور سسپنس کا دلکش انداز
خوبصورت کہانیوں کا مجموعہ
ماہنامہ سسپنس ڈائجسٹ

مزید
خلوص کی محفل
عقل شعر سخن...... اور
مرزا امجد بیگ کے دھواں دھار دلائل

تقسیم محبت
سچ ہے کہ تمام جذبات میں شراکت داری قابل برداشت ہے لیکن...... محبت کی تقسیم کسی طور قابل قبول نہیں ہوتی...... آخری صفحات پر نشور ھادی کے قلم کی شرنی

مٹی کا فساد
مٹی پتھر اور گارے سے مل کر بننے والا یہ خاکی پتلا زمین پر کیسے کیسے فساد کا باعث بنا...... ابتدائی صفحات پر الیاس سیتاپوری کا یادگار تحفہ

کشکول
رفتہ رفتہ انجام کی جانب بڑھنے والے سلسلے کی آخری کڑی...... انوار صدیقی کے خیالات کی پرواز

ماروی
محبت کے تلاطم سے نبرد آزما ایک عاشق کا دلربا انداز...... جسے چاہت میں پھوار بن کر برسنا اچھا لگتا تھا...... محی الدین نواب کا نیا سلسلہ

اس کے علاوہ
منظر امام، کاشف زبیر، روبینہ رشید، تنویر ریاض، سلیم انور، مریم کے خان اور امجد رئیس کی تحاریر آپ کی منتظر

WWW.PAKSOCIETY.COM

آپ نے بس اپنا ذہن بنالیا ہے کہ کائناز سے آپ نوٹ لے لیں گی، کاپی کرلیں گی لیکن آپ کی یہ عادت آگے جا کر آپ کو بہت تکلیف دے گی۔ ڈیپنڈ کرنے والے لوگ ہمیشہ ڈبل مائنڈڈ رہتے ہیں۔"

"sorry sir! I'll try میں کوشش کروں گی کہ آپ کو آئندہ کوئی شکایت نہ ہو۔" روما بولتے بولتے ایک دم رو پڑی۔ اس کے اس طرح رونے سے کائناز اپنی ساری شوخی بھول گئی اور اس نے ایک دم روما کو اپنے گلے سے لگالیا۔

"روما! کیوں رو رہی ہو؟ تمہیں سر نے ڈانٹا تو نہیں ہے۔ چلو بس تم نے سوری تو کہہ دیا ہے اب رونے کی کیا ضرورت ہے؟ پلیز روما دیکھو مت رو، سر دیکھ رہے ہیں۔ یار کچھ تو خیال کرو...... سر کیا سوچیں گے؟" وہ روما کے آنسو پونچھتے ہوئے بڑی دلسوزی اور دردمندی سے کہہ رہی تھی اور برہان بڑی بے بسی کی کیفیت میں دونوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اسے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ ان دونوں کا کیسے موڈ بنائے۔ وہ چند لمحے سر جھکا کر سوچتا رہا جیسے مسئلے کا کوئی حل ڈھونڈ رہا ہو پھر اس نے سوچتے سوچتے نظریں اٹھا کر دونوں کی طرف دیکھا اور بڑے فارمل انداز میں گویا ہوا۔

"آپ ایسا کریں، میرا مطلب ہے آپ دونوں پانچ منٹ کے لیے یہاں سے چلی جائیں۔ لان میں جا کر تھوڑی سی واک کریں۔ اسٹڈی کے لیے اپنا ذہن بنائیں اور واپس آجائیں۔ میں آپ کا ویٹ کر رہا ہوں۔ please don't waste time" برہان کے انداز میں ایک قطعی پن اور استادوں والی سختی تھی۔ کائناز اور روما گھبرا کر اپنی جگہ سے کھڑی ہوگئی تھیں۔ شاید انہیں برہان سے اس لب و لہجے کی امید نہیں تھی۔

"او کے سر......!" کائناز جلدی سے روما کی کمر میں ہاتھ ڈال کر باہر کی طرف چل پڑی۔ برہان نے ایک گہری سانس لے کر صوفے کی بیک سے اپنا سر ٹکایا اور آنکھیں موند لیں۔ اسے اندازہ تھا کہ وہ دونوں پانچ منٹ میں نہیں تقریباً پندرہ یا بیس منٹ میں واپس آئیں گی۔ اسے پندرہ، بیس منٹ تک بڑے صبر سے انتظار کرنا تھا کیونکہ 20,000 روپے ٹیوشن فیس میں بڑی اٹریکشن تھی۔ آج کل کے زمانے میں جبکہ بے روزگاری اپنی انتہا کو چھو رہی تھی اسے تو ماں کی دعا لگی تھی کہ بہت پُرسکون ماحول میں اسے روزی کا وسیلہ مل گیا تھا۔

☆☆☆

ایس پی شاہ زمان خان، وارث علی کے ساتھ ایک ریسٹورنٹ میں کافی پی رہا تھا۔ سامنے کھانے پینے کے کچھ لوازمات بھی رکھے تھے۔ وارث علی بہت الجھی الجھی نظروں سے ایک ٹک اس کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔

"خیریت تو ہے سر جی......؟ آپ بڑے فکر مند نظر آرہے ہیں اور بڑی ایمرجنسی والی چائے ہے، یقین کریں میں نے تو اپنی بیوی کو کچھ بتایا ہی نہیں، بس آپ نے آرڈر کیا اور میں گرتا پڑتا آپ کے سامنے حاضر ہوگیا۔"

شاہ زمان نے ایک نظر وارث علی کے چہرے پر دوڑائی پھر گہری سانس لے کر بڑے معنی خیز انداز میں مسکرایا۔ وارث علی ابھی تک پلکیں جھپکائے بغیر اس کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔ درحقیقت وہ اندر سے بری طرح الجھ گیا تھا کیونکہ آج سے پہلے شاہ زمان نے کبھی اسے اس طرح سے طلب نہیں کیا تھا۔ اکثر تو وہ سارے کاموں سے فارغ ہو کر کسی ہوٹل میں شاندار سا ڈنر کیا کرتے تھے لیکن آج تو سرِ شام ہی طلبی ہوگئی تھی۔

"سر کچھ بولیں بھی...... میرا تو بی پی شوٹ ہونے لگا ہے۔" ایس پی نے گہری نظروں سے وارث علی کی طرف دیکھا اور معنی خیز انداز میں مسکرایا۔

"تمہارا سسر بریانی کا ٹھیلا لگائے گا۔" وارث علی نے یہ سن کر ایک زبردست قہقہہ لگایا تھا۔

"نہیں لگائے گا سر...... سرینڈر کرے گا۔"

"اگر وہ اپنی بات کا پکا نکلا اور تمہاری بیوی یعنی اپنی بیٹی کو تمہارے گھر سے نکال کر لے گیا اور خلع کا دعویٰ دائر کردیا تو کیا کرلوگے تم؟" ایس پی بڑے پُرتفکر لہجے میں وارث علی سے مخاطب تھا۔ وارث علی یہ سن کر بجائے پریشان ہونے کے بڑی ڈھٹائی سے مسکرایا۔

"سر جی...... بیٹی سامنے ہوگی تو مقدمہ دائر کرے گا ناں؟"

"کیا مطلب......؟" ایس پی نے حیران ہو کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

"ایک ہی period میں سارا syllabus پڑھیں گے سر جی......! تھوڑا ہاتھ ہلکا رکھیں۔ کچھ بھی کریں گے کرنے سے پہلے آپ کو بتائیں گے لیکن ابھی تو صرف یہی کہنا ہے کہ آپ کو پریشان ہونے کی بالکل ضرورت نہیں جو گیند جابر علی کے کورٹ سے میں نکال لایا ہوں وہ کتنی بھی اچھلے واپس جابر علی کے کورٹ میں نہیں جائے گی۔" وارث علی نے بڑے اعتماد سے کہا تھا۔ اس کے چہرے پر بڑی مطمئن سی مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

"کچھ بھی کرو، یہ ذہن میں رکھنا جابر علی سینئر پولیس آفسر ہے اور پولیس افسر کبھی retire نہیں ہوتا۔ اس کے بہت strong contacts ہیں۔ وہ بہت ذہین ہے، فضول میں ہم جیسوں سے ٹکر لینے کا حوصلہ نہیں کرسکتا۔ اس کے پیچھے بھی کچھ ہے۔ اسی وجہ سے تو یہ سارا جال بچھانا پڑا اگر یہ سالا حلوا ہوتا تو ہمیں اس پھڈیک میں پڑنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟" ایس پی اب قدرے جھنجلا کر بولا تھا کیونکہ درحقیقت آج جابر علی اسے بہت پریشان کر کے گیا تھا۔ جابر علی کا اعتماد جیسے اس کی کرسی کے پائے ہلا رہا تھا۔

"اولاد سے پیارا تو مال بھی نہیں ہوتا سر جی جس کے پیچھے قتل ہوجاتے ہیں۔ غم نہ کریں، جابر علی سرینڈر کرے گا۔ میرے قدموں میں نہیں...... اپنا پسٹل آپ کی ٹیبل پر اور اپنی رائفل آپ کے پیروں میں رکھے گا۔ آرام سے چائے پئیں اور آج بھابی کے ساتھ اچھا سا ڈنر کریں پھر سکون کی نیند سو جائیں۔ آنے والی صبح بہت پیاری ہے، بڑی اچھی اچھی خبریں آنے والی ہیں۔"

وارث علی کے لہجے میں خوش فہمی ہی نہیں تھی، کمال اعتماد تھا۔ ایس پی کے الفاظ اس کی پریشانی، اس کے تفکرات وارث علی پر بے اثر تھے۔ وارث علی کے اس اعتماد کو دیکھ کر اسے قدرے ڈھارس ہوئی تھی۔ بہر حال کچھ بھی صحیح اس نے یہ کرسی بڑی محنت سے حاصل کی تھی۔ اتنی آسانی سے تو نہیں گنوا سکتا تھا اور اس ملک میں تو جو بھی کرسی پر بیٹھتا ہے اسے اپنے بیوی بچوں سے زیادہ کرسی بچانے کی ہی فکر تو ہوتی ہے۔

☆☆☆

اصیل خان اپنے سرونٹ کوارٹر کے چھوٹے سے باتھ روم میں وضو کر رہا تھا۔ وضو کرتے ہوئے اس کا ذہن مسلسل مہر جان کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اسی وقت اسے مہر جان کی آواز باہر سے سنائی دی۔ وہ بری طرح چونک پڑا۔ جلدی جلدی وضو تمام کیا اور اسی طرح ہاتھوں سے پانی جھٹکتا ہوا باہر آگیا۔ اس سے قبل کہ وہ دروازہ کھول کر کوارٹر سے باہر جاتا مہر جان بال بکھرائے وحشت زدہ سی اِدھر اُدھر دیکھتی اندر آگئی تھیں۔ مہر جان کو یوں اچانک سامنے دیکھ کر اصیل خان بری طرح پریشان ہوگیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اس وقت وہ کیا کرے پتھر کا بت بنا اپنی جگہ پر کھڑا رہ گیا۔ مہر جان خالی خالی نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگیں۔

"تم...... تم کون ہو بڑے میاں؟ اور میں کہاں آگئی ہوں؟ یہ کس کا گھر ہے؟" اصیل خان کے دل پر ایک کند چھری سے وار ہوا تھا۔ اس نے درد کی ٹیسیں بہ مشکل دباتے ہوئے مہر جان کی طرف دیکھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

"آپ...... آپ باہر...... باہر چلیے یہ کسی کا گھر ہے۔"
"وہی تو میں پوچھ رہی ہوں یہ کس کا گھر ہے؟"
"وہ...... یہ...... سرونٹ کوارٹر ہے یہاں نوکر رہتے ہیں۔" مہرجان نے یہ سن کر اصیل خان کو سر سے پاؤں تک دیکھا اور اسی طرح وحشت زدہ انداز میں اِدھر اُدھر آنکھیں چلاتے ہوئے بولیں۔
"اچھا...... تو تم نوکر ہو۔ لیکن میں نے پہلے تمہیں کیوں نہیں دیکھا؟ کیا تم نئے نوکر ہو؟ مگر کس کے؟ بابا جان کے؟ مگر بابا جان کہاں ہیں؟"
اصیل خان کے پاس مہرجان کی بات سننے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ اُدھر سے لاکھوں سوال بھی آجاتے تو بھی اس کے ایک جواب کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔
"وہ...... مجھے بہت زیادہ گھبراہٹ ہو رہی ہے، کوئی نظر ہی نہیں آرہا۔ گل جان پتا نہیں کہاں چلی گئی؟ بابا کو تو زمینوں سے ہی فرصت نہیں ملتی اور اصیل خان...... اس کی تو کچھ مت پوچھو...... ایک فون کال میں ستر ہزار جھوٹ بولتا ہے۔ میری تو سمجھ میں ہی نہیں آتا کہ میں اس جھوٹے سے پیچھا کیسے چھڑاؤں؟ لیکن کیا کروں اس کے تو جھوٹ بھی اچھے لگتے ہیں۔"
اصیل خان نے بڑی بے اختیاری کی کیفیت میں مہرجان کی طرف دیکھا تھا۔ آخر وہ اس کی سب کچھ تھی۔ آج تک تھی، روپ بدل گئے تھے، چہرے تو نہیں بدلے تھے، رشتے تو نہیں بدلے تھے۔ مہرجان اس کی ضرورت تھی لیکن وہ تو مہرجان کی محبت تھا۔ آب و گِل کے اس جہان میں بخشے جانے والے سارے حواس ایک جھٹکے سے دامن چھڑا کر کسی ماورائی فضا میں پرواز کرنے لگے۔ وہ ماورائی فضا جہاں وقت کی قید نہیں ہوتی۔ جہاں صدیوں کے سفر پل میں طے ہو جاتے ہیں۔ اصیل خان کی آنکھوں کے سامنے ہزاروں منظر پلک جھپکتے میں گزر گئے۔ ان منظروں کا ایک سلسلہ تھا خوشبو اور روشنی کا سلسلہ...... یہ سارے کے سارے منظر وہ تھے جہاں مہرجان صرف مسکرانا جانتی تھیں اپنی منوانا جانتی تھیں اور اصیل خان کے دامِ فریب میں الجھی ہوئی بڑے اعتماد سے مسکرایا کرتی تھیں۔
"بڑے میاں تمہارا نام کیا ہے؟ مجھے تو تمہارا نام بھی نہیں پتا...... دیکھو ناں اب شام ہو چکی ہے۔ شام کو اکیلی لڑکی کا باہر جانا اچھا نہیں سمجھا جاتا۔ ورنہ میں واک پر چلی جاتی اور پھر بابا نے بھی تو منع کیا ہے کہ اکیلی باہر نہ جایا کروں۔ آج کل ان کے شریکے انہیں بدلہ لینے کی دھمکیاں دے رہے ہیں۔ زمین، دشمنیاں، پتا نہیں کب جان چھوٹے گی بابا کی ان سے؟ اور بابا کو میری شادی کی پڑی ہوئی ہے کہتے ہیں کہ بس تمہاری شادی ہو جائے اس کے بعد مجھے سکون مل جائے گا لیکن مجھے تو سکون نہیں ملے گا۔ میں اصیل خان کے گھر میں کیسے ہنسوں، بولوں گی؟ میرے بابا تو دشمنوں سے لڑ رہے ہوں گے، اصیل خان آئے گا ناں میں اس سے کہوں گی کہ ہم بابا کو شہر لے چلتے ہیں زبردستی...... وہ...... بڑے میاں تمہارا نام کیا ہے؟" مہرجان بولتے بولتے چونک کر اصیل خان سے پوچھنے لگیں۔
"وہ آپ جو چاہیں میرا نام رکھ لیں۔" اصیل خان جو درد کے دریا میں سرتاپا غرق تھا اپنے رقت بھرے دل کو سنبھال کر بہ مشکل گویا ہوا۔
"کیوں...... تمہارا کوئی نام نہیں ہے کیا؟" مہرجان بچوں کی سی معصومیت سے اس کو تک رہی تھیں۔
"جی...... میرا نام...... میرا نام ابلیس سمجھ لیں۔" مہرجان نے اس کی طرف بڑی حیرت سے دیکھا۔
"ابلیس؟ بڑا انوکھا نام ہے۔" پھر مسکرا کر اصیل خان کی طرف دیکھنے لگیں۔

"تم خود کو شیطان سمجھتے ہو؟"
اصیل خان نے جواب دینے کے بجائے سر اتنا جھکا لیا...... یوں لگا کہ نماز میں رکوع بجا لایا ہو۔ مہرجان اب جیسے اصیل خان کے اس بے حس و حرکت انداز سے اکتا کر باہر جانے لگیں مگر جاتے جاتے پھر پلٹ آئیں۔
"وہ بڑے میاں تمہارا نام کیا ہے؟" اصیل خان نے سر اٹھا کر مہرجان کی طرف دیکھا مگر فوراً ہی نظریں جھکا لیں۔
"آپ اپنے کمرے میں تشریف لے جائیں اور آرام کیجیے۔ گل جان بی بی شاید سودا لینے باہر گئی ہیں بس آرہی ہوں گی۔" اصیل خان نے صبر و ضبط کا پہاڑ عبور کرتے ہوئے مہرجان کو تسلی آمیز انداز میں تلقین کی۔
مہرجان برا سا منہ بنا کر دروازے سے باہر نکل گئیں۔ اصیل خان جائے نماز اٹھانے کے لیے ایک طرف بڑھا اور اسی لمحے مہرجان دوبارہ واپس آگئیں۔ اصیل خان جو جائے نماز اٹھانے کے لیے آگے بڑھ گیا تھا۔ ایک دم چونک کر پیچھے ہٹ گیا اور پریشانی کی کیفیت میں مہرجان کی طرف دیکھنے لگا مگر بولا کچھ نہیں۔
"وہ بڑے میاں تمہارا نام کیا ہے؟"
اصیل خان نے اب جواب دینے کے بجائے جائے نماز اٹھا لی۔ مہرجان نے پھر اصیل خان کی طرف دیکھ کر برا سا منہ بنا لیا۔
"ابھی تو بول رہا تھا پتا نہیں کیا ہوا اسے؟ گونگا بھی نہیں ہے پھر بھی کیوں میرے سوال کا جواب نہیں دیتا؟ بابا کو بھی بس یہ الٹے سیدھے لوگ ہی ملتے ہیں نوکر رکھنے کے لیے۔" وہ بڑبڑاتی ہوئی اب باہر چلی گئیں۔ اصیل خان بھی باہر کی طرف بڑھا کیونکہ وہ شام ڈھلے نماز باہر لان میں ہی پڑھتا تھا اور عشا کی نماز بھی اس کی باہر ہی ادا ہوتی تھی۔ مہرجان اب لڑکیوں والے انداز میں بڑی تیز تیز اندر کی طرف جارہی تھیں۔ اصیل خان جائے نماز کھولتا ہوا شہتوت کے درخت کی طرف بڑھا جس کی چھاؤں میں وہ اکثر جائے نماز بچھاتا تھا۔
اس نے جائے نماز بچھائی اور اسی لمحے مہرجان دوڑتی ہوئی اس کے قریب آگئیں۔ اصیل خان نے انتہائی بے بسی کی کیفیت میں اُن کی طرف دیکھا تھا۔
"وہ میں یہ پوچھنے آئی ہوں کہ تمہارا نام کیا ہے؟"
اصیل خان نے مہرجان کو جواب دینے کے بجائے نیت باندھی اور اللہ اکبر کہتے ہوئے اپنے ہاتھ کانوں تک اٹھا دیے۔ مہرجان برا سا منہ بنا کر غصے سے گھورتی ہوئی واپس چلی گئیں۔

☆☆☆

ستارہ، وارث علی کے پہلو سے اٹھ کر کمرے کا بغلی دروازہ کھول کر بالکونی میں آکھڑی ہوئی تھی۔ اسے کچھ الجھنیں بہت تنگ کر رہی تھیں۔ وہ فجر تک سوتی جاگتی رہی تھی پھر اس نے اٹھ کر نمازِ فجر ادا کی اور دوبارہ سونے کی کوشش بھی کی تھی پر پتا نہیں نیند کیوں نہیں آرہی تھی...... وارث علی کے خراٹے کمرے میں گونج رہے تھے۔ ستارہ نے تو اپنے باپ کے منہ سے یہی سنا تھا کہ وارث علی بہت نیک، پرہیزگار، پنج وقتہ نمازی اور نمازی بھی ایسا کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھتا ہے مگر جب سے وہ اس گھر میں آئی تھی اس نے وارث علی کو ایک مرتبہ بھی نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا تھا بلکہ اسے تو اس بات کی حیرت ہو رہی تھی کہ وہ فجر سے بہت پہلے اٹھ گئی تھی۔ واش روم گئی، شاور لیا، نماز پڑھی۔ کچھ نہ کچھ تو کھٹ پٹ ہوتی رہی...... تھی مگر وارث علی کی نیند نہیں ٹوٹی تھی۔ نماز پڑھنے والے تو بڑے چوکنے ہو کر سوتے ہیں ان کو کسی الارم کی بھی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ وہ اتنے

WWW.PAKSOCIETY.COM

عادی ہو جاتے ہیں کہ ایک مخصوص وقت پر خود بخود اُن کی آنکھ کھل جاتی ہے۔ چلو رات کو بہت دیر سے سوئے تھے مگر اس نے تو وارث علی کو قضا نماز پڑھتے ہوئے بھی نہیں دیکھا۔

وہ ہرے بھرے لان پر نظریں دوڑاتی ہوئی مختلف قسم کے خیالات میں الجھی ہوئی تھی کہ اچانک اس کی نظر گھر کے مین گیٹ پر پڑی۔ اس نے دیکھا کہ پولیس موبائل اس کے گیٹ پر آ کر رکی ہے اور اس کے دیکھتے ہی دیکھتے ڈرائیور کے برابر والی سیٹ پر بیٹھا جابر علی اتر کر باہر آ گیا تھا۔ ستارہ کے منہ سے بے اختیار نکلا تھا۔

''اوہ...... ابا جان آج پھر صبح ہی صبح آ گئے حالانکہ میں نے ان کو کہہ تو دیا ہے کہ بھول جائیں کہ ان کی کوئی ستارہ نام کی بیٹی تھی پھر اب کیوں آئے ہیں؟'' اس کا موڈ ایک دم بہت خراب ہو گیا تھا۔ وہ واپس بیڈ روم میں آئی اور بالکونی میں کھلنے والا چھوٹا سا بغلی دروازہ آہستگی سے بند کر دیا تھا۔ وارث علی اسی طرح خراٹے نشر کر رہا تھا۔ ستارہ بیڈ کے کنارے پر آ کر ٹک گئی۔ اس کا ذہن مسلسل ایک ہی نقطے پر اٹکا ہوا تھا۔

''اب ابا جان کیوں آئے ہیں، ان کی بات تو مان لی تھی تو اب انہیں بھی میری بات مان لینی چاہیے۔ وہ بااختیار تھے۔ انہوں نے اپنی ایک بات منوا لی اب میرا اختیار ہے، مجھے بھی اپنی بات منوانے کا اختیار ہے جتنا کہ ان کو ہو سکتا ہے۔'' اسی وقت بیڈ کے سرہانے لگے ہوئے انٹر کام پر رنگ ہوئی تھی پھر ستارہ ایک دم چونک پڑی۔ اسے پتا تھا کہ گارڈ جابر علی کی آمد کا بتانے کے لیے رنگ کر رہا ہے وہ ایک جھٹکے سے اپنی جگہ سے اٹھی مگر انٹر کام تک پہنچنے میں اسے چند سیکنڈ لگے کیونکہ اسے گھوم کر وہاں تک جانا تھا اس کے پہنچنے سے پہلے ہی وارث علی نے جس کی نیند گھنٹی کی آواز سن کر ٹوٹ گئی تھی اور ویسے بھی جرائم پیشہ لوگ کسی گھنٹی کو مس کرنا پسند نہیں کرتے۔ اُن کو تو ہر گھنٹی خطرے کی ہی گھنٹی لگتی ہے۔ اس نے اسی طرح نیند بھری کیفیت میں انٹر کام کا ریسیور اٹھا کر کان سے لگا لیا تھا اور نیند بھری آواز میں بولا۔

''ہاں...... گل محمد کیا مسئلہ ہے؟''

ستارہ اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ گل محمد نے صاحب کا سوال سن کر کیا جواب دیا ہوگا؟ لیکن اس نے اتنا ضرور سنا تھا کہ وارث علی کے منہ سے بڑی حیرت کی کیفیت میں یہ جملہ نکلا تھا۔

''جابر علی......؟ جابر علی اتنی صبح صبح...... مجھ سے ملنے آیا ہے؟ اوہ بھئی...... بتا دو کہ میں سو رہا ہوں۔''

ستارہ پر جیسے حیرت کا آسمان نہیں ٹوٹ رہا تھا بلکہ آسمان پر آسمان ٹوٹ رہے تھے ایک تو یہ کہ وارث علی کا طرز تخاطب ستارہ کے باپ کے لیے بڑا عجیب و غریب تھا جیسے وہ اس کے برابر کا ہو اور دوسرے یہ کہ وہ اس کے باپ کو ٹرخا رہا تھا۔ اس کا باپ وارث علی کا سسر تھا۔ وہ اسے کتنے آرام سے کہہ رہا تھا کہ صاحب سو رہے ہیں۔ وہ ابھی یہی سوچ رہی تھی کہ وارث علی نے پٹخنے کے انداز میں ریسیور لٹکا دیا پھر ادھر اُدھر نیند بھری آنکھوں سے جیسے ستارہ کو تلاش کیا اور بڑی بیزاری کی کیفیت میں ستارہ سے بولا۔

''اوہ بھئی...... جا کر اپنے باپ کو انٹرٹین کرو اور ہاں اُن کو سمجھا دینا کہ بھلے بیٹی کا گھر ہو، آنے کا کوئی طریقہ ہوتا ہے۔ فجر کی نماز پڑھ کر مسجد سے سیدھا بیٹی کے گھر آ گئے۔ یہ کوئی طریقہ نہیں ہوتا، ہم بڑے لوگ ہیں، راتوں کو جاگتے ہیں صبح کو دیر سے اٹھتے ہیں۔'' یہ کہہ کر اس نے بڑے زور شور سے کروٹ لی اور دوبارہ سے خراٹے لینے لگا۔ کیا قیامت کی بے حسی تھی۔ ستارہ دم بخود اپنی جگہ کھڑی وارث علی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کے حواس بھی ساتھ چھوڑ رہے تھے اور ذہن نے تو کام کرنا بالکل ہی بند کر دیا تھا۔

(جاری ہے)

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہار جیت

شمیم فضل خالق

مسز وقاص کی غصے بھری چنگھاڑ باہر تک آرہی تھی۔ چاروں نوکر دم سادھے کھڑے تھے...... کم عمر نوکرانی بانو تو باقاعدہ تھر تھر کانپ رہی تھی۔ خانساماں اور مالی بیڈ روم کے اندر جانے کی ہمت تو نہیں کر سکتے تھے لیکن بیڈ روم کے باہر کاریڈور میں کھڑے اندر سے آنے والی آوازیں سن رہے تھے البتہ مسز وقاص کی ملازمۂ خاص نفیسہ بیڈ روم کے اندر بیڈ کے قریب کھڑی پریشانی سے اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

"آخر میرا نیکلس گیا کہاں...... ڈریسنگ ٹیبل کے اوپر والے خانے میں رکھا تھا میں نے اپنے ہاتھوں سے۔" وہ مسلسل یہی کہے جارہی تھیں۔

"وہ بیگم صاحبہ...... آپ اچھی طرح دیکھ تو لیتیں...... شاید کہیں......"

"میں اندھی نہیں ہوں نفیسہ...... تم ڈریسنگ ٹیبل کی بات کررہی ہو جبکہ میں نے سارا کمرا چھان مارا ہے...... ایک، ایک جگہ دس دس بار دیکھ لی...... اب اتنی چھوٹی چیز تو نہیں...... پورے سات تولے کا نیکلس تھا...... اور اس میں سچے موتی لگے تھے...... میں گردن میں ڈالتی تو اس کے بوجھ سے میری گردن جھک جاتی...... خالص سونا تھا...... پورے چوبیس کیرٹ کا...... بس میں اب پولیس کو فون کروں گی۔"

"لیکن بیگم صاحبہ......" نفیسہ گڑگڑا کر بولی۔

"میں دس سال سے آپ کے پاس ہوں...... خانساماں اور مالی کو بھی لگ بھگ اتنی ہی مدت ہوگئی ہے اور تو اور...... بانو کے بھی پانچ سال پورے ہونے کو ہیں...... کبھی ہم نے کوئی چوری چکاری کی......؟ آپ نے تو کبھی اپنا بیڈروم بھی لاک نہیں کیا...... کہیں جانا بھی ہوتا تو آپ سب کچھ ہم پر ہی چھوڑ کر جاتی تھیں...... کبھی کوئی چھوٹی سی چیز بھی آپ کی اِدھر سے اُدھر ہوئی ہے بھلا......؟ پھر آج...... آپ ہم پر کیوں شک کررہی ہیں۔" بات کرتے کرتے نفیسہ کی آواز بھرا گئی۔

"تو پھر مجھے بتاؤ...... میں کس پر شک کروں...... اگر باہر سے چور آیا تو وہ صرف میرا نیکلس کیوں لے گیا...... کچھ اور غائب کیوں نہیں ہے...... بولو...... بتاؤ۔" بات کرتے کرتے اُن کی آواز مارے غصے اور رنج کے پھٹ سی گئی۔ اتنے میں باہر سے کار کا... ہارن سنائی دیا تو سارے نوکر تتر بتر ہوگئے کیونکہ ہارن کی آواز وقاص صاحب کی کار کی تھی...... پھر بھی مسز وقاص ان کے آنے کی پروا کیے بغیر مسلسل دہاڑ رہی تھیں۔ وہ حیران رہ گئے تھے۔

"کیا بات ہے بیگم...... کس بات پر اتنا چلّا رہی ہو۔" وہ اپنی ٹائی ڈھیلی کرتے ہوئے صوفے پر گرنے کے سے انداز میں بیٹھ گئے۔

"میرا نیکلس گم ہوگیا ہے۔ یہیں ڈریسنگ ٹیبل کی دراز میں رکھا تھا...... یہاں سے کسی نے اٹھالیا۔"

"سو بار کہا ہے اپنی جیولری اس طرح یہاں وہاں مت پھینکا کرو...... اب چیخنے چلّانے سے کیا فائدہ......" وقاص صاحب نے تیز نگاہوں سے انہیں گھورتے ہوئے کہا۔

"پھینکنے کی کیا بات ہے...... میں نے لاکر سے نکال کر رکھا تھا وہ نیکلس کہ جیولر سے ٹھیک کرواؤں گی...... ایک ہک ٹوٹا ہوا تھا اس کا...... بس مصروفیت میں بھول گئی تو وہ دراز میں پڑا رہ گیا۔" انہوں نے تھوڑی دھیمی آواز میں اپنی صفائی پیش کی۔

"تو اب تماشا لگانے کی کیا ضرورت ہے...... تمہارے پاس جیولری کی کمی تھوڑی ہے...... بس سمجھو تمہارے سر کا صدقہ تھا......" وقاص صاحب نے بیگم کو تسلی دینا چاہی۔

"نہیں وقاص......" وہ بھرائی آواز میں بولیں۔ "میرا دل ایک پل کے لیے اس نیکلس کو بھول نہیں پارہا...... خالص سونا تھا اس کا چوبیس کیرٹ...... ہر کوئی اس کی تعریف کرتا تھا بلکہ ایک دفعہ تو وہ جیولر کو بھی دکھایا تو وہ کہہ رہا تھا کہ اسے کبھی تبدیل نہ کروایئے گا یہ چیز دوبارہ نہیں بنے گی۔"

"لیکن تم تو اسے زیادہ نہیں پہنتی تھیں؟" وقاص صاحب نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں...... ایک تو وہ بھاری بہت تھا اور دوسرے میں ہمیشہ کپڑوں کے ساتھ میچنگ جیولری پہن لیتی اور یہ رہ جاتا...... لیکن اب میرا خیال تھا کہ جب کلب میں نیو ائیر پارٹی ہوگی تو اس میں یہ ضرور پہنوں گی اور تب تمام بیگمات رشک اور حسد سے اسے دیکھیں گی...... لیکن......" ان کی آواز بھرا گئی اور وہ اپنا جملہ پورا نہ کرسکیں۔

"ارے ہاں...... پارٹی پر یاد آیا......" وقاص صاحب جلدی سے بولے۔ "اس ویک اینڈ تو مسز آصف کے گھر پارٹی ہے...... آصف صاحب اور مسز آصف دونوں نے فون کر کے مجھے اور تمہیں انوائٹ کیا ہے۔" مسز وقاص کا دھیان ان کی بات کی طرف قطعاً نہ تھا...... وہ اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

"وقاص...... میرا خیال ہے ہمیں اس چوری کے معاملے میں پولیس کی مدد لینی چاہیے۔"

"کیا کہہ رہی ہو......؟" وقاص صاحب حیرانی سے سیدھے ہوکر بیٹھ گئے۔ "جانتی ہو کہ پولیس سب سے پہلے ہمارے نوکروں پر ہاتھ ڈالے گی۔"

"تو ڈال لے ہاتھ...... مجھے تو خود اُن پر ہی شک ہے...... آخر باہر سے کہاں سے چور آگیا......" وہ غصے بھرے لہجے میں بولیں۔

"پاگل ہوئی ہو۔" وقاص صاحب تیز آواز میں بولے۔ "ہمارے نوکر اتنے ایماندار ہیں...... سالوں سے ہماری خدمت کررہے ہیں...... کبھی ایک پائی کی چیز اِدھر سے اُدھر نہیں کی...... پولیس انہیں لے جائے گی تو نیکلس تو نہیں ملے گا ہاں ہم نوکروں سے ضرور محروم ہوجائیں گے...... اور تم کیا سمجھتی نہیں ہو کہ آج کل نوکر اور وہ بھی اچھے نوکر ملنے کتنا مشکل ہے اور یہ بھی سوچو...... تم تو اٹھ کر پانی تک خود سے نہیں پی سکتی ہو...... چار نوکروں کا کام کیسے کروگی؟" انہوں نے اچھی خاصی تقریر کرڈالی۔

"پھر مجھے بتاؤ وقاص...... میں کیا کروں......؟" وہ بے بسی سے بولیں۔

"صبر کرو...... ہوسکتا ہے...... کہیں اِدھر اُدھر ہوا ہو اور مل جائے...... فی الحال تو مسز آصف کی پارٹی کے لیے اپنے لیے ڈریس کا انتظام کرو...... اچھے اور منفرد ڈریس کا...... کہ سب سے الگ اور منفرد نظر آؤ...... جانتی ہو کہ آصف صاحب کے گھر کی کیسی زبردست پارٹی ہوتی ہے، ہر قسم کی عیاشی کے اسباب فراہم کرتے ہیں وہ یعنی ہر ایک کی پسند کا خیال......" وہ ان کے نزدیک ہوکر بولے۔ "اور پتوں کی بازی تو ایسے لگتی ہے، ہر دفعہ اپنے پاس رقم زیادہ نہ ہونے کے باوجود میں وہاں سے ہمیشہ جیت کر آتا ہوں...... دعا کرو اس بار اتنا جیت لوں کہ تمہارے لیے ویسا ہی نیکلس بنادوں۔" وقاص صاحب نے قہقہہ مار کر اپنی بات مکمل کی تو مسز وقاص کے چہرے پر بڑی دیر بعد ہلکی سی مسکراہٹ آگئی اور وہ سوچنے لگیں۔

"وقاص بہت اچھے خاوند ہیں...... انہوں نے تو نہ میری بے پروائیوں پر لیکچر دیا، نہ سخت سست کہا...... نہ ہی اتنے بڑے نقصان پر میری کلاس لی...... کوئی اور ہوتا تو سارا قصور بیوی کا ہی گردانتا......" بادلِ ناخواستہ انہوں نے اپنا موڈ ٹھیک کیا...... نوکروں کو کھانا لگانے کا کہا اور پھر آرام سے بیٹھ کر مسز آصف کے گھر کی پارٹی کے بارے میں سوچنے لگیں...... جبکہ وقاص صاحب اس دوران

اس کے ساتھ

سرما کی ٹھٹری دھوپ میں
اس کے رخساروں کی گرمی
مجھ میں زندگی بھرتی رہی
پر جب حُسن اس کا
ڈھل گیا
آگ ٹھنڈی پڑگئی
میں اس کے ساتھ مرگئی

شاعرہ: عالیہ بشیر، اسلام آباد

WWW.PAKSOCIETY.COM

چینج کرنے چلے گئے۔

مشہور ڈیزائنر سے فون پر بات کر کے انہوں نے اپنی پسند کا کلر وغیرہ بتایا اور اسی کلر کے ڈریس کے ساتھ میچنگ زیورات کے بارے میں سوچنے لگیں...... ایک بار پھر انہیں اپنا نیکلس یاد آ گیا تھا۔ وہ دل مسوس کر رہ گئیں۔

☆☆☆

مسز آصف کی وسیع وعریض کوٹھی کو خوب صورت طرز سے آراستہ کیا گیا تھا...... باہر لان میں ہر طرح کے پھول کھلے تھے جو رنگین لائٹوں کے جلو میں بہت خوب صورت لگ رہے تھے...... اندر کا لان باہر سے بھی زیادہ سجا ہوا تھا...... مہمانوں کے بیٹھنے کا بندوبست باہر وسیع لان میں کیا گیا تھا جبکہ اندرونی حصے والے لان میں کھانے کا بندوبست تھا...... دس، دس چیئرز کے بیچ میں راؤنڈ ٹیبلو لگی تھیں جس پر بیٹھے لوگوں میں خوش گپیاں چل رہی تھیں۔ مسز وقاص ہر پارٹی میں دیر سے جایا کرتی تھی تاکہ اپنی سج دھج سے وہاں بیٹھنے والوں کے دلوں میں... ہلچل مچا دیں...... آج بھی خوب صورت پرپل کلر کے ڈریس اور میچنگ جیولری نے ان کی شخصیت کی زیبائش میں چار چاند لگا دیے تھے، آج تو ان کے ہیئر اسٹائلسٹ نے ان کے بالوں کو ایک جدید اسٹائل دیا تھا جو انہیں خود پر بہت اچھا لگ رہا تھا۔ وہ تمام مہمانوں پر ایک طائرانہ نظر ڈالتی ہوئی اس ٹیبل کی طرف بڑھ گئیں جہاں اُن کی کلب کی بے تکلف دوستیں بیٹھی مختلف فریش جوسز سے لطف اندوز ہو رہی تھیں اور ساتھ ہی خوش گپیوں کا سلسلہ بھی جاری تھا...... سب ہی اپنے طور پر بہترین انداز سے تیار ہوئی تھیں لیکن مسز وقاص کی بات ہی اور تھی وہ ٹیبل کے قریب پہنچیں تو جیسے ستاروں میں روشنی نہ رہی والی بات ہو گئی کہ ایک چمکتا دمکتا ستارہ جو وہاں پہنچ گیا تھا...... سب نے باری باری اٹھ کر ان کی زبردست پزیرائی کی...... مسز صدیقی تو بار بار اُن کے ڈریس اور میچنگ جیولری کی تعریف کر رہی تھیں اور کوئی ان کے بالوں کے اسٹائل کو سراہ رہا تھا...... زیادہ تر لیڈیز نے ان کی جیولری کی تعریف کی...... ان کی جیولری کی جب بھی تعریف ہوتی انہیں اپنا مشہورِ زمانہ نیکلس یاد آ جاتا...... ستم ظریفی یہ تھی کہ وہ نیکلس انہوں نے کبھی اپنے دوستوں کی پارٹی میں نہیں پہنا تھا...... خاندانی شادی بیاہ میں ایک آدھ بار پہنا تھا بعد میں اس کا ہک ٹوٹ گیا...... مرمت کے خیال سے وہ کئی ماہ تک دراز میں ہی پڑا رہا پھر چوری ہو گیا...... اگر وہ ہوتا تو آج کے فنکشن میں وہ ضرور اسے پہنتیں...... اور تب ان کی دوستوں کے چہرے دیکھنے والے ہوتے...... انہوں نے دل ہی دل میں سوچا۔

''کیا سوچ رہی ہو...... بیٹھو ناں۔'' مسز صدیقی نے انہیں اپنے خیالات سے چونکا دیا۔

''ہاں...... وہ میں مسز آصف سے نہیں ملی...... میزبان سے تو پہلے ملنا چاہیے۔'' وہ خود کو سنبھالتے ہوئے بولیں۔

''ارے وہ......'' مسز صدیقی اُن کی طرف جھک کر رازدارانہ انداز میں بولیں۔

''مردوں کے آس پاس پائی جاتی ہیں وہ...... لیڈیز کی طرف کم ہی آتی ہیں۔'' دونوں ایک ساتھ ہنس پڑیں۔ مسز آصف واقعی مردوں کے آس پاس منڈلا رہی تھیں...... کونے میں ایک ٹیبل بازی کے لیے مخصوص تھی...... جہاں شوقین بیٹھے تاش کے پتوں کے ساتھ ساتھ پینے پلانے سے بھی دل بہلا رہے تھے۔ ان میں وقاص صاحب بھی بیٹھے تھے...... شاید مسز آصف کو بھی احساس ہو گیا کہ وہ کافی دیر سے مردوں کے ساتھ ہیں سو اُن سے ایکسکیوز کرتے ہوئے وہ لیڈیز کی طرف آ گئیں...... مسز آصف ویسے تو ہمیشہ ہی نوک پلک سے آراستہ رہتی تھیں لیکن

آج تو وہ غضب ڈھا رہی تھیں...... کالے رنگ کے قیمتی لباس میں اُن کا سفید رنگ لشکارے مار رہا تھا...... سلیولیس گہرے گلے کی قمیص بہت کچھ عیاں کر رہی تھی...... اپنے سفید مرمریں سڈول بازو لہراتی وہ ان کی میز کی طرف آئیں تو سب لیڈیز کو بیچ مچ سانپ سونگھ گیا...... ابھی تک تمام لیڈیز میں مسز وقاص نمایاں تھیں...... لیکن وہ تو جیسے ستاروں بھرے آسمان پر چاند بن کر چھا گئی تھیں...... سب سے باری باری مل کر وہ مسز وقاص کی طرف آئیں اور تعریفی انداز میں انہیں دیکھتے ہوئے کہنے لگیں۔

''واہ مسز وقاص...... آج تو آپ بہت اچھی لگ رہی ہیں۔ کیا غضب کا ڈریس ہے آپ کا...... اور یہ میچنگ جیولری...... کمال لگ رہی ہیں آپ۔''

لیکن مسز وقاص کو جیسے سانپ سونگھ گیا تھا...... وہ تو گویا بے ہوش ہونے کو تھیں...... اُن کا دل بھی پاتال میں گر رہا تھا...... انہوں نے کرسی کی پشت کو دونوں ہاتھوں سے مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا ورنہ وہ چکرا کر گرنے والی تھیں...... مسز آصف کے گلے میں ان کا وہی نیکلس سجا عجب بہار دکھا رہا تھا...... ان کے حسین لباس کے ساتھ زبردست میچنگ تھی اس کی...... نیکلس کے سچے موتی آنکھوں کو خیرہ کر رہے تھے...... مسز کمال ان سے بڑے تعریفی انداز میں کہہ رہی تھیں۔

''مسز آصف...... آپ نے بہت یونیک اور حسین نیکلس پہنا ہوا ہے...... بہت قیمتی لگتا ہے...... ہے ناں......!''

''ہاں...... پورے سات تولے کا نیکلس ہے اور اس میں سچے موتی لگے ہوئے ہیں...... اور چوبیس کیرٹ کا سونا ہے...... یہ دراصل ہمارا خاندانی نیکلس ہے...... مجھے میری ساس نے دیا تھا...... شاید انہیں ان کی ساس نے دیا ہو۔'' مسز آصف نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگاتے ہوئے کہا اور دوسری ٹیبل کی طرف مڑ گئیں۔ مسز وقاص کا دل چاہ رہا تھا کہ سب چھوڑ چھاڑ وہاں سے بھاگ جائیں اس رنگ وبو کی محفل سے اچانک بری طرح اُن کا دل اچاٹ ہو گیا تھا جبکہ مسز صدیقی ان کے کان میں کہہ رہی تھیں۔

''بکواس کرتی ہے...... اس کی ساس نے دیا تھا...... اس کی ساس کہاں کی سیٹھانی تھی...... اس کا سسر تو چھابڑی لگاتا تھا...... چھولوں اور دہی بھلوں کی...... یہ تو آصف صاحب نے حرام مال تھوک کے حساب سے کمایا اور یہ بیگم صاحبہ بن گئی... اور یہ نیکلس اس کے کسی یار نے تحفے میں دیا ہوگا۔'' مسز وقاص نے خالی خالی نظروں سے انہیں دیکھا تو مسز صدیقی چونک اٹھیں۔

''کیا بات ہے مسز وقاص...... طبیعت تو ٹھیک ہے ناں...... آپ کا رنگ اچانک پیلا زرد ہو کر رہ گیا ہے...... کیا ہوا؟''

''نہیں...... نہیں۔'' انہوں نے سر کو جھٹکا...... ''میں ٹھیک ہوں۔''

''اچھا تو چلیں کھانا کھانے......'' تمام میزوں سے لوگ کھانا لینے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ مسز وقاص اپنے پیروں کو بہ مشکل گھسیٹتے ہوئے اپنی دوستوں کے ساتھ جانے لگیں وہ جب تاش کھیلنے والوں کی ٹیبل کے پاس سے گزرنے لگیں تو وقاص صاحب کی نظر اُن پر پڑ گئی...... وہ نشے میں دُھت تھے...... وہیں سے انہیں پکارتے ہوئے بولے۔

''ارے بیگم...... دیکھو تو...... میں کتنی رقم جیت گیا ہوں۔'' ان کی زبان بری طرح لڑکھڑا رہی تھی...... نوٹوں کی ایک پہاڑی سی ان کے آگے ٹیبل پر رکھی تھی...... مسز وقاص نے نفرت بھری نگاہ شوہر پر ڈالتے ہوئے دُکھے دل سے سوچا۔

''جانے آج کس کی جیت ہوئی ہے اور کون ہارا ہے...... تم تو تاش کی بازی جیت گئے لیکن میں محبت اور بھروسے کی بازی ہار گئی۔''

WWW.PAKSOCIETY.COM

ناولٹ

رِواج

مدیحہ عثمان

فضا میں موتیے اور گلاب کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ بہار کی آمد نے زمین کے چہرے پر رنگ ہی رنگ بکھیر دیے تھے۔ سرخ دیوار سے لپٹی سبز بیلیں ہوا سے ہولے ہولے لہرا رہی تھیں۔ سارہ آبنوسی لکڑی اور سیاہ زنجیر سے بنے خوب صورت سے جھولے پر بیٹھی گود میں رکھی کتاب پڑھ رہی تھی۔ پاس رکھی نیلے رنگ کی فائل کے اوپر اس کا موبائل پڑا تھا۔ سفید رنگ کی لمبی فراک اس کے پیروں کو چھو

WWW.PAKSOCIETY.COM

رہی تھی۔ یوں جھولے پر بیٹھی وہ کسی کہانی کا ماورائی کردار لگ رہی تھی۔

''سارہ......! سارہ!'' ہما بھاگتی ہوئی اس کی طرف آئی۔

سارہ نے کتاب سے نظریں ہٹالیں اور حیرت سے اس کے تمتماتے چہرے کو دیکھنے لگی۔

''ایک خوشخبری ہے تمہارے لیے۔'' وہ پھولی ہوئی سانسوں کے ساتھ جھولے پر اس کے ساتھ ہی بیٹھ گئی۔

''کیسی خوشخبری؟'' سارہ کی آنکھیں یک دم ہی چمکنے لگیں۔ وہ کتاب بند کر کے اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

''میں نے امی سے تمہارے اور شہریار کے متعلق بات کرلی ہے۔ انہیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔ وہ آج ابو سے بھی بات کرلیں گی۔ تم شہریار سے کہو اب وہ جلد اپنے والدین کو ہمارے گھر بھیجے۔'' وہ تیزی سے جھولا جھولتے ہوئے بولی۔

''تھینکس گاڈ! ایک بڑا مسئلہ تو حل ہوا۔'' سارہ کے لب مسکرانے لگے۔ اس نے فائل پر رکھا ہوا موبائل اٹھالیا اور میسج کرنے لگی۔ وہ یہ خوشخبری جلد از جلد شہریار کو دے دینا چاہتی تھی۔

''شہریار کی فیملی تو راضی ہے ناں؟'' ہما نے سارہ کے حسین چہرے کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں اسّی فیصد کام تو ہوگیا ہے۔ صرف دس فیصد رہ گیا ہے۔ تم دعا کرو کہ مزید کوئی مسئلہ پیدا نہ ہو۔''

سارہ ہنوز موبائل پر میسج کرنے میں مصروف تھی۔ موبائل پر کوئی میسج آیا تھا۔ سارہ دائیں طرف جھولتی چٹیا پر ہاتھ پھیرتی میسج پڑھ رہی تھی۔ اس کے ہونٹ مسکرا رہے تھے اور آنکھوں میں الوہی چمک تھی۔ ہما کو پتا تھا اب وہ آدھا گھنٹا موبائل پر مصروف رہے گی یہاں تک کہ اسے اردگرد کا ہوش بھی نہیں رہے گا۔ اس نے سارہ کی فائل اور کتاب اٹھالی اور اندر آگئی۔

☆☆☆

بڑی حویلی میں ہر سو خاموشی تھی۔ نتاشا کے کمرے کا دروازہ صبح سے بند تھا اور آج کسی نے اس طرف آنے کی کوشش بھی نہیں کی تھی۔ زائرہ بیگم اسے سنبھالتے سنبھالتے ہلکان ہوگئی تھیں لیکن اس کا رونا دھونا ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ قیمتی سامان سے سجا بیڈروم اس وقت شدید برے حالوں میں تھا۔

''کیوں خود کو رو رو کر ہلکان کر رہی ہو؟ ارے کسی مرد کے لیے آنسو بہانے سے بڑی بے وقوفی اور کوئی نہیں ہوتی۔ تھوڑا انتظار کرلو جو تم چاہو گی وہی ہوگا۔'' زائرہ بیگم نے اسے گلے لگاتے ہوئے پیار سے کہا۔ بیٹی کے آنسو اُن کے دل میں شگاف ڈال رہے تھے۔

''ماما! شہریار نے مجھ پر ایک کمتر لڑکی کو ترجیح دی ہے، میں اپنی یہ انسلٹ کبھی نہیں بھول سکتی۔ آپ میری تکلیف کا اندازہ بھی نہیں کرسکتیں۔ بچپن کی منگنی کے باوجود اس کے دل میں میرے لیے کوئی فیلنگز پیدا نہیں ہوئیں، کیا میں اس قدر گئی گزری ہوں؟'' نتاشا کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔ اس کے کندھوں پر الجھے بال بکھرے ہوئے تھے۔ وہ بے حد غم اور صدمے کی کیفیت سے گزر رہی تھی۔ زائرہ بیگم کا دل اسے دیکھ کر پھٹا جا رہا تھا۔ اولاد کی تکلیف ماں، باپ کے لیے بہت بڑی آزمائش ہوتی ہے۔

''بیٹا تمہیں میری بات کا یقین کیوں نہیں آتا۔ شہریار کی دلہن تم ہی بنوگی۔ تم دیکھنا، اس لڑکی کو میں کیسے دھکے مار کر اور ذلیل کر کے اس گھر سے نکالوں گی۔ پیر کی جوتی بننے والی لڑکی سر کا تاج نہیں بن سکتی۔ مردوں کی زندگی میں لڑکیاں آتی جاتی رہتی ہیں۔ اس بات کو اتنا دل پر نہیں لینا چاہیے، ارے مرد کی تو فطرت میں ہی بے وفائی رچی ہوتی ہے۔ تھوڑا انتظار کرلو۔ سب کچھ تمہارا ہی ہے۔'' زائرہ بیگم نے محبت سے اس کے بال سمیٹتے ہوئے کہا۔

''شہریار کی شادی تم سے نہ کروائی تو میرا نام بدل دینا۔'' ان کی آنکھوں میں عجیب سی چمک ابھر آئی۔

نتاشا کی سسکیاں تھم گئیں، وہ رومال سے اپنا چہرہ صاف کرنے لگی۔

''ماما، میں اس لڑکی کو اس گھر میں کس طرح برداشت کروں گی، کس طرح اسے دلہن بنے اس گھر میں چلتے پھرتے دیکھوں گی، میرا تو دل پھٹ جائے گا۔'' نتاشا نے اذیت سے آنکھیں میچ لیں۔

''صرف کچھ دنوں کی بات ہے بیٹا۔ چار دن اسے خوشیاں منالینے دو پھر وہ اپنے فیصلے پر خود ہی پچھتائے گی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے تمہیں شہریار کی دلہن بناؤں گی۔ یہ اذیت وہ بھی محسوس کرے گی۔'' زائرہ بیگم کے پُرعزم لہجے میں چٹانوں کی سی سختی تھی۔ نتاشا کے دل کو ڈھارس ملی۔ دفعتاً کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ زائرہ بیگم نے اٹھ کر دروازہ کھولا تو سامنے شانزے کھانے کی ٹرے لیے کھڑی تھی۔ اسے دیکھتے ہی زائرہ بیگم کے تیور خطرناک حد تک بگڑ گئے۔

''کیوں آئی ہو تم یہاں؟'' وہ غصے سے بولیں۔ شانزے کے ہاتھ میں ٹرے کانپنے لگی۔

''جی، نتاشا نے صبح سے کچھ نہیں کھایا اس لیے اس کے لیے کھانا لائی ہوں۔'' وہ کمزور سی آواز میں بولی۔

''سوہائی کہاں مرگئی ہے، تمہارا آنا ضروری تھا کیا؟'' زائرہ بیگم غرائیں۔

''سوہائی گودام کی صفائی کر رہی ہے۔'' شانزے نے جھکی نظروں کے ساتھ جواب دیا۔

''دفع ہوجاؤ یہاں سے اور جتنا کام بتایا جائے اتنا ہی کیا کرو۔ دوبارہ اس طرف آنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' انہوں نے ایک جھٹکے سے ٹرے اس کے ہاتھ سے لے لی اور کھٹاک سے دروازہ بند کردیا۔

''ماما مجھے کچھ نہیں کھانا۔'' نتاشا نے ٹرے دیکھ کر برا سا منہ بنالیا۔

''کیوں اپنے ساتھ ظلم کر رہی ہو۔ ارے لوگ تمہیں ان حالوں میں دیکھ کر خوش ہوں گے۔ دنیا تو عورت کے دکھ کا تماشا دیکھتی ہے۔ اب یہی دیکھ لو شانزے گھنی، میسنی کیسے کھانا دینے کے بہانے آئی تھی۔ دل ہی دل میں تمہیں یوں روتا دیکھ کر خوش ہو رہی ہوگی۔ دشمنوں کے سینوں میں تو ٹھنڈ پڑ جائے گی۔ بس اب میں تمہیں ہرگز روتا ہوا نہ دیکھوں۔ کوئی ایسی قیامت نہیں ٹوٹی۔'' زائرہ بیگم نے قطعیت سے کہا۔ نتاشا نے ایک لمبی سانس لی اور اثبات میں سر ہلا دیا گویا ماں کی بات سمجھ میں آگئی ہو۔

☆☆☆

بے حد سادہ سے ڈرائنگ روم میں تین نفوس بیٹھے تھے۔ سامنے رکھی میز پر مٹھائیوں اور پھلوں کا انبار لگا ہوا تھا۔ اسفند یار اور شہر بانو آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ دائیں طرف کرسی پر فرح بیگم بیٹھی تھیں۔ میرون رنگ کا قیمتی لباس پہنے ہاتھوں میں ڈھیر ساری انگوٹھیاں، کلائیوں میں بھاری کنگن، گلے میں ہیرے کا لاکٹ اور کانوں میں ہیرے کے ٹاپس پہنے وہ اس سادہ سے کمرے کی سادگی مزید اجاگر کر رہی تھیں۔

''آج کا دور مختلف ہے، بڑوں کو بچوں کی خوشی کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ ہمارے کچھ فیملی پرابلمز ہیں جس کی وجہ سے ہم لوگ یہ شادی دھوم دھام سے نہیں کرسکتے۔ یہ شادی سادگی سے ہی ہوگی......'' ان کے لہجے میں مخصوص قسم کا رعب اور قطعیت تھی۔ شہر بانو نے بے ساختہ اسفند یار کے چہرے کو دیکھا جن کی پیشانی پر گہری لکیریں ابھر آئی تھیں۔

''دیکھیں بہن ہمارا بھی حلقۂ احباب ہے اور پھر پہلی بیٹی کی شادی ہے۔ ہمارے بھی کچھ ارمان ہیں۔ ہم یوں خاموشی سے کیسے شادی کرسکتے ہیں۔ بچوں کو اپنی پسند کی شادی کرنے کا حق ہے اور ہم نے ان کا یہ حق تسلیم کیا ہے۔'' اسفند یار نے اپنی عینک

WWW.PAKSOCIETY.COM

درست کرتے ہوئے کہا۔

''ہم آپ کو بتا چکے ہیں کہ ہماری کچھ مجبوریاں ہیں۔ ہمارے ہاں خاندان سے باہر شادیوں کا رواج نہیں ہے۔ یہ تو شہریار کی ضد کے آگے ہمیں ہار ماننی پڑی ہے ورنہ اس کی بات تو بچپن سے اپنے چچا کی بیٹی سے طے تھی۔ آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اس معاملے میں ہماری پوزیشن کس قدر آکورڈ ہو چکی ہے۔ ایک طرف خاندان، برادری ہے اور دوسری طرف بیٹے کی ضد...... ہم کن مسائل سے گزر رہے ہیں آپ اندازہ نہیں لگا سکتے.......'' ان کا لہجہ بوجھل ہو گیا۔ ان کے انداز سے صاف ظاہر تھا کہ وہ یہاں اپنی خوشی سے نہیں بلکہ مجبوری کے عالم میں آئی ہیں۔

''تو اس کا مطلب ہے کہ سارہ کو آپ کے خاندان میں وہ مقام کبھی نہیں مل سکے گا جو اس کا حق ہے۔'' اسفندیار نے بے تاثر لہجے میں کہا۔

فرح بیگم کشمکش و پیچ میں گرفتار ہو گئیں۔ انہوں نے سارہ اور اس کے حقوق کے بارے میں تو سرے سے سوچا ہی نہیں تھا وہ تو بس شہریار کی ضد کی وجہ سے آ گئی تھیں۔ بھلا ابھی سارہ کی اہمیت ہی کیا تھی۔

''نہیں ایسی بات نہیں ہے، یہ تو سارہ پر منحصر ہے کہ وہ اپنا مقام کیسے بناتی ہے۔ اپنی جگہ اسے خود ہی بنانی ہے۔ اگر شہریار کی اپنی چچازاد سے بات پکی نہ ہوئی ہوتی تو اور بات تھی مگر اب حالات مختلف ہیں۔ شہریار کے چچا ایک نامی گرامی سیاست داں بھی ہیں۔ ان کا نام آپ نے ضرور سنا ہوگا۔ ملک سکندر شاہ۔'' اسفندیار نے بری طرح چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

''ملک سکندر شاہ۔'' اُن کے ہونٹوں نے بے اختیار جنبش کی۔ شہربانو نے حیرت سے ان کی طرف دیکھا۔ ان کے چہرے کا رنگ بدل چکا تھا۔ فرح بیگم لاشعوری طور پر اپنی کلائی میں پہنے کنگن گھمانے لگیں۔

''معاف کیجیے گا ہمیں یہ رشتہ منظور نہیں۔''

اسفندیار اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے اُن کے لہجے میں حد درجہ رکھائی تھی۔ شہربانو ان کے یک دم بدل جانے والے رویّے پر انگشت بدنداں رہ گئیں۔

''یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟'' وہ اسفندیار کے قریب آ کر آہستہ سے بولیں۔ فرح بیگم ناسمجھی سے ان دونوں کو دیکھنے لگیں۔ وہ یک دم اس کایا پلٹ کی وجہ سمجھنے سے قاصر تھیں۔

''اگر آپ کو انکار ہی کرنا تھا تو پہلے اپنی بیٹی کو بتا دیا ہوتا۔'' فرح بیگم کو اپنی توہین کا احساس ہوا۔

''جو رشتے مجبوری کے تحت طے کیے جائیں ان کی پائیداری کی ضمانت نہیں دی جا سکتی۔ یہ شادی ہمیں اور آپ کو مسائل کے سوا کچھ نہیں دے سکتی بہتر ہے اس بات کو یہیں ختم کر دیا جائے۔'' اسفندیار کے لہجے میں بلا کی اجنبیت اور قطعیت تھی۔ فرح بیگم بھی اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئیں۔ ان کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا تھا۔ ایک عام سے گھرانے کے عام سے فرد نے ان کے بیٹے کا رشتہ ٹھکرا دیا۔ یہ ان کی انا پر گہری ضرب تھی۔

''ہمارا مقصد آپ کی توہین یا بے عزتی کرنا نہیں ہے لیکن دانش مندی کا تقاضا یہی ہے کہ اس سلسلے کو یہیں ختم کر دیا جائے۔ بچے تو نادان ہیں، حالات کی نزاکت اور رشتوں کی اونچ نیچ کو نہیں سمجھتے۔'' اسفندیار کی آنکھ کے اشارے پر شہربانو، فرح بیگم کے پاس آتے ہوئے لجاجت سے بولیں۔ وہ شوہر کی آنکھ کا اشارہ پہچانتی تھیں، انہیں رہ رہ کر سارہ کا خیال آ رہا تھا۔ انہیں احساس تھا کہ سارہ کا دل بری طرح ٹوٹے گا لیکن شوہر کے فیصلے پر احتجاج کرنے کی جرأت نہیں تھی۔

اسفندیار کے چہرے پر چٹانوں جیسی سختی تھی۔ ان کی آنکھوں میں اِک اجنبی سا تاثر ابھر آیا تھا۔ فرح بیگم رکی نہیں بلکہ تیزی سے باہر نکل گئیں۔ جو کچھ ہوا تھا ان کی توقع کے خلاف تھا۔ شہربانو ان

کے پیچھے دروازے تک آئیں کچھ بھی تھا بہرحال وہ ان کی مہمان تھیں۔ گیٹ سے نکلتے ہوئے شہربانو نے انہیں خدا حافظ کہنا بھی ضروری سمجھا جس کا انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ شہربانو کے دل کو گہرے ملال نے آن گھیرا۔ جو کچھ بھی ہوا، اچھا نہیں ہوا تھا۔

☆☆☆

''تمہارے ابو نے میری اماں جان کی انسلٹ کی ہے۔ میں یہ بات زندگی بھر نہیں بھولوں گا۔ اگر تم اپنے والدین کو منا نہیں سکتی تھیں تو مجھے پہلے ہی بتا دیتیں میں کبھی اماں جان کو تمہارے گھر نہ بھیجتا۔ میں اپنی محبت کی خاطر اپنے والدین کو ذلیل نہیں کر سکتا۔'' شہریار بے حد غصے میں تھا۔ سارہ بیڈ پر بیٹھی موبائل فون کان سے لگائے بے حد پریشان تھی۔ خود اسے باپ سے ایسے صاف جواب کی امید نہیں تھی۔ وہ تو خود ابھی تک گہرے شاک میں تھی۔

''یقین کرو شہریار مجھے خود علم نہیں تھا کہ ابو یوں انکار کر دیں گے۔ میں خود شاکڈ ہوں کہ انہوں نے ایسا کیوں کیا۔ اگر مجھے ان کے انکار کے متعلق ذرا سا بھی شک ہوتا تو میں تمہیں پہلے ہی بتا دیتی...... میں بہت شرمندہ ہوں شہریار۔'' وہ لب کاٹتے ہوئے بولی۔ اسے شہریار کی آکورڈ پوزیشن کا اندازہ تھا۔ وہ جانتی تھی کہ کتنی دقتوں سے شہریار نے اپنے والدین کو منایا تھا۔

''تمہاری شرمندگی میرے کسی کام کی نہیں ہے سارہ۔ تم اندازہ بھی نہیں کر سکتیں کہ اماں جان اور بابا جان کے سامنے میں کس قدر شرمندہ ہوا ہوں۔ پہلی دفعہ مجھے اپنے فیصلے پر پچھتاوا ہوا ہے۔ تمہارے ابو شاید میری ماں کی حیثیت اور مرتبے سے آگاہ نہیں ہیں۔ اب تم سوچ لو کہ تمہیں کیا کرنا ہے اگر تم نے میرا ساتھ نہ دیا تو مجھے مجبوراً نتاشا سے شادی کرنی پڑے گی۔ اگر تم میں مجھے کھونے کا حوصلہ ہے تو بے شک اپنے باپ کے فیصلے پر سر جھکا دو ورنہ تمہیں وہی کرنا ہوگا جو میں کہوں گا۔ محبت حاصل کرنے کے لیے کچھ نہ کچھ قربانی تو دینی پڑتی ہے۔'' شہریار کے لہجے میں کچھ ایسا تھا کہ سارہ کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

''میں تمہیں کھونے کا حوصلہ نہیں رکھتی شہری، میں تمہیں کسی اور کا ہوتا ہوا بھی نہیں دیکھ سکتی، میں ہر حال میں تمہارا ساتھ دوں گی۔'' وہ روتے ہوئے بولی۔ شہریار سے جدائی کا تصور ہی اس کے لیے سوہانِ روح تھا۔ پہلی محبت کے رنگ کچے نہیں ہوتے۔

''ٹھیک ہے، اپنی بات پر قائم رہنا۔ صبح یونیورسٹی میں ملاقات ہوگی۔'' شہریار نے فون بند کر دیا۔ سارہ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ دل کی تکلیف سے بڑھ کر کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔ اس نے انگلیوں کی پوروں سے اپنے آنسو صاف کیے۔ ہما دھیرے سے اس کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

''امی، ابو نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا۔ کیا کمی ہے شہریار میں۔ انہوں نے ایک مرتبہ بھی میرے دل کے بارے میں نہیں سوچا۔ میں عاقل، بالغ اور باشعور لڑکی ہوں۔ اپنی زندگی کو اپنی مرضی سے گزارنے کا حق رکھتی ہوں۔ مجھے میرے حق سے وہ کیسے محروم کر سکتے ہیں۔'' سارہ نے اپنا سر دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔ ہما نے اسے ترحم سے دیکھا اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا یوں جیسے اسے تسلی دے رہی ہو۔

''سارہ۔'' ماں نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے اسے پکارا۔ سارہ کی حالت دیکھ کر انہیں تکلیف ہو رہی تھی۔

''بیٹا اپنے ابو کو غلط مت سمجھو۔ انہوں نے جو فیصلہ کیا بالکل درست کیا ہے۔ ہم میں اور ان لوگوں میں بہت فرق ہے۔ رشتے ناتے اپنے جیسے لوگوں میں ہی کرنے چاہئیں ورنہ بعد میں بہت سے مسائل پیدا ہو جاتے ہیں۔'' انہوں نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے بہت رسان سے کہا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

''اب وہ زمانہ نہیں رہا امی! اب ایسی باتوں کو اہمیت نہیں دی جاتی۔'' سارہ نے انہیں ٹوک دیا۔

''بیٹا زمانے کی کچھ اقدار کبھی نہیں بدلتیں خصوصاً جب اُن کا تعلق عورت سے ہو۔'' شہر بانو نے اِک ٹھنڈی آہ بھری۔

''شہر یار ایک پڑھا لکھا شخص ہے۔ اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ کس چیز کی کمی ہے اس میں...... میرے لیے اس نے اپنے بچپن کی منگنی توڑ دی اور آپ لوگوں نے ذرا میرے دل کا خیال نہیں کیا۔'' سارہ کے آنسو ایک بار پھر بہنے لگے۔

''بعض پڑھے لکھے اور اعلیٰ خاندان کے لڑکے جاہلوں سے بھی بدتر ثابت ہوتے ہیں۔ جب وہ سالوں کا تعلق توڑ کر تمہاری طرف متوجہ ہو سکتا ہے تو تمہارے ساتھ بنا چند مہینوں کا تعلق توڑنے میں بھی دیر نہیں کرے گا۔ جس شخص نے اپنے خاندان کی عزت کی پروا نہیں کی وہ ہماری تمہاری عزت کی کیا پروا کرے گا۔ سارہ بیٹا دماغ سے سوچو گی تو تمہیں اپنے ابو کا فیصلہ اتنا غلط نہیں لگے گا۔'' سارہ کی حالت دیکھ کر شہر بانو کا دل ڈوبنے لگا۔

''پلیز امی، مجھے ایسا لیکچر نہ دیں۔ ابو کی زیادتی کو یوں کم کرنے کی کوشش نہ کریں۔ شہر یار نے سب کچھ میری محبت میں کیا لیکن میں بھول گئی تھی کہ یہ معاشرہ عورت کو محبت کرنے کا حق نہیں دیتا لیکن آپ بھی ابو کو بتا دیجیے گا کہ میں شہر یار کے سوا کسی سے شادی نہیں کروں گی۔'' سارہ غصے سے کہتی بیڈ پر لیٹ گئی اور اپنے اوپر چادر تان لی۔ ہما اپنے بیڈ پر بیٹھی خاموشی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ سارہ جذباتی طبیعت کی مالک تھی۔ اس لیے بہتر تھا کہ ابھی اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔

شہر بانو کا دل بوجھل ہو گیا۔ وہ سست قدموں سے کمرے سے باہر آ گئیں۔ انہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ بیٹی کو سمجھانا آسان نہیں تھا۔ انہوں نے کچن میں جا کر قہوہ بنایا اور اپنے کمرے میں آ گئیں۔ اسفند یار بیڈ پر تکیے سے ٹیک لگائے کوئی کتاب پڑھ رہے تھے۔ یہ ان کی عادت تھی مطالعے کے بغیر انہیں نیند نہیں آتی تھی۔ شہر بانو نے قہوے کی پیالی سائڈ ٹیبل پر رکھ دی اور خود بیڈ کی پائنتی کی طرف آ کر بیٹھ گئیں۔

''سارہ بہت اپ سیٹ ہے۔ اس کے خیال میں ہم نے اس کے ساتھ زیادتی کی ہے۔'' انہوں نے سر جھکائے ہوئے کہا۔ اسفند یار نے کتاب پر سے نظریں نہیں ہٹائیں۔ ان کے ماتھے پر گہری لکیریں ابھر آئیں۔

''سارہ نادان ہے، اپنا اچھا برا نہیں سمجھتی۔ وہ شہر یار کے خاندان کے متعلق کچھ نہیں جانتی۔ وہ لوگ ہم لوگوں سے بہت مختلف ہیں۔ ان کے ہاں عورت کو پیر کی جوتی سمجھا جاتا ہے۔ وہ لوگ عورت کی عزت کرنا نہیں جانتے صرف اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ ان کے ہاں عورت کی حیثیت بھیڑ بکری سے زیادہ نہیں۔ اگر یہ شادی ہو بھی جاتی ہے تو سارہ کو دکھ اور تکلیف کے سوا کچھ نہیں ملے گا۔ شادی کا فیصلہ بہت سوچ سمجھ کر کرنا چاہیے۔ شادی غلط ہو جائے تو انسان کی ساری زندگی تباہ ہو جاتی ہے۔'' اسفند یار نے سنجیدگی سے کہا۔ شہر بانو چند لمحوں کے لیے خاموش ہو گئیں پھر انہیں دیکھتے ہوئے گویا ہوئیں۔

''آپ...... آپ شہر یار کے خاندان کو جانتے ہیں؟'' اس سوال میں اِک تجسس تھا۔ اسفند یار کی آنکھیں یک دم سرخ ہو گئیں۔ ان کے چہرے پر اِک ان کہی سی داستان رقم تھی جسے شہر بانو پڑھنے سے قاصر تھیں۔

''ہاں...... اسی لیے میں نے بلا جواز انکار نہیں کیا۔ آپ سارہ کو سمجھائیں۔ نادان بیٹیاں ماں باپ کے لیے بڑی آزمائش بن جاتی ہیں۔ اسے علم ہونا چاہیے کہ ہم اس کے لیے کبھی کوئی غلط فیصلہ نہیں

کر سکتے۔'' شہر بانو نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اسفند یار نے قہوے کی پیالی اٹھا لی۔

''آپ جلد از جلد سارہ کے لیے کوئی معقول سا رشتہ دیکھیے۔ اب ہمیں اس کی شادی میں مزید دیر نہیں کرنی چاہیے۔'' انہوں نے پیالی ہونٹوں سے لگاتے ہوئے حتمی لہجے میں کہا۔ شہر بانو نے چونک کر انہیں دیکھا۔ وہ شوہر کی مزاج شناس تھیں، جانتی تھیں کہ جب وہ کوئی بات حتمی اور قطعی انداز میں کہتے ہیں تو اس کے بعد کسی قسم کی بحث نہیں کی جا سکتی۔

رات گہری ہو رہی تھی لیکن سارہ کی آنکھوں میں نیند کا شائبہ تک نہیں تھا۔ ایسا بھی ہوتا ہے جب ذہن پر پریشانی کے بادل چھائے ہوں تو گہری اور کالی راتیں اپنے ساتھ نیند کی سوغاتیں نہیں لاتیں پھر آنکھوں میں رت جگے آ ٹھہرتے ہیں۔ سارہ بھی تکیے میں سر دیے ساری رات روتی رہی۔

☆☆☆

زائرہ بیگم پریشانی سے فون ملا رہی تھیں۔ صبح ہی انہیں زریاب کے فیل ہو جانے کی خبر ملی تھی۔ نہ جانے بورڈ والوں کو بے چارے زریاب سے کیا دشمنی تھی جو مسلسل تین سالوں سے اسے فیل کیے جا رہے تھے۔ صبح سے اب تک زائرہ بیگم بورڈ والوں کو ان گنت گالیوں سے نواز چکی تھیں۔

''ہیلو۔'' فون زریاب نے اٹھا لیا تھا۔

''ہیلو زریاب بیٹا کیا حال ہے؟ بیٹا فیل ہونے کا غم بالکل دل پر مت لینا۔ ایف اے پاس نہ بھی ہوا تو کوئی بات نہیں، تم نے کون سا نوکری کرنی ہے۔'' وہ اکلوتے بیٹے کی پریشانی کے خیال سے بولیں۔

''اوہو امی، میں پریشان نہیں ہوں۔ میں اتنی چھوٹی، چھوٹی باتوں کو دل پر نہیں لیتا۔ ویسے بھی میں نے کالج انجوائے کرنے کے لیے جوائن کیا تھا۔ پڑھائی کرنے کے لیے نہیں۔ آپ بس بابا جان کو سمجھا دیجیے گا اُن کے لیکچر سن کر میرا بی پی بڑھ جاتا

کیا آپ
موذی مرض
شوگر
سے نجات چاہتے ہیں؟

آج کل تو ہر انسان شوگر کی مرض سے بیزار پریشان فکر مند ہے۔ ہم نے ایک طویل عرصہ دیسی طبی یونانی قدرتی جڑی بوٹیوں پر ریسرچ کر کے ایک ایسا خاص قسم کا ہربلز شوگر نجات کورس ایجاد کر لیا ہے جو کہ انشاء اللہ آپ کو شوگر سے نجات دلا سکتا ہے۔ شفا منجانب اللہ پر ایمان رکھیں کیونکہ مایوسی تو گناہ ہے۔ یاد رکھیں شوگر کی مرض تو انسان کو اندر ہی اندر دیمک کی طرح کھوکھلا کمزور بے جان بنا دیتی ہے۔ اگر آپ بھی شوگر سے نجات چاہتے ہیں تو آج ہی فون پر تمام علامات بیان کر کے گھر بیٹھے بذریعہ ڈاک VP وی پی شوگر نجات کورس منگوا لیں۔ خدارا ہمارا شوگر کورس آزما کر تو دیکھیں

المُسلم دارلحکمت (رجسٹرڈ)
(دیسی طبی یونانی دواخانہ)
ضلع و شہر حافظ آباد پاکستان
0300-6526061
0301-6690383
فون اوقات
صبح 9 بجے سے دوپہر 1 بجے تک
عصر 4 بجے سے رات 10 بجے تک
آپ صرف فون کریں شوگر کورس ہم پہنچائیں گے

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہے اسی لیے تو میں گھر نہیں آتا۔'' دوسری طرف سے زریاب نے بے پروائی سے کہا۔

''ہاں، ہاں ......تم فکر نہ کرو میں انہیں سمجھادوں گی۔ ارے پڑھائیاں تو وہ کریں جنہوں نے نوکریاں کرکے کنبے پالنے ہوں۔ میرا بیٹا تو زمینوں، جائدادوں والا شیر جوان ہے اسے پاس، فیل کے کاغذ سے کیا فرق پڑتا ہے۔ تم بے فکر ہوکر گھر آجاؤ۔ تمہارے بابا کو میں سنبھال لوں گی۔'' زائرہ بیگم کے لہجے میں..... بے انتہا لاڈ اور محبت تھی۔

''نہیں امی میں ابھی تھوڑا ریلیکس کرنا چاہتا ہوں۔ میرا دوستوں کے ساتھ ناردن ایریاز جانے کا پروگرام ہے۔ تھوڑا گھوم پھر کر آؤں گا تو طبیعت فریش ہوجائے گی۔ آپ بس میرے اکاؤنٹ میں کچھ رقم بھجوادیں۔'' اس نے مطلب کی بات کی۔ ماں کی اندھی محبت سے آگاہ تھا اس لیے کوئی فکر نہیں تھی۔

''ہاں، ہاں میں پیسے بھجوادوں گی۔ خوب گھومنا پھرنا۔ پیسے کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہی تو ہنسنے کھیلنے کے دن ہوتے ہیں واپسی پر گھر کا چکر لگانا بہت دن ہوگئے ہیں تمہیں دیکھے ہوئے۔'' ان کے لہجے سے ممتا چھلک رہی تھی۔

''ٹھیک ہے امی، واپسی پر گھر کا چکر لگاؤں گا۔'' خلافِ توقع وہ آسانی سے مان گیا۔ زائرہ بیگم خوشی سے نہال ہوگئیں۔

''اچھا بیٹا اپنا خیال رکھنا اور مجھے فون کرتے رہنا۔'' ان کے چہرے پر مسکراہٹ آگئی۔ زریاب نے خدا حافظ کہہ کر فون بند کردیا۔ اکلوتے بیٹے سے ماں کی محبت انوکھی نہیں تھی لیکن جس طرح زیادہ میٹھا جسم کو بیماری لگادیتا ہے اسی طرح زیادہ لاڈ پیار اولاد کو نکما بنادیتا ہے۔

☆☆☆

شانزے برآمدے میں جھاڑو لگارہی تھی جب وسیع وعریض پورچ میں سکندر شاہ کی گاڑی آکر رکی۔ شانزے کے ہاتھ رک گئے وہ سر پر دوپٹا ٹھیک کرکے اٹھ کھڑی ہوئی۔ سکندر علی شاہ لمبے لمبے ڈگ بھرتے قریب آگئے۔ انہوں نے اچٹتی نظر اس پر ڈالی۔ گرد آلود پرانا لباس، ہاتھ میں تھاما جھاڑو، چہرے پر گرد کی تہ تلے چھپی اِک خاموش سی اداسی۔ ان کے قدم بے اختیار رک گئے۔ یہ لڑکی جو نوکرانیوں کے حلیے میں جھاڑو تھامے کھڑی تھی اس حویلی کی بڑی بیٹی تھی۔ شانزے سکندر شاہ۔ ملک کے بڑے زمین دار اور نامور سیاست داں کی بیٹی تھی۔

شانزے نے آہستہ سے انہیں سلام کیا۔ انہوں نے سر ہلا کر نظریں چرالیں اور اندر کی طرف قدم بڑھادیے۔ اس کی آنکھیں بے اختیار نم ہوگئیں۔ اگلے ہی پل وہ اپنے کام میں مصروف ہوگئی۔ ابھی اسے بہت سے کام کرنا تھے۔ سکندر علی شاہ اپنے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے۔ صوفے پر بیٹھی زائرہ بیگم انہیں دیکھتے ہی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''اپنے لاڈلے کے کارنامے کی خبر تو آپ کو مل ہی گئی ہوگی؟'' وہ طنزاً بولے۔ بیٹے کی نالائقی اور بے پروائی سے تنگ آگئے تھے۔

''ارے آپ بیٹھیں تو سہی، دیکھیے ہر بچے کا اپنا مزاج ہوتا ہے کچھ بچوں کا ذہن پڑھائی میں تیز ہوتا ہے کچھ کا نہیں ہوتا۔ اس بات کو والدین کو سمجھنا چاہیے۔'' انہوں نے فوراً بیٹے کی وکالت کی۔ سکندر شاہ چند لمحوں کے لیے خاموش ہوگئے، جانتے تھے اس موضوع پر بات کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

''گھر میں ملازموں کی کمی ہوگئی ہے کیا؟'' انہوں نے سائڈ ٹیبل کے قریب گھڑی اتارتے ہوئے پوچھا۔

''کیا مطلب؟'' زائرہ بیگم ناسمجھی سے انہیں دیکھنے لگیں۔

''باہر شانزے جھاڑو دے رہی تھی۔ کچھ بھی

ہے یہ اسے زیب نہیں دیتا۔'' انہوں نے نظریں پھیرتے ہوئے کہا۔ اُن کے لہجے میں عجیب سی ناراضی تھی۔

زائرہ بیگم کا چہرہ سرخ ہوگیا۔ شانزے کا ذکر یونہی ان کی طبیعت مکدر کردیتا تھا۔ وہ بیڈ روم فریج کھول کر گلاس میں جوس ڈالنے لگیں۔ آج کا دن ہی برا تھا کہ شوہر کا موڈ اس قدر خراب ہوگیا تھا۔

''بیٹیاں گھر کے کام کاج کرتی اچھی لگتی ہیں۔ اس عمر میں لڑکیوں کو مصروف رہنا چاہیے ورنہ فارغ بیٹھ کر دماغ میں عجیب وغریب خیالات آتے ہیں۔ نتاشا کی بات دوسری ہے وہ پڑھائی والی بچی ہے۔ پڑھائی سے فارغ ہوگی تو کام کاج میں ہاتھ بٹائے گی۔'' زائرہ بیگم نے شوہر کی نظروں کا مفہوم سمجھ کر کہا۔ ساتھ ہی جوس کا بھرا ہوا گلاس اُن کی طرف بڑھایا۔ سکندر شاہ صوفے پر ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ نظریں کچھ سوچتی ہوئی سی تھیں۔

''آپ کو خبر تو مل ہی گئی ہوگی کہ شہریار جہاں شادی کرنا چاہتا تھا وہاں سے انکار ہوگیا۔ بھائی صاحب اور بھابی نے بیٹے کی ضد مان کر منہ کی کھائی۔ اس لڑکی کا باپ عقل مند نکلا۔ میں نے تو بھابی سے پہلے ہی کہا تھا کہ بیٹے کی بات مان کر وہ رسوا ہی ہوں گی۔ شہریار کو بھی سمجھ آگئی ہوگی کہ شادی بیاہ بچوں کا کھیل نہیں ہوتے۔'' زائرہ بیگم نے فوراً بات کا موضوع بدل ڈالا۔ سکندر شاہ گھونٹ گھونٹ جوس پینے لگے۔

''اس میں بھائی صاحب کا قصور نہیں ہے۔ اولاد جوان ہوجائے تو اپنی من مانی کرنے لگتی ہے۔ ماں باپ بوڑھے ہوجائیں تو بے بس ہوجاتے ہیں۔''

''آپ تو اب بھی انہی کی طرف داری کریں گے۔ اگر وہ شہریار پر زبردستی کرتے تو اس کی مجال نہیں تھی کہ نتاشا کے سوا کسی کا نام لیتا۔ بہرحال اب آپ جلد ہی دونوں کی شادی کی بات کردیجیے ایسا نہ ہو کہ پھر کوئی مسئلہ کھڑا ہوجائے۔ ایک ہی بیٹی ہے ہماری اس کی خوشی سے بڑھ کر ہمیں کوئی چیز عزیز نہیں۔'' زائرہ بیگم نے اُن کا چہرہ دیکھتے ہوئے کہا۔ سکندر شاہ نے عجیب سی نظروں سے بیوی کو دیکھا۔

''ہماری ایک نہیں دو بیٹیاں ہیں اور آپ یہ بات ہمیشہ بھول جاتی ہیں۔'' وہ رکھائی سے بولے اور کرسٹل کا جوس سے بھرا ہوا گلاس میز پر رکھ دیا۔

''ہماری نہیں، آپ کی دو بیٹیاں ہیں۔ میری صرف ایک بیٹی ہے اور یہ بات مجھے ہمیشہ یاد رہتی ہے۔'' زائرہ بیگم کے صبر کا پیمانہ چھلک گیا اُن کے لہجے میں غصہ تھا، ناگواری تھی، نفرت تھی۔ سوکن کی اولاد کو برداشت کرنا ایک عورت کے لیے بہت بڑا امتحان ہوتا ہے۔ زائرہ بیگم کا بھی یہی حال تھا جب، جب شانزے کو دیکھتیں ان کا پورا وجود نفرت کی آگ میں جلنے لگتا۔ شانزے کا حسین چہرہ ان کے دل کو پل، پل خاکستر کرتا۔ ان کا بس چلتا تو شاید وہ شانزے کا وجود ہی ختم کردیتیں۔ حسد اور نفرت یکجا ہوجائیں تو انسان کی زندگی سے سکون ختم ہوجاتا ہے اور بے سکون انسان خود کو بھی تباہ کرتا ہے اور دوسروں کو بھی۔

☆☆☆

یونیورسٹی کا یہ گوشہ نسبتاً سنسان تھا۔ وہ دونوں سکھ چین کے گھنے پیڑ تلے ایک سنگی بینچ پر بیٹھے تھے۔ شہریار کے چہرے پر غصہ تھا۔ سارہ نظریں جھکائے اپنے بیگ کے اسٹریپ پر ہاتھ پھیر رہی تھی۔ اس کا کوئی قصور نہیں تھا لیکن وہ از حد شرمندہ تھی۔ اس نے کاسنی رنگ کی لمبی فراک اور چوڑی دار پاجامہ پہن رکھا تھا۔ اس کا کاسنی دوپٹا ہوا سے لہرا رہا تھا۔ لمبے بالوں کو آگے سے کلپ لگا کر پشت پر کھلا رکھا تھا۔ وہ آج بہت پیاری لگ رہی تھی لیکن آج شہریار کی نظروں میں اس کے لیے ستائش نہیں تھی وہ آج بہت ہی عجیب موڈ میں تھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

''یقین کرو مجھے ابو کے انکار کے متعلق شک بھی نہیں تھا۔ مجھے تو ابھی تک یہ سمجھ نہیں آرہی کہ انہوں نے ایسا کیوں کیا۔ وہ تو کبھی سخت گیر قسم کے باپ نہیں تھے۔'' وہ نظریں جھکائے آہستہ سے بولی۔ اسے شہریار کا رویہ تکلیف دے رہا تھا۔ انسان جس سے محبت کرتا ہو اس کے رویوں کو بہت شدت سے محسوس کرتا ہے۔

''تمہارے ابو ایک ڈکٹیٹر ہیں۔ اب وہ زمانہ نہیں رہا جب لڑکیوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح جس کھونٹے سے چاہا باندھ دیا جاتا۔ تم کوئی ان پڑھ اور بے شعور لڑکی نہیں ہو، عاقل اور بالغ ہو۔ تمہیں اپنی زندگی کے فیصلے کرنے کا پورا حق ہے جو حقوق تمہیں قانون اور شریعت دیتی ہے کسی کو انہیں غصب کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ تمہیں اپنے لیے لڑنا پڑے گا سارہ۔ حقوق کی جنگ بہت ہمت اور حوصلہ مانگتی ہے۔ تمہیں اپنے جائز حقوق کی بقا کے لیے قدم اٹھانا پڑے گا۔'' شہریار کا لہجہ پُرجوش ہوگیا۔ سارہ ناسمجھی سے اسے دیکھنے لگی۔

''میں امی سے دوبارہ بات کروں گی۔'' اس نے ہوا کے باعث اپنے لہراتے بالوں کو ایک ہاتھ سے سمیٹا۔

''اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ وہ کبھی تمہاری بات نہیں مانیں گے۔ بوڑھے لوگوں کی ضد میں بچپنا ہوتا ہے۔ وہ کسی بات پر اڑ جائیں تو مشکل سے ہی مانتے ہیں۔ ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ میرے والدین میری شادی نتاشا سے کرنا چاہتا ہیں۔ اگر وقت گزر گیا تو مجھے مجبوراً نتاشا سے شادی کرنی پڑے گی۔'' شہریار کی بات پر سارہ بری طرح گھبرا گئی۔ وہ شہریار کو کھونے کا تصور بھی نہیں کرسکتی تھی۔ وہ محبت کے جنگل میں قدم رکھ چکی تھی اسے واپسی کا راستہ بھول چکا تھا۔

''تمہارے ابو تمہاری شادی زبردستی کسی مڈل کلاس اسکول ماسٹر یا فیکٹری ورکر سے کردیں گے جہاں تم ساری زندگی روتے، ترستے ان چاہے رشتوں کا بوجھ اٹھاتے گزار دوگی۔ زندگی میں محبت نہ ہو تو زندگی میں کوئی رنگ باقی نہیں رہتا۔ اپنی زندگی کو یوں دوسروں کی انا کی بھینٹ مت چڑھاؤ سارہ۔ میں تمہیں اپنی زندگی ضائع نہیں کرنے دوں گا۔'' شہریار نے اِک ہولناک نقشہ کھینچا۔ سارہ کی ہتھیلیاں پسینے سے تر ہوگئیں۔ وہ بے خیالی میں شاخ پر بیٹھے پرندوں کو دیکھنے لگی۔

''میں...... میں ہر حال میں تمہارا ساتھ دوں گی شیری۔'' سارہ کو اپنی ہی آواز دور سے آتی محسوس ہوئی۔

''تمہیں مجھ پر بھروسا رکھنا ہوگا۔ سارہ میں جیسا کہوں تمہیں ویسا ہی کرنا ہوگا ورنہ ہمارے راستے آج سے ہی جدا ہوجائیں گے۔'' شہریار کے لہجے میں قطعیت تھی۔ سارہ نے دہل کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر عجیب سی سنجیدگی تھی۔

''ایسا آئندہ مت کہنا...... میرا اور تمہارا راستہ کبھی جدا نہیں ہوسکتا شیری۔'' سارہ کی آنکھیں پُرنم ہوگئیں۔ اس کی آواز بھرا گئی۔ کوئی درد دل کے درد سے سوا نہیں ہوتا۔

''ہم اپنی محبت کو ٹریجڈی میں بدلنے نہیں دیں گے۔ اٹھو میرے ساتھ چلو۔'' شہریار اس کا ہاتھ تھام کر کھڑا ہوگیا۔

''کہاں؟'' سارہ نے حیرت سے پوچھا۔

''ہم آج ہی کورٹ میرج کریں گے اور پھر وقت آنے پر گھر والوں کو بتادیں گے۔ اس طرح میرے اور تمہارے گھر والے ہماری کہیں اور شادی نہیں کرسکیں گے اور ہماری بات ماننے پر مجبور ہوجائیں گے۔''

''کورٹ میرج؟'' سارہ کے لبوں نے بے آواز جنبش کی۔ لمحے بھر کو اس کا دل بڑی زور سے دھڑکا۔ ہوا تیز ہوگئی اس کے بال اور اس کا کاسنی

آنچل تیز ہوا کے باعث اڑنے لگے تیز ہوا شاید اس کے قدم روکنا چاہتی تھی۔

''ڈرو مت سارہ، مجھ پر بھروسا رکھو۔ ہمارے ملن کا یہی ایک راستہ ہے۔ وقت سے پہلے کسی کو پتا نہیں چلے گا۔ میں نے سب انتظام کرلیا ہے۔ جلدی چلو ہمارے پاس وقت کم ہے۔'' وہ شہریار نہیں کوئی جادوگر تھا جس نے محبت کا اسم پڑھ کر اس کے دل کو غلام بنالیا تھا۔ وہ بے آواز قدموں سے اس کے ساتھ کھنچتی چلی گئی۔ دل سرکش ہوجائے تو ذہن کام کرنا چھوڑ دیتا ہے۔

☆☆☆

جہانگیر شاہ کی سفید حویلی میں آج جشن کا سماں تھا۔ ڈھول باجے والے زور شور سے ڈھول بجارہے تھے۔ سارے گاؤں میں مٹھائیوں کے ٹوکرے تقسیم کیے جارہے تھے۔ آج رات کا کھانا حویلی کی طرف سے دیا جانا تھا اور یہ جشن بھلا کیوں نہ ہوتا۔ جہانگیر شاہ کا اکلوتا بیٹا عماد ایم بی اے پاس کرکے گاؤں آیا تھا۔ اس نے اعلیٰ نمبروں سے شاندار کامیابی حاصل کی تھی۔ جہانگیر شاہ اور نبیلہ شاہ کے لیے آج بڑا دن تھا۔

عماد اور ازمیر کھلے میدان میں رائڈنگ کررہے تھے۔ عماد سفید براق گھوڑے پر سوار تھا جس کی ریشمی جلد دھوپ میں چمک رہی تھی۔ ازمیر کا گھوڑا سیاہ رنگ کا تھا۔ دونوں ہی اعلیٰ نسل کے قیمتی گھوڑے تھے۔

''آج تو آپ وی آئی پی ہیں۔ سارے گاؤں میں جشن کا سماں ہے بس چراغاں ہونے کی کمی رہ گئی ہے۔'' ازمیر نے عماد کو چھیڑتے ہوئے کہا۔

''فکر نہ کرو جب تمہارا ایم بی اے مکمل ہوجائے گا تب بھی ایسا ہی جشن ہوگا۔'' عماد بے اختیار مسکرایا اور جمپ لگا کر گھوڑے سے اتر آیا۔ ازمیر ہنسنے لگا۔

''بابا جان ٹھیک کہتے ہیں وہ مرد ہی کیا جسے گھوڑوں کا شوق نہ ہو۔'' عماد نے اپنے سفید گھوڑے کی پشت پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

''اب آپ کے کیا ارادے ہیں، گاؤں واپس آئیں گے یا شہر میں ہی رہیں گے؟'' ازمیر بھی گھوڑے سے نیچے اتر آیا۔

''گاؤں واپس آؤں گا۔ اماں جان اور بابا جان کے ساتھ رہوں گا۔ اُن کی امیدوں پر پورا اترنا بھی میرا فرض ہے۔'' دونوں ساتھ ساتھ چلنے لگے۔

''اب تو آپ کے سہرے کے پھول بھی کھلنے والے ہوں گے۔ ماموں جان اب آپ کی شادی میں دیر نہیں کریں گے۔'' ازمیر نے اندازہ لگایا۔

''ہوں، کیا خبر سہرے کے پھول کھل بھی گئے ہوں۔'' عماد شرارت سے مسکرایا۔

''ہائیں کیا مطلب...... یعنی آپ نے لڑکی پسند بھی کرلی۔ بڑے چھپے رستم نکلے آپ تو...... کون ہیں ہماری ہونے والی بھابی، کہاں رہتی ہیں، کیا کرتی ہیں؟'' ازمیر حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔

''میں نے نہیں بابا جان نے پسند کی ہے اور چند دن پہلے ہی اپنی خواہش کا مجھ سے اظہار کیا ہے۔ میں اُن کی خوشی میں خوش ہوں۔ وہ میرے بابا ہیں مجھے ان کے انتخاب پر اعتراض نہیں ہے۔'' عماد گھوڑے کی باگ تھامے رسانیت سے بولا۔

''بڑے فرمانبردار ہیں آپ۔ ایسی تابعدار قسم کی اولادیں تو اب نایاب ہوگئی ہیں۔ بہت مبارک ہو آپ کو، نام تو بتائیں۔'' ازمیر بڑا متاثر ہوگیا۔

''وقت آنے پر پتا چل جائے گا۔'' عماد سامنے دیکھتے ہوئے بولا۔

''اچھاجی، سرپرائز ہے۔ چلیں اس سرپرائز کے کھلنے کا انتظار کریں گے۔'' سامنے ہی سفید حویلی کا گیٹ تھا۔ وہ دونوں سائیس کے حوالے گھوڑوں کو کرکے اندر آگئے۔

سفید حویلی اپنے نام کی طرح خوب صورت

WWW.PAKSOCIETY.COM

اور روشن تھی۔ سفید پتھروں سے بنی یہ حویلی آرکیٹیکچر کا حسین شاہکار تھی۔ سنگِ مرمر کے مرمریں فرش، سر سبز باغیچے، اونچے ستون اور منقش محرابی دروازے اس کی خاصیت تھے۔ قدیم وجدید فنِ تعمیر کا شاہکار یہ حویلی ہر آنکھ کو اپنی طرف متوجہ کرنے کا فن رکھتی تھی۔

وہ دونوں لاؤنج میں داخل ہوئے تو سامنے ہی شیشے کی چوکور ڈائننگ ٹیبل کے گرد جہانگیر شاہ، نبیلہ اور صائمہ بیٹھے تھے۔

''آگئے میرے بچے۔ ہم لوگ تمہارا ہی انتظار کر رہے تھے۔'' صائمہ نے محبت سے کہا۔ ڈائننگ ٹیبل پر دنیا جہان کے لوازمات رکھے تھے۔ وہ دونوں کی پلیٹیں ان لوازمات سے سجانے لگیں۔

''آؤ میرے شیر جوانوں کچھ پیٹ پوجا کرلو، صبح سے نکلے ہوئے ہو، ہوگئی رائڈنگ؟'' جہانگیر شاہ انہیں دیکھ کر خوش دلی سے بولے۔

''جی بابا صاحب، گاؤں کی رونقیں دیکھنے رک گئے تھے۔'' عماد کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

''اب تو عماد کی شادی ہو جانی چاہیے۔ شادی پر اس سے بڑا جشن ہوگا۔'' صائمہ نے دونوں کے آگے پلیٹیں رکھتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک کہا امی آپ نے۔ یہ تو عماد بھائی نے مجھے کچھ دیر پہلے ہی بتایا ہے کہ ماموں جان نے اُن کے لیے لڑکی بھی پسند کرلی ہے اور دیکھیں ہمیں تو کانوں کان خبر بھی نہیں ہوئی۔'' ازمیر منہ میں گلاب جامن رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ نبیلہ نے چونک کر حیرت سے جہانگیر کو دیکھا۔ عجیب بات تھی انہیں بھی اس بات کی خبر نہ ہوئی تھی۔

''کیا یہ سچ ہے؟'' انہوں نے باری باری اُن دونوں کے چہرے دیکھے۔ عماد نے نظر چرالی۔ جہانگیر شاہ نے پانی کا گلاس لبوں سے لگالیا۔

''اگر یہ بات سچ تھی تو اتنی راز داری رکھنے کی کیا ضرورت تھی۔'' نبیلہ کو یک دم ہی اس راز داری پر غصہ آنے لگا۔

''ارے ایسا بھی کیا سرپرائز کہ ممانی جان تک کو نہیں پتا۔'' ازمیر کو حیرت کا جھٹکا لگا۔

''میں نے عماد کے لیے ایک لڑکی پسند کی ہے۔ سب سے پہلے اسی سے ذکر کیا کہ اس کا عندیہ لے لوں۔ بعد میں سب کو بتا دیا جائے گا۔ شکر ہے میرے بیٹے نے میرا مان رکھ لیا۔'' جہانگیر شاہ نے فخر سے بیٹے کو دیکھا۔

''اچھا کون ہے وہ لڑکی۔ آپ مجھ سے تو ذکر کرتے۔'' نبیلہ نے تجسس سے پوچھا۔ وہ چند لمحوں کے لیے خاموش ہوگئے۔

''ہاں بھائی صاحب، اب تو عماد نے بھی ہاں کہہ دی ہے اب آپ بھی بتانے میں دیر نہ کیجیے۔ آج تو واقعی بڑی خوشی کا دن ہے۔'' صائمہ نے بے تابی سے کہا۔

''میں نے بہت برس پہلے یہ عہد کیا تھا کہ اس گھر میں ایک ہی لڑکی بہو بن کر آئے گی اور وہ شانزے سکندر شاہ ہی ہوگی۔'' جہانگیر شاہ نے گویا دھماکا کیا۔ تینوں نفوس کو سانپ سونگھ گیا تھا۔

''شانزے سکندر شاہ؟'' نبیلہ کے ہونٹوں سے بے اختیار نکلا۔ نبیلہ نے بے اختیار صائمہ اور ازمیر کی طرف دیکھا وہ بھی حیرانی سے جہانگیر کو دیکھ رہے تھے جبکہ عماد بالکل مطمئن بیٹھا تھا۔

☆☆☆

''سکندر شاہ کبھی نہیں مانے گا، یہ رشتہ ہونا ناممکن ہے جہانگیر، آپ کی خواہش اپنی جگہ لیکن انسان کی ساری خواہشیں تو پوری نہیں ہوتیں اور پھر عماد کے لیے لڑکیوں کی کمی نہیں ہے۔'' نبیلہ نے جہانگیر شاہ کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔ رات گہری ہوچکی تھی لیکن آج شاید سفید حویلی کے کسی فرد کے نصیب میں نیند نہیں تھی۔ کھڑکی سے نظر آتا چاند پوری آب وتاب کے ساتھ جگمگا رہا تھا، ستاروں کی چمک

آسمان کا حسن بڑھا رہی تھی۔

جہانگیر شاہ بیڈ کے کراؤن سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ ان کے ہاتھ میں سگار سلگ رہا تھا۔

''عماد کے لیے بے شک لڑکیوں کی کمی نہیں ہے لیکن میرے لیے کوئی لڑکی شانزے نہیں ہوسکتی۔ ابھی کوئی بھی اندازہ لگانا قبل از وقت ہے، ہمیں سکندر سے بات کرنی ہوگی، برسوں کی دشمنی اسی طرح ختم ہوسکتی ہے ویسے بھی دشمنیاں انسان کو کچھ نہیں دیتیں۔ میں نے ایک عمر کے تجربے سے یہی سیکھا ہے...... اس کے لیے اگر سکندر شاہ نے کوئی بھی شرط رکھی تو ہمیں منظور ہوگی۔'' وہ سگریٹ کا ایک گہرا کش لیتے ہوئے بولے تھے۔

''یہ آپ کا جذباتی فیصلہ ہے جہانگیر! سکندر شاہ آپ کو اپنا دشمن سمجھتا ہے اور کوئی شخص اپنے دشمن کو اپنی بیٹی کا رشتہ نہیں دیتا۔'' نبیلہ بولیں جنہیں اس رشتے میں سو طرح کی قباحتیں نظر آرہی تھیں۔

''دشمنی ختم بھی کی جاسکتی ہے اور ہم اسے ختم کرنے میں پہل کریں گے۔ میں نہیں چاہتا دشمنیوں کا زہر ہماری نسلوں کو بھی متاثر کرے۔ کسی کو تو پہلا قدم اٹھانا پڑتا ہے اور پہلا قدم میں اٹھانے کو تیار ہوں۔'' جہانگیر شاہ کے لہجے میں عزم تھا۔ نبیلہ کے چہرے پر کشمکش کے آثار ابھر آئے۔ انہیں یہ بیل منڈھے چڑھتی ہوئی نظر نہیں آرہی تھی۔ نہ جانے جہانگیر شاہ کو کیا ہوگیا تھا وہ تو کبھی یوں جذباتی فیصلے نہیں کرتے تھے۔

''سکندر شاہ سے بات کرنا شیر کی کچھار میں سر ڈالنے کے مترادف ہے۔'' انہوں نے خفگی سے کہا۔

''تمہیں اعتراض کس بات پر ہے؟ یہ میرا فیصلہ ہے اور تم اچھی طرح جانتی ہو کہ جہانگیر شاہ اپنے فیصلے بدلا نہیں کرتا۔'' جہانگیر شاہ کے لہجے میں سختی ابھر آئی۔ نبیلہ خاموش ہوگئیں، انہیں علم تھا کہ اب واقعی جہانگیر شاہ کا فیصلہ نہیں بدلے گا۔ انہیں شانزے سے کوئی بیر نہیں تھا وہ تو بس سکندر شاہ سے خوفزدہ تھیں۔ سکندر شاہ کوئی معمولی آدمی نہیں تھا۔ فضا میں دھواں بڑھنے لگا تو وہ اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلی گئیں۔

☆☆☆

سفید حویلی میں رات کے اس پہر خاموشی کا راج تھا۔ ازمیر چپکے سے صائمہ کے کمرے میں داخل ہوا۔ کمرے میں لیمپ جل رہا تھا۔ کھڑکی کے پردے کھلے ہوئے تھے جہاں سے چاندنی چھم چھم کر کے اندر آرہی تھی۔

''آپ ابھی تک سوئیں نہیں امی؟'' وہ اُن کے پیروں کی طرف بیٹھ گیا۔ صائمہ کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ وہ دقت سے مسکرائیں۔

''نیند نہیں آرہی تھی بیٹا! تم ابھی تک کیوں نہیں سوئے...... صبح بھی سویرے ہی اٹھ گئے تھے۔'' انہوں نے محبت سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''مجھے بھی آپ کی طرح رت جگے کا مرض لاحق ہوگیا ہے۔'' وہ ان کے پیر دباتے ہوئے مسکرایا۔

''آپ ماموں جان کے فیصلے کے متعلق سوچ رہی ہیں ناں! یقین کریں، مجھے ان کے فیصلے سے اس قدر خوشی ہوئی ہے کہ بتا نہیں سکتا۔'' ازمیر نے صائمہ کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''سکندر شاہ کبھی نہیں مانے گا۔'' وہ آہستہ سے بولیں۔

''اس کی ایسی کی تیسی...... وہ کوئی خدا نہیں ہے جو فیصلوں پر آخری مہر لگاتا ہے جو لوگ زمین پر خدا بن جاتے ہیں ان کا انجام بہت بھیانک ہوتا ہے۔ ہم بھی دیکھ لیں گے کہ وہ کیا کرلے گا۔'' ازمیر نے غصے سے کہا۔ صائمہ خاموشی سے کھڑکی کے پار بکھرتی چاندنی کو دیکھنے لگیں۔ ان کی آنکھوں میں گہری اداسی تھی۔

''سکندر شاہ سے مت ڈریں امی! وہ کوئی

WWW.PAKSOCIETY.COM

عفریت نہیں ہے عام انسان ہے اور عام انسان سے کیا ڈرنا۔" ازمیر نے انہیں تسلی دی۔

"تمہیں اس کی طاقت کا اندازہ نہیں ہے ازمیر...... عام انسان پر جب طاقت کا نشہ چڑھ جائے تو اسے شیطان بنتے دیر نہیں لگتی...... شیطان کے کئی روپ ہوتے ہیں اکثر وہ انسان کے روپ میں پھرتا ہے۔" صائمہ کی آواز بوجھل ہوگئی۔

"او ہو امی......! آپ فکر نہ کریں، سب ٹھیک ہو جائے گا، طاقت کا نشہ بھی ایک دن ٹوٹ جاتا ہے۔ دیکھیے گا عماد بھائی کی دلہن شانزے ہی بنے گی انشاء اللہ۔" ازمیر نے صائمہ کے قریب بیٹھ کر انہیں اپنے کندھے سے لگالیا۔ صائمہ نے بیٹے کے شانے سے سر ٹکا دیا۔ دو آنسو بڑی خاموشی سے ان کی آنکھ سے نکلے اور گالوں پر پھیل گئے۔ چاندنی میں اداسی مدغم ہوگئی۔

"کاش کہ یہ خواب سچ ہو جائے۔" اُن کے کراہتے دل نے بے ساختہ دعا کی۔

☆☆☆

شام کا وقت تھا، افق پر رنگ بکھرے ہوئے تھے۔ سارہ اپنے پسندیدہ جھولے پر پاؤں اوپر کیے بیٹھی تھی۔ ہلکے انگوری رنگ کے سوٹ میں ملبوس اس نے دوپٹا شانے کے ایک طرف اوڑھا ہوا تھا۔ آہستہ آہستہ جھولا ہلاتے وہ کسی گہری سوچ میں گم تھی۔ شہربانو نے کچن کی کھڑکی سے اسے یوں اداس بیٹھے دیکھا تو ان کا دل ملال میں گھر گیا۔ چڑیا کی طرح چہچہاتی بیٹی یوں خاموشیوں کی نذر ہوگئی تھی، ان کے دل کو گہرے دکھ نے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

"ایسے کیوں بیٹھی ہو؟" ہما بالوں کی دو چٹیا بنائے اس کے قریب آگئی۔ اس نے سیاہ لباس پہن رکھا تھا اور چٹیا میں موتیے کے گجرے لپیٹے ہوئے تھے۔ یہ اس کی عادت تھی۔ موتیے کے پھول جمع کر کے گجرے ضرور بناتی تھی، انہیں کبھی کلائیوں میں تو کبھی بالوں میں لگالیتی۔ سارہ اسے پھول شہزادی کے نام سے چھیڑتی۔

"کیوں اب تم لوگوں کو میرے تنہا بیٹھنے پر بھی اعتراض ہے؟" سارہ تو کاٹ کھانے کو دوڑی، ہما نے افسوس سے اسے دیکھا۔

"ابو کو غلط مت سمجھو سارہ! میں نے امی سے بات کی تھی۔ انہوں نے کہا ابو شہریار کے خاندان کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ وہ ٹھیک لوگ نہیں ہیں۔ اگر تمہاری شادی وہاں ہو بھی جاتی ہے تو وہ لوگ تمہاری زندگی کو جہنم بنا دیں گے۔ جہاں عورت کی عزت نہ کی جاتی ہو اس خاندان میں رشتہ جوڑنا حماقت ہی ہوتا ہے۔" ہما نے اس کے اترے ہوئے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"اور جو امی میرے لیے رشتے تلاش کر رہی ہیں، اس کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔ میری مرضی کے بغیر میرا رشتہ طے کر دینا درست ہے کیا؟" سارہ گویا پھٹ ہی پڑی۔ وہ اداسی سے موتیے کے پھولوں کے پاس اڑتی سفید تتلی کو دیکھنے لگی۔

"ابو کا خیال ہے اب تمہاری شادی کر دینی چاہیے۔ تمہارا ذہن بھی بٹے گا اور تم اپنی نئی زندگی میں ماضی کے اس باب کو بھول جاؤ گی۔" ہما نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ افق پر بکھرے رنگ اب مدھم ہو رہے تھے، پرندوں کا ایک غول ان کے سر پر سے گزرا اور گھنے درختوں میں گم ہوگیا۔

"میری طرف سے امی، ابو کو بتا دو کہ میں شہریار کے سوا کسی سے شادی نہیں کر سکتی۔ یہ میری ضد نہیں میرا حق ہے اور اگر میں پچھتاؤں گی بھی تو اُن کے پاس کبھی نہیں آؤں گی اگر اس کا گھر میرے لیے جہنم بھی ہوگا تو مجھے وہ جہنم خوشی، خوشی قبول ہے۔" سارہ کے لہجے میں انتہا درجے کی ہٹ دھرمی تھی۔

"سارہ! تم سمجھتی کیوں نہیں ہو، ابو تمہارے دشمن تو نہیں ہیں، کیوں باقی سب کے ساتھ خود کو بھی

سزا دے رہی ہو۔ اب بھی کچھ نہیں بگڑا، واپس پلٹ آؤ سارہ...... یہ سفر لاحاصل ہے، اس کی کوئی منزل نہیں ہے۔" ہما نے اپنا سر پیٹ لیا۔

"میں اب واپس نہیں پلٹ سکتی ہما، واپسی کا کوئی راستہ نہیں بچا۔" سارہ کا لہجہ پراسرار ہوگیا۔

"کیا مطلب......؟" ہما نے چونک کر اسے دیکھا، اسے کسی انہونی کا احساس ہوا۔

"میں نے اور شہریار نے کورٹ میرج کرلی ہے۔"

"سارہ......!" وہ بلند آواز سے چیخی......

اسے سارہ سے اس انتہائی قدم کی توقع نہیں تھی۔ اسے شک گزرا اس کے کانوں نے جو سنا وہ جھوٹ ہے، مذاق ہے۔ ان کی طرف بڑھتے شہربانو کے قدموں کو تو جیسے زمین نے جکڑ لیا۔ ان کی آنکھوں کے سامنے زمین، آسمان گھومنے لگے۔ سرمئی شام گہرے اندھیرے میں بدل گئی۔ فلک سے رنگ غائب ہوگئے، پھولوں اور تتلیوں کا حسن گم ہوگیا۔ سارہ اور ہما نے پلٹ کر دیکھا تو دونوں ساکت ہوگئیں۔ شہربانو زرد پڑتے چہرے کے ساتھ زمین پر بیٹھتی چلی گئیں۔

☆☆☆

دلاور شاہ صوفے پر بیٹھے کسی گہری سوچ میں گم تھے۔ ان کی پیشانی پر شکنوں کا جال اُن کی پریشانی کا گواہ تھا۔ فرح بیگم اُن کے سامنے نظریں جھکائے بیٹھی تھیں۔

"تو یہ کارنامہ انجام دیا ہے آپ کے لاڈلے بیٹے نے۔" ان کی آواز میں گہرا طنز تھا۔ فرح بیگم نے لمحے بھر کو آنکھیں بند کرلیں۔ بیٹے کے ہر غلط کام کی ڈانٹ انہی کو سننی پڑتی تھی۔

"اور اب وہ چاہتا ہے کہ ہم اس دو ٹکے کی لڑکی کو رخصت کروا کر لے آئیں۔ وہ کیا سمجھتا ہے ہم اس کے حکم کے غلام ہیں، اس نے ابھی ہمارا غصہ نہیں دیکھا۔ ہم سے غلطی ہوئی جو اسے شروع سے ڈھیل دیے رکھی ورنہ اپنی من مانی کرنے کی اسے جرأت نہ ہوتی۔" دلاور شاہ نے غصے سے کہا۔ ان کے لہجے کا رعب مخاطب کو یونہی سہما دیتا تھا۔ ان کی آواز کی گرج میں سختی سی تھی۔

"وہ ہماری ہر شرط ماننے کو تیار ہے، میرا خیال ہے کہ ہمیں سادگی سے اس لڑکی کو رخصت کروا کر لانا چاہیے۔ بعد میں دیکھیں گے کہ اس کا کیا کرنا ہے۔ جوان بیٹا ہے، من چاہی عورت نہ ملی تو باغی ہو جائے گا اور پھر وہ کون سا اس حویلی کا حصہ بنے گی۔ حجرے کا ایک کمرا اسے دے دیا جائے گا۔ بیٹے کی خواہش بھی پوری ہو جائے گی اور ہمارا بھی کچھ نہیں بگڑے گا۔" بیگم صاحبہ نے ناصحانہ انداز میں کہا۔ دلاور شاہ چند لمحوں کے لیے خاموش ہوگئے۔

"ہوں...... ذرا صاحب زادے کو تو بلائیں۔" انہوں نے سر اٹھا کر فرح بیگم کو دیکھا...... وہ شہریار کو بلا لائیں جو کاریڈور کے آخری سرے پر کھڑا تھا۔

کمرے میں داخل ہوتے ہوئے وہ بے حد نروس تھا، کچھ بھی تھا دلاور شاہ کا رعب ہی ایسا تھا جو سامنے والے کے چھکے چھڑا دیتا۔ شہریار کی نظریں جھکی ہوئی تھیں اور وہ مؤدب سا دلاور شاہ کے سامنے کھڑا تھا۔

"جو قدم تم نے اٹھایا ہے ہمیں بالکل پسند نہیں آیا۔ تم نے اپنی مرضی کرلی اب آگے جو کچھ ہوگا ہماری مرضی سے ہوگا۔ وہ لڑکی صرف تمہاری بیوی ہوگی، ہم اسے اپنی بہو کبھی تسلیم نہیں کریں گے۔ ضروری نہیں کہ ہم تمہارے ہر غلط عمل کا ساتھ دیں۔" دلاور شاہ نے اس کی جھکی نظروں کو دیکھتے ہوئے کہا۔ شہریار کے ماتھے پر پسینے کے قطرے چمکنے لگے۔

"تین بندے جا کے اسے رخصت کروا لائیں گے، وہ حویلی کے اندرونی حصے میں نہیں آئے گی بلکہ حجرے کا ایک کمرا اسے دے دیا جائے گا۔ ہمارے خیال میں یہ اس کے لیے بہت ہے، لوگوں کو اگر

WWW.PAKSOCIETY.COM

اوقات سے زیادہ مل جائے تو ان کی نیت میں فتور آجاتا ہے، اسے زیادہ سر چڑھانے کی ضرورت نہیں ہے اسے اوّل دن سے ہی اس کی اوقات میں رکھنا۔" وہ ٹانگ پر ٹانگ رکھے بڑے طمطراق سے بیٹھے تھے۔ شہریار گن گن کر یہ گھڑیاں گزار رہا تھا۔ اسے اندازہ تھا کہ اس خواہش کی اسے بھاری قیمت چکانا پڑے گی۔ ان کی باتوں پر اثبات میں سر ہلانے کے سوا اس کے پاس اور کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔

"تم کبھی ہمارے سامنے اس کی یا اس کے خاندان کی وکالت نہیں کرو گے۔ ایک بات کا خیال رکھنا کہ ہمیں یا اس حویلی کے کسی فرد کو اس کی طرف سے کوئی شکایت نہ ہو ورنہ اگر ہم ایک بے حیثیت لڑکی کو اس حویلی میں جگہ دے سکتے ہیں تو اسے نکال کر باہر پھینکنا بھی ہمارے لیے مشکل نہیں ہوگا۔"

"جی بابا جان......" شہریار نے تھوک نگلتے ہوئے کہا۔ وہ بے چینی سے اپنی پیشی ختم ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔ اس کے لیے اتنا ہی بہت کافی تھا کہ۔۔ دلاور شاہ، سارہ کو یہاں لانے پر راضی ہو گئے تھے۔

"اور ایک آخری اور سب سے اہم بات......" انہوں نے ہنکارا ابھرا۔

"اس لڑکی کو ہم ایک شرط پر یہاں لے کر آئیں گے۔" شہریار سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھنے لگا۔ فرح بیگم ابھی تک خاموشی سے بیٹھی تھیں۔ انہوں نے شہریار کو آنکھوں ہی آنکھوں میں شرط ماننے کا اشارہ کیا۔ دلاور شاہ نے شہریار کے آگے ایک اور شرط رکھی جسے اس نے چند لمحے سوچنے کے بعد قبول کر لیا۔ فرح بیگم اور دلاور شاہ کے چہرے پر اطمینان پھیل گیا۔ شہریار خوش تھا کہ اس کا کام بڑی آسانی سے ہو گیا۔ دلاور شاہ نے فرح بیگم کو فاتحانہ انداز میں دیکھا اور مسکرانے لگے۔ فرح بیگم نے بھی مسکراتے ہوئے چائے کی پیالی ہونٹوں سے لگالی۔

☆☆☆

گھر میں ایک کہرام بپا تھا۔ شہربانو کا رو رو کر برا حال تھا۔ بات ایسی تھی کہ جو چھپائی نہیں جا سکتی تھی۔ اسفند یار کی آنکھیں لہو رنگ ہو رہی تھیں۔ انہیں سارہ سے اس حماقت اور خود غرضی کی امید نہیں تھی۔ سارہ وہ سارہ نہیں رہی تھی وہ تو ان کے لیے رسوائی بن گئی تھی۔ سارہ سب سے نظریں چرائے اپنے کمرے میں بند تھی۔ اسے رخصت کروانے، فرح بیگم، شہریار اور ایک ملازمہ آئے تھے..... شہربانو کا دل کٹا جا رہا تھا۔ سارہ کی شادی ایسے ہوگی انہوں نے تو کبھی خواب میں بھی نہ سوچا تھا۔ فرح بیگم اس کے لیے صرف ایک پرپل کلر کا فینسی سوٹ لائی تھیں، زیور کے نام پر کچھ نہیں تھا بلکہ انہوں نے تو ہما کو کسی قسم کا میک اپ کرنے سے بھی منع کر دیا تھا۔

"ہم نے لمبا سفر کرنا ہے اس لیے ابھی ان چیزوں کی ضرورت نہیں ہے۔" انہوں نے خشک لہجے میں کہا۔ سارہ کے گھر سے جاتے وقت اسفند یار کمرے سے باہر نہیں نکلے...... شہربانو نے روتے ہوئے اسے گلے لگایا۔ ہما نے نم آنکھوں سے اسے الوداع کہا۔ گھر سے نکلتے وقت سارہ کو عجیب سا احساس ہوا۔ کچھ کھو دینے کا احساس، اِک انجانے دکھ کی آگاہی، اس کے قدم لڑکھڑا گئے۔ اس نے آخری بار گھر کے آنگن اور آنگن کے ایک طرف بنے باغیچے پر نظر ڈالی جہاں اس کا فیورٹ آبنوسی لکڑی اور لوہے کا جھولا نصب تھا اور ہلکی ہوا کے باعث آہستہ آہستہ ہل رہا تھا۔ پھولوں کے گرد تتلیاں اسی طرح رقصاں تھیں، سرخ دیوار سے لپٹی سب بیلیں اسی طرح شاداب اور ہری بھری تھیں۔ بس وہ بدل گئی تھی، اس کی حیثیت بدل چکی تھی۔ اس کا دل بدل گیا تھا اور شاید اس کی قسمت بھی...... سارہ کی رخصتی کیا ہوئی یوں لگتا تھا اس گھر سے ساری خوشیاں اور مسرتیں رخصت ہو گئیں۔

ملازمہ نے سارہ کو سفید چادر اوڑھا دی یوں

کہ اس کا گھونگٹ نکال دیا۔ سارا راستہ وہ یوں سر جھکائے خاموشی سے بیٹھی رہی کسی نے اس سے بات کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ اس کی آنکھوں سے چند آنسو خاموشی سے نکلے اور اس کے گالوں پر پھسل گئے۔ نہ جانے کتنی دیر گزری، اس کی گردن درد کرنے لگی۔ سفر تمام ہوا تو اس نے خدا کا شکر ادا کیا۔ گاڑی وسیع و عریض پورچ میں آرکی۔ سامنے کی پُرشکوہ عمارت خوب صورتی میں اپنی مثال آپ تھی۔ فرح بیگم نے ملازمہ سے کچھ کہا تو وہ سارہ کا بازو تھام کر دائیں طرف بنی چھوٹی سی عمارت کی طرف چل دی۔ یہ چھوٹی سی عمارت حجرہ تھا جو حویلی سے متصل نہیں تھا بلکہ یہاں گاؤں سے آنے والے لوگوں کو ٹھہرایا جاتا تھا۔ برآمدہ پار کر کے ملازمہ نے ایک کمرے کا دروازہ کھولا اور سارہ کو لے کر اندر آگئی۔ سارہ نے فوراً چادر اتاری اور حیرانی سے کمرے کے چاروں طرف دیکھنے لگی۔ بے حد سادہ سا کمرا جس میں مختصر سا سامان پڑا تھا۔ ایک ڈبل بیڈ اور دو کرسیاں اور ایک چھوٹی میز...... ڈریسنگ ٹیبل کی جگہ ایک درمیانے سائز کا آئینہ دیوار میں نصب تھا۔ سارہ حیرانی کے عالم میں بیڈ کے کنارے پر بیٹھ گئی۔ کسی قسم کی آرائش تو ایک طرف۔ کمرے میں تو ضرورت کی چیزیں بھی نہیں تھیں۔ تھوڑی دیر بعد ملازمہ ایک ٹرے اٹھائے اندر آئی۔ اس نے ایک گلاس، پانی کا جگ، چائے کی پیالی اور بسکٹوں کی پلیٹ میز پر رکھی اور واپس چلی گئی۔ سارہ خاموشی سے میز پر پڑی چیزوں کو دیکھنے لگی۔ بھوک ہونے کے باوجود اس کا کوئی چیز کھانے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔ کیا وہ اس حویلی میں دوسرے درجے کی شہری بن کر زندگی گزارے گی؟ اس کے ذہن میں سوالوں کی بازگشت ہونے لگی۔ حویلی میں اس کا استقبال۔۔۔ بے حد روکھے انداز میں کیا گیا تھا۔ اس نے ہتھیلیاں کھول کر اپنے مہندی سے پاک ہاتھوں کو دیکھا۔ وہ کیسی دلہن تھی، جس کے ہاتھوں پر مہندی کا کوئی نقش نہیں تھا جس کے جسم پر سرخ لباس نہیں تھا، جو ہر قسم کے سنگار اور زیور سے مبرا تھی۔ سارہ کی آنکھیں بھر آئیں۔ وہ اتنا تھک چکی تھی سو بیڈ کے کراؤن سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ شہریار ابھی تک نہیں آیا تھا۔ اس نے اپنے پرس سے موبائل نکال کر اسے کال کی تو اس کا موبائل بند ملا۔ ویران کمرا، خالی در و دیوار اور روح کو گھائل کرتی تنہائی۔ سارہ کے دل کی حالت عجیب ہو گئی۔ دفعتاً شہریار دروازہ کھول کر اندر آیا۔ سارہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

"کیسی ہو......؟ ڈریسنگ روم کی الماری میں تمہارے کچھ کپڑے اور ضرورت کی چیزیں رکھی ہیں۔ چینج کر کے فریش ہو جاؤ۔" وہ اس کے قریب بیٹھ گیا۔ سارہ نے شکوہ آمیز نظروں سے اسے دیکھا۔

"میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ میری شادی اس طرح ہوگی۔" نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی آواز بھرا گئی۔

"ان حالات کے ذمّے دار تمہارے ابو ہیں، وہ ضد نہ کرتے تو ہماری شادی بھی بہت دھوم دھام سے ہوتی۔" شہریار کے لہجے میں طنز سمٹ آیا۔ سارہ نے چونک کر اسے دیکھا۔ کیا ساری عمر وہ اپنے ابو کے حوالے سے طعنے سنتی رہے گی۔ اس کی نظریں ساکت ہو گئیں۔ بے حد عجیب سے احساس نے اس کے دل میں گھر کر لیا۔ وہ کوئی شکایت کرنے کی مجاز بھی نہیں تھی۔ قصور کسی کا بھی ہو، اسے احساس ہو گیا کہ سارے قصور اس کے ہی نکلیں گے۔ اسے شہریار کا چہرہ اس کی آواز اور اس کا لہجہ اجنبی لگ رہا تھا۔

"میرا بھی دل چاہتا تھا کہ تمہیں دلہن کی طرح سجا سنورا دیکھوں لیکن تمہارے گھر والوں کی وجہ سے یہ خواب تعبیر نہ پا سکا۔" سارہ کو حیرت ہو رہی تھی۔۔۔ اُس کا لہجہ کیسا ہو گیا تھا، اس میں طنز کی آنچ کیوں آنے لگی تھی۔ وہ خاموشی سے اسے دیکھنے لگی۔ شہریار نے

WWW.PAKSOCIETY.COM

اس کا ہاتھ تھام لیا۔ مہندی، چوڑیوں اور انگوٹھیوں سے خالی ہاتھ......

"تم آرام کرو، میں رات کو آؤں گا، کسی چیز کی ضرورت ہو تو سامنے دیوار پر لگی بیل بجا دینا، مجھے کچھ ضروری کام ہے، فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے یہ تمہارا اپنا گھر ہے۔" اس نے سارہ کا ہاتھ ہولے سے دبایا اور اٹھ کر باہر نکل گیا۔ اگر یہ اس کا اپنا گھر تھا تو وہ خود کو یہاں اجنبی کیوں محسوس کر رہی تھی۔ وہ بے دلی سے اٹھ کر ڈریسنگ روم میں آ گئی۔ الماری میں چند ہلکے رنگوں کے جوڑے لٹکے تھے اور کچھ ضرورت کی اشیا پڑی تھیں۔ ہر چیز بے حد عام اور سادہ سی تھی۔ گویا اس گھر میں اس کی حیثیت کا تعین خود بخود ہو گیا تھا۔

☆☆☆

شہر جانے والا راستہ کچا پکا تھا، شہر جانے والی سڑک بھی کشادہ نہیں تھی، اس لیے جب سڑک پر ٹریفک زیادہ ہوتا تو گاڑی چلانے میں بڑی دشواری ہوتی تھی۔ ازمیر کو شہر پہنچنے کی جلدی تھی، وہ ریش ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ جبھی ایک موڑ موڑتے ہوئے وہ سامنے سے آنے والی سیاہ پراڈو سے ٹکراتے ٹکراتے بچا۔ ڈرائیور نے بے حد غصے کے عالم میں اسے دیکھا پھر شاید اسے پہچان کر کچھ بولنے سے باز رہا اگر ڈرائیور بر وقت گاڑی نہ سنبھالتا تو یقیناً بہت زبردست ایکسیڈنٹ ہوتا۔ پیچھے بیٹھے سکندر شاہ نے غصے کے عالم میں شیشہ نیچے کیا۔ ازمیر کی نظر سکندر شاہ پر پڑی تو اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔

"یہ سڑک ہے کوئی ریس کا میدان نہیں ہے جہاں تم اندھا دھند گاڑی چلاتے ہوئے آ رہے ہو، گاڑی چلانے کے کچھ اصول اور قوانین ہوتے ہیں۔" سکندر شاہ اس پر برس پڑے۔ ازمیر نے بہت مشکل سے اپنے تاثرات کو کنٹرول کیا۔

"بجا فرمایا آپ نے، صرف گاڑی چلانے کے ہی نہیں بلکہ زندگی کے ہر معاملے میں اصول اور قوانین ہوتے ہیں جنہیں شاید آپ نے کبھی اہمیت نہیں دی۔" ازمیر نے سنجیدگی سے کہا۔ اس کی آنکھوں میں شعلوں کی لپک تھی۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟ بدتمیز، بے ادب، بڑوں سے بات کرنے کی تمیز نہیں ہے کیا؟ ایک تو چوری اوپر سے سینہ زوری...... بجائے اپنی غلطی ماننے کے ہم سے منہ ماری کر رہے ہو، جانتے بھی ہو کہ ہم کون ہیں؟" سکندر شاہ تو بالکل آؤٹ ہو گئے، ایک اجنبی لڑکا ان سے سرِعام بدتمیزی کرے، انہیں یہ کہاں گوارا تھا...... گاؤں کے کسی فرد کی مجال نہ تھی کہ اُن سے آنکھ اٹھا کر بات کرتا...... نہ جانے یہ لڑکا کون تھا شاید کسی دوسرے گاؤں کا رہنے والا تھا کیونکہ شہر کی سڑک بہت سارے گاؤں کے راستے جوڑتی تھی۔ اس کی گاڑی اور حیثیت سے معلوم ہوتا تھا کہ کسی اونچے گھرانے کا چشم و چراغ ہے۔

"ٹھیک اندازہ لگایا آپ نے، مجھے واقعی کسی نے تمیز نہیں سکھائی اس لیے میں تمیز نامی چڑیا سے ناواقف ہوں۔ میں آپ کو اچھی طرح جانتا ہوں مسٹر سکندر شاہ لیکن شاید آپ مجھے نہیں جانتے ورنہ بولنے سے پہلے ایک بار تو ضرور سوچ لیتے۔" ازمیر نے اونچی آواز میں کہا اور زن سے گاڑی بھگا لے گیا۔ سکندر شاہ حیرت سے گنگ ہو گئے، نہ جانے... کون سر پھرا لڑکا تھا۔ انہیں اس پر شدید غصہ آیا۔ اتنی جرأت، ایسی دیدہ دلیری، انہیں پہچاننے کے باوجود ایسی گستاخی کون کر سکتا ہے۔

"کون تھا یہ لڑکا، ہمیں اس کا اتا پتا چاہیے؟" وہ سرخ آنکھوں کے ساتھ بولے۔ ڈرائیور نے شیشے میں چور نظروں سے انہیں دیکھا۔

"وہ جی...... یہ ازمیر شاہ تھے، جہانگیر شاہ کے بھانجے......" ڈرائیور ہکلایا۔

سکندر شاہ کا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

''ازمیر شاہ......'' ان کے ہونٹوں سے بے آواز یہ نام نکلا...... ازمیر شاہ کی گاڑی دھول اڑاتی دور ہوتی جا رہی تھی۔

''گاڑی اسٹارٹ کرلوں شاہ صاحب......؟'' ڈرائیور نے ڈرتے ڈرتے پوچھا...... وہ سکندر شاہ کی خاموشی سے خوفزدہ ہو گیا تھا۔

''ہوں...... حویلی میں کسی سے اس واقعے کا ذکر مت کرنا۔'' انہوں نے بارعب آواز میں حکم دیا۔ ڈرائیور نے اثبات میں سر ہلا دیا اور زن سے گاڑی آگے لے گیا۔ سکندر شاہ کی پیشانی پر گہری لکیروں کا جال بچھ گیا تھا۔ تیزی سے گزرتے سب منظر دھندلے ہو گئے...... ازمیر نے سچ کہا تھا اگر وہ جانتے کہ گاڑی میں ازمیر شاہ بیٹھا ہے تو شاید...... اُن کی سوچ ماؤف ہو گئی...... باہر کے سارے منظر دھول مٹی میں گم ہو گئے۔ ان کے ذہن میں ایک ہی نام کی بازگشت ہو رہی تھی...... ازمیر شاہ...... ازمیر شاہ...... انہوں نے آنکھیں بند کر کے سر سیٹ کی پشت سے ٹکا دیا۔

☆☆☆

سارہ آئینے کے سامنے کھڑی بالوں میں برش کر رہی تھی۔ ہلکے نیلے رنگ کا سادہ سا سوٹ پہنے وہ ہر قسم کے ہار سنگار سے پاک تھی۔ شہریار اس کے پاس کچھ دیر کے لیے آتا اور پھر سارا سارا دن کے لیے غائب ہو جاتا۔ اسے یہ شادی ایک قید کی طرح لگتی۔ کمرے میں اس کی دلچسپی کا کوئی سامان نہیں تھا۔ شہریار کی محبت اور وعدے رات کے اندھیرے میں زندہ ہوتے اور دن کی روشنی میں دم توڑ دیتے۔ سارہ کا سارا دن یوں خاموشی سے بیٹھے بیٹھے گزر جاتا وہ ابھی تک حویلی کے اندرونی حصے میں نہیں گئی تھی۔ ابھی شادی کو وقت ہی کتنا گزرا تھا کہ اس کے خوابوں کے عکس ماند پڑ گئے۔ وہ بے خیالی میں اپنے عکس کو دیکھے جا رہی تھی کہ باہر سے کسی نے دروازہ بجایا۔

اس نے پلٹ کر دیکھا تو ایک لڑکی دروازہ کھول کر اندر آ گئی۔ اس کے ہاتھ میں کھانے کی ٹرے تھی۔ یوں تو کھانا ہمیشہ سوہائی ہی لاتی تھی، اس لڑکی کو اس نے پہلی دفعہ دیکھا تھا۔ چند لمحے تو سارہ اس پر سے نظریں نہیں ہٹا پائی۔ گوری رنگت، بڑی بڑی سیاہ آنکھیں، گھنی پلکیں اور متناسب سراپا اس کے چہرے پر بہت معصومیت اور بھولپن تھا۔

''اتنی حسین نوکرانی......'' سارہ کو پہلا خیال یہی آیا۔ پرانے اور بدرنگ کپڑوں میں بھی اس کا حسن چودھویں کے چاند کی طرح دمک رہا تھا۔ اس نے ٹرے میز پر رکھ دی اور سارہ کو دیکھنے لگی۔

''کیا نام ہے تمہارا؟'' سارہ نے بے اختیار پوچھا۔

''شانزے......'' اس کے گلابوں جیسے ہونٹوں سے نکلا۔

''شانزے میں کچھ دیر کے لیے باہر جانا چاہتی ہوں، یہاں میرا دم گھٹ رہا ہے۔'' سارہ کو کھانے کی بالکل خواہش نہیں تھی۔ اس لیے اس نے ٹرے کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ شانزے نے اثبات میں سر ہلا دیا اور اسے ساتھ لے کر حویلی کی پچھلی طرف آ گئی۔ یہاں بے حد خوب صورت سا باغ تھا۔ کیاریوں میں رنگ برنگے پھول کھلے ہوئے تھے۔ کونے میں اِک حوض بنا ہوا تھا۔ سارہ کو کھلی فضا میں آ کر یک دم بڑی خوشگواریت کا احساس ہوا۔ وہ حوض کے قریب کھڑی ہو گئی اور پانی میں اپنا عکس دیکھنے لگی۔

''تم اس حویلی میں کب سے ہو؟''

''بچپن سے، میں تو یہیں پیدا ہوئی تھی۔'' شانزے کو یہ سوال بڑا عجیب سا لگا۔

''اچھا...... کیا کیا کام کرتی ہو؟'' سارہ نے چند پھول توڑ کر پانی میں بہائے۔

''سب کام کر لیتی ہوں۔'' شانزے سر جھکا کر بولی۔

''تم نے نتاشا کو تو دیکھا ہوگا۔ کیسی ہے وہ؟ دیکھنے میں کیسی لگتی ہے؟'' سارہ نے تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر سوال کیا۔

''خوب صورت ہے۔'' شانزے نے مختصراً جواب دیا۔

سارہ پانی کی سطح پر تیرتے سرخ اور سفید پھولوں کو دیکھنے لگی۔

''ہوں...... ویسے تو تم بھی بہت خوب صورت ہو، میں حیران ہوں، حویلی کی نوکرانیاں کتنی خوب صورت ہیں۔'' سارہ نے اسے بغور دیکھتے ہوئے کہا۔ شانزے کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ نہ جانے سارہ اسے کیا سمجھ رہی تھی۔ بھلا اس میں سارہ کا قصور بھی کیا تھا، میلے اور بدرنگ کپڑے جن پر جگہ جگہ داغ دھبے لگے ہوئے تھے۔ پرانی سی چپل اور فضول سی اوڑھنی، یہ نوکرانیوں والا حلیہ ہی تو تھا۔

''میں...... میں نوکرانی نہیں ہوں۔'' اس کے حلق سے ہلکی سی آواز نکلی...... سارہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی...... وہ نوکرانی نہیں تھی تو پھر کون تھی؟ وہ شہریار کے پورے خاندان سے متعارف بھی تو نہیں تھی۔

''میں شہریار بھائی کی کزن ہوں۔ شانزے سکندر شاہ......'' شانزے نے اداسی سے پانی پر تیرتے پھولوں کو دیکھا۔

''تم...... تم نتاشا کی بہن ہو؟'' سارہ کے لہجے میں بے پناہ حیرانی تھی۔ شانزے نے اثبات میں سر ہلایا۔

''اوہ مائی گاڈ......'' سارہ کے لبوں سے بے اختیار نکلا۔

''وہ لوگ عورتوں کی عزت کرنا نہیں جانتے، ان کے ہاں بہو، بیٹیوں کی عزت نہیں کی جاتی...... ان کے نزدیک عورت کی حیثیت بھیڑ، بکری سے زیادہ نہیں ہوتی۔'' اسے اپنے باپ کی باتیں یاد آ رہی تھیں۔ وہ اس حویلی کی بہو تھی جو سارا دن زندان جیسے کمرے

ایک چھوٹا سا بول

ایک چھوٹا سا بول جو رحم دلی سے بولا جائے ایک (ہمدرد) اشارہ یا ہمدردی بھرا آنسو، اکثر ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑ دیتا ہے اور دوست کو مخلص بنا دیتا ہے۔ ایک لفظ یا نظر نے کئی کھلتے ہوئے پھولوں کو مسل کر زمین پر پھینک دیا اور کبھی مرجھائے ہوئے پھولوں کو جلا بخش دی۔

ایک خوشگوار (پیار بھرے) لفظ کو بیکار مت جانو کیونکہ آپ کے چہرے کا اتار چڑھاؤ اور آپ کے خیالات ایک زخمی دل کو تندرست کر سکتے ہیں یا اسے توڑ بھی سکتے ہیں۔

مرسلہ: لاریب، ماہ زیب، چونیاں

میں قید رہتی، جس کے تن پر کوئی زیور نہیں تھا، جو عام سے سستے سے کاٹن کے سوٹ میں ملبوس اس حوض کے کنارے بیٹھی تھی اور سامنے کھڑی لڑکی اس حویلی کی بیٹی تھی، جس کے کپڑوں پر جا بجا داغ اور دھبے تھے جو سارا دن اِک نوکرانی کی طرح کام کرتی۔

اس گھر میں بہو، بیٹیوں کے ساتھ یہ کیسا سلوک روا رکھا جاتا تھا، سارہ حوض کے کنارے بیٹھی گم صم ہو گئی۔ باپ کی باتیں اور نصیحتیں یاد آنے لگیں۔ آہستہ آہستہ اس پر بہت کچھ منکشف ہونے لگا۔ اس نے گھاٹے کا سودا کیا تھا اب اس میں شبہ نہیں رہا۔

''کیا ہوا بھابی...... آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟'' شانزے نے گھبرا کر پوچھا۔

''ہاں......'' وہ بدقت مسکرائی۔ خوابوں کی دھند چھٹی تو حقیقت کے اندھیرے نظر آنے لگے۔ نتاشا نے کھڑکی سے انہیں دیکھا تو اس کے تیور خطرناک حد تک بگڑ گئے۔

''آپ نے دیکھا اسے...... کیسے اس شانزے کے ساتھ گپیں لگا رہی ہے۔ دیکھنے میں کچھ خاص تو نہیں ہے، بس رنگ گورا اور بال لمبے ہیں، ایسی کوئی حور پری تو نہیں جو شہریار اس کے لیے پاگل ہی ہو گیا

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہے۔" نتاشا نے صوفے پر بیٹھی زائرہ بیگم سے کہا۔
"تم فکر مت کرو، بھائی صاحب نے وعدہ کیا ہے کہ وہ حویلی کے اندرونی حصے میں نہیں آئے گی۔ باہر کی عورتیں، خاندانی عورتوں کے برابر نہیں آسکتیں۔ تم دیکھنا کچھ عرصے بعد وہ خود ہی چلی جائے گی۔ مرد جب عورت کو برت لیتا ہے تو اس کی اہمیت کم ہو جاتی ہے، دیکھتے ہیں کتنے دن یہاں رہتی ہے۔" زائرہ بیگم نے نتاشا کو تسلی دی۔

"پتا نہیں وہ دن کب آئے گا؟" نتاشا حسرت سے بولی۔

"تم کیوں اپنا دل جلاتی ہو؟ فکر مت کرو، اس شانزے کو تو میں ابھی پوچھتی ہوں، کس کی اجازت سے اس کے پاس گپیں لگانے گئی ہے۔" زائرہ بیگم غصے سے اٹھ کھڑی ہوئیں اور باہر نکل گئیں۔ نتاشا نے ایک زہر آلود نظر کھڑکی کے باہر کے منظر پر ڈالی اور پردہ چھوڑ دیا۔

☆☆☆

گھر کا تقریباً سارا سامان پیک ہو چکا تھا۔ شہربانو ۔۔۔ اداس اور اسفندیار خاموش تھے۔ اسفندیار نے کسی دوسرے علاقے میں ایک چھوٹا سا فلیٹ کرائے پر لے لیا تھا۔ اس گھر میں وہ پندرہ سالوں سے رہ رہے تھے اور مالک مکان کے ساتھ بالکل خاندان والوں کی طرح تعلقات تھے لیکن اب مجبوری تھی، سارہ کی یوں چوری چھپے شادی کو کس طرح چھپاتے سو انہوں نے یہاں سے جانا ہی مناسب جانا۔

☆☆☆

ہما آج بہت دنوں کے بعد کالج آئی تھی۔ اس کا بی اے کا آخری سال تھا۔ کلاسز ختم ہونے کے بعد وہ لائبریری کی سیڑھیوں پر آبیٹھی۔ اس کا دل بوجھل اور اداس تھا۔ گھر میں اتنا کچھ ہو گیا اسے ابھی تک یقین نہیں آرہا تھا۔ کوئی دھپ سے اس کے قریب آکر بیٹھ گیا۔ اس نے چونک کر دیکھا۔ فائلوں اور کتابوں کا ڈھیر تھامے وہ ازمیر تھا۔

"کیا ہوا کچھ پریشان لگ رہی ہو۔ اتنے دنوں کے بعد کالج آئی ہو۔ سب خیریت تو ہے؟" وہ شاید کوئی نجومی تھا جس نے اِک نظر میں اس کے دل کا حال جان لیا۔

"نہیں...... بس گھر کی شفٹنگ اور پیکنگ میں لگے ہوئے ہیں، اسی لیے تھکان بھی بہت ہو گئی۔" وہ زبردستی مسکرائی۔

"یہ لو...... کچھ نوٹس فوٹو اسٹیٹ کروائے ہیں، اب تمہیں کسی اور کی منتیں کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" ازمیر نے بے پروائی سے ایک فائل اس کی طرف بڑھائی۔

"تھینکس...... تم نے خواہ مخواہ زحمت کی، میں ویک اینڈ پر میں خود ہی بنا لیتی۔" ہما نے فائل کو دیکھتے ہوئے کہا۔ اسے ازمیر کے خلوص پر شبہ نہیں تھا۔ وہ ایک پُرخلوص اور سادہ دل لڑکا تھا۔

"چلو خیر ہے، اب ویک اینڈ انجوائے کرنا ویسے بائی داوے تم لوگوں کو اچانک گھر شفٹ کرنے کی کیا سوجھی...... تم لوگ تو کافی عرصے سے اس گھر میں رہ رہے ہو۔" وہ پچھلے چار سالوں سے ہما کا کلاس فیلو تھا، اسی لیے اس سے جھوٹ بولنا آسان نہیں تھا۔ اس نے جیب سے چاکلیٹ نکالی اور اس کا ریپر اتارنے لگا۔ ہما نے نظریں چرالیں۔

"ہوں...... وہ گھر کافی پرانا ہو چکا تھا، مالک مکان اب اسے بیچنا چاہتے ہیں، ہم نے مناسب سمجھا کہ کہیں اور اچھا سا فلیٹ لے لیں۔" وہ فائل کھولتے ہوئے بولی۔ ترتیب سے رکھے گئے نوٹس دیکھ کر اسے گوناگوں خوشی ہوئی۔ ازمیر نے اسے چاکلیٹ آفر کی جسے اس نے نظر انداز کر دیا۔

"کافی محنت کی ہے تم نے یہ نوٹس بنانے میں۔" اس نے ستائشی انداز میں سرسری سا نوٹس کو پڑھتے ہوئے کہا۔

"تھینکس فار دی کمپلیمنٹ!" وہ چاکلیٹ کھاتے ہوئے بولا۔

"لگتا ہے اس دفعہ بھی ٹاپ کرنے کا تمہارا ارادہ ہے، کبھی تو کسی اور کے لیے پوزیشن چھوڑ دیا کرو...... جتنی ٹرافیز اور شیلڈز تمہارے پاس ہیں اگر میرے پاس ہوتیں تو شاید میں خوشی سے پاگل ہو جاتی۔" ہما نے نوٹس کے صفحے پلٹتے ہوئے کہا۔ ازمیر کے نوٹس ہمیشہ کلاس کے بیسٹ نوٹس ہوتے تھے۔

"لیکن میرے نزدیک ان چیزوں کی خاص اہمیت نہیں ہے، میں جو کرنا چاہتا ہوں ابھی تک نہیں کر سکا اور جب تک میں اپنا ٹارگٹ حاصل نہیں کر لیتا میرے لیے ہر کامیابی بیکار ہے۔" ازمیر کا لہجہ یک دم سنجیدہ ہو گیا۔ اس کی آنکھوں میں سرد سا تاثر ابھر آیا۔ ہما نے الجھے ہوئے انداز میں اسے دیکھا۔ بعض دفعہ اسے ازمیر بہت پُراسرار لگتا، اسے محسوس ہوتا کہ اس کے رویّوں میں الجھاؤ سا ہے وہ نارمل لوگوں سے مختلف ہے، اس کی شخصیت میں شاید کچھ راز ایسے ہیں جن پر ابھی تک پردہ پڑا ہوا ہے۔

"وہ کون سا ٹارگٹ ہے ازمیر......؟ تم کیا کرنا چاہتے ہو؟" ہما نے آہستہ سے پوچھا۔

"ایک شخص سے انتقام لینا ہے جب تک اس سے بدلہ نہیں لے لیتا مجھ پر ہر سانس بھاری رہے گی۔ کوئی بھی کامیابی مجھے ڈھنگ سے خوش نہیں ہونے دے گی۔" ازمیر کی آنکھیں سرد جھیلوں کے مانند لگ رہی تھیں۔

"اوہ...... خاندانی دشمنی......" ہما نے بے ساختہ سوچا، ازمیر جیسے پڑھے لکھے اور ذہین لڑکے سے ایسے ری ایکشن کی توقع نہیں تھی۔ "سچ ہے زمیندار اور وڈیرے جتنا بھی پڑھ لکھ جائیں ان کی سوچ نہیں بدلتی۔" اس نے افسوس سے سوچا۔

"ازمیر ہر چیز کا ایک وقت ہوتا ہے، انسان کی خواہش تقدیر کے فیصلوں کو بدل نہیں سکتی، میں تمہارے پرسنل مسائل کے متعلق تو نہیں جانتی لیکن اتنا ضرور کہوں گی کہ اپنی زندگی کے قیمتی لمحوں کو ضائع مت کرو، اگر کسی نے تمہارے ساتھ زیادتی کی ہے تو وہ اس کا انجام دیکھ کر ہی دنیا سے جائے گا، کچھ باتوں کو اپنے ہاتھ میں لینے کے بجائے تقدیر پر چھوڑ دینا چاہیے۔" ہما نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ازمیر نے ایک نظر اس کے ملیح چہرے پر ڈالی اور بے ساختہ مسکرا دیا۔

☆☆☆

زائرہ بیگم نے آگے بڑھ کر شانزے کی چوٹی زور سے پکڑ لی، شانزے کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

"دوبارہ اگر تجھے میں نے اس چڑیل کے آس پاس دیکھا تو وہ حشر کروں گی کہ تو یاد رکھے گی، بڑی آئی اس کی ہمدرد۔" زائرہ بیگم نے غصے سے اس کے بالوں کو جھٹکا دیا۔ شانزے کے ہاتھ پاؤں کانپنے لگے۔

"چل دفع ہو جا یہاں سے ورنہ میں تیرا خون پی جاؤں گی۔" انہوں نے اسے دیوار کی سمت دھکا دیا اور گرج دار آواز میں بولیں...... شانزے دیوار سے لگی اپنے آنسو صاف کرنے لگی۔ نتاشا نے فاتحانہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"میرے کپڑے استری کر کے الماری میں رکھو اور دس منٹ میں میرا کمرا ابھی صاف کرو۔" نتاشا نے اسے تحقیر آمیز لہجے میں حکم دیا۔ شانزے تیزی سے باہر چلی گئی۔

"ماما شہریار تو باقاعدگی سے اس چڑیل کے پاس جاتا ہے۔ آپ نے تو کہا تھا کہ مرد کا دل بہت جلدی عورت سے بھر جاتا ہے۔" نتاشا نے منہ بسور کر کہا۔

"بیٹا ابھی اس کی شادی کو وقت ہی کتنا گزرا ہے تھوڑا انتظار کر لو، دیکھنا میں اس کے ساتھ کرتی کیا ہوں، اسے آٹھ آٹھ آنسو نہ رُلایا تو میرا نام بدل دینا۔" زائرہ بیگم نے نفرت سے کہا۔

"ماما! شہریار کا دل بدل جائے گا ناں؟" نتاشا نے بڑی آس سے پوچھا۔ زائرہ بیگم نے اثبات میں

WWW.PAKSOCIETY.COM

سر ہلا دیا اور پیار سے اس کے گال تھپتھپائے۔
سکندر شاہ کی جیپ تیزی سے پورچ میں آرکی۔ انہوں نے اندر آتے ہی زائرہ بیگم کو اپنے کمرے میں بلوایا۔ جب وہ خاص طور پر زائرہ بیگم کو بلواتے تو ضرور کوئی خاص ہوتی۔ وہ جیسے ہی کمرے میں داخل ہوئیں تو سکندر شاہ کو بے چینی سے ٹہلتے پایا۔

''خیریت ہے شاہ صاحب؟''

''نہیں، خیریت نہیں ہے آج جہانگیر شاہ ہمارے شہر کے دفتر آیا تھا۔'' سکندر شاہ کے لہجے میں بے پناہ سنجیدگی تھی۔

''جہانگیر شاہ......'' برسوں پہلے سنا ہوا اِک نام آج وہ سالوں بعد سن رہی تھیں۔ یہ نام اُن کے وجود میں زہر بھر دیتا تھا۔

''اس کی اتنی جرأت کہ وہ آپ کے دفتر پہنچ گیا۔ کیوں آیا تھا وہ؟ کہیں اس بڑھاپے میں سٹھیا تو نہیں گیا۔'' زائرہ بیگم آگ بگولا ہو گئیں۔ سکندر شاہ کھڑکی کے پاس کھڑے ہو کر باہر دیکھنے لگے۔

''وہ اپنے بیٹے کے لیے شانزے کا رشتہ لایا تھا۔'' انہوں نے دھماکا کیا۔

''کیا......؟'' زائرہ بیگم سن ہو گئیں۔

''شہر کی بڑی یونیورسٹی سے اس کے بیٹے نے ایم بی اے کیا ہے اس کی جائداد اور زمینوں کا اکلوتا وارث ہے۔'' زائرہ بیگم کی طرف اُن کی پشت تھی اس لیے وہ ان کے تاثرات نہیں دیکھ سکتی تھیں، زائرہ بیگم کے وجود کو شعلوں نے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

''آپ نے اسے انکار کر کے دھکے مار کر نکال دینا تھا۔'' اُن کا لہجہ نفرت سے چیخ رہا تھا۔ بھلا شانزے کی اتنی اوقات تھی کہ ایسے لائق اور دولت مند لڑکے سے بیاہی جاتی۔

''میں نے اسے انکار کر دیا ہے۔'' وہ کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے بولے۔ زائرہ بیگم نے اطمینان کی سانس لی۔

''لیکن ایک باپ بن کر سوچا تو دل چاہا کہ اپنے فیصلے میں ترمیم کر لوں۔'' ان کی آواز آہستہ ہو گئی، زائرہ بیگم کے دل کو پنکھے لگ گئے۔

''آپ صرف ایک باپ ہی نہیں، اس علاقے کے سردار ہیں، وڈیرے ہیں اور آپ کو بالکل زیب نہیں دیتا کہ اس شخص کے آگے جھک جائیں۔ اسے بیٹی کا رشتہ دیں گے تو اس کے سامنے سر جھکا کر رہنا پڑے گا۔ شانزے کا کیا ہے، اس کی شادی کہیں نہ کہیں ہو ہی جائے گی، سکندر شاہ کی بیٹی کو رشتوں کی کمی نہیں ہے۔'' انہوں نے سکندر شاہ کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ سکندر شاہ نے ایک طویل سانس بھری اور واش روم چلے گئے۔ زائرہ بیگم کو حسد کی آگ سلگائے دے رہی تھی۔ شانزے کا رشتہ اتنے اچھے خاندان میں طے ہو انہیں کب گوارا تھا۔ وہ غصے سے باہر نکلیں، آج انہیں شانزے پر اتنا غصہ آرہا تھا جتنا پہلے کبھی نہیں آیا تھا۔ نہ جانے اتنے سالوں سے سویا ہوا جہانگیر شاہ یک دم کہاں سے جاگ پڑا۔ وہ یہ رشتہ کبھی نہیں ہونے دیں گی۔ وہ دل ہی دل میں پلان بنا رہی تھیں وہ یہ بھول گئی تھیں کہ جو کچھ تقدیر میں لکھا ہو اسے تدبیر سے ٹالا نہیں جا سکتا۔

☆☆☆

سارہ بیڈ پر بیٹھی موبائل پر کوئی گیم کھیل رہی تھی کہ دفعتاً کسی نے باہر سے زور زور سے دروازہ بجایا، یوں جیسے کوئی دروازہ توڑ ہی ڈالے گا۔ سارہ گھبرا گئی نہ جانے کون تھا جو اس بدتمیزی اور بدتہذیبی سے دروازہ پیٹ رہا تھا۔ اس نے تکیے پر پڑا دوپٹا اوڑھا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

''کون ہے؟'' اس نے دل کڑا کر کے پوچھا۔ باہر سے کوئی جواب نہ آیا بلکہ دروازہ اسی طرح بجایا گیا۔ سارہ نے گھبرا کر لاک کھول دیا۔ سامنے کھڑی شخصیت کو دیکھ کر وہ بری طرح چونک گئی۔

اختتامی حصہ اگلے ماہ

یہ کیسی محبت

عالیہ حرا

جاب میری ضرورت تھی اور نظریۂ ضرورت کے تحت ہی میں نے اس ملٹی نیشنل ہوزری فرم کو جوائن کیا تھا۔ گویا ایک نئی دنیا سے متعارف ہوئی تھی۔

نام تو میرا شاہانہ تھا تعلق متوسط طبقے سے وہ بھی لوئر کلاس سے درحقیقت میرا نام کنزور بی بی...... فقیر بی بی، یا اس سے ملتا جلتا کوئی نام ہونا چاہیے تھا...... مگر کیا کیجیے کہ...... سفید پوش گھرانوں کے لوگ اپنے جذبوں کی تسکین اور خوابوں کی تشنگی کے احساس تلے

WWW.PAKSOCIETY.COM

اپنے بچوں کے نام ایسے امیرانہ رکھ دیتے ہیں جیسے کہ شاہانہ، ملکہ یا شہزادی...... نہ میرے مزاج میں شاہانہ پن تھا نہ لہجے میں شاہانہ انداز پیدا ہوا...... رہی میں منکسر المزاج ہی...... بلکہ اس سے بھی کم تر۔ شاید یہ اس لیے تھا کہ ہم درجن بھر بہن بھائیوں میں میرا نمبر گیارھواں تھا مگر سلوک بارھویں کھلاڑی سا...... میں خوش شکل تھی...... خوب صورت نہیں...... میرے بال لمبے تھے مگر گھٹاؤں کی طرح نہیں...... لیکن سمیع وہ مجھے خوب صورت کہتا تھا۔

سمیع...... میرا منگیتر...... میری منگنی اس سے اس فرم کو جوائن کرتے ہی ہوگئی تھی اور یہ ایک طرح سے اچھا ہی ہوا ورنہ اتنے لوگوں کے درمیان میں عدم تحفظ کا شکار رہتی کیونکہ وہ بھی یہیں پر ملازم تھا۔ یہ...... یہاں میری پہلی جاب تھی، میں انٹر میں تھی...... آگے پڑھنے کا بھی میرا ارادہ تھا مگر پرائیویٹ...... دراصل میں ابو کا ہاتھ بٹانا چاہتی تھی...... بڑے دونوں بھائی شادی کے بعد الگ ہوگئے تھے، انہیں صرف اپنی ذمے داریوں کا احساس تھا۔ دو بھائی پڑھ رہے تھے۔ چھ بہنوں کی شادیاں ہوگئی تھیں، مجھ سمیت دو باقی تھیں۔ اب ضروری ہوگیا تھا کہ ابو کی پریشانیاں میں بانٹوں اور مجھے اب اس بات کا کسی نے احساس نہیں دلایا تھا کہ مجھے یہ کام کرنا ہے، گھر کے لیے ابو کی مدد کرنی ہے ان کا بازو بننا ہے بلکہ میرے اپنے شعور، میری آگہی، میری سوچ نے مجھے احساس دلایا تھا اور راہ میں کوئی رکاوٹ بھی نہیں ہوئی اور میں نے یہ نوکری جوائن کرلی۔

ارے میں آپ کو اندر کی باتیں کیوں بتا رہی ہوں، شاید اس سے میری ذات کے بارے میں آگہی ہو، میں کیسی ہوں اور مجھے کیا کرنا چاہیے تھا...... کیا میں نے ٹھیک کیا......؟ دراصل ہم محبت کرنے والے لوگ محبوب کی چھوٹی، چھوٹی باتوں پر ایمان لے آتے ہیں۔ محبت میں محبت کے خیال، دھیان کا نام ہی محبت ہے شاید...... سمیع میرا بہت خیال، دھیان رکھتا تھا مجھے اپنی ذات کا حصہ سمجھتا تھا۔ اس کی آنکھوں سے، لہجے سے، رویے سے اس کی انتہائی پسندیدگی کا انداز ہوسکتا تھا اور مجھے اس انتہا کی محبت سے خوف آتا تھا...... میں دراصل بہت حساس ہوں مجھے چھوٹی سی عمر میں بہت کچھ سمجھ آگیا تھا، ایسے ہی تو ابو مجھے اپنا لختِ جگر نہیں کہتے تھے ناں...... اور میں اس بات کو حقیقت میں ثابت کرنا چاہتی تھی...... ان کا یقین، ان کا اعتماد بن جانا چاہتی تھی۔

"کیا بات ہے...... آج تم نے آنکھوں میں اتنا گہرا کاجل لگایا ہے، خیریت تو ہے ناں......؟"

میں اپنی کجراری آنکھیں اٹھا کر اپنی ٹیبل کے آگے کھڑے سمیع کو دیکھنے لگی۔ دل میں بے حد خوشی ہوئی کہ سمیع اتنے غور سے دیکھتا ہے۔ میں ہواؤں میں اڑنے لگی۔

"ہلکا کرو اسے......" بجائے میرے ساتھ پرواز کرنے کے وہ مجھے زمین پر کھینچ لایا۔ سفید گلاسز کے پیچھے سے جھانکتی آنکھوں میں میرا عکس تھا مگر محبت نہیں تھی اور کبھی کبھی...... یوں اس طرح کی خالی آنکھیں مجھے بہت ڈسٹرب کرتی تھیں۔ اندر بہت دور مجھے کچھ ٹوٹنے کا احساس ہوتا تھا۔

"مٹادوں......؟" میں مسکرائی۔

"فوراً......" درشت لہجے میں اس نے کہا۔

"ابھی آئی......" میں اٹھ کھڑی ہوئی۔

"آئندہ خیال رکھنا......" اپنے پیچھے میں نے آواز سنی...... میری آنکھیں جانے کیوں بھیگنے لگیں۔ محبوب کے لیے بجنا سنورنا تو ہر لڑکی کا حق ہوتا ہے اور میرا تو سمیع کے ساتھ شرعی حق بننے جا رہا تھا۔

"احتیاط......" دکھ کے احساس سے معدوم ہوتی مسکراہٹ ایک دم سے چہرے پر دوبارہ بکھرنے لگی۔ سمیع نہیں چاہتا کہ اتنا بنا سنورا مجھے کوئی اور دیکھے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

سچی کہانیوں، آپ بیتیوں، جگ بیتیوں کا بے مثال مجموعہ
ماہنامہ سرگزشت
شمارہ جنوری 2014ء کی جھلکیاں
سفر مزاج
ایک انتہائی اہم شخصیت کی زندگی کے عروج و زوال کی دلچسپ روداد جو خود میں بھرپور سبق ہے
جاپانی ہنری فورڈ
غربت سے امارت تک پہنچنے والے کی روداد جس نے پوری دنیا میں تہلکہ مچادیا تھا
مروہ کا مجنوں
لیلیٰ مجنوں کی داستان سے زیادہ اہم داستانِ عشق، مروہ کے مجنوں کی کتھا
سلطانہ بیگم
انا کے خول میں بند عورت کا قصہ جو بہو اور بیٹی میں فرق کرنے کی عادی تھی
اس کے علاوہ
لہو کی گردش تیز کردینے والی داستان ''سراب''، فلمی دنیا کا ماضی و حال ''فلمی الف لیلہ'' اور بہت سی دلچسپ تحریریں جنہیں آپ پسند کریں گے جنہیں آپ کو پڑھنا چاہیے
آج ہی نزدیکی بک اسٹال پر اپنا شمارہ مختص کرالیں
خاص شمارہ ...... ہر شمارہ، خاص شمارہ ...... ہر شمارہ، خاص شمارہ

''بھلا یہ کیا...... کوئی دیکھے تو دیکھے میں تو سمیع کے لیے ہی سب کچھ کرتی ہوں۔'' میں نے کاجل صاف کیا اور واش روم سے باہر آگئی۔

''میں سمیع کو سمجھاؤں گی مجھ پر یقین رکھے، دنیا بدل سکتی ہے، مگر میں یعنی ...... شاہانہ مرزا نہیں......'' اپنی محبت کے احساس پر میں نے فرضی کالر جھاڑے اور سمیع کو چہار جانب دیکھنے لگی مگر وہ کہیں نہیں تھا۔

''یہ تمہارے لیے......'' لنچ ٹائم میں، میں خدیجہ کے ساتھ کینٹین جانے کے لیے اٹھ رہی تھی کہ سمیع نے بریانی کا ایک پیکٹ میری جانب بڑھایا۔

''میرا اتنا خیال......'' میں نے مسکرا کر سر اٹھایا۔

''ہوں...... اس کا چہرہ سپاٹ تھا۔'' ایک کولڈ ڈرنک لے لینا میں نے پیمنٹ کردی ہے۔'' میں نے پیکٹ تھام کر سر جھکا لیا۔

سمیع پلٹ گیا اور خدیجہ بھاگ کر میرے پاس آگئی۔

''ہوں...... تو یہ بادشاہی ہے۔'' مجھے ٹہوکا دیا۔

''نام بھی تو شاہانہ ہے۔'' میں اترائی۔ محبّ کی محبت نے مجھے سرشار کردیا تھا۔

''بندہ بھی شاہانہ............ ہی ہے۔'' خدیجہ نے مجھے دیکھا۔

''ہوں......'' میں نے ہونٹ دبالیے۔

''تم کتنی خوش نصیب ہوناں...... اتنا مکمل بندہ تمہارے نام کی تسبیح پڑھتا ہے۔''

''تو کیا میں مکمل نہیں......؟'' میں نے حیرت سے آنکھیں پھیلائیں۔

''مجھے تمہاری اور سمیع کی نیچر میں بہت فرق لگتا ہے۔'' ہم دونوں کینٹین کی جانب جانے کے لیے آگے بڑھنے لگے۔

''زمین آسمان جیسا......'' وہ کہہ رہی تھی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

''دھوپ چھاؤں جیسا......'' میں اسے دیکھنے لگی......
''خدیجہ مجھے تو ایسا نہیں لگتا......'' میں معصومیت سے بولی۔
''تم اس کی محبت میں اتنا آگے بڑھ چکی ہو کہ تمہیں محسوس بھی نہیں ہوتا۔''
''سمیع بہت اچھا ہے۔''
''ہاں...... بے شک......'' اس نے سر ہلایا۔
''بہت خیال رکھتا ہے میرا......'' میں نے گویا اطلاع دی۔'' بس ذرا غصے کا تیز ہے اور غصہ تو مردوں پر اچھا لگتا ہے۔''
''اور...... غصے میں انسان سائیکی ہو جائے تو وہ خطرناک بھی ہو جاتا ہے۔'' وہ بولی اور ہم کینٹین میں داخل ہو گئے۔ خدیجہ آگے بڑھ گئی اور میں...... میرے قدم سست پڑ گئے۔
''کبھی تم نے سمیع کو غصے میں دیکھا ہے؟'' خدیجہ کی آواز دور سے آئی...... میں اس کے برابر آئی۔
''نہیں......'' نگاہیں چرا کر میں بینچ پر بیٹھی۔ شاید کچھ چیزیں ہمیں اپنے آپ سے بھی چھپانی پڑتی ہیں۔
''وہ تم پر غصہ نہیں ہوتا؟''
''نہ جی......'' میں جھک کر گرا ہوا رومال اٹھانے لگی۔
''حالانکہ...... ہر دو منٹ بعد وہ ورکرز پر دہاڑ رہا ہوتا ہے۔''
سمیع کا غصہ میں جھیل رہی تھی، سہہ رہی تھی اس کی محبت کی خاطر، اس کے عشق کے لیے...... اس کی چاہت کے صدقے میں...... اپنے دل کی خاطر...... اپنی جان کے لیے...... میں بریانی کی تھیلی کھولنے لگی۔
''غصہ کرتا ہے تو کیا ہوا...... محبت بھی تو کرتا ہے ناں......'' میں خود سے بولی۔

☆☆☆

آج گرمی تھی میں نے اسکارف ذرا سا ڈھیلا کر لیا...... منہ دھونے کی وجہ سے گیلا بھی ہو رہا تھا۔
''تم بار بار...... منہ دھونے کیوں جا رہی ہو......؟'' سمیع میرے سر پر کھڑا تھا۔
''بار...... بار کہاں ایک بار ہی گئی ہوں۔''
''کیوں...... کیا ضرورت ہے تمہیں؟'' میں مسکرا دی...... جانے یہ تعریف تھی یا تنقید......
''کتنا رش لگا ہے اُدھر لڑکوں کا۔''
''تو کیا ہوا...... مجھے اُن سے مطلب نہیں۔''
''مگر مجھے ہے۔'' وہ سنجیدگی سے کہتا میری ٹیبل پر ہاتھ رکھ کر جھکا۔ گلاسز کے پیچھے سے جھانکتی اس کی آنکھیں سپاٹ تھیں...... میں اس کی شکل دیکھنے لگی۔
''مجھ پر شک کر رہے ہو؟''
''تمہارا عمل کروا رہا ہے۔''
''مگر...... میں......''
''تمہارا اسکارف کیوں کھل رہا ہے اور یہ بال......''
''سمیع......!'' میں بے چارگی سے بولی۔
''سعید تمہیں مسکرا کر دیکھ رہا تھا اور تم فراز کی ٹیبل کے پاس کیوں رکی تھیں؟''
''ہم ورکرز ہیں سمیع، ہمیں ایک دوسرے کی ضرورت پڑتی ہے۔''
''نہیں......'' اس کی ہتھیلی بند مٹھی میں تبدیل ہو گئی۔
''تم صرف میری ضرورت ہو، میں نہیں چاہتا کہ تم...... تمہیں کوئی اور دیکھے......'' میں مسکرا کر اسے دیکھنے لگی۔ غیر اختیاری طور پر میں نے ٹیبل پر رکھے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا۔ سرعت سے اس نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور مجھ پر ایک گہری غصیلی نگاہ ڈالتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ میں اس کی پشت کو دیکھتی رہ گئی۔
جانے کیا بات تھی، روز بروز چڑچڑا، بد مزاج اور غصیلا ہوتا جا رہا تھا۔
''مجھے آرام سے تمہیں سمجھانا پڑے گا،

طریقے اچھے نہیں ہوتے...... غصہ تو ویسے بھی حرام ہے۔'' میں نے دل میں ارادہ کیا۔
''کیا بات ہے، یہ سمیع کیا کہہ رہا تھا؟'' خدیجہ اس کے جاتے ہی آ گئی۔
''کچھ نہیں...... یونہی...... خیریت پوچھنے آ گیا تھا۔''
''اچھا......؟'' وہ سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔
''اتنی تیز آواز میں...... اتنے پیار سے خیریت پوچھ رہا تھا؟'' میں اپنے اندر چور سی ہونے لگی۔ سمیع کے غصے پر میں کبھی پردہ نہیں ڈال سکتی تھی خاص طور پر اس لڑکی کے سامنے تو بالکل بھی نہیں۔
''یہ نفسیاتی ہوتا جا رہا ہے۔''
''اللہ نہ کرے......''
''تصوراتی دنیا سے نکل کر دیکھو...... شکی مزاج، آدم بیزار اور کھڑوس......'' میں اس کے الفاظ پر ہنس دی۔
''ہر محبت کرنے والا یونہی ہوتا ہے۔''
''نہیں محبت وسعتِ قلبی کا نام ہے تنگ نظری، تنگ مزاجی کا نہیں...... تم اس کی پراپرٹی نہیں ہو جو وہ یوں دھونس جماتا ہے...... محبت...... محبت سے مشروط ہوتی ہے۔'' میں پھر ہنسی...... مجھے سمیع کا کوئی انداز برا نہیں لگتا تھا۔ اس کی محبت میری ملکیت تھی بے شک میں اسیر تھی۔
''وہ تم کو اپنی اسیری میں رکھتا ہے، تم قیدی ہو اس کی محبت کی۔'' وہ مجھے دیکھنے لگی۔
''ابھی ریحانہ کہہ رہی تھی کہ میرا محبوب یوں مخاطب ہوتا تو میں تھپڑ مار کر گزر جاتی......'' میں اندر ہی اندر چپ رہ گئی۔
''سب جلتے ہیں میرے محبوب سے۔''
''یہ محبتیں تمہیں ہی مبارک ہوں، جلا، بھُنا کباب محبوب۔'' بظاہر میں اترائی۔
وہ اٹھ کر چل دی اور میں ہنس دی پھیکی سی ہنسی۔

☆☆☆

''صرف اتنی سی بات پر......'' میں شاک میں تھی اور گال پر ہاتھ رکھے جاتے سمیع کو دیکھنے لگی۔ ہم سب بیٹھے تھے، اقبال اور حیدر بھی ہمارے گروپ میں آ کر کھڑے ہو گئے۔ حیدر میرے برابر میں کھڑے ہو کر لطیفہ سنا رہا تھا۔ اس کا انداز کچھ ایسا بے ساختہ تھا کہ سب ہی کھلکھلا کر ہنس دیے۔ مجھے نہیں معلوم ہوا کہ سمیع کب آ گیا میرے سامنے...... میں مسکرا کر اسے دیکھنے لگی۔
''تم......؟'' اس کے انداز میں کچھ تھا۔ دوسرے لمحے میرے منہ پر اس نے گھما کر زوردار تھپڑ مارا۔ ماحول ہی نہیں میری سانس بھی ساکن ہو گئی۔ اگلے ہی پل وہ پلٹ گیا۔
''یہ کیا......؟ یہ کیوں؟ اُف ایسی گری حرکت......''
''نہیں یار...... سمیع پاگل ہو گیا ہے۔'' آوازیں میرے اردگرد تھیں...... اور میں دم بخود ساکت۔
''دفع کر، سو دفعہ لعنت...... کس بات کی کمی ہے تم میں۔'' یہ شکیلہ تھی۔
''محبت ہے بھئی...... محبت وہ بھی بڑی کراری محبت۔'' ریحانہ کے انداز میں تمسخر تھا۔ میرا سر جھک گیا۔ میری سناٹے جیسی کیفیت تھی۔
''کیوں...... کیوں...... سمیع تم نے ایسا کیوں کیا؟'' میں پوچھے بنا نہ رہ سکی۔
''اس لیے کہ تم میری امانت ہو اور میری امانت میں کوئی خیانت کرے میں برداشت نہیں کر سکتا...... کتنی زور زور سے تم قہقہے لگا رہی تھیں۔ وہ لڑکے کیا تمہارا دل بہلا رہے تھے، میری محبت میں کیا کمی ہے جو تم......''
میں اندر تک کھول گئی...... اس بار میں سمیع سے باقاعدہ ناراض ہو گئی تھی۔ میرا سارا فخر خاک میں مل گیا ہفتہ بھر ہو گیا اور سمیع نے مجھے نہیں منایا۔ خدیجہ مجھ پر ہنسنے لگی۔
میری چھٹی بھی اس کو ہلا نہ سکی۔ تھک کر...... اپنی محبت سے مجبور ہو کر ساتویں دن میں اس کے

WWW.PAKSOCIETY.COM

سامنے کھڑی تھی۔

''آئی ایم سوری......''

''ہوگیا تمہیں اپنی غلطی کا احساس......'' تیکھے چتون تھے۔ الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔ شاید اسی کو کہتے ہیں۔ میں ہوں بھی نہ کہہ سکی۔ میری غلطی تھی ہی کہاں......

''یہ کوئی ایسی بات نہیں تھی سمیع ہم سب کولیگز ہیں۔''

''مگر میں یہ نہیں پسند کرتا کہ تمہارا دل کوئی اور بہلائے۔''

''ایسا نہیں تھا وہ تو ایک فنی میسج......''

''بس......!'' اس نے ہاتھ اٹھادیا۔ ''جب تم میری ہو تو تمہیں میری پسند ناپسند کا بھی خیال رکھنا چاہیے۔'' میرا دل...... ''تم میری ہو......'' پر سرشار ہوگیا۔ اس احساس پر تو میں جان بھی قربان کرسکتی تھی۔

''سوری......'' میں نے ہاتھ جوڑے اور اس پر اپنی پیشانی ٹکادی۔

''میں تمہاری ناراضی برداشت نہیں کرسکتی۔'' میری آنکھیں نم ہوگئیں۔

سمیع سے میری صلح ہوگئی تھی اور اس روز ہم نے ساتھ ہی لنچ کیا۔

''بس......!'' خدیجہ...... طنزیہ انداز میں مجھے دیکھ رہی تھی۔ ''اتنی سی عزت ہے، اپنے لیے تمہارے دل میں۔''

''کیوں......؟''

''مجھے بہت غصہ ہے تم پر اس نے سرِ عام تمہارے منہ پر تھپڑ مارا تھا اور تم نے کوئی ردِعمل نہیں دیا۔ اتنے آرام سے مان گئیں۔''

''تو کیا کرتی...... محبت بھی تو کرتا ہے مجھ سے۔''

''محبت...... ہونہہ...... محبت کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ انسان اپنی کھال کے جوتے بنوا کر پیش کردے۔ اس کا مزید دل خوش کرنے کے لیے دوسرا گال بھی پیش کردیتیں۔''

''خدیجہ ہمیں محبت کو کم نہیں کرنا چاہیے، اس کو بڑھاتے رہنا چاہیے۔''

''چاہے...... بے عزتی...... در بے عزتی...... ذلت در ذلت ہوتی رہے۔'' میں اس کی شکل دیکھنے لگی۔

''محبت میں سب کچھ جائز ہے......'' میرا ایمان تھا مگر یہ بات خدیجہ نہیں سمجھ سکتی تھی۔ اس کی منطق ہی نرالی تھی۔

''وہ اپنے فعل پر شرمندہ ہے خدیجہ، شرمندگی کے بعد کچھ نہیں رہ جاتا۔''

''تمہیں سوری کیا ہے اس نے۔'' خدیجہ نے پوچھا۔

''شرمندگی ہی سب کچھ ہوتی ہے۔'' میں نے سر جھکالیا۔

''سنو...... تم اتنی کم عقل ہو تو نہیں جتنی بن رہی ہو۔ تم یہ کیوں نہیں کہتیں کہ تمہیں سمیع عزیز ہے تمام تر بے عزتی ذلت، ہتک کے ساتھ...... مگر مجھے یہ پسند نہیں کہ محبت کے نام پر انسان مختار ہے...... تمہاری بھی کوئی عزتِ نفس ہے، کردار پر تہمت کم از کم مجھے تو گوارا نہیں...... تم نامعلوم کیسی لڑکی ہو۔'' وہ اچھی خاصی تقریر کرکے گئی تھی...... مگر میں جوں کی توں بیٹھی رہی۔

مجھے محبت عزیز تھی اور محبت کرنے والا عزیز تھا۔ زندگی کی خوشیاں محبت سے ہی بجتی ہیں اور محبت بڑی مشکل سے ملتی ہے۔ زندگی میں محبت نہ ہو تو زندگی ویران ہوجاتی ہے۔

آج کل گھر میں مجھ سے چھوٹی شازیہ کی شادی کی تیاریاں ہورہی تھیں رشتہ میرے لیے آرہا تھا لیکن میں نے شازیہ کی جانب منتقل کردیا تھا ابو ناراض تھے' تمہارا نمبر ہے تمہارا حق ہے ابو کو سمیع پسند نہیں تھا۔ میں نے ان کے شانے پر سر رکھ کر انہیں منالیا۔

''میں آپ کا بیٹا ہوں آپ کا بازو...... آپ کے فرائض ادا کرنے میں آپ کے ساتھ ساتھ...... سب سے آخری نمبر میرا ہوگا۔'' ان کی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں۔ محبت سے انہوں نے مجھے اپنے ساتھ لگالیا تھا۔ شادی کے لیے مجھے سمیع نے ایک بھی چھٹی نہیں کرنے دی کہ میں کیسے رہوں گا...... سارا دن

تمہارے بنا...... اس نے محبت سے میرا ہاتھ تھام لیا تھا۔ میں نے کوئی چھٹی نہیں کی۔

''اسیر شہزادی......'' خدیجہ نے طعنہ مارا۔

''تم خود کو محبت کے عوض گروی رکھ چکی ہو۔'' میں ہنس دی...... وہ مجھ سے ناراض نہیں تھی۔ میری محبت سے نالاں تھی۔ شاید اس لیے کہ اس نے محبت کی نہیں تھی۔ میں نے سمیع کو شادی کا کارڈ دیا تھا۔ وہ شادی والے دن بس کھڑے، کھڑے آیا۔ میں بڑے دل سے تیار ہوئی تھی۔ آئینہ میری تعریف کرتے نہ تھک رہا تھا۔

''یہ کیا پہن لیا ہے تم نے اتنی باریک آستین؟'' پہلا اٹیک ہی دل ہلادینے والا تھا۔

''سمیع یہ ریڈی میڈ ہے' باجی میرے لیے لے آئی تھیں۔''

''سراسر فحاشی...... تمہیں میری پسند کا اندازہ نہیں، یہ دکھانے کے لیے تم نے مجھے اتنے اصرار سے بلوایا ہے۔''

''آئی ایم سوری...... سمیع۔''

مگر اس نے میری ایک نہیں سنی اور چلا گیا...... میری آنکھیں بھگو کر سنگدل محبوب...... میں رودی...... خدیجہ نے ترحم نگاہی سے مجھے دیکھا۔

''میں ڈریس چینج کرآؤں......'' نظر چرا کر میں پیچھے مڑی۔

''تم ہال میں کوئی ڈریس ساتھ لائی ہو؟'' میرے قدم رک گئے۔

''وہ چلا گیا ہے احمق، تقریب کی خوشی برباد کرکے تم اب اسی بہانے رو لو...... کہ شازیہ کی رخصتی ہورہی ہے۔'' میں اس کی جانب دیکھے بغیر آگے بڑھ گئی۔

اگلے دن میں کام پہ نہیں گئی۔ سمیع کا فون آگیا۔

''آفس کیوں نہیں آئیں؟''

''تھکن ہوگئی تھی۔''

''تھکن...... یا...... کوئی اور مل گیا ہے۔'' درشت لہجہ تھا۔

''سمیع......'' میں روہانسی ہونے لگی۔

''کل بھی مت آنا۔'' فون بند ہوگیا۔ میں اگلے دن بھی نہ جاسکی۔ کام، تھکن اور سمیع کا سلوک، مجھ پر حاوی ہوا اور مجھے بخار میں مبتلا کرگیا۔ مجھے دو، دن ابو نے جانے نہیں دیا۔ کس کی مانوں...... سمیع کا سیل بند تھا۔ اس کی بس یہ عادت مجھے اچھی نہیں لگتی تھی ناراضی میں ہر در بند کردیتا تھا اور میں پاگل ہوجاتی تھی جب اس سے بات نہیں ہوپاتی تھی۔ تین دن کے بعد آفس آئی تو وہ نہیں آیا۔ مجھ پر اور کمزوری حاوی ہوگئی اور خدیجہ میرا مذاق اڑاتی رہی...... میں اسے کچھ نہیں کہہ سکی۔

''یار...... کیا دیتی ہے یہ محبت تمہیں...... سکون یا اذیت؟'' میری پلکیں بھیگتی رہیں۔

''اور تمہیں مزید اذیت دینے کے لیے وہ پچھلے پانچ دنوں سے ماریہ عزیز کی ٹیبل کے گرد منڈلاتا رہا۔''

''مجھے ان کی پسند...... ناپسند کا خیال رکھنا چاہیے تھا۔''

''ہاں ضرور مگر ابھی تم اپنے ماں باپ کے گھر میں ہو۔ سمیع منہاج احمد کی پراپرٹی نہیں بنیں۔'' میں سر جھکائے سنتی رہی...... حالانکہ میرا دل اس کی بھی سننے کو نہیں چاہ رہا تھا مگر میں خدیجہ کو بھی ناراض نہیں کرنا چاہتی تھی۔

اگلے دن سمیع آگیا میں اس کے قریب آگئی وہ آگے بڑھ گیا۔ لنچ میں اس کا انتظار کیا۔

اصغر نے بتایا لنچ کرلو...... وہ بائیک پر سر آصف کے ساتھ چلا گیا ہے۔ میری آنکھ بھر آئی۔ محبت کی قسمت میں آنکھیں بھیگنا ہی لکھا تھا۔ باہر ہلکی ہلکی بارش ہورہی تھی۔ ڈیپارٹمنٹ میں ایک دوسرے کو موسم کی پہلی بارش کے لیے وش کیا جارہا تھا۔ میں نے اطراف میں نگاہ کی۔

ہر طرف بے رونق بس

WWW.PAKSOCIETY.COM

اس کی کمی ہے
سرد موسم
ہلکی بارش
گہرے بادل
اور
اداس دل......

تبھی میرے سیل کی اسکرین پر سمیع کا نام جگمگانے لگا۔

"باہر آجاؤ...... میں یہاں ہوں۔" مجھے رونا آگیا۔ اسے میرا احساس تھا۔ تقدیر مہربان تھی یا پھر...... موسم کی پہلی بارش کا رومانس تھا۔ میں کھڑی ہوگئی۔

"کہاں...... کدھر......؟" خدیجہ سامنے آگئی۔

"وہ سمیع......"

"بس...... حالانکہ اس وقت تمہاری ناراضی کا ٹائم ہے تمہاری عزت تمہاری توقیر کچھ نہیں۔"

"بہت دن ہوگئے ناراضی کو...... بس اب اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا ہے ناں تو...... بلا رہا ہے۔" میں بھاگی...... پنکھ ہوتے تو اڑ جاتی...... پیچھے خدیجہ کی طنز آمیز آواز...... ابھر رہی تھی مگر میں محبت کی آواز پر بھاگ رہی تھی۔ لبیک کہہ رہی تھی۔ میرے آنسو تھم ہی نہیں رہے تھے۔ گہری سانس لے کر اس کے سامنے ٹھہری۔

"تم ہر وقت ماتم کی کیفیت میں کیوں رہتی ہو؟" اس کے عقب میں بارش ہو رہی تھی، دھند تھی، گہرے بادل تھے اس کا لہجہ...... اور میں امید کا دیا جلا کر آئی تھی۔ موسم کی پہلی بارش ہے اور وہ چاہت کی گھٹا بن کر مجھ پر برس جائے گا۔ وہ برس رہا تھا...... مگر......

"آپ بھی تو ناں۔" میں نے سر جھکا لیا۔

"تم وہ بات کرتی کیوں ہو جو مجھے پسند نہ ہو۔"

"آئی ایم سوری......" سر گھما کر اس نے مجھے دیکھا اور دیکھتا ہی رہا...... میں محجوب ہوگئی...... فضا گنگنا اٹھی اور بادل زور سے برسنے لگا۔ سمیع مسکرا رہا تھا اس کی روشن آنکھوں کی چمک میں میرا وجود مسکرا رہا تھا۔

لڑکیاں بھی عجیب ہوتی ہیں
ہنستی ہیں
اور
کاجل بھیگتا ہے ساتھ ساتھ

سمیع نے میرا ہاتھ تھام لیا اور سارے شکوے...... پانی کے ساتھ بہہ گئے اور اگلے کئی دنوں تک...... اچھے، خوشگوار سے دن میرے ساتھ ساتھ چلنے لگے۔

خدیجہ مجھے دیکھتی اور کچھ نہ کچھ گنگنانے لگتی۔

"ظالم تو نے چکھی ہی نہیں ہے۔"

"نہ بابا نہ......" وہ مسخرے پن سے کانوں کو ہاتھ لگاتی۔

"اس چکھنے سے موت اچھی۔"

"معلوم نہیں لوگ محبت کے بغیر جی کیسے جاتے ہیں۔" میں نے کئی چہروں کو دیکھا تھا، روکھے، پھیکے، بے رونق، رُوڈ، رف، آدم بیزار...... نالاں...... پریشان چہرے سب کچھ تھا بس ایک محبت کی کمی تھی۔

اور محبت...... میں فخر سے آتے جاتے کو دیکھتی اور ہمارے درمیان، محبت کا سحر رہتا۔ سب کچھ ٹھیک تھا پھر کچھ غلط جانے کیسے ہو جاتا...... سمیع میرے معاملے میں بہت حساس ہے یا پھر محبت زیادہ ہے۔ مجھے کھونے سے ڈرتا ہے...... وہ ایسا کیوں ہے؟

"میری محبت صرف اس کے لیے ہے اس بات کا یقین کیوں نہیں ہے اسے؟" اس روز پارک میں ٹہلتے ہوئے میں نے خدیجہ سے کہا...... خدیجہ میری بہت اچھی دوست تھی۔

"اس لیے کہ وہ ایک سائیکی شخص ہے، اس کا بچپن کسی نفسیاتی گرہ کی طرح گزرا ہے جو کبھی نہیں کھلتی جسے کھولنے کی چاہ میں انگلیاں فگار ہو جاتی ہیں۔ ایسے نفسیاتی افراد صرف خود کو ہی اذیت میں

نہیں رکھتے بلکہ دوسروں کے لیے بھی باعثِ اذیت ہوتے ہیں۔"

"سمیع اس موضوع پر بات نہیں کرتا...... مگر جب میں اس کی زندگی میں شامل ہو جاؤں گی تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔" میں سنگی بینچ پر بیٹھ گئی۔

خدیجہ ہاتھ باندھے میرے سامنے کھڑی تھی اس کے عقب میں گہرے سرمئی بادل تھے۔ فضا میں باسی پھولوں کی مہک تھی۔

"ایسے لوگ کبھی ٹھیک نہیں ہوتے، ان کی بنیادیں بہت گہری ہوتی ہیں بلکہ اپنے ہم سفر کو بھی...... ٹھاک ٹھاک...... کر کے رکھ دیتے ہیں۔"

"خدیجہ......" میں جانے کیوں سنجیدہ ہوگئی۔

"مجھے...... سمیع کو کھونے کا حوصلہ نہیں ہے، وہ میری رگوں میں دوڑ رہا ہے۔"

"دیکھو میں تمہیں چھوڑنے کے لیے نہیں کہتی...... مگر خود کو اس کے لیے یوں ہلکان تو مت کرو۔"

"دعا کرو......" میں نے گہری سانس لی۔ "بس ہماری شادی ہو جائے۔"

"شادی...... وہ تم سے نہیں کرے گا۔ اس کی مجبوریاں ہیں، اس کی بہنیں ہیں بیاہنے والی...... وہ اپنی ماں کا بے حد فرمانبردار ہے ہاں...... منگنی تو اس نے یونہی کرلی ہے۔" خدیجہ مجھ پر ہنس رہی تھی اور میں جانے کیوں ساکت تھی۔

"بھلے تم بات کر کے دیکھ لینا۔ اب تو نمبر بھی تمہارا ہے یا پھر دونوں بھائیوں کو پڑھا لکھا کر، بیاہ کر اپنی شادی کرو گی؟" وہی طنزیہ انداز...... خدیجہ خطرناک حد تک صاف گو تھی۔

"چلو تذکرہ ہی کر کے دیکھ لینا۔" مجھے خدیجہ کی کوئی بات بری نہیں لگتی تھی۔ وہ سنگی بینچ پر میری جانب رخ کر کے بیٹھی اور پاؤں اوپر کر لیے۔

"کبھی اس موضوع پر بات نہیں ہوئی تمہاری؟"

"نہیں......" میں انگلیاں مسلنے لگی۔

ہم نے

جب سے تم کو دیکھا ہے
جب سے تم کو چاہا ہے
زیست کتنی حسین ہے
جاناں......
اب تو ہم نے جانا ہے
تم سے دل کا یہ رشتہ ہے
دل سے ہم نے مانا ہے

از: افسانہ آفتاب، کراچی

"ہوگی بھی کیسے...... مہینے کے چوبیس دن تو وہ تمہیں سولی پر چڑھائے رکھتا ہے باقی کے چھ دن تمہیں اسے منانے میں لگ جاتے ہیں۔" وہ بے ہنگم سی ہنسی۔ "تمہیں محبت پر اتنا ناز ہے، محبت کرتی کب ہو تم......" وہ مزید ہنسی...... میں نے چڑ کر اسے دیکھا۔

"تم اس کے خلاف کیوں ہو اتنی؟"

"میں اس کے خلاف نہیں ہوں شاہانہ...... اس کے انداز کے خلاف ہوں، وہ کبھی اہمیت نہیں دیتا تمہیں...... زندگی میں محبت کی اہمیت نہ ہو...... یہ کیسی محبت ہوتی ہے؟ انسان کو خودی اور عزتِ نفس بیچ کر محبت نہیں خریدنی چاہیے۔ میں اس نظریے کے خلاف ہوں۔"

"محبت کو کسی نظریے کی ضرورت نہیں...... محبت بس محبت ہوتی ہے۔" میں بولی۔

"کنول کا پھول صرف تالاب کی سطح پر اچھا لگتا ہے۔ کبھی کسی کو دیکھا ہے اسے توڑ کر گلاب کے پھول کی طرح ہتھیلی پر سجا کر پھرے...... اس لیے کہ وہ کیچڑ میں کھلتا ہے اوپر سے صاف شفاف...... نیچے کائی لگی ہوئی...... ہتھیلی بھی گندی اور پاؤں بھی گندے......" میں بس ناخن سے ہتھیلی کھرچتی اس کی باتیں سنتی

WWW.PAKSOCIETY.COM

وہی۔ اس کی باتیں غلط نہیں تھیں......مگر......

''مجھے تم پر بہت رحم آتا ہے۔ تمہاری شادی اگر خوش نصیبی سے سمیع کے ساتھ ہو بھی جاتی ہے تو وہ سائیکو پرسن تمہارا کیا حال کرے گا۔'' میں اپنی ہتھیلی میں سمیع کی طبیعت کھوجتی رہی۔

''وہ انا پسند شخص ہے اور انا کا جنون ٹوٹتا نہیں توڑ دیتا ہے اور میں نہیں چاہوں گی میری دوست محبت کی جھوٹی انا کی خاطر ٹوٹے۔'' میں کسی غیر مرئی نقطے کو دیکھتی رہی۔

''اور ہے کیا اس کے اندر سوائے اچھی شکل کے۔''

''اور میرے اندر کیا ہے سوائے اچھی شکل کے...... سمیع کو تو میرے بال پسند ہیں۔''

''ہمارے اندر کی اچھائیاں دوسروں کو پتا ہوتی ہیں، تم ایک سیدھی سادی خوش اخلاق اور باکردار لڑکی ہو......مگر ذرا ذرا سی پاگل بھی ہو اگر محبت ذرا سوچ کر کرتیں تو بہت اچھی رہتیں مگر......''

میں اس کی جانب دیکھنے لگی۔ وہ منہ اٹھا کر آسمان کی جانب دیکھ رہی تھی۔

''محبت کا یہی مسئلہ ہے یہ دیکھ بھال کر نہیں ہوتی۔ کب، کہیں ہو جائے کچھ پتا نہیں چلتا۔ اس لیے تو کہتے ہیں کہ محبت اندھی ہوتی ہے۔ حال احوال پوچھ کر تھوڑی ہوتی ہے۔''

''ٹھوکر بھی اسی لیے لگتی ہے، آنسو بھی اسی لیے نکلتے ہیں۔'' وہ چپ نہ ہوئی۔ میں اداس ہو گئی اور گزرتے دنوں کے ساتھ ساتھ اداسی بڑھتی گئی۔ سمیع آج کل پھر خاموش تھا۔ نظریں چرا رہا تھا یوں جیسے میں اس کی محبت ہی نہیں ہوں۔

اس روز موسم خاصا ابر آلود تھا۔ کبھی کبھی کن من ہو جاتی تھی۔ سمیع بھی مسکرا رہا تھا۔

میں نے اسے بتایا کہ ابو شادی کی بات کرنا چاہ رہے ہیں اس سے......وہ میری جانب دیکھنے لگا۔ میں اپنی سیٹ پر ہی بیٹھی تھی۔ وہ میرے سامنے کھڑا تھا۔

''کیا......؟''

''ہاں......تم ابو سے بات کر لینا۔''

''دماغ ٹھیک ہے تمہارا......؟'' اس کا دماغ جانے کس بات پر بھک سے اڑا تھا۔

''میں ابھی شادی نہیں کر رہا، ابھی میرے گھر میں مسئلے ہیں۔'' اس کا لہجہ روڈ تھا۔

''ٹھیک ہے تم بات تو کر لو۔'' میں مسکرائی۔ جانے وہ کس بات پر مشتعل تھا۔ کسی سے کسی بات پر جھگڑا ہوا تھا۔ کوئی ٹینشن تھی......کیا خبر......مگر وہ مجھ پر گرجتا چلا گیا۔ بادلوں کی گھن گرج شروع تھی۔ ورکرز ہمیں دیکھنے لگے، مجھ پر ہنس رہے تھے۔ وہ بے تکان بول رہا تھا۔ جیسے میں اس کی کوئی نہیں تھی۔

''تم جیسی لڑکیاں نہ جانے خواب کیسے کیسے دیکھنے لگتی ہیں......وہ میری بھول تھی۔ کب تم سے نادانی میں پسندیدگی کا اظہار کر بیٹھا......کبھی اپنی اور میری حیثیت پر غور کیا ہے، کہاں تم ایک معمولی ورکر اور کہاں میں......بتا دینا اپنے باپ کو بیٹی کو نوکری پر اس لیے بھیجا تھا......آئندہ میرے راستے میں مت آنا، دفع ہو جاؤ یہاں سے......'' وہ نہ جانے کیا، کیا بک رہا تھا، میں برف بنی کھڑی تھی......مر کیوں نہ گئی، میرا حلق خشک ہو رہا تھا۔ میں زمین میں گڑ رہی تھی۔ گڑی تو بار بار تھی......مگر اس بار کا گڑنا......میرا مدفن ہو رہا تھا۔ اجنبیت اتنی تھی کہ میں نگاہ نہ ملا سکی۔

''بکواس بند کرو سمیع منہاج احمد......تم میں ہے کیا......ایک خود غرض انسان ہو تم......اپنے لیے جیتے ہو اپنے لیے مرتے ہو۔ ایک نفسیاتی مریض......'' جانے کب......خدیجہ وہاں آ گئی۔ لوگ ہمارے ارد گرد جمع ہونے لگے۔ باہر بارش شروع ہو گئی تھی۔

''تم دفع ہو جاؤ اس کی زندگی سے۔'' میں دم بخود تھی۔ یہ کیا ہو گیا جو محبت تھی وہ رائگاں تھی۔ وہ کیا تھا۔ یہ کیا ہوا......؟

''بکواس بند کرو تم......!'' وہ جنونی ہو رہا تھا۔

''تم بکواس بند کرو......ماحول خراب کرتے ہیں تم جیسے لوگ۔'' وہ مجھ پر ایک غصیلی نگاہ ڈال کر پلٹا......اس سے زیادہ ترحم نگاہی سے خدیجہ نے مجھے دیکھا۔

''دیکھ لیا انجام تم نے محبت کا......ایک جنگلی، وحشی کا انتخاب......اب جشن مناؤ۔'' وہ پلٹ گئی۔ میں ساکت و جامد بیٹھی رہی......سب سامنے سے ہٹنے لگے۔

''دوسروں کی محبت سے پہلے ہمیں اپنی ذات سے محبت کرنی چاہیے۔ عزت نفس سے بڑھ کر کچھ نہیں ہے اور سمیع......سمیع تمہیں پاؤں کی جوتی کے برابر سمجھتا ہے۔'' خدیجہ کے لفظوں کی گونج میرے دل میں دھمک ڈال رہی تھی۔

''سمیع......سمیع......اس کا سلوک تمہارے ساتھ کیا ہے وہ ایک نفسیاتی طور پر بیمار شخص ہے...ہرگز محبت کے قابل نہیں ہے وہ۔'' میری ذات کے بند دریچے مجھ پر کھل رہے تھے اور کھلتے ہی چلے جا رہے تھے۔

''اس کے پاس تو خود محبت نہیں ہے، وہ تمہیں کیا محبت دے گا۔''

''ہاں......'' میں دھیرے سے کھڑی ہو گئی۔ اپنی چیزیں بیگ میں ڈالیں۔ اطراف میں نگاہ کی اکثر نظریں مجھ پر تھیں۔

''وہ آئے گا کچھ دنوں بعد شرمندہ ہو کر......ڈھٹائی سے سارے قصور میرے کھاتے میں ڈالے گا مگر اب میں محبت کے نام پر سولی نہیں چڑھوں گی۔ ہرگز نہیں......اب اور ذلت و رسوائی گوارا نہیں۔'' میرے قدم باہر کی جانب بڑھنے لگے۔

''ہاں خدیجہ ٹھیک کہتی ہے۔'' میرے ضمیر نے مجھے ہی ملامت کیا۔

میرے والدین کی عزت میرے لیے مقدم ہے۔ میرے ابو میرے لیے محترم اور سمیع گھٹیا انسان......اس نے میری پاکیزہ محبت پر الزام لگایا۔ خدیجہ ٹھیک کہتی ہے جو ابھی تمہیں جوتے کی نوک پر رکھتا ہے وہ شادی کے بعد تو تمہیں جوتوں کے ہار پہنائے گا......ہاں......بے شک وہ ایسا ہی کرے گا وہ ایسا کر سکتا ہے کیونکہ یہ اس کی سرشت میں شامل ہے اس کی رگوں میں عزتِ نفس کا وجود ہی نہیں۔ میں زخمی دل اور لرزتے وجود کے ساتھ ذہنی کشمکش میں مبتلا اس بلڈنگ سے باہر آ رہی تھی۔

''سمیع نے مجھے بہت غلط سمجھا مگر میں نے ہر دفع نظر انداز کیا۔'' میں چلتے، چلتے بہت دور نکل آئی۔ باہر بادل برس رہے تھے اور اندر میرے وجود میں نمکین بارش سے جل تھل کا سماں تھا۔ میں گھر جانے والے راستے پر مڑ گئی۔ میں نے ٹھیک کیا ناں، پنپتی ہوئی محبت کو توڑ دیا۔ میں جانتی ہوں۔ آج......کل، کچھ دنوں بعد سمیع ضرور آئے گا......شرمندہ ہوگا مگر سارے قصور میرے کھاتے میں ڈال دے گا خود سرخرو ہو جائے گا مگر اب کے ایسا نہیں ہوگا۔ خدیجہ ٹھیک کہتی ہے محبت سوچ سمجھ کر چھان پھٹک کر کرنی چاہیے۔

میں نے ٹھیک کیا ناں......شاید مجھے ایسا ہی کرنا چاہیے تھا۔ عزتِ نفس......خودی اور وقار سے بڑھ کر کوئی شے نہیں ہوتی......دیر سے ہی صحیح مجھے یہ بات سمجھ آ گئی تھی اور میں اب خوش تھی۔ مسز شاہانہ وقاص احمد بن کر میں نے اپنے ابو کی بات مان لی تھی۔ کچھ دن بعد سمیع آیا تھا ضرور مگر سر جھکا کر......اور جب پلٹا......تو میرے دل میں قرار تھا انجانے میں ہی سہی سب ٹھیک ہو گیا تھا۔ میں محبت کے نام پر لٹتے لٹتے بچ گئی تھی۔ ساری عمر کی تپسیا......ساری عمر کی عمر قید سے بہتر تھا وہ ایک فیصلہ جو میں نے کر لیا۔ اس نے مجھے اپنا کر مجھ پر اتنا احسان نہیں کیا تھا جتنا مجھے کھو کر وہ پچھتائے گا......بھلا ایسی محبت کا کیا فائدہ جو عزتِ نفس پر کسی تازیانے سے کم نہ ہو۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

شامِ شہرِ یاراں

عنیزہ سیّد

قسط 10

زندگی اور محبت کے رنگ کبھی کوئی گن نہیں سکا ہے... خیر وشر، نیکی اور بدی... زندگی کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں مگر ایمان کی طاقت... ہر برائی پر حاوی ہوجاتی ہے اور اسی طاقت کی بدولت صحرا بھی ستاروں کا آنگن بن جاتا ہے۔

ہماری مایہ ناز مصنفہ عنیزہ سیّد نے اس ناول میں صحرا کی ریت میں کس طرح پھول اگائے ہیں یہ آپ کو ناول پڑھ کر ہی پتا چلے گا۔

رنگ و خوشبو کے حُسن و خوبی کے
تم سے تھے جتنے استعارے تھے

WWW.PAKSOCIETY.COM

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

محمود درانی اور مہرین کی تیسری اولاد حمزہ، مہرین کی زچگی میں پیچیدگی کے باعث نانی کے پاس ان کے آبائی گھر سیالکوٹ میں پروان چڑھتا ہے۔ جہاں نگین اس کے ماموں کی بیٹی سے اس کی خوب گاڑھی چھنتی ہے۔ بڑے ہونے پر حمزہ کے والدین اسے واپس لانا چاہتے ہیں مگر وہ راضی نہیں ہوتا۔ علینہ کے والدین، نادیہ اور سعید کیانی نے کورٹ میرج کی تھی مگر شادی کے تین سال بعد سعید کیانی بیوی کو داغِ مفارقت دے گئے۔ علینہ، فہد کو ٹی وی شو میں ایک شیف کے طور پر دیکھ کر حیران رہ جاتی ہے فہد جس کے ساتھ اس نے اپنا بچپن گزارا تھا۔ آکسفورڈ کا پروردہ سردار مہرزاد خان اپنے باپ کے سیاسی قتل کے بعد حادثاتی طور پر سیاست میں شامل ہوا تھا اور زرنگار کے حسن و ذہانت کا شکار ہو چلا تھا...... بینش دو بھائیوں کی اکلوتی بہن، اپنی ضد اور صرف بھائیوں کے تعاون سے نیشنل کالج آف آرٹس میں تعلیم حاصل کر رہی تھی جہاں اس کا سینئر ساتھی دانیال اس سے ہر ممکن تعاون کرتا تھا۔ ایک پاکستانی مسلمان مرد اور بدھ مذہب کی پیروکار چینی عورت کی بیٹی زوئی حسین چین سے آ کر پاکستان میں فارمیسی کی تعلیم حاصل کرتی ہے یہ سب اس نے دادی کی محبت میں کیا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ اس کا دل پاکستان کی سر زمین اور یہاں کے لوگوں سے شدید محبت کرنے لگا تو اس نے ریسرچ ڈیپارٹمنٹ جوائن کر لیا تا کہ اپنے قیام کو بڑھا سکے۔ حمزہ اپنی کزن اور بچپن کی دوست نگین سے بی اماں کی سہیلی اور پوتی (میرال) کے متعلق اپنی تشویش بتاتا ہے کہ رابعہ کلثوم کی وفات اور زلزلے کے بعد پوتی نہ جانے کہاں چلی گئی۔ رابعہ کلثوم بواجی کے نام سے آرٹ اینڈ کرافٹ سینٹر چلاتی تھیں۔ امراؤ بیگم جو اپنی والدہ زبیدہ خانم کا کوٹھا آباد کیے ہوئے تھیں کی آمدنی کا ذریعہ زرنگار (میرال) بن جاتی ہے مگر صرف سردار مہرزاد خان نے اس کی کئی راتوں کے حقوق بھاری معاوضے کے عوض اپنے نام کر لیے تھے۔ دانیال آرٹ کا عشق رکھنے کے ساتھ فلائنگ میں بھی مہارت حاصل کرنا چاہتا ہے اور ایک دن طیارے کے دھوئیں سے نقش و نگار بنانے کی کوشش میں حادثے کا شکار ہو کر اسپتال میں پٹیوں میں جکڑا (عافیہ) ماں کی ممتا کا شدید امتحان بن جاتا ہے۔ بیٹے کی زندگی کی دعائیں مانگتے مانگتے عافیہ اللہ تعالیٰ کے مقربانِ خاص بندوں میں سے ایک کی درگاہ میں جا پہنچتی ہیں۔ زوئی حسین کے ویزے کی مدت ختم ہونے سے دو روز قبل وہ اپنے ایک ساتھی نادر سے نکاح کر لیتی ہے تا کہ پاکستان میں رہنے کا جواز پا سکے۔ 2005ء کے زلزلے میں زوئی حسین نے بھی متاثرین کی مدد کی تھی جو اسے خاصی مہنگی پڑی اور اب نادر بدگمانی کی آخری سیڑھی پر تھا۔ دانیال، بینش کو اپنے گھر لے جاتا ہے بینش اخبار میں چھپنے والی زرنگار کی تصویر دکھاتی ہے تو عافیہ اسے دیکھ کر حیران رہ جاتی ہیں کیونکہ وہ رابعہ کلثوم کی پوتی میرال کی تصویر تھی۔ زوئی پاکستان آتی ہے لیکن نادر اسے ائرپورٹ لینے نہیں آتا۔ وہ فون کرتی ہے تو اس سے رابطہ نہیں ہو پاتا۔ وہ اپنی پرانی پڑوسن اور سہیلی مریم کے پاس جانے کا فیصلہ کرتی ہے۔ فہد کو اپنے ایک نیوز ریڈر دوست کے ذریعے سے میرال کی گمشدگی کی خبر ملتی ہے۔ پوری الیکشن کمپین کے دوران نیشل رئیس، مہرزاد کی شخصیت کے کچھ ایسے پہلوؤں سے آشنا ہوئی جو اب تک سب سے مخفی تھے۔ مہرزاد کے الیکشن میں جیتنے کے بعد زرنگار اسے بتاتی ہے کہ وہ میرال صلاح الدین ہے۔ بینش سوچتی ہے کتنی خوش قسمت ہے وہ لڑکی جس کے لیے دانیال کی ممی اتنی پریشان ہو رہی تھیں۔ زوئی حسین، نادر سے ملنے کے لیے اس کی کمپنی جاتی ہے لیکن وہ وہاں بھی کئی دنوں سے نہیں آ رہا تھا سو وہ اس کے گھر جانے کا فیصلہ کرتی ہے۔ فہد، ڈاکٹر نادیہ سے، اسپتال میں ملتا ہے تو وہ اسے اپنے گھر لے جاتی ہیں۔ نگین اپنی ساس کے ساتھ لڑکی دیکھنے جاتی ہے تو اسے بینش بہت پسند آتی ہے۔ نگین اس کے پاس میرال صلاح الدین کا ایک ہینڈ آؤٹ دیکھ کر حیران رہ جاتی ہے وہ اس سے ساری معلومات لے کر آ کر حمزہ کو بتاتی ہے۔ زرنگار، مہرزاد کو اپنے ماضی کے بارے میں بتاتی ہے۔ زوئی، نادر کے گھر جاتی ہے تو نادر کی ماں کہتی ہیں کہ اسے بتا کر آنا چاہیے تھا۔ نادر، حمزہ سے ملتا ہے اور اسے کہتا ہے کہ اگر زوئی قصوروار ہوئی تو وہ خود اسے لے کر آئے گا۔ حمزہ کہتا ہے کہ اسے اب تنگ نہیں کیا جائے گا۔ عافیہ، دانیال سے کہتی ہیں کہ جو طریقہ اس نے میرال کو ڈھونڈ نکالنے کا نکالا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ علینہ اچانک فہد کی آمد سے بہت خوش ہوتی ہے لیکن جب وہ یہ سنتی ہے کہ وہ میرال کی تلاش میں آیا ہے تو اسے اچھا نہیں لگتا۔ چوہدری رزاق، امراؤ بیگم کو خبردار کرتا ہے کہ زرنگار کی وجہ سے وہ اب کسی آفت میں پھنس سکتی ہے۔ مہرزاد کی ماں اس سے کہتی ہے کہ انہوں نے اس کا رشتہ خان اکبر کے گھر ڈالنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ نادر اپنے گھر میں زوئی کو دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے۔ ثمرین، دانیال سے کہتی ہے کہ بینش اس کی دوستی کے معیار پر پوری نہیں اترتی۔ زرنگار، مہرزاد کو میسج کرتی ہے کیونکہ وہ تقریباً پندرہ دن سے رابطے میں نہیں تھا۔ نیشل، مہرزاد کو سنبھل کر چلنے کا مشورہ دیتی ہے۔

اب آگے پڑھیے

''میں ہفتوں اور مہینوں کی گنتی میں نہیں سالوں بے حس و حرکت پڑا رہا۔ میرے اپنوں کے لیے میری زندگی کی آس صرف میری سانس کی ڈوروں کے ذریعے بندھی تھی۔ اس بے ہوشی بلکہ کوما کی حالت میں، میں نہ دیکھ سکتا تھا نہ محسوس کر سکتا تھا کہ میری ماں کے دل کی دھڑکنیں میرے جسم کے ساتھ منسلک ان مشینوں کی اسکرینز پر چلنے والی ریڈ نگز کے ساتھ جڑی تھیں جو میرے جسم کے نظام اور مختلف اعضا کے کام کرنے کی صلاحیت کی رپورٹ دیتی تھیں۔ کیا تم ان کی ذہنی کیفیت کا اندازہ کر سکتی ہو بینش؟'' اسٹوڈیو کے فرش پر کینوس سامنے رکھے آلتی پالتی مار کے بیٹھے دانیال نے کہا۔ بینش جس کی نظریں اس کے مہارت سے کام کرتے ہاتھوں پر جمی تھیں اور کان اس کی بات سن رہے تھے، اس کی زندگی کے معجزے کی تفصیل سنتے ہوئے اس کے سوال پر خود پر چھائی ہیبت سے چونک کر باہر نکلی۔

''میں تصور کر سکتی ہوں کہ وہ کس کرب سے گزر رہی ہوں گی۔'' اس نے کہا۔

''اس کیفیت کو محض کرب جیسے لفظ کے ذریعے بیان نہیں کیا جا سکتا بینش، وہ کیفیت ایسی تھی جیسے انسان روز جیتا اور روز مرتا ہو۔'' دانیال نے مختلف اخباروں کے تراشیدہ حصے آپس میں جوڑ کر کینوس کے وسط میں چپکاتے ہوئے کہا۔ بینش نے دیکھا یہ وہ کولاج تھا جو وہ گزشتہ کئی ہفتوں کی ان تھک کوششوں کے باوجود نہیں بنا سکی تھی۔ دانیال کو اس تھیم پر کام کرنے میں صرف آدھا گھنٹا لگا تھا اور اب کینوس پر اس کے ہاتھ اسے حتمی شکل دے رہے تھے۔ بینش پر دانیال کے ٹیلنٹ اور مہارت کا سحر طاری ہونے لگا۔

''جب میں اس دنیا میں واپس آیا اور میں نے آنکھ کھول کر اپنے اردگرد دیکھا تو یہ وقت بھی ویسا ہی تھا جیسے وہ وقت...... جب میں ایک نوزائیدہ بچے کی شکل میں دنیا میں آیا تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ دوسری مرتبہ، میں پہلی مرتبہ سے زیادہ جلدی سننے، سمجھنے اور بتانے کے قابل ہوتا گیا۔ یوں جیسے میرا ذہن اور کچھ سمجھنے کے قابل ہوا ہو یا نہ ہو پر یہ ضرور سمجھ لیتا تھا کہ یہ وہ دنیا ہے اور زندگی وہ کیفیت ہے جو مجھ پر پہلے بھی گزر چکی ہے، یہ سب میں نے کہیں پہلے بھی دیکھا اور سنا ہے۔ ایک خواب اور پھر خواب سے جاگ جانے کی سی کیفیت......'' وہ سامنے دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا یوں جیسے اس کی نظروں کے سامنے وہ سارے منظر فلم کی طرح چل رہے ہوں۔

''اور اس پورے تجربے میں ایک چیز پوری طرح میری سمجھ میں آئی۔ جانتی ہو وہ کیا ہے؟'' اس نے بینش کی طرف دیکھا۔

''کیا......؟'' بینش نے اسی مبہوت انداز میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''یہ کہ خدا نے اپنے بندے کی تخلیق کی اور اس نے اسے دنیا میں لانے کا ذریعہ ہمیشہ ماں کو ہی بنایا۔ تخلیق کو وجود میں لانے کا کرب، اذیت اور بوجھ صرف ایک ماں ہی سہہ سکتی ہے کیونکہ اس کے اندر اللہ نے ممتا رکھ دی ہے، ممتا جو اپنے بچے کے لیے جنگ لڑتے ہوئے کبھی ہارتی نہیں، وہ آخری لمحے تک لڑتی ہے، آخری لمحے تک کوشش کرتی ہے۔''

''ہوں۔'' بینش نے جھرجھری سی لی۔ دانیال اسے زندگی کی ایک اتنی بڑی حقیقت کے بارے میں بتا رہا تھا جس پر اس نے کبھی غور ہی نہیں کیا تھا۔

''مجھے یقین ہے۔'' اس نے اپنی توجہ دوبارہ کینوس پر مبذول کرتے ہوئے کہا۔ ''میں وہیں اسپتال کے اس بیڈ پر کوما کی حالت میں ہی ختم ہو جاتا اگر میرے پیچھے میری ماں کی دعا کی طاقت اور میری زندگی بچانے کے لیے ان کی لگن شامل نہ ہوتی بینش۔'' اس نے ایک بار پھر بینش کی طرف دیکھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

"میری اس کیفیت نے میری ماں کو سرتاپا بدل کر رکھ دیا۔ ان کا لائف اسٹائل، ان کے نظریے، ان کی سوچ، ان کا عمل سب بدل گئے۔ انگریزی زبان کا ایک لفظ ہے، transformation میری ماما اس لفظ کی عملی تفسیر ہیں اور انگریزی زبان کا ہی ایک لفظ ہے reconstruction جو لفظ rebirth اور remake سے بہت مختلف ہے۔ اس کا مطلب ہے تشکیلِ جدید۔ یعنی نئی شکل دینا۔ میری ماں نے اپنی transformation کے بعد مجھے reconstruct کیا۔ اپنے گھر، اپنے ماحول، اپنے سے متعلق تمام رشتوں کی "تشکیلِ جدید" کی۔ مجھے دوبارہ زندگی مل جانا شاید اتنا بڑا معجزہ نہیں ہے بینش، جتنا بڑا معجزہ یہ ٹرانسفارمیشن اور تشکیلِ جدید ہے ہمارے خدا نے جیسے خود اپنا آپ ہمیں دکھایا اور معجزہ یہ ہے کہ ہم نے اسے دیکھ لیا۔ دیکھ تو لیا اب پانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہم میں سے ہر ایک میں، میری ماں، میرا باپ، میرا بھائی اور میری بھابی، ہم ہر لمحہ اس خوف میں مبتلا رہتے ہیں کہ کسی انجانی لغزش کے سبب یہ معجزہ ہم سے چھن نہ جائے۔ زندگی اور موت تو ایسی حقیقتیں ہیں کہ ان کا انکار اور ان سے فرار ممکن نہیں۔ اسی لیے ایک دفعہ موت کے پنجے میں جا کر اس سے نکل آنے کے بعد بھی میں مرنے سے نہیں ڈرتا حالانکہ میں اس کی دہشت ناک شکل دیکھ چکا ہوں اور اس کی دہشت ناک شکل دیکھ لینے کے بعد مجھے دنیا میں کسی بھی اور چیز سے ڈر نہیں لگتا، میں ڈرتا ہوں تو صرف اس چیز سے کہ جو مجھے اس معجزے کی صورت میں ملی، کہیں میں اسے گنوا نہ دوں۔"

بینش نے بے دھیانی میں اپنے چہرے پر دوپٹے کا پلو پھیرا، دانیال کی باتیں سن کر دسمبر کی سردی میں بھی اسے پسینہ آ گیا تھا۔ اس کے دل پر ایک عجب سا خوف اور ہیبت طاری ہو گئی تھی۔

"موت بھی شاید اتنی دہشت ناک نہ ہوتی ہو۔" دانیال نے اپنے ہاتھ میں پکڑی colour palette میں برش چلا کر چند رنگوں کو آپس میں ملاتے ہوئے کہا۔

"لیکن وہ میری بداعمالیاں اور بے عملیاں تھیں جو موت کو اچانک سامنے پا کر مجھے یاد آنے لگی تھیں۔ یہ بھی بڑی عجیب سی بات ہے کہ جہاز پر کنٹرول کھو دینے کے بعد اس کے زمین پر گر کر آگ پکڑنے اور اپنے مکمل طور پر ہوش و خرد سے بیگانہ ہو جانے تک کے جتنے محسوسات تھے اور جو منظر تھا وہ مجھے بلا کم و کاست یاد ہے۔ میں جانتا تھا کہ جس بلندی سے میں گرا تھا، وہاں سے گرنے کے بعد میں زندہ بچ نہیں پاؤں گا۔ بلندی سے گرنے اور زمین تک پہنچنے کے وقفے کے دوران میں نے دیکھا جیسے میرے دائیں بائیں دو ایسی طاقتیں ہیں جن میں سے ایک کے ہاتھ میں چرخی پر چڑھی ایک ڈور ہے جسے وہ لپیٹتی جاتی تھی اور دوسری اپنے ہاتھ پاؤں چلاتی اس لپٹی ڈور کو کھولنے کی کوشش کرتی تھی۔ میں نے اس لمحوں کے وقفے میں اپنے سامنے موت کو مسکرا مسکرا کر مجھے اپنی طرف بلاتے دیکھا، وہ کس شکل میں تھی مجھے بتانا نہیں آئے گا مگر وہ شکل بری نہیں تھی جو بانہیں پھیلائے میری طرف لپکی آتی تھی۔ مجھے وہ اس لیے بھیانک لگی کہ میرا لاشعور جانتا تھا کہ وہ موت تھی جس کے سامنے میں التجائیں کر رہا تھا کہ میرے نامۂ اعمال میں تو کچھ بھی ایسا نہیں جس پر میں بخشے جانے کی درخواست کر سکوں، میں بلبلاتے ہوئے اس سے کہہ رہا تھا کہ وہ مجھے چھوڑ دے، مجھے نہ لے جائے، مجھے ایک موقع اور دے دے میرے بجائے کسی اور کی طرف چل دے لیکن وہ تھی کہ جیسے اسے میری ہی طلب تھی۔ اسے اس وقت صرف میں ہی چاہیے تھا۔ میں روتا اور گڑگڑاتا رہا، میں نے اپنے آنسو خود بہتے محسوس کیے تھے۔ ڈور لپیٹنے اور کھولنے والی طاقتیں اپنے کام میں مصروف تھیں۔ میں بلبلاتا، چلاتا، گڑگڑاتا نیچے اور نیچے گرا چلا جا رہا تھا۔ فضا میں بھی موت کا سناٹا چھایا ہوا تھا اور دور تک تاریکی ہی تاریکی تھی۔ پھر میرا جسم کسی سخت سطح سے جا ٹکرایا۔

میں نے اپنے ماؤف ہوتے دماغ اور بند ہوتی آنکھوں کو جگانے کی کوشش کرتے ہوئے یاد کیا۔ وہ سطح کون سی ہو سکتی تھی اور مجھے خیال آیا وہ سطحِ زمین تھی۔ زمین جس پر جیتے جاگتے ہم اکڑتے پھرتے ہیں، زمین جو ہمارے کروفر، جاہ و حشم، ظلم و ستم، جبر و زیادتی، نعمتوں، راحتوں، رحمتوں کی ناشکری کا بوجھ اپنے سینے پر اٹھائے رکھتی ہے۔ میں موت اور زندگی کی سرحد کے درمیان کھڑا زمین پر آ گرا تھا۔ میرے گرنے کے چند لمحوں بعد میرا جہاز وہ آہنی پرندہ جس پر کنٹرول حاصل کیے میں قیوم صاحب سے کہتا تھا میں ناممکن کو ممکن کر دکھاؤں گا اور وہ مجھے کہتے تھے ہمارے مذہب میں اس قسم کے ایڈونچرز کی گنجائش نہیں اور میں کہتا تھا کہ جہاں کہیں کوئی اور دلیل کام نہیں آتی ہم مذہب کو درمیان میں گھسا کر اپنی بات پر زور دینے لگتے ہیں۔ میرا وہی جہاز لوہے کے ایک بالکل حقیر ٹکڑے کے مانند آ کر زمین سے ٹکرایا اور پاش، پاش ہو گیا پھر اس میں آگ پھوٹ پڑی، اس آگ کی حدت سے لوہا سیال کی طرح بہنے لگا، نہ وہ اپنی شکل قائم رکھ پایا ہو گا نہ ہی ہیئت اور میں زمین پر چلنے والی مغرور جنس کا ایک نمائندہ، وہ جنس جسے انسان کہتے ہیں ٹوٹی ہڈیوں اور بکھرے خون کا ایک لوتھڑا بنا پڑا تھا۔ عبرت اور صرف عبرت کا مقام ہو گا وہ منظر جو دیکھنے والے نے سمجھا اور سوچا ہو گا۔" دانیال کی آواز کپکپانے لگی۔ بینش دم بخود بیٹھی تھی زندگی کی اصل حقیقت اس روز اس پر آشکار ہو رہی تھی، ورنہ تو وہ بھی انسانوں کے قبیلے سے تعلق رکھتی تھی جو کائنات مسخر کرنے کا دعویٰ کرتا تھا۔

"پھر مجھے معلوم نہیں کیا ہوا۔" دانیال نے اپنی آواز کی کپکپاہٹ پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "اس کے بعد کتنے دن، کتنے مہینے اور سال گزرے مجھے پتا نہیں۔ اس کے بعد مجھے یاد ہے تو وہ آواز جو میرے سوئے دماغ کے کسی جاگتے خلیے کو وصول ہوتی تھی، میں نے اس آواز کے سگنل پکڑنے شروع کیے، صرف آواز کے الفاظ کے نہیں۔" اس نے بینش کی طرف دیکھا۔ "پھر ایسا ہوا کہ دن کے چوبیس گھنٹوں میں کسی ایک یا دو لمحے کے لیے الفاظ کیچ ہونے لگے پھر الفاظ کا مفہوم کیچ ہونے لگا۔ الفاظ کی شناسائی یاد آنے لگی۔ الفاظ جو کہتے تھے اللہ ہے، اللہ ہے، اور وہ آواز میری ماں کی آواز تھی۔ جس نے موت سے زندگی کی طرف میرے ساتھ سفر کیا تھا۔ اس کے بعد کی کہانی دنوں کی نہیں لمحوں کی ہے، لمحہ لمحہ سوتے سے جاگنے کی کیفیت، دنیا میں واپس لوٹ آنے کا سفر، معجزہ...... جس کے متعلق سنا ہی تھا اس پر یقین ناپختہ تھا۔ معجزہ، رونما ہونے لگا تھا اور ہم سب کو اس پر یقین کرنا تھا۔"

"مجھے ایسے لگ رہا ہے جیسے میری سانس بند ہونے لگی ہے۔" بینش نے بے اختیار کہا۔

"میں جانتا ہوں تمہیں ایسا ہی لگ رہا ہو گا۔" دانیال نے سر ہلایا۔ "اسی لیے میں کسی کو یہ بات تفصیل سے نہیں سناتا جو نہیں جانتے انہیں تو بالکل بتاتا بھی نہیں ہوں کہ ایسا کچھ گزر چکا ہے، جو جانتے ہیں انہیں مسکرا کر کہہ دیتا ہوں بس اللہ کا شکر ہے جو اس نے دوبارہ زندگی دے دی...... میں جانتا ہوں بہت سے ایسے ہوں گے جو میری بات بے دھیانی سے سنیں گے، بہت سے یقین نہیں کریں گے اور چند ایک ایسے بھی ہوں گے جو تاب نہیں لا سکیں گے۔ تم تیسری کیٹیگری میں آتی ہو۔" وہ مسکرایا۔ "گھبراؤ مت، یہ اس زندگی کی حقیقت ہے جس پر ہمیں بہت گھمنڈ ہوتا ہے، میں بھی بہت کرتا تھا، تمہیں اس لیے بتا رہا ہوں کہ اس پر غور کرنے کی عادت ڈالو، اصل میں تو اس زندگی کی بساط بس اتنی سی ہی ہے۔" بینش کا جسم کانپنے لگا تھا اس نے اس لرزش پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے سر ہلایا۔

"جب میں مکمل طور پر صحت یاب ہوا اور ماما نے مجھے لمحے لمحے کی وہ داستان سنائی تو سمجھو میں پہلی بار اس

WWW.PAKSOCIETY.COM

روز ایمان لایا، پیدا گو میں مسلمان گھرانے میں ہی ہوا تھا۔'' وہ مسکرایا۔ ''صوفی صاحب نے ماما سے کہا تھا کہ وہ سورۂ کہف پڑھیں، انہیں موت کے بعد زندگی کی حقیقت اور اس کی سچائی پر یقین آجائے گا۔ ماما نے مجھ سے بھی یہ ہی کہا تھا کہ سورۂ کہف پڑھا کرو، موت کے بعد جی اٹھنے کی حقیقت بیان ہے اس میں، اب یہ سورہ مجھے زبانی یاد ہے۔ تم بھی آج گھر جا کر یاد سے پڑھنا۔''

بینش نے سر ہلایا۔ وہ بظاہر ماڈرن، بے پروا، ست امیر زادہ، سینے میں کیسی، کیسی چیزیں چھپائے ہوئے تھا۔

''دوبارہ زندگی ملنے کے بعد زندگی کی سب آسائشوں کی وقعت میری نظروں میں نہ ہونے کے برابر رہ گئی۔ گو میں کفرانِ نعمت اور ناشکری سے ہر ممکن بچتا ہوں مگر یہ ہیں تب بھی یہ نہ ہوں تب بھی کیا فرق پڑتا ہے۔ میں لوگوں کو مزید سے مزید حاصل کرنے کی جستجو میں لگے دیکھتا ہوں۔ بڑے، بڑے بحث ومباحثے اور تکرار میں پڑتے دیکھتا ہوں تو سوچتا ہوں یہ سب کس لیے ہے، اس سب نے تو اسی وقت ختم ہو جانا ہے۔ جب اس بظاہر دلفریب مگر حقیقت میں بھیانک شے نے آن دبوچنا ہے لیکن پھر سوچتا ہوں شاید اس سب کے لیے ہی زندگی عطا ہوئی ہے، چلتی جاتی ہے اپنی تمام خوب صورتیوں اور ہنگاموں سمیت...... کائنات کی گھما گھمی قائم رکھتے ہوئے آگے بڑھتی چلی جاتی ہے۔'' دانیال نے سر جھکاتے ہوئے کہا۔

''آپ کسی کو نہیں سناتے، پھر مجھے کیوں......؟'' اس شام اسٹوڈیو سے باہر نکل کر بس اسٹاپ کی طرف جاتے ہوئے بینش نے کہا۔

''تمہیں اس لیے کہ تم میں مجھے مارجن نظر آتا ہے سننے کا بھی اور سمجھنے کا بھی، اسی لیے تم مجھے بہت عزیز ہو۔'' دانیال نے زندگی سے بھرپور الفاظ اس کی سماعت کے سپرد کیے تھے۔

☆☆☆

''ہم سب معصوم اور انجان ہیں نادر، ملک شہباز، اس کی بیوی، میں، خود میرال بھی یعنی وہی وہ لڑکی تھی۔'' زوئی نے نادر کے سامنے بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''میں میرال کو دوا دیتی تھی کیمپ میں، میری ڈیوٹی اسی کیمپ میں تھی، جس میں اسے لایا گیا تھا۔''

''اور تم نے کہا تھا کہ تم زلزلہ زدگان کے مددگاروں میں شامل نہیں تھیں۔'' نادر نے کہا۔ زوئی نے سر جھکا لیا۔

''وہ میں نے غلط کہا تھا۔'' اس کے لہجے میں شرمندگی تھی۔

''تم تو جھوٹ نہیں بولتیں زوئی......؟'' نادر کے انداز میں شکوہ تھا۔

''نادر......'' زوئی نے سر اٹھا کر کہا۔ ''میں نہیں جانتی تھی کہ ایک چھوٹے سے انسانی عمل کی وجہ سے میں مجرم ٹھہرا دی جاؤں گی۔ میں گھبرا گئی تھی اسی لیے کہا کہ میں وہاں نہیں گئی تھی کہ شاید ایسا کہہ دینے سے ہی جان چھوٹ جائے۔''

''یہاں صرف ایسا کہہ دینے سے جان نہیں چھوٹا کرتی زوئی...... بلکہ اگر ایک دفعہ جان پھنس گئی ہو تو آپ کا دور، دور سے بھی اس بات سے واسطہ نہ ہو جان چھڑانا مشکل ہو جاتا ہے۔''

''میں سمجھ چکی ہوں نادر اور میں خود پر جھیل لینے کے لیے واپس آئی ہوں، میری وجہ سے تم مصیبت میں پھنسو میں برداشت نہیں کر سکتی۔'' زوئی نے سچائی اور خلوص کے ساتھ کہا۔

''کیا کوئی ایوریج پاکستانی لڑکی اتنا خلوص دکھا سکتی ہے؟'' نادر نے زوئی کے چہرے پر پھیلی معصومیت اور سچائی کی طرف دیکھتے ہوئے سوچا۔ ''جس کی جان دوسرے کسی ملک میں جا کر چھوٹ چکی ہو اور وہ محض ایک

کاغذی رشتے کو نبھانے واپس آ کر اپنی جان دوبارہ پھنسا لے۔''

''پھر کیا ہوا تھا، دوا لیتے لیتے اس لڑکی کو وہاں سے بھاگنا کیوں پڑا تھا؟'' نادر نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''وہ بھاگی نہیں تھی، ایک نام نہاد سماجی تنظیم کے کارکن اسے رات کے وقت بے ہوش کرنے کی دوا سونگھا کر اٹھا لے چلے تھے۔'' زوئی نے کہا۔

''اوہ......!'' نادر بری طرح چونکا۔ ''کیا یہ سچ ہے؟''

''ہاں، یہ بہت کڑوا مگر سچا سچ ہے۔'' زوئی نے دکھ سے کہا۔ ''اور صرف میرال ہی کو نہیں بلکہ وہاں موجود کئی اور لڑکیوں کو جو بے سہارا ہو چکی تھیں یوں ہی اٹھا لیا گیا تھا۔ وہاں جو قیامت آئی ہوئی تھی اس میں تو بہت سے لوگوں کو معلوم بھی نہیں ہوا کہ ادھر ہو کیا رہا تھا۔''

''اوہ میرے خدا......!'' نادر نے پلکیں جھپکیں۔ ''اور پاکستانی آج تک قیامِ پاکستان کے وقت ہونے والے مرگِ انبوہ کے اندر کے جنم لینے والی اس قسم کی سچائیوں پر مضامین اور کتابیں لکھ رہے ہیں۔''

''میں حسبِ معمول اس کیمپ کے پناہ گزینوں کو دوا دینے اور ان کی حالت دیکھنے کے لیے وہاں گئی تھی اور مجھے لگا وہاں کچھ غیر معمولی ہو رہا تھا بہت غیر معمولی۔'' اس نے تھوڑا توقف کیا۔ ''نام نہاد امدادی کارکنوں کے ایک گروپ نے میرے پوچھنے پر کہا کہ زیادہ زخمیوں کو وہ کسی اسپتال میں شفٹ کرنے کے لیے لے جا رہے تھے۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے انہوں نے اس لڑکی میرال کو اٹھایا اور دور کھڑی ایک گاڑی میں ڈال دیا۔ وہاں اتنی افراتفری اور سراسیمگی کا عالم تھا کہ باہر نکل کر میں نے جس سے بھی پوچھا کیا زخمیوں کو کہیں شفٹ کیا جا رہا ہے تو مجھے کوئی تسلی بخش جواب نہیں ملا، یوں تو روزانہ ایمبولینسز اور ہیلی کاپٹرز آتے تھے اور زیادہ تر لکھا پڑھی کے بعد زخمی شفٹ ہوتے تھے مگر رات کے اندھیرے میں یوں اس لڑکی کو لے جانا اور پھر اس سے زیادہ زخمیوں کو چھوڑ جانا عجیب سی بات تھی۔ میں نے جب دیکھا کہ کوئی بھی میری بات دھیان سے نہیں سن رہا تو میں اپنی ٹیم کے لیڈر کے پاس گئی۔ انہوں نے میری بات سن کر کہا کہ اگر وہ فلاں تنظیم کے کارکن تھے تو ہاں وہ لے جا سکتے تھے۔ میری تسلی پھر بھی نہیں ہوئی...... میں نے ایک مرتبہ پھر اس گاڑی کے قریب جا کر دیکھا۔ وہ ایک چھوٹی گاڑی تھی جس کی پچھلی نشست پر انہوں نے میرال کو ڈالا ہوا تھا۔ اس وقت میرے دماغ میں اور تو کچھ نہیں آیا میں بے سوچے سمجھے اس گاڑی کی کھلی ڈگی میں گھس گئی اور ڈگی کا ڈھکن بند کر لیا۔ اس کے تھوڑی دیر بعد بعد گاڑی چل پڑی۔ اُف!'' زوئی نے جھرجھری لیتے ہوئے کہا۔ ''وہ ایک قابلِ رحم تجربہ تھا۔ بند ڈگی میں سانس لینی دشوار تھی اور مجھے لگ رہا تھا کہ میں بے ہوش ہو جاؤں گی۔ ایک دو گھنٹے کی ڈرائیو کے بعد کہیں گاڑی رکی اور کچھ دیر رکی ہی رہی۔ میں نے سوچا میں ڈگی کا ڈھکن کیسے کھولوں گی لیکن مجھے نہیں معلوم تھا کہ کیسے لیکن اس کا کلچ جہاں آ کر وہ بند ہوتا تھا میرے ایک ہاتھ لگانے سے ہی اوپر اٹھ گیا۔ میں نے ڈھکن ذرا سا اوپر اٹھایا اور تازہ ہوا میں سانس لی۔ میرے سکڑے پھیپھڑوں میں ہوا پہنچی تو مجھے لگا میں فوری مرنے سے بچ گئی لیکن آگے کیا ہوگا یقین جانو نادر ڈگی میں بند رہنے کا تجربہ اتنا بھیانک تھا کہ میں اس میں سے صرف اپنی جان بچانے کے لیے نکلی تھی۔ مجھے نیکی اور اس لڑکی کی مدد وغیرہ کا خیال سب بھول چکا تھا۔ لیکن جیسے ہی میں ڈگی سے باہر کودی میں نے دیکھا گاڑی کے اندر اور ارد گرد کوئی بھی موجود نہیں تھا میں نے تیزی سے پچھلی نشست کے قریب جا کر دیکھا لڑکی درد سے کراہ رہی تھی۔ ہر طرف رات کی تاریکی پھیلی تھی اور کوئی دوسرا انسان نظر نہیں آ رہا تھا۔ نہ جانے کہاں سے اچانک ایک

WWW.PAKSOCIETY.COM

جیپ میرے قریب آ کر رکی۔ جیپ میں ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے شخص نے مجھ سے پوچھا کہ اگر میری گاڑی خراب ہو گئی ہے تو وہ میری مدد کر سکتا ہے۔ میں نے بغیر سوچے سمجھے اسے بتایا کہ میں ایک زخمی لڑکی کو اسپتال لے کر جا رہی تھی اور گاڑی خراب ہو گئی۔ اس نے جیپ سے اتر کر لڑکی کو اس گاڑی سے نکال کر جیپ میں ڈالا۔ میں بھی لڑکی کے ساتھ ہی بیٹھ گئی اور جیپ آگے چل دی۔ وہ کوئی پروفیشنل ڈرائیور تھا جو پہاڑوں پر جیپ چلاتا تھا۔ اس نے مجھے بتایا کہ وہ سڑک مظفر آباد جا رہی تھی۔ اس نے مجھے یہ بھی بتایا کہ وہ خود راول پنڈی جا رہا تھا۔ میں نے اس کی منت کی کہ وہ ہمیں بھی راول پنڈی لے جائے۔ اس نے کہا کہ راستہ بہت خطرناک ہو چکا ہے۔ جگہ جگہ ملبے کے ڈھیر اور پتھروں کی رکاوٹیں ہیں۔ راول پنڈی پہنچنے میں بہت وقت لگ سکتا تھا۔ لڑکی کو مظفر آباد کے کسی امدادی کیمپ میں لے جانا چاہیے لیکن میری منت اور شاید میرے غیر ملکی ہونے کے رعب میں آ کر وہ جیسے تیسے ہمیں راول پنڈی پہنچانے پر آمادہ ہو گیا۔ میں نے تم سے کہا تھا ناں نادر سب انسان سارے پاکستانی ہی برے نہیں ہوتے، ان میں چند فرشتہ صفت بھی ہوتے ہیں۔'' زوئی نے رک کر کہا۔ نادر، زوئی کی کہانی محویت سے سن رہا تھا اس نے بغیر پلکیں جھپکے سر ہلا دیا۔ وہ فوراً آگے کی کہانی سننے کا متمنی تھا۔

''میں نہیں جانتی بلکہ اب تک بہت غور کرنے کے باوجود نہیں سمجھ سکی کہ وہ جیپ والا اس سنسان سڑک پر اچانک کہاں سے آ نکلا تھا اور وہ ہمیں اتنی شرافت اور خلوص کے ساتھ راول پنڈی تک کیسے لے گیا تھا۔ میرے اور میری امدادی ٹیم کے کارکنوں کے گلے میں ہر وقت ایک بیگ لٹکا رہتا تھا۔ جس میں کچھ پیسے، شناخت کا وہ کارڈ جو ٹیم کے ہر ممبر کو جاری کیا گیا تھا، موبائل فون اور بسکٹ وغیرہ رکھتے رہتے تھے۔ راول پنڈی جانے کے اس دشوار سفر میں مجھے اس بیگ کا خیال آیا۔ بدقسمتی سے میں اپنا موبائل فون اپنی ایک ساتھی کے پاس چھوڑ آئی تھی۔ رقم، کارڈ اور کچھ خشک راشن البتہ موجود تھے۔ لڑکی کو درد ہو رہا تھا اور اسے کوئی دوا نہیں مل پا رہی تھی، وہ درد کی شدت سے بے ہوش ہو گئی تھی۔ میں نے راستے میں ایک جگہ جیپ رکوا کر اس کے لیے جوس خریدا اور درد کی دوا بھی نہ جانے کتنے ہی گھنٹوں کے تھکا دینے والے سفر کے بعد ہم راول پنڈی شہر میں داخل ہوئے۔ وہ شخص جو جیپ چلا رہا تھا مسلسل ڈرائیونگ کی وجہ سے تھکان سے نڈھال ہو رہا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا۔''

''مس آپ سمجھیں یہاں تک صحیح سلامت پہنچ جانا ایک معجزہ ہے، ورنہ جس قدر دشوار گزار وہ راستہ ہو چکا ہے اور جتنی مشکل یہ ڈرائیو تھی مجھے بالکل بھی یقین نہیں تھا کہ ہم اتنے کم وقت میں یہاں تک پہنچ جائیں گے۔ مجھے تو یہ سب کسی معجزے سے کم نہیں لگ رہا، نہ میرے راستے میں کوئی پتھر آیا نہ کٹا پھٹا راستہ، مجھے لگا میں گاڑی ہواؤں میں چلا رہا تھا۔''

''یقین جانو نادر میں خود بھی حیران تھی۔ وہ خواب جیسا سفر میری زندگی کا ناقابلِ فراموش ترین سفر تھا۔ اس ڈرائیور نے ہمیں راول پنڈی کے جنرل اسپتال تک پہنچایا اور رخصت ہو گیا۔ اب میں تھی، میری ٹوٹی پھوٹی اردو اور اجنبی لوگ...... خیر اسپتال کے ایمرجنسی عملے نے لڑکی کو ٹریٹمنٹ تو دیا مگر وہ بہت زیادہ پروا نہیں کر رہے تھے۔ میں نے انہیں بتایا بھی کہ ہم کہاں سے آئے تھے لیکن ان کے پاس اپنے بھی بہت سے ایسے مریض تھے۔ میں نے سوچا اسپتال سے باہر نکل کر کسی سے مدد مانگوں لیکن اسی کوشش کے دوران میری نظر اسپتال میں پھرتے انہی امدادی کارکنوں پر پڑ گئی۔ وہ وہاں اس طرح پھر رہے تھے جیسے کسی کو تلاش کر رہے تھے۔ میرے اوسان خطا ہو گئے۔ ایک بار پھر میں بنا سوچے سمجھے لڑکی کو باہر لے کر اسپتال سے نکل پڑی۔ میں اس سے پوچھ رہی تھی کہ کہیں قریب کوئی اس کے رشتے دار رہتے ہوں تو بتائے، وہ نیم بے ہوشی کے عالم میں

سیالکوٹ، سیالکوٹ ... کہتی رہی۔ میں نے چند لوگوں سے سیالکوٹ کے بارے میں پوچھا اور کسی کی مدد سے سیالکوٹ جانے والی ایک کوچ میں بیٹھ گئی۔ میرا ذہن اتنا خراب ہو چکا تھا کہ میں خوف و دہشت میں جکڑ گئی۔ راول پنڈی میرے لیے اجنبی شہر تھا۔ زبان سے میں زیادہ واقف نہیں تھی کسی ساتھی یا دوست کا نمبر زبانی یاد نہیں تھا۔ مجھے پتا نہیں کیوں لگ رہا تھا وہ لوگ اس لڑکی کے پیچھے لگے ہوئے ہیں جو ہر جگہ پہنچ جائیں گے اور وہی ہوا، سیالکوٹ جانے والے راستے میں ایک جگہ میں نے کوچ کی کھڑکی سے باہر دیکھا وہ ایک گاڑی میں بیٹھے اسی راستے پر جا رہے تھے۔ وہ گاڑی کوچ سے آگے نکل گئی اسی حواس باختگی میں، میں نے کوچ رکوائی اور ایک ایسی جگہ لڑکی کو لے کر اتر گئی جس کے بارے میں کچھ علم نہ تھا کہ کون سی جگہ تھی۔ سڑک کے کنارے میں زخمی لڑکی کو لیے پریشان حال کھڑی تھی جب سڑک کے کنارے پر کسی گاؤں کو جانے والے راستے کی طرف جاتے ایک ادھیڑ عمر شخص ہمارے قریب رک گئے۔ انہیں دیکھ کر میں ڈر گئی اور ان کے پوچھنے پر بتایا کہ ہم غلطی سے سیالکوٹ سے پہلے ہی اتر گئے۔ وہ صاحب نیک دل اور خدا ترس تھے۔ رات کا اندھیرا پھیلتا دیکھ کر ہمیں اپنے گھر لے گئے۔ اُن کی بیوی نے بھی ہماری بہت خدمت کی۔ لڑکی کو یخنی بنا کر پلائی اور اپنے گھر میں پلا مرغ ذبح کر کے پکا کے ہمیں کھانے کو دیا۔ وہ میری زندگی کی یادگار ترین رات تھی۔ دو بے لوث محبت کرنے والے لوگوں کے درمیان گزری رات...... اگلے روز شہباز صاحب نے ہمیں سیالکوٹ جانے والی ویگن پر بٹھا دیا ابھی وہ ویگن سیالکوٹ بھی نہیں پہنچ پائی تھی کہ ان کار سواروں نے اسے آلیا اور سب مسافروں کے اور میرے چیخنے چلانے کے باوجود میرال کو گاڑی میں ڈال کر لے گئے۔ میری دو دن کی محنت، خواری اور ہمدردی اکارت گئی۔ کوئی بھی شخص ان کے اسلحے کے سامنے نہیں ٹھہر سکا۔ میں پریشان، دل شکستہ اور خوفزدہ وہاں سے واپس لاہور آ گئی۔ میں اس واقعے سے اتنی دل برداشتہ ہوئی کہ پھر کسی کے سامنے اس کا ذکر ہی نہیں کیا۔ ہاں اس لڑکی میرال کا خیال بار بار آتا رہا۔ وہ کس حال میں ہو گی اس کے ساتھ کیا سلوک ہوا ہو گا۔''

''ہوں......'' نادر نے پوری بات سن کر کہا۔ ''لیکن تمہارا کیا خیال ہے وہ کون لوگ ہوں گے۔ جو اس لڑکی کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گئے۔''

''میں نہیں جانتی۔'' زوئی نے سر ہلایا۔ ''میں نے تو جو اصل بات تھی تمہیں بلا کم و کاست سنا دی، اب تم ہی بتاؤ کہ اس لڑکی کے غائب ہونے میں میرا کیا ہاتھ تھا؟''

''بس یہ ہی تو المیہ ہے زوئی حسین کہ یہاں کسی غیر معمولی واقعے کے نادانستگی میں بھی قریب سے گزر جانے والے دھر لیے جاتے ہیں۔ تم نے مجھے تو اپنی بات سنا دی۔ میں نے مان بھی لی لیکن حقائق اور دلیل کے ساتھ اسے ثابت کرنا مشکل کام ہے، پوچھنے والے تو بہت کچھ پوچھیں گے۔'' نادر نے کہا۔

''مثلاً؟'' زوئی نے سوالیہ انداز میں نادر کی طرف دیکھا۔

''مثلاً یہ کہ تم خاص طور سے اس لڑکی کی مدد کے لیے ہی کیوں رسک لے کر چل پڑیں۔ تم نے وہاں واویلا کیوں نہ مچایا کہ لڑکی کو یوں بغیر اطلاع دیے لے جایا جا رہا تھا...... اور پھر آگے کی کہانی ڈگی سے نکلنا، جیپ کا آ جانا اور اس وقت جو راستوں کے حالات تھے ان میں جیپ کا راول پنڈی پہنچ جانا، راول پنڈی پہنچ کر بھی تمہارا کسی اتھارٹی کسی سمجھدار انسان سے رابطہ کرنے کے بجائے نیم بے ہوش لڑکی کو کوچ میں بٹھا کر سیالکوٹ لے جانے کی کوشش، یہ سب جادو کی کہانی لگتی ہے، ہوا میں اڑتے اُڑن قالین جیسی فیری ٹیل...... مشکل ہی ہے جو وہ اس پر یقین کریں تاوقتیکہ کوئی ٹھوس ثبوت ساتھ شامل نہ ہو۔''

WWW.PAKSOCIETY.COM

''میں نے تم سے کہا ناں نادر خود میرے لیے وہ سفر، ایسے ہی تھا جیسے میں کوئی پریوں کی کہانی پڑھ رہی ہوں جیسے آپ سے آپ ہی سب کچھ ممکن ہوا جا رہا ہو۔ وہ سب جو ویسے دیکھنے پر ناممکن لگتا ہے۔'' زوئی نے کہا۔

''چلو فرض کر لیا کوئی غیبی طاقت تمہاری مدد کر رہی تھی۔'' نادر نے کہا۔ ''پھر تو اس لڑکی کو کسی محفوظ مقام پر پہنچا کر تمہاری واپسی ہونی چاہیے تھی، غیبی طاقت نے اسے راستے ہی میں سے دوبارہ کیوں اغوا کرا لیا؟''

''یہ بھی بالکل سوچنے کی بات ہے۔'' زوئی نے کہا۔ ''مجھے یاد ہے وہ لوگ اتنے غصے میں تھے کہ انہوں نے مجھے اپنی بندوقوں کے بٹ مارتے ہوئے کہا۔ ''ہمارا راستہ کھوٹا کر دیا تو نے کتیا...... آج ہم شارجہ بیٹھے ہوتے۔'' وہ تو شاید مجھے مار ڈالتے مگر جلدی میں تھے اس لیے لڑکی کو لے کر فرار ہو گئے۔''

''یہ بھی ایک پوائنٹ ہے کہ انہوں نے تمہیں یوں کیسے چھوڑ دیا۔ تم تو عینی گواہ تھیں اور ان کا راستہ بھی تم ہی نے کھوٹا کر دیا تھا؟'' نادر کا دھیان اس طرف چلا گیا۔

''پوائنٹس تو بہت سے ہیں نادر......'' زوئی نے ایک لمبی سانس لی۔ ''لیکن جو اصل بات تھی میں نے بتا دی۔ اب اگر ایک ناکردہ جرم کی سزا مجھے مل ہی کر رہنی ہے تو اس سے فرار کیسے ممکن ہے۔''

''میں ایک بالکل عام سا انسان ہوں زوئی۔'' نادر سب کچھ بھلا کر خلوص سے بولا۔ ''لیکن میرا تم سے وعدہ ہے میں بساط بھر ہر جگہ تمہارا ساتھ دوں گا اور تمہاری بے گناہی ثابت کروا کر ہی دم لوں گا۔''

''میری وجہ سے خود کو مشکل میں مت ڈالو نادر، مجھے میری حماقت کا سامنا کرنے دو، تم اپنی زندگی گزارو۔'' زوئی اس کے خلوص سے متاثر ہوتے ہوئے بولی۔

''ایسے کیسے؟'' نادر مسکرایا۔ ''میری اماں کو تم نے آتے ہی اپنے قابو میں کر لیا۔ اب تم باقاعدہ ان کی بہو قبول ہو چکی ہو گویا تم میری بیوی ڈکلیئر ہو گئیں۔ اب تو میں تمہارا ساتھ کسی قیمت پر نہیں چھوڑ سکتا۔ ہم مل کر اس کیس کا سامنا کریں گے اور جب تم انشاء اللہ اس میں بے گناہ ثابت ہو جاؤ گی پھر باقاعدہ اپنی زندگی کا آغاز کریں گے۔''

زوئی حسین کے لیے اس سے بڑا دلاسا کوئی اور نہیں ہو سکتا تھا۔

☆☆☆

"I sardar Meharzad khan do solemnly swear that I am a muslim and believe in the unity and oneness of Almighty Allah" گلاس وال سے پار باہر کا منظر دیکھتے ہوئے اس نے یاد کیا۔ "thats I will bear faith and true allegiance to Pakistan" اس کے چہرے پر ایک طنز بھری مسکراہٹ پھیلی۔ "that I will not allow my personal interest to influence my official conduct or my official decisions" طنز بھری مسکراہٹ گہری ہونے لگی۔ "that in all circumstances I will do right to all manner of people ,according to law without fear of favour, affection or ill well" مزید گہری پڑتی طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ اس نے سر جھٹکا اور باہر دیکھنے لگا۔ وہ وفاقی کابینہ میں شامل ہونے کے لیے اپنی حلف برداری کی تقریب سے واپس آیا تھا۔ ایوانِ صدر سے نکل کر اپنے گھر اور گھر ہی میں واقع اپنے دفتر تک پہنچتے، پہنچتے اس کے تازہ، لیے حلف کے مندرجات کی دھجیاں اڑا دینے والے

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

گیدڑ اور بھیڑیے جگہ جگہ اس کا راستہ روکے کھڑے تھے۔ وہ جیسے تیسے ان سے جان چھڑا کر اپنے دفتر تک پہنچا تھا۔ اسے فوری طور پر کچھ وقت کی تنہائی درکار تھی...... اور اس وقت وہ اس لمحاتی تنہائی میں شیشے کی دیوار کے قریب کھڑا اپنے حلف کے الفاظ یاد کر رہا تھا، اس کے ایک ہاتھ میں کافی کی پیالی تھی اور دوسرا ہاتھ اس کی پینٹ کی جیب میں رکھے ایک کاغذ پر تھا۔ اس کے دفتر کے باہر انتظار گاہ میں ان گنت لوگ بیٹھے تھے۔ وہ جن کو فوری سفارشی پرچیاں درکار تھیں، وہ جو اپنے خزانوں کے منہ کھولے اس کے پاس آئے تھے اور جنہیں لمبے عرصے کے فائدے کی تمنا تھی۔ وہ جو اس کے پہلے حکم کے منتظر تھے، وہ جو ”ہم تمہارے دوست ہیں“ کے ٹیگ چہروں پر سجائے اسے مبارک باد دینے آئے تھے۔ آنے والوں اور ملاقات کے تمنائیوں کی کیٹیگریز کی کوئی حد نہ تھی۔ وہ بھی تھے جو اس کی وزارت سے متعلق انتہائی اندرونی اور انتہائی بیرونی رازوں کی خبر رکھتے تھے اور اس کے کانوں میں انہیں انڈیلنا چاہتے تھے۔ "and that I will not directly or indircetly communicate or reveal to any person which shall be brought under my consideration or shall become known to me" اس نے حلف کی اختتامی شق یاد کی اور باہر بیٹھے گیدڑوں اور بھیڑیوں کا تصور کیا۔ وہ گیدڑ اور بھیڑیے جو نظام کا حصہ نہیں خود میں مکمل نظام تھے۔

"may Allah help me and guide me" حلف کی آخری لائن اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

"may Allah help me and guide me" اس نے زیرِلب دہرایا۔

یہ وہ حلف تھا جو اس کے باپ نے کئی بار لیا، اس کے چچاؤں، ماموؤں، کزنز، بہنوئیوں اور کئی رشتے داروں نے لیا اور آئندہ بھی لینے والے تھے۔ حلف کے الفاظ میں تاثیر باقی رہی تھی نہ نیا پن، وہ محض الفاظ تھے کھوکھلے اور بے جان جن کا پڑھنا اور دُہرایا جانا محض ایک ریاستی مجبوری تھی۔ اللہ، اللہ کی کتابوں، قرآن پاک بطور اللہ کی آخری کتاب، حضرت محمد ﷺ جو اللہ کے آخری نبیؐ تھے اور جن کے بعد کوئی نبی نہیں آنے والا تھا۔ اس نے سر جھٹکا۔ ”کیا ان سب حلف اٹھانے والوں کو حلف کے یہ الفاظ ایک رسمی تقریب میں پڑھنے کے بعد یاد بھی رہتے ہوں گے؟ اگلے حلف تک انہیں کبھی خیال بھی آیا ہوگا کہ انہوں نے حلف برداری کی تقریب میں کیا الفاظ دُہرائے تھے۔“

”میں اپنے ذاتی مفادات کو اپنے کارہائے منصبی پر حاوی نہیں ہونے دوں گا۔“ اس کی نظروں کے سامنے اس مملکتِ خداداد کا نقشہ ابھرا، جس کی لکیریں شکستہ ہو رہی تھیں اور سرحدیں لاغر، جس میں نشاندہی کیے گئے ملک کے ڈھانچے کی ہڈیاں تک چچوڑی جا رہی تھیں۔ ہر بار ایک ہی جگہ پر ایک ہی چھت کے نیچے ایک ہی حلف اٹھانے کے بعد وہ لوگ بھوکے شیروں کی طرح اس ملک کے نظام پر پل پڑتے تھے۔ جس کی شریانوں میں دوڑتے خون نے ان کو یہاں تک پہنچنے کا موقع دیا تھا اور آج وہ خود بھی اس حلف کا امین بن چکا تھا، اس حلف جس کا ایک، ایک لفظ ایک، ایک سطر اسے بلاکمی بیشی زبانی یاد تھی...... اور وہ ذرا سی تنہائی ڈھونڈ کر ان لفظوں اور سطروں پر غور کرنا چاہتا تھا جبکہ اس کے دفتر سے باہر انتظار گاہ میں اس کے منتظر لوگوں کی قطاریں بندھی تھیں، نوچ کھائے ہوئے ڈھانچے اور چچڑی ہوئی ہڈیوں پر نئے عزم کے ساتھ پل پڑنے والے بھوکے شیروں، گیدڑوں اور بھیڑیوں کی قطاریں......

"may Allah help me and guide me may Allah help me and

guid me" اس نے کئی بار زیرِلب دُہرایا اور اپنی دفتری میز کی طرف بڑھ گیا۔

☆☆☆

”سبین کی سسرال والے شادی کی تاریخ مانگ رہے ہیں، میں اور تمہارے ڈیڈی چاہتے ہیں کہ سبین کی شادی تک تمہارا رشتہ بھی کہیں طے کر دیں تاکہ دونوں شادیاں اکٹھی ہو جائیں۔“ مہرین نے تازہ خبریں سنانے والی کسی نیوز ریڈر کی طرح بات حمزہ کے گوش گزار کی۔

”اوہ...... پھر وہی قصہ......“ وہ دل ہی دل میں جھلا اٹھا۔

”سبین کی شادی سے میری شادی کا کیا تعلق ہے؟“ اس نے اسی جھلائے ہوئے انداز میں کہا۔ ”آپ اس کی شادی کی تاریخ دے دیں اس کی سسرال والوں کو، میرے پاس تو فی الحال اس کام کے لیے وقت نہیں ہے۔“

”کیا مطلب وقت نہیں ہے؟“ وہ طیش میں آنے کے لیے غصے کے رن وے پر دوڑنے لگیں۔ ”آپ سن رہے ہیں ناں......؟“ انہوں نے قریب بیٹھے محمود درانی کو مخاطب کیا۔ ”آپ کے سامنے بیٹھا ہے، سن لیں، اپنے کانوں سے سن لیں تاکہ بعد میں یہ نہ کہیں کہ تمہیں سننے میں غلطی ہوئی ہوگی۔“

”دیکھیں بابا، میں کیریئر کے آغاز پر کھڑا ہوں۔“ حمزہ نے باپ کے استفسار سے پہلے ہی کہنا شروع کیا۔ ”مجھے ابھی بہت لمبا سفر طے کرنا ہے، میں چاہتا ہوں کہ میں اس قابل ہو جاؤں کہ معاشی طور پر اپنا اور ایک فیملی کا بوجھ اٹھا سکوں لیکن ممی......“ اس نے ماں کی طرف دیکھا۔ ”انہیں نہ جانے کیوں جلدی ہے۔“

”بات تمہاری ایک طرح سے تو ٹھیک ہے۔“ محمود درانی نے نرمی سے کہا۔ ”لیکن تمہیں فوری طور پر تو کوئی معاشی مسئلہ لاحق نہیں ہے، معاشی لحاظ سے تمہارا فیملی بیک گراؤنڈ مضبوط ہے، تمہاری جاب بہت اچھی ہے اور اسے کوئی خطرہ بھی لاحق نہیں ہے پھر تم کیوں منع کرتے ہو ماں کو۔“

”نہیں بابا۔“ اس نے سر جھٹکا۔ ”میں صرف فیملی بیک گراؤنڈ کے بل پر نہیں جینا چاہتا، میں چاہتا ہوں کہ میرا اپنا تعارف اتنا مضبوط اور جاندار ہو کہ لوگ میرے تعارف سے میری فیملی کو جاننے کی کوشش کریں۔“

”دیکھا آپ نے؟“ وہ ایک مرتبہ پھر بھڑکتے ہوئے بولیں۔ ”یہ اس کے اندر سے اماں بول رہی ہیں، یہ نہیں بول رہا، اپنا تعارف، معاشی طاقت، ہونہہ۔“ انہوں نے جھنجلا کر کہا۔

”میں جان گئی ہوں حمزہ...... میں نے تمہیں اسی دن کھو دیا تھا جب اپنی مجبوری کے ہاتھوں اپنی گود سے نکال کر تمہیں اماں کی گود میں ڈال دیا تھا۔ میں نہیں جانتی تھی کہ اماں اپنی بوسیدہ اور گھن کھائی تربیت کے ذریعے تمہارے اندر بھی اپنی بوڑھی روح حلول کر جائیں گی، اب تمہیں کبھی میری بات سمجھ آسکتی ہے نہ آئے گی۔“ وہ اٹھتے ہوئے بولیں اور پیر پٹختے ہوئے کمرے سے باہر چلی گئیں۔ حمزہ نے انہیں کمرے سے باہر جاتے بڑی بے بسی سے دیکھا اور پھر اسی بے بسی سے باپ کی طرف دیکھنے لگا۔

”میں تمہارے مسئلے کو کسی حد تک سمجھتا ہوں۔“ محمود درانی نے اس کی بے بسی دیکھتے ہوئے کہا۔ ”تمہیں ڈر ہے کہ تمہاری ممی تمہارے لیے ایسی لڑکی پسند کریں گی جس سے تمہارا امزاج نہیں ملتا ہوگا؟“

”شاید یہ بات بھی ہے۔“ حمزہ نے جواب دیا۔

”یہ بات بھی ہے۔“ محمود درانی نے اس کے الفاظ دُہرائے۔ ”گویا کوئی اور بات بھی ہے؟“ حمزہ نے سر جھکا لیا۔

"اچھا......!" محمود درانی نے معنی خیز انداز میں اس کی طرف دیکھا۔ "کوئی لڑکی پسند کرلی خود سے اور ممی کو بتانے کا حوصلہ نہیں ہے۔"

"ایسی بات ہے بھی اور نہیں بھی ہے۔" حمزہ نے مبہم سے انداز میں کہا۔ "بات صرف اتنی سی ہے بابا کہ واقعی مجھے ایسا لگتا ہے کہ میں آپ لوگوں سے خصوصاً ممی سے ہزاروں میل کے ذہنی فاصلے پر کھڑا ہوں، جس انداز سے آپ لوگ زندگی کے بارے میں سوچتے ہیں، میں ویسے نہیں سوچتا، چاہے یہ بڑی اماں کی تربیت کا اثر سمجھ لیں یا میرا اپنا مزاج ہی ایسا ہے، میں جس طرح روایات، اخلاقیات اور رشتوں کے احترام پر یقین رکھتا ہوں، مجھے میری ہی طرح کی کوئی لڑکی سمجھ سکتی ہے اور ایسی لڑکی آپ لوگوں کی اس ماڈرن... سوسائٹی میں نہیں ملے گی۔"

"ہاں یہ تو ہے۔" محمود درانی نے اس سے اتفاق کیا۔

"اور اگر میں کوئی ایسی لڑکی ڈھونڈ لوں تو ممی کے لیے وہ اپنے بیک گراؤنڈ سمیت کسی طرح بھی قابلِ قبول نہیں ہوگی، وہ کس طرح ایسی لڑکی کا تعارف اپنے حلقۂ احباب میں اپنی بہو کے طور پر کرا سکتی ہیں۔"

"ہوں۔" باپ نے اس کی بات پر غور کرتے ہوئے کہا۔

"اس لیے میں چاہتا ہوں کہ مجھ سے اس سلسلے میں اصرار نہ کیا جائے، مجھے اسی طرح رہنے دیا جائے۔"

"لیکن بیٹا یہ تو مسئلے کا کوئی حل نہیں ہے۔" انہوں نے بات کو سمجھتے ہوئے کہا۔ "ہم دونوں انتہاؤں کے درمیان توازن پیدا کرنے والا کوئی حل بھی تو سوچ سکتے ہیں ناں۔"

"نہیں بابا، ان دونوں انتہاؤں کے درمیان توازن پیدا ہونا ناممکن ہے، بہتر ہے کہ ہم اس موضوع پر بات ہی نہ کریں، میرا مزاج جس سانچے میں ڈھل کر پختہ ہو چکا ہے اسے ری مولڈ کرنا میرے لیے بھی بہت مشکل ہے۔"

"کیا تم سمجھتے ہو ہم نے تمہارے ساتھ زیادتی کی اور اب تمہیں جگہ سے بے جگہ کرنے کے بعد واپس اسی جگہ پر فٹ کرنے کی کوشش کرکے مزید زیادتی کر رہے ہیں؟" انہوں نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"جو ہو چکا اسے واپس پھیرنا بھی ناممکن ہے بابا، میں نے آپ لوگوں کی اس مجبوری کو کبھی زیادتی نہیں سمجھا کیونکہ بڑی اماں کے ساتھ میں، میں نے وہ سیکھا جو یہاں صدیوں بھی رہ لیتا تو نہ سیکھ پاتا۔" حمزہ نے کہا۔ "لیکن اب جو اینٹ جہاں لگ چکی اسے وہاں سے کھسکانے کی کوشش میں عمارت گرا دینے کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آنے والا۔"

"ٹھیک ہے، میں تمہاری ممی کو سمجھانے کی کوشش کرتا ہوں۔" محمود درانی نے کہا۔ "اگر جو ان کی سمجھ میں میری بات آجائے لیکن تمہیں بھی یہ مشورہ دے دوں گا کہ زندگی تن تنہا نہیں گزرتی...... آج نہیں تو کل تمہیں ایک ساتھی کی ضرورت ضرور محسوس ہوگی۔"

"میں فطرت کے تقاضوں سے انکاری نہیں ہوں لیکن کسی کو ساتھی بنا کر مزاج نہ ملنے کے سبب چھوڑ دینے والی صورتِ حال میں بھی پھنسنا نہیں چاہتا۔" حمزہ نے نرمی سے کہا۔

"چلو دیکھ لینا، جب تمہیں محسوس ہو کہ تمہیں ایسی کوئی لڑکی مل گئی ہے جو تمہارے ساتھ اور تمہارے مزاج کے ساتھ کمپرومائز کرلے گی تو مجھے بتا دینا، میں یہ بھی کوشش کروں گا تمہاری چوائس کو گلیمر کی چکا چوند کی چادر اوڑھا کر تمہاری ممی سے اپروول حاصل کرلوں۔" بابا نے مسکرا کر کہا۔ وقت کے ساتھ ساتھ انہیں اپنا یہ بیٹا

باقی بچوں کی نسبت زیادہ پیارا لگنے لگا تھا اور وہ نامحسوس طریقے سے اس کے قریب آنا چاہتے تھے۔

"آپ وعدہ کر رہے ہیں ناں کہ آپ ایسا کریں گے؟" حمزہ کو پہلی بار اپنا باپ اپنے دل کے بہت قریب محسوس ہوا تھا۔

"وعدہ نہیں، کوشش کرنے کا کہہ رہا ہوں۔" انہوں نے کہا۔ حمزہ اُن کی طرف حیرت اور محبت سے دیکھ رہا تھا۔

"اور کچھ......؟" انہوں نے اسے یوں دیکھتے ہوئے کہا۔

"ایک بات اور......؟" حمزہ نے سر ہلایا۔

"ہاں کہو۔"

"مجھے کچھ رقم بطور قرض چاہیے، میں ایک خاص مدت کے بعد آپ کو لوٹا دوں گا۔ پہلے میں بینک سے قرض لینے کا سوچ رہا تھا۔ اب سوچا آپ سے ہی کیوں نہ لے لوں، آپ بینک کی نسبت نرم شرائط پر دے دیں شاید۔"

"باپ سے رقم قرض لینے کا تو میں نے اب تک نہیں سنا۔" محمود درانی نے کہا۔ "یہ بتاؤ کتنی رقم چاہیے اور کیوں چاہیے؟"

"مجھے ماموں سے بڑی اماں والا گھر خرید کر اسے رینوویٹ کرنا ہے۔"

"vintage" محمود نے بے ساختہ کہا۔

"ہاں یہ ہی سمجھ لیں۔"

"ضرور کرو، تمہارے حصے کی رقم جو ہمیں تمہاری تعلیم اور دوسرے معاملات پر خرچ کرنا تھی امانتاً ہمارے پاس رکھی ہے، تم اس سے بڑی اماں کا قرض اتار سکتے ہو، نو پرافٹ نو لاس۔" بابا نے اُس کے ذہن پر پڑا ایک بڑا بوجھ آسانی سے اتارتے ہوئے کہا تھا۔

☆☆☆

"دل خوش کردیا آپ نے چھوٹے صاحب، ہماری تو مانیں گلے میں پھنسی ہڈی حلق سے نکال دی۔" امراؤ بیگم نے خوشی سے جھومتے ہوئے کہا۔

"ہم تو بہت پہلے ہی تمہارا دل خوش کرنے کے چکر میں تھے امراؤ بیگم، تم ہی نے وہ نایاب ہیرا سردار زادے کی تحویل میں دے رکھا تھا اوپر سے اس سے ڈرتی ایسے تھیں جیسے بند گلی میں پھنسا کتا اپنے شکاری سے ڈرتا ہے۔"

"کتوں کو کون شکار کرتا ہے چھوٹے صاحب، کتے تو اپنی موت آپ مرنے کے لیے پیدا ہوتے ہیں، شکار تو نایاب جانوروں کا کیا جاتا ہے۔" امراؤ بیگم اتنی خوش تھی کہ خود کو کتا کہے جانے پر بھی برا نہ مناتے ہوئے برجستہ بولی۔

"جس کتے کی زبان شیر کا خون چاٹ لے اس کے کئی شکاری اِدھر اُدھر سے آ دھمکتے ہیں امراؤ بیگم، تمہارا تو شکاری بھی ایک کایاں آدمی ہے...... اگر ہمارا ہاتھ سر پر نہ ہوا تو تمہیں چوں کرنے کی بھی مہلت نہیں ملے گی، ایسی بند گلی میں جا پھنسی ہو لڑکی سمیت۔"

"آپ کا کہا سر آنکھوں پر سرکار لیکن اب بتائیں جو آپ نے بتایا ہے، اس منصوبے پر عمل درآمد کب ہوگا؟" امراؤ بیگم ایک مرتبہ پھر برا نہ مناتے ہوئے خوش دلی سے بولی۔

"وقت کم ہے امراؤ بیگم اور مقابلہ سخت ہے، اب تک وہ حلف اٹھا چکا ہوگا کنفرمڈ، اس کا پہلا آرڈر آیا ہی

WWW.PAKSOCIETY.COM

چاہتا ہے، ٹکٹ تمہارے حوالے کر دیا ہے، جتنی جلدی ہو سکتا ہے اسے یہاں سے نکالو، ہاں وہ ہاٹ لائن جو دونوں کے درمیان رابطے کا ذریعہ ہے اس پر وہ پیغام جا چکا ہے، وہ تمہاری بات بغیر کسی بحث کے مان جائے گی۔''

''اس کے ساتھ کون جائے گا؟'' امراؤ بیگم نے پوچھا۔

''تم تو ہرگز نہیں جاؤ گی۔'' فوراً جواب آیا۔ ''بلکہ کوئی بھی ایسا بندہ نہیں جائے گا جس سے کسی نقل و حرکت کی خبر کہیں پہنچ سکے۔ لڑکی کے فرشتوں کو بھی خبر نہ ہوگی لیکن کوئی ایسا ضرور ساتھ ہوگا جو اس پر نظر رکھ سکے اور وہ کون ہوگا یہ تمہیں بھی نہیں بتایا جائے گا۔''

''چھوٹے صاحب، آپ ساتھ کیوں نہیں جائیں گے، اتنا خرچہ کر کے بہار وہاں بھیج دیں گے خود خزاں میں بیٹھے رہیں گے کیا؟''

''مجھے شطرنج کی بساط کا ادنیٰ کھلاڑی سمجھتی ہو تم غالباً، نو آموز اور غیر مشّاق، میری عقل گھاس چر جائے تب بھی یوں سیدھا ہو کر سردار زادے کے سامنے نہ آؤں، ہاں تھوڑا وقت گزر جائے پھر بہار ہوگی اور ہم ہوں گے......''

''واہ واہ چھوٹے صاحب، قربان جاؤں میں آپ کی عقل اور ذہانت کے، آپ کے داؤ کے بھی اور آپ کے پیچ کے بھی، کیا کمال کا دماغ پایا ہے آپ نے۔'' امراؤ بیگم لہکتے ہوئے خوشامدانہ انداز میں بولی۔

''میں نے کہاں ناں امراؤ بیگم تم نے خود ہی دیر کر دی بندہ پہچاننے میں، ایک ہزار راتوں کی ایڈوانس منٹ کے وعدے پر لڑکی پھنسا دی، ارے ہم تو ہیں ہی یاروں کے یار...... اس موقع پر تمہارے کام ہم نہیں آتے تو اور کون آتا بھلا بولو۔''

''کوئی بھی نہیں میرے سرکار...... مولا خوش رکھے آپ کو جی، سدا جیوندے تھیویں' امراؤ بیگم تو چھچھوندر کی طرح کڑکیّ (چوہے دان) میں پھنسی باریک آواز میں چیخیں مارتی رہ جاتی جو آپ ادھر قدم نہ دھر لیتے بروقت تو۔'' چوہدری رزاق نے اپنی بلغمی آواز میں چھوٹے صاحب کی مدح سرائی کرتے ہوئے کہا۔

''یہ بھی ان امراؤ بیگموں کی خوش قسمتی ہوتی ہے جو تم جیسے چوہدری رزاق ان کے پٹھے بنے رہتے ہیں ورنہ یہ جنس اب مارکیٹ میں آؤٹ ڈیٹڈ ہو چکی ہے، اب تو فر فر انگریزی بولنے والی آنٹیوں کا زمانہ ہے، بلائیں لینے والی، بیگمیں اور خانمیں گئے زمانے کا قصہ بن چکیں۔ امراؤ بیگم اب تمہیں بھی چاہیے کہ اللہ، اللہ کیا کرو، بہت ہنڈورتالی (استعمال کر لی) تم نے زندگی اب آگے کی فکر کرو۔''

''جی چھوٹے صاحب کرتی ہوں انتظام مکے، مدینے کی زیارت کا، بس ایک دفعہ اس سردار سے جان چھوٹ جائے، تسلی ہو جائے اس طرف سے تو فوراً انتظام کرتی ہوں...... اور اس چوہدری رزاق کی تو کچھ نہ پوچھیں، اس لڑکی والی مصیبت میں بھی اسی نے پھنسایا ہے ہمیں، یہی لایا تھا کم بخت اس لڑکی کو بختو کے پاس۔'' امراؤ بیگم نے دانت کچکچاتے ہوئے کہا۔

''جانتی ہو ناں کہاں سے لایا تھا؟''

''جانتی ہوں، خوب اچھی طرح جانتی ہوں۔'' امراؤ بیگم نے نفرت آمیز نظروں سے چوہدری رزاق کی طرف دیکھا۔ ''وہاں سے اٹھایا اور منزل تک پہنچنے سے پہلے ہی ہاتھ سے نکال بھی دی۔''

''وہ تو سو میں سے جو ایک بار ہوتا ہے وہ ہو گیا ورنہ لڑکی اور ہاتھ سے نکل جائے ہہ'' چوہدری رزاق نے آنکھیں چُرا کر کھسیاتے ہوئے کہا۔

''اچھا یہ تو بتاؤ چوہدری رزاق، لڑکی کو پہلی بار اٹھایا کس کے کہنے پر تھا؟''

''ایک لڑکی نہیں جی کئی اٹھائی تھیں وزیر فلاں کے کہنے پر۔'' چوہدری رزاق نے زیرِ لب وزیر کا محکمہ بولتے ہوئے کہا۔

''ٹھہرو ذرا مجھے یاد کرنے دو...... اس وقت اس محکمے کا وزیر کون تھا؟''

''پتا نہیں سرکار...... ہمیں تو اوپر سے حکم ملا تھا امدادی کارکن بن کر جا گھسو اور چیدہ، چیدہ لڑکیاں اٹھا لاؤ، ہم نے کئی اٹھائیں یہ بھی انہی میں شامل تھی، اسے اس ڈاکٹرنی نے فرار کرا لیا۔ اس کو تو وہاں سے اٹھا کر سیدھا شارجہ پہنچانا تھا جب اس کے فرار کی خبر ملی تو وزیر صاحب کے آرڈر آ گئے جیسے بھی فوراً ڈھونڈ کر لاؤ۔ ہم کتوں کی طرح بو سونگھتے سیالکوٹ جا پہنچے جی، لڑکی قابو کر لی تو وزیر صاحب کا آرڈر آ گیا، اب یہ لڑکی انہیں نہیں چاہیے تھی، وزیر صاحب تو اکڑ گئے ہم اپنی جان کہاں چھپاتے، جو کچھ نہ سوجھا تو جا بختو کے ڈیرے پر دم لیا۔ وہ بے چاری باسی شکلیں آغوش میں لیے بیٹھی تھی۔ ایسی ماہتاب صورت لڑکی نظر آئی تو باچھیں کھل اٹھیں اس کی...... کہنے لگی ایسے اسے سامنے نہیں لاؤں گی پہلے سکھاؤں گی، پڑھاؤں گی پھر سامنے لاؤں گی۔ لڑکی کی تربیت جاری تھی کہ بختو کے پاس لڑکیوں کی ایک کھیپ اور پہنچ گئی۔ ادھر یہ امراؤ بیگم روزی روٹی سے عاری بیٹھی مکھیاں مار رہی تھی۔ بختو کو جو اس پر ترس آیا تو لڑکی کو اس کے ہاں بھیج دیا۔ لڑکی یہاں کیا آئی مانو امراؤ بیگم کے بھاگ کھل گئے۔ چھپر پھاڑ کر دولت مہربان ہوئی، سردار مہر زاد نے ایک ہزار راتوں کے ایڈوانس پکڑا دیے۔ گاڑیاں میسر آ گئیں، علاقے میں نام اُڑ گیا، وارے نیارے ہو گئے لیکن پھر ہزار راتوں کے ایڈوانس کا جادو سر چڑھ کر جو بولا تو آج کی صورتِ حال آپ کے سامنے ہے، ایک آرڈر اسلام آباد سے آنے کی دیر ہے بس۔'' چوہدری رزاق نے تمسخر اڑانے کے سے انداز میں امراؤ بیگم کی طرف دیکھا۔

''لو جی، پھر ایک فیکٹ مجھ سے بھی سن لو، میں نے ابھی گوگل پر سرچ کیا ہے اور پتا کیا چلا ہے جناب کہ اس وقت اس محکمے کے وزیر اسی سردار موصوف کے والد صاحب تھے، قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھے تھے اور لڑکیاں اٹھوانے کا شوق پھر بھی قائم تھا۔''

''اوہو ہو...... یہ خبر تو نہ ہوئی ناں جی یہ تو اسکوپ ہو گیا اسکوپ۔'' چھوٹے صاحب کے والد کے پریس انفارمیشن کے ایک کارندے نے اپنی بتیسی نکالتے ہوئے کہا۔

''جب ہی سردار زادہ اتنی چندا بنا کر رکھتا ہے بچی کو۔'' امراؤ بیگم نے اس خبر پر غور کرتے ہوئے کہا۔

''اونہیں...... اونہیں......'' چھوٹے صاحب نے فوری طور پر سامنے آنے والے تمام ردِعملوں کی تردید کرتے ہوئے کہا۔ ''بڑے وزیر صاحب اس وقت اس محکمے کے وزیر تھے پھر پارٹی ہیڈ کوارٹر سے انہیں ہدایات ملی وزارت چھوڑ کر اپوزیشن میں بیٹھ جائیں کیونکہ اگلی باری ویسے ہی ہماری تھی۔ والد صاحب اپوزیشن میں بیٹھ گئے۔ جب ہی تو چوہدری رزاق کو آرڈر ملا اب اس لڑکی کو کہیں نہیں پہنچانا۔ چھ ماہ سے کچھ زیادہ عرصہ والد صاحب اپوزیشن میں رہے اور اسی لیے چوہدری رزاق کو اس کے بارے میں مزید کوئی ہدایت لڑکی کے بارے میں جاری نہیں ہوئی اور یہ جہاں سینگ سمائے بنورانی کو چھوڑ آئے۔''

''پھر اس سردار کے بچے کو کیسے خبر ہو گئی اس لڑکی کے اِدھر موجود ہونے کی؟'' امراؤ بیگم نے مزید غور کرنے کی کوشش کی۔

''ہاں یہ البتہ ابھی پتا نہیں چل سکا، یہ تو باپ کے قتل پر واپس آیا تھا۔ پارٹی کو ایک شہید کی ضرورت تھی، وہ اس

WWW.PAKSOCIETY.COM

کے باپ کے قتل نے پوری کردی، محترم نے اپنے جھنڈے بھی پارٹی کے جھنڈے کے ساتھ گاڑنے شروع کردیے، نتیجہ دیکھ لو آج وہ پارٹی ہائی کمان سے عام کارکن تک کی آنکھ کا تارہ بنا ہوا ہے۔" چھوٹے صاحب نے کہا۔

"اوئے اسی لیے تو کہہ رہا ہوں احتیاط سے...... بڑی احتیاط سے آگے چلو، کسی کا نام نہ آنے پائے۔ فی الحال، پارٹی کے اندر ہی جو ٹانگ کھینچنے والے ہیں ان کے وار چلنے تک احتیاط سے چلنا ہے۔"

"رات ڈھائی بجے کی فلائٹ ہے سرکار، وقت کیسے جلدی گزر سکتا ہے کوئی سمجھ نہیں آرہی۔" امراؤ بیگم نے کہا۔

"فکر نہیں کرو، آج کی رات تو وہاں جشن منایا جائے گا، وزیر صاحب نے رات دس بجے ایک لائیو انٹرویو بھی دینا ہے، اس وقت وہ ایک پریس کانفرنس سے خطاب بھی فرما رہے ہوں گے، ان کو پورٹ فولیو ہی ایسا ملا ہے، آگے پریس پیچھے الیکٹرانک میڈیا، دائیں صحافی، بائیں مبصراًن سے نمٹ لیں گے تو جانِ جاناں کی خبر لیں گے ناں۔" چھوٹے صاحب نے ہنستے ہوئے کہا، ان کی تقلید میں کمرے میں موجود ہر شخص ہنسنے لگا تھا۔

☆☆☆

"میری جان کو اپنے عاشقِ نامدار کی طرف سے سلام فتح قبول ہو۔" زرنگار نے اس خصوصی فون پر خصوصی نمبر سے آنے والے، پیغام کے الفاظ کو بار بار بغور پڑھا...... نہ پیغام مانوس لگتا تھا نہ ہی طرزِ تخاطب...... مگر جس نمبر سے وہ پیغام آیا تھا اس پر یقین نہ کرنے کا کوئی جواز بھی نہیں تھا۔

"آج رات ڈھائی بجے کی فلائٹ سے دبئی روانگی شیڈولڈ ہے، میری جان کا ٹکٹ امراؤ بیگم تک پہنچ چکا ہے، وصول پاتے ہی جناب اپنی تیاری مکمل کرلیں، چند روز میدانِ سیاست سے دور، حسین جگہوں پر ساتھ گزارنے کا موقع ملے گا۔ چند روز جو یقیناً بہت خوب صورت ہوں گے، چند راتیں جو یقیناً بہت یادگار ہوں گی۔"

اس نے کئی بار یہ دوسرا پیغام پڑھا۔ "سردارزادہ مہرزاد خان اور اتنا عامیانہ طرزِ گفتگو" اس نے کئی بار سوچا۔ "جیت کی ترنگ اور وزارت کا خمار۔" اسے خیال آیا۔ "کیا وہ بھی عام انسانوں کی طرح کھل کھیلنے لگا ہے۔" ذہن و دل ماننے سے انکاری تھے مگر نہ ماننے کا کوئی جواز بھی نہیں تھا۔ اسی دوران امراؤ بیگم بھورے رنگ کا ایک بھاری سا لفافہ لیے چلی آئیں۔

"لو میری چندا...... تمہارے لیے تو سیر و تفریح کا ٹکٹ آیا ہے۔ سردار صاحب نے اپنی جیت اور وزارت کی خوشی میں تمہارے ساتھ دبئی کی سیر کا پروگرام بنایا ہے۔" وہ کہہ رہی تھی شک اور بے یقینی کی مزید گنجائش ختم ہوگئی۔

"کیا معلوم یہ ٹکٹ نہیں پروانۂ آزادی ہو!" پھر اس نے مثبت خطوط پر سوچنا شروع کیا۔ "اسے مجھے زندگی میں واپس عزت کا مقام دلوانے ہی کا تو خبط ہے ناں، شاید منصبی مجبوریاں یہاں اس ملک میں یہ خبط پورا کرنے کی اجازت نہ دے پا رہی ہوں اور وہ مجھے کسی بہانے یہاں سے دور لے جانے کا پروگرام بنائے بیٹھا ہو۔ ورنہ اتنی افراتفری کی تو کوئی تک نہیں بنتی۔ منصب سنبھالتے ہی پہلی رات دو پروگرام اور بیرونِ ملک روانگی، معاملہ کیسا الجھا ہوا سا لگ رہا ہے۔" وہ سوچتے، سوچتے تھکنے لگی۔ ان دو پیغامات کے بعد فون پر کوئی پیغام وصول نہیں ہوا تھا۔ اس کے بھیجے پیغام منزل پر پہنچنے میں ناکام ہو رہے تھے اور امراؤ بیگم اپنی خاص ملازمہ کے سر پر کھڑی اس کا سامان پیک کروا رہی تھی۔ بارہا اس کا دل چاہا امراؤ بیگم سے کہہ دے۔

"اماں میں نہیں جا رہی کہیں،" لیکن ایسا کہہ دینے سے "ہمیشہ" ہمیشہ کے لیے اس سنہری پنجرے میں بند رہ

جانے کا بھی خدشہ تھا۔ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ پھر وہ ایک عجیب سے خلجان میں کیوں مبتلا تھی۔

☆☆☆

"وزارتِ اطلاعات و نشریات پر گزشتہ ایک عرصے سے ایک خاص مافیا کا قبضہ ہے، کیا آپ ملک کے وسیع مفاد میں اس قبضے سے اپنی وزارت کی جان چھڑوا پائیں گے؟"

"وسیع مفاد!" سوال کے جواب میں اس نے اپنے مخصوص انداز میں سوال کرنے والے کے سوال کا ایک اہم لفظ دُہرایا۔ "کیا آپ مجھے بتائیں گے ملک کا وسیع مفاد کیا ہے، وہ کیا چیز ہے جسے larger interest کا نام دیا جاتا ہے؟"

"سر آپ......" سوال کرنے والے نے کہنا چاہا۔

"آپ بیٹھیں، میں آپ کو بتاتا ہوں لارجر انٹرسٹ سے آپ کی کیا مراد ہے؟" اس نے ہاتھ ہلا کر سوال کرنے والے کو بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"آپ کی مراد یہ ہے کہ ایک مخصوص مافیا کے قبضے سے اس شعبے کی جان چھڑوا کر دوسرے مخصوص مافیا کے گلے میں ہار کی طرح ڈال دیا جائے تاکہ جس بہتی گنگا میں پہلے وہ ہاتھ دھو رہے تھے اب دوسرا دھونے لگے۔"

"آپ ایسے مافیاز کو بے نقاب کریں گے کیا......؟" اسی شخص نے دوسرا سوال کیا تھا۔

"بے نقاب۔" وہ مسکرایا۔ "کیا وہ کوئی نقاب پہنے اپنا کام کرتے ہیں، کیا میں ان سے واقف نہیں ہوں یا آپ ان سے واقف نہیں ہیں؟" اس نے سوالیہ نظروں سے سوال کرنے والے کی طرف دیکھا۔

"میرے بھائی وہ نقاب پوش نہیں بلکہ ہم ہیں جنہوں نے اپنی نظریں دانستہ بند کر رکھی ہیں۔" اس کی بات کے جواب میں یک دم خاموشی چھا گئی تھی۔

"سردارزادہ صاحب آپ پرنٹ میڈیا پر عائد ٹیکسز کے بارے میں کیا پالیسی اختیار کرنے والے ہیں؟" کسی اور طرف سے سوال آیا۔ اس سوال کا جواب اس نے قدرے تفصیل سے دیا۔ ایک کے بعد دوسرا، دوسرے کے بعد تیسرا وہ سوالوں کے جواب دیے چلا جا رہا تھا اور کمال کی بات یہ تھی کہ وہ کہیں اٹکا نہیں تھا۔ گویا اس نے اس پریس کانفرنس کے لیے اپنے نوٹس مکمل طور پر پڑھ کر رکھے تھے اس کا ہوم ورک مکمل تھا۔

یشل نے ٹی وی اسکرین پر چھائے اس کے چہرے کو غور سے دیکھا، اس چہرے پر اعتماد کے سوا کچھ نظر نہیں آرہا تھا۔ جوش، عزم، خوشی، سرشاری وہ اس قسم کے کسی تاثر کو اس کے چہرے پر تلاش کرنے کی کوشش کرتی رہی مگر اسے اپنے اندر کے محسوسات کے تاثرات چھپانے میں کمال حاصل تھا۔ اس پریس کانفرنس کے دوران اس نے چند لطیفے بھی سنائے، کچھ چٹکلے بھی چھوڑے، سنجیدہ باتیں بھی کی تھیں اور عمدہ مثالیں بھی تھیں۔ اس کی گفتگو میں فوری طور پر کوئی بہت امید افزا بات تھی نہ کوئی بلند و بانگ دعویٰ اور وعدہ...... اس نے معاملات کو خود دیکھنے اور سمجھ لینے کے بعد کوئی بات کرنے پر زور دیا تھا۔ مجموعی طور پر اس پریس کانفرنس کے بعد اس کی شخصیت کا اچھا تاثر پہلے سے زیادہ بڑھا تھا۔

"اس کی بہترین صلاحیت مجمع کو اپنے جادو اثر بیان اور سحر انگیز شخصیت کی کشش میں جکڑ لینا ہے۔ پارٹی کو برسوں بعد ایسا چارمنگ بندہ میسر آیا ہے جس میں پارٹی کو لیڈ کرنے کی صلاحیت موجود ہے۔" ایک سیاسی تجزیہ نگار کسی چینل پر بیٹھا مہرزاد خان کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا رہا تھا۔ یہ وہ لوگ تھے مہرزاد خان کی ایک جنبشِ قلم سے جن کی چاندی ہونے کی امید تھی۔ پرچی، پلاٹ، لفافہ مافیا سے وہ سب کسی نہ کسی

WWW.PAKSOCIETY.COM

رنگ میں منسلک تھے۔ ان میں سے ہر ایک کسی نہ کسی کا ایجنٹ تھا اور یشل کے خیال میں سردار مہر زاد خان جیسے لوگوں کے لیے سب سے بڑا خطرہ وہی لوگ تھے۔ آکٹوپس کی طرح ہر نئے آنے والے کو اپنی گرفت میں جکڑ لینے والے لوگ، اُن کی گرفت سے اس وقت تک تو کوئی نہیں بچا تھا سردار مہر زاد کو یا تو مثال بن جانا تھا یا مثال ہو جانا تھا۔ یشل نے سوچا اور اپنی اسٹڈی ٹیبل کی کرسی پر آبیٹھی۔ کمرے کی مرکزی لائٹ بند کر کے اس نے ٹیبل لیمپ جلایا اور اپنے لیپ ٹاپ پر نوٹس بنانے لگی۔

''دنیا کی آسائشات اور مفت ہاتھ لگنے والی چیزوں میں اتنی کشش ہے کہ انسان کتنا بھی پرہیز گار ہے ان کے سامنے چند لمحوں کے لیے تو اپنے نفس کو بے بس ضرور محسوس کرتا ہے۔'' اس نے لکھا تھا۔ ''آج سردار زادہ مہر زاد خان نے وزارت کا حلف اٹھایا اور آج ہی ایوانِ صدر سے لے کر اس کے گھر کے راستے تک چلنے والے ٹریفک میں کتنی ہی ایسی گاڑیاں تھیں جنہیں اس کے گھر کی پارکنگ میں رکنا تھا اور ان گاڑیوں میں سے ایسے لوگوں کو برآمد ہونا تھا جن کے ہاتھوں، جیبوں اور زبانوں میں پُرکشش پیشکشیں پوشیدہ تھیں۔ بیش قیمت ولاز، سالیٹئر ہیرے، مہنگی ترین گاڑیاں، مہنگے ترین ریزورٹس پر چھٹی منانے کی آفرز، نسلوں تک کو سونے میں تول دینے کی پیشکش، یہ وہ لوگ تھے جو سامنے تھے، بے شمار ایسے بھی ہیں جو بیرونِ ملک ہاٹ لائنز پر بیٹھے ہیں، ویڈیو لنکس کے ذریعے منسلک ہیں، لاتعداد فون کالز، لاتعداد فیکس، لاتعداد پیغامات، پورا دن ایک بھرپور گہما گہمی میں گزرا۔ سردار مہر زاد خان تو روشنی کے نیچے کھڑا ہے، ہم اس کے عملے کے لوگ ہیں، ہم میں سے ہر کسی کے سامنے پیشکشوں کے ڈھیر لگے ہیں۔ کیا یہ ثقافت صرف تیسری دنیا کے ملکوں میں ہی رچ بس چکی ہے! دنیائے اوّل کے تہذیب یافتہ، ترقی یافتہ ملک بھی اس کی گرفت میں ہیں۔ میرے خیال میں طریقۂ واردات کوئی سا بھی ہو واردات ایک سی ہی ہوتی ہے۔ جو بھی ہے میرے سامنے ایک بڑا سوالیہ نشان کھڑا مسکرا رہا ہے، کیا سردار مہر زاد خان اس ثقافت کی گرفت سے بچ پائے گا۔ کیا وہ کوئی نئی تاریخ رقم کر پائے گا۔ اس سوالیہ نشان کو آنے والا وقت ہی مٹا سکتا ہے جو بھی ہے میری ساری نیک تمنائیں سردار زادہ مہر زاد خان کے ساتھ ہیں۔'' اس نے لکھنے کے بعد لیپ ٹاپ شٹ ڈاؤن کیا اور ٹیبل لیمپ کا بٹن آف کر دیا۔

☆☆☆

''تم نے اس کو کیوں یہاں انوائٹ نہیں کیا، آج کی رات تو وہ کوئن آف نائٹ بن کر یہاں اپنی پہلی جھلک دکھا سکتی تھی۔'' گڈی نے اس تقریب کے دوران مہر زاد کو جا لیا جو اس کے بہت قریبی تعلق داروں کے لیے وزارت کا عہدہ ملنے کی خوشی میں بپا کی گئی تھی۔ گڈی، سردار اویس خان کی نصفِ بہتر ہونے کی حیثیت سے اس تقریب میں شریک تھی۔

''گڈی تم نے زیادہ پی لی ہے۔ تمہارے حواس قابو میں نہیں ہیں۔'' جواب میں وہ نرمی سے بولا تھا۔

''میں جتنی بھی پی لوں مجھے اب نشہ نہیں ہوتا۔ کیا پانی اور کیا یہ......'' اس نے ہاتھ میں پکڑے گلاس کو نظروں کے سامنے کرتے ہوئے کہا۔

''پھر بھی تمہارے دماغ پر خمار چڑھ رہا ہے، میرا خیال ہے کہ اب تمہیں گھر چلے جانا چاہیے......'' اس نے متانت سے کہا تھا، اس کی نظریں سردار اویس پر جمی تھی جو خود بھی نشے میں دُھت اپنی تازہ ترین گرل فرینڈ کو بغل میں دبائے کھڑا قہقہے لگا رہا تھا۔

''چلو پھر ایسا کرتے کہ اسے نہ سہی رشنا اکبر کو ہی انوائٹ کر لیتے، سنا ہے اماں جان ملتان جا رہی ہیں گویا

آہ! ریشماں......

صحرا کا نغمہ خلاؤں کی وسعتوں میں کھو گیا

جاتا سال ہمیں ریشماں سے بھی جدا کر گیا۔ (اس سے قبل ماضی قریب ہی میں گلوکارہ مہناز، اقبال بانو اور زبیدہ خانم بھی داعیٔ اجل کو لبیک کہہ گئی تھیں) یوں تو ریشماں عرصہ دراز سے علیل تھیں اور سرطان جیسے موذی مرض کا شکار تھیں لیکن جب تک سانس تب تک آس کے مصداق امید تھی کہ ریشماں شاید تادیر ہمارے درمیان موجود رہیں پر الٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا (انا للہ وانا الیہ راجعون) ''لمبی جدائی'' جیسا نغمہ گانے والی لمبی جدائی دے گئی۔

ریشماں ہندوستان کی ریاست بیکانیر میں 1947ء میں پیدا ہوئیں اور اپنے آباؤ اجداد کے ساتھ ہجرت کر کے پاکستان میں آبسیں۔ ابتدائی عمر ہی سے گانے کا شوق تھا۔ محض بارہ برس کی عمر میں لال شہباز قلندرؒ کے مزار مبارک پہ دھمال گاتے ہوئے ریڈیو کے پروڈیوسر سلیم صاحب کی نظروں میں آگئیں اور یوں ریڈیو پاکستان سے انہوں نے بے شمار نغمے گائے جو ہمیشہ ان کے مداحوں کے کانوں میں رس گھولتے رہیں گے۔ ٹیلی ویژن کے آغاز پر یہاں سے بھی گانے لگیں اور بہت جلد ان کا شمار مقبول فنکاروں میں ہونے لگا۔ انہوں نے موسیقی کی باقاعدہ تربیت حاصل نہ کی تھی مگر قدرت نے انہیں ایسی خوب صورت، منفرد اور سُریلی آواز سے نوازا تھا کہ جو سنتا داد دیے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ وہ صحیح معنوں میں لوک موسیقی کی ملکہ تھیں۔ ان کے فن کی خوشبو بہت جلد پڑوسی ملک میں بھی پھیل گئی اور انہیں وہاں بھی قبول عام کی سند حاصل ہوئی۔ ہندوستان کی سابق وزیر اعظم اندرا گاندھی بھی ان کے پرستاروں میں شامل تھیں انہوں نے ریشماں کو ہندوستان میں سکونت اختیار کرنے کی دعوت دی لیکن ریشماں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ ان کو ساری شہرت اور عزت پاکستان نے دی ہے وہ اسے نہیں چھوڑ سکتیں۔ ریشماں کے چند مشہور گانے درج ذیل ہیں۔

1۔ وے میں تیرے نال چوری چوری لالیاں اکھاں وے...... 2۔ لمبی جدائی...... 3۔ ہائے او ربا نئیں او لگدا دل میرا...... 4۔ میری ہم جولیاں کچھ یہاں کچھ وہاں...... 5 اکثر شبِ تنہائی میں...... 6۔ ناں دل ویندی بے دردی نوں

ایسے اور بہت سے نغمے ہمیں ہمیشہ ریشماں کی یاد دلاتے رہیں گے۔ ان کی خدمات کے صلے میں انہیں پرائڈ آف پرفارمنس سے بھی نوازا گیا۔ سادہ سی ریشماں اپنے فن اور منفرد انداز کے باعث مداحوں کے دلوں میں ہمیشہ زندہ رہیں گی۔

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم
تو نے وہ گنج ہائے گراں مایہ کیا کیے

تحریر: عالیہ بشیر، اسلام آباد

تم نے انہیں ہرا سگنل دے دیا ہے۔'' وہ ہچکی کو دباتے ہوئے بولی۔

''میرا خیال ہے گڈی تم واقعی اپنے حواسوں میں نہیں ہو، رکو میں تمہاری واپسی کا انتظام کرتا ہوں۔'' مہر زاد نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا اور گڈی کے قریب سے ہٹ گیا۔

''سر...... بہت اہم خبر ہے۔'' اسی وقت اس کا اسسٹنٹ گھبرایا ہوا اس کے قریب آیا اور اس کے کان میں کچھ معلومات انڈیلنے لگا۔

''ہوں......'' اس نے پوری بات سننے کے بعد کہا اور چند لمحوں کے توقف کے بعد ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''فوری طور پر اس کا نام ای سی ایل میں ڈلواؤ، ایک لمحے بھر کی بھی دیر نہیں کرو گے تم۔''

☆☆☆

''مسز ی ایم نے میری بات پوری توجہ اور دھیان سے سنی ہے ممی اور میں بہت پُرامید ہوں کہ ہماری مہم کو

WWW.PAKSOCIETY.COM

کچھ کامیابی ضرور ملنے والی ہے۔'' ثنا نے عافیہ کو بتایا۔ ''یہ دیکھیں اس یادداشت کا پرنٹ جو ہم نے مسز سی ایم کو پیش کیا۔'' اس نے ایک کاغذ ان کے سامنے کھولتے ہوئے کہا۔

''جیتی رہو بیٹا...... مل جل کر جو بھی کوشش کریں گے...... وہ کہیں تو پہنچائے گی۔'' عافیہ نے ممنونیت سے ثنا کی طرف دیکھا۔

''ممی ہمارے پیج کے لائکس میں دنوں میں ریکارڈ اضافہ ہوا ہے، امید ہے وائس آف امریکا کی اردو سروس کے کسی پروگرام میں اس پیج کا ذکر کیا جائے گا، ایسا ہو گیا تو بہت تقویت ملے گی ہماری کوششوں کو۔''

''چیف منسٹر کے پریس سیکرٹری تک ہم نے بات پہنچا دی ہے۔ جہانگیر اور تمہارے ڈیڈی کو شاید اسی ہفتے ملاقات کا وقت مل جائے۔'' عافیہ نے کہا۔

''آپ فکر مت کریں ممی، جلد ہی ہمیں کوئی اچھی خبر ملے گی۔'' ثنا نے انہیں تسلی دی۔

''اللہ تمہاری زبان مبارک کرے ثنا، مجھے تو ایسا لگتا ہے میں ایک بار پھر اسی صورتِ حال کا سامنا کر رہی ہوں جو دانیال کے کوما میں چلے جانے کے دوران ہم پر گزر رہی تھی...... لمحے، لمحے کا انتظار ہے جو ایک بار پھر زندگی کا حصہ بن کر رہ گیا ہے۔ ایک بار پھر مجھے لگتا ہے میں روز جینے اور روز مرنے والی کیفیت میں مبتلا ہوں۔''

''ممی اگر آپ کو صوفی صاحب کی بات اور اس بات کے توسط سے خدا پر مکمل یقین ہے تو ضرور وہ ہماری مدد کرنے والا ہے، آپ فکر کیوں کرتی ہیں۔'' ثنا نے کہا اس کے ساتھ ہی اچانک ثنا اسکرین سے آؤٹ ہو گئی۔ وائی فائی موڈیم کا رابطہ منقطع ہو گیا تھا۔ عافیہ اپنی جگہ پر بیٹھی اب بھی اپنے ہاتھ میں پکڑے ٹیب کی اسکرین کو دیکھ رہی تھیں۔ امید و بیم کی کیفیت نے ان کو اس وقت بھی اپنی گرفت میں لے رکھا تھا۔

☆☆☆

''تمہیں کیسا لگتا ہے، جب لوگ تمہیں پہچان لیتے ہیں اور تم سے بات کرنے کے لیے تمہاری طرف لپکتے ہیں، جب وہ تم سے تمہارا آٹوگراف مانگتے ہیں۔'' اس روز شہر کے ایک بڑے شاپنگ مال میں شاپنگ کے دوران علینہ نے فہد سے پوچھا۔

فہد، ڈاکٹر نادیہ کو مختلف کھانوں میں استعمال ہونے والے خاص لوازمات خریدنے کے لیے رہنمائی کرنے ان کے ساتھ آیا تھا اور نادیہ اور علینہ نے دیکھا تھا کہ وہاں خریداری کرتے کئی لوگ اسے پہچان کر اس کی طرف بڑھے تھے۔ اس سے بات کر کے ہاتھ ملا کر وہ فخر محسوس کر رہے تھے، کئی اسے ان کھانوں اور اس کے پروگرامز کی یاد دلا رہے تھے جو انہوں نے دیکھ رکھے تھے۔ کھڑے کھڑے کئی لوگوں نے اسے اپنے گھروں میں آنے کی دعوت بھی دے دی...... ایک خاتون جو کسی سول لیڈیز کلب اور ایک آرمی لیڈیز کلب کی ممبر تھیں نے اس کے لیے اپنے کلبز میں خصوصی کوکنگ شو کرانے کا اعلان بھی کر دیا۔ علینہ اس شہرت کی بلندی کو محسوس کر رہی تھی جو فہد کو حاصل تھی اور خود فہد ہر کسی سے بہت خلوص اور محبت سے مل رہا تھا بلکہ اکثر لوگوں کو وہ یہ بھی بتا رہا تھا کہ وہ تو ان کا اپنا تھا کیونکہ بنیادی طور پر وہ اسی شہر کا رہنے والا تھا۔

''شروع میں بہت اچھا اور کبھی بہت عجیب محسوس ہوتا تھا۔'' فہد نے جواب دیا تھا۔ ''لیکن اب عادت ہو گئی ہے، اب یہ سب نارمل لگتا ہے کیونکہ ایسی پبلک پلیسز پر جانے سے پہلے ہی مجھے پتا ہوتا ہے کہ وہاں ایسے ہوگا۔ لوگوں کا ردِعمل، ان کی گفتگو، پُرشوق چہرے، ایسے ہی ہوتے ہیں ہر جگہ ایک جیسے۔''

''تمہارے اتنے زیادہ پیجز بھی تو بنے ہوئے ہیں سوشل ویب سائٹس پر، لوگ تمہیں فالو کرتے ہیں، ہیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

نال......''علینہ بھی لوگوں کا ردِعمل دیکھ کر پُرجوش ہونے لگی تھی۔

''ہاں، میں بھی دیکھتا ہوں وہ پیجز......'' وہ انکساری سے بولا۔

''تم تو واقعی سلیبریٹی بن چکے ہو، میں مذاق ہی کرتی رہ گئی۔'' علینہ مسکرائی۔ ''میری کالج فرینڈز کو ابھی تک پتا نہیں چلا تمہارا ورنہ سب ہمارے گھر آئی ہوتیں روزانہ۔''

''بتانا بھی نہ پلیز...... کیونکہ میں تو کل صبح دوبارہ بالاکوٹ جا رہا ہوں۔'' فہد نے جواب دیا۔ وہ ہی منحوس ابدی حقیقت...... وہ میرال کی کھوج میں وہاں آیا تھا۔ علینہ کا سارا جوش اور خوشی ایک بار پھر جھاگ کی طرح بیٹھ گئی۔ اس نے ناراض نظروں سے فہد کی طرف دیکھا جو نادیہ کو کسی ایسے ٹن پیک کوکونٹ ملک کے بارے میں بتا رہا تھا جو کئی کھانوں کا ذائقہ دوبالا کر سکتا تھا۔

''میں صرف پندرہ دن کا سالانہ آف لے کر آیا ہوں علینہ۔'' شاپنگ مال سے باہر نکلتے ہوئے فہد نے کہا۔ وہ علینہ کے رویے سے سمجھ چکا تھا کہ کیوں اس کا موڈ آف ہو چکا تھا۔

''دیکھو میری تو ایک کوشش ہی ہے ناں...... مجھے کوئی یقین تو نہیں کہ میں اس کا پتا چلا سکوں گا۔ دراصل میں اس المناک کہانی کو سننے کے بعد سے اتنا بے چین ہوں کہ میرا بس نہیں چلتا کہ میں کہیں سے اسے ڈھونڈ لاؤں۔''

''کیا تم جانتے ہو کہ تم جیسے سلیبریٹی کی طرح ایک سوشل ویب سائٹ پر میرال صلاح الدین کے نام سے بھی ایک صفحہ موجود ہے؟'' بات بِلا ارادہ علینہ کے منہ سے پھسل گئی تھی اور یہ وہ بات تھی جو فہد سے ان دِنوں تین، چار ملاقاتوں کے دوران اس نے اپنے منہ میں زبردستی روک رکھی تھی۔ وہ خود بھی نہیں جانتی تھی کہ اپنے ہلکے پیٹ میں اتنی سنبھال کر رکھی بات اس نے یوں اتنی آسانی سے فہد کو کیسے سنا دی تھی۔

''کیا واقعی......؟'' فہد نے پورا گھوم کر اس کی طرف دیکھا تھا...... ''تم نے مجھے ابھی تک بتایا کیوں نہیں؟''

''وہ اس لیے کہ میں نے اس صفحے کا کہیں نام ہی پڑھا تھا، اس کی تفصیل نہیں دیکھی، اس لیے مجھے یقین نہیں تھا کہ اس میں اسی میرال صلاح الدین کا ذکر ہوگا۔ ابھی تمہارے بارے میں لوگوں کا جوش دیکھ کر مجھے خیال آیا، ہو سکتا ہے میرال بھی ایک سلیبریٹی بن چکی ہو...... اور اس کے بھی ایسے پیجز ہوں جن میں سے ایک کی پبلسٹی پر اتفاق سے میری نظر پڑ گئی۔'' اب علینہ کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ فہد کو کیسے یقین دلائے جو اس نے دیکھا تھا وہ دراصل کچھ اور تھا وہ کچھ اور بھی ہوتا تو فہد اب اسے دیکھے اور تلاش کیے بغیر نہیں رہنے والا تھا۔

☆☆☆

''میں نے ماسی عارفہ سے کہہ دیا ہے ناں ' بہن ہم نے اتنے دماغ والے لوگوں میں اپنی بیٹی نہیں دینی، ہم نہیں جاتے ان کے گھر لڑکا دیکھنے۔'' اس روز بینش یونیورسٹی سے گھر واپس پہنچی' اس نے دیکھا اس کی اماں، بڑے والے بھائی سے بلند آواز میں گفتگو کر رہی تھیں۔

''بڑے علاقوں میں پانچ، سات مربعوں پر کوٹھیاں ڈال کر کھڈوں (بلوں) جیسے کمروں میں رہنے...... کسی چار فٹ کے کمرے میں ٹانگیں لگا کر ایک صوفہ، چار کرسیاں سجا کر یہ لوگ خود کو اونچے لوگ سمجھنے لگتے ہیں اور آکڑ، آکڑ (اکڑ اکڑ) کر کہتے پھرتے ہیں ہم تو جی جدی پشتی رئیس ہیں، امبر سر (امرتسر) سے آئے تھے ہمارے اگلے...... ہم تو جی جموں کے مہاجروں سے رشتے نہیں جوڑتے لو دس بھلا (بتاؤ بھلا) جموں کے مہاجروں میں کیڑے پڑ گئے تھے بارڈر کراس کرتے ہوئے، چھوٹی اوقات کے وڈے لوگ نہ ہوں تو......''

بینش کو معلوم تھا اماں اکثر چھوٹی سی بات پر بھی ناراض ہو کر ایسی پُرجوش گفتگو کیا کرتی تھیں لیکن یہ گفتگو کس

WWW.PAKSOCIETY.COM

کے بارے میں تھی یہ اسے سمجھ نہیں آرہا تھا۔

"کیا ہوگیا ہے، اماں، اتنا کیوں بول رہی تھیں؟" اسے دیکھ کر جب اماں کچن میں اسے کھانا دینے آئیں تو اس نے مسکرا کر پوچھا۔ جب سے اس نے دانیال کی گفتگو سنی تھی اسے اپنی ماں میں ایک نیا روپ نظر آنے لگا تھا۔ ایک ایسا روپ جس سے پہلے وہ واقف نہیں تھی، اسے ان پر بے طرح پیار آنے لگا تھا اور وہ اکثر ان کے ہاتھ نہایت احترام سے چوما کرتی تھی۔ اماں اس کے اس نئے انداز پر حیران ہوتیں لیکن انہوں نے اس تبدیلی کے بارے میں کچھ پوچھا نہیں تھا ہاں وہ اس بات پر بہت خوش تھیں کہ بینش اب ان کے بنائے ہوئے کسی کھانے پر اعتراض کیے بغیر چپ چاپ کھالیا کرتی تھی۔

"ارے وہی جو اس روز بیگم صاحبہ اور ان کی بہو نہیں آئی تھیں تجھے دیکھنے، اپنے بیٹے کے لیے۔" اماں نے اتنے دنوں سے سنبھالا راز غصے کے مارے اگل دیا۔ "وہ جن کی بہو تیرے کمرے میں بیٹھی رہی تھی کتنی دیر۔"

"ہاں اماں، وہ اس لیے آئی تھیں؟" بینش نے ہاتھ میں پکڑا چمچ پلیٹ میں رکھ دیا۔

"اور نہیں تو کیا......" اماں نے سر جھٹکا۔ "جواب دے دیا ہے میں نے ماسی عارفہ کو، کہہ رہی تھی بتول اپنے دونوں بیٹوں کے ساتھ جا کر ان کے گھر، گھرانے پر نظر مار آ...... میں نے کہا نہ جی جو ابھی سے دماغ دکھا رہے ہیں ان سے ہم نے ماتھا نہیں جوڑنا۔"

"اماں پلیز مجھے ابھی دھیان سے پڑھنے دیں، میرے لیے اس قسم کے کسی چکر میں نہ پڑیں۔ آپ دونوں بھائیوں کی شادیاں کریں پہلے......" بینش نے سنجیدگی سے کہا اور اٹھ کر اپنے کمرے میں آگئی۔

"شکر ہے مجھے پتا چل گیا ورنہ اماں کا کیا پتا تھا چپکے سے کہیں میرا رشتہ طے کر دیتیں اور مجھے بعد میں پتا چلتا۔" اس شام اسے کئی بار خیال آیا اور پھر ایک اور خیال آنے پر اس نے نگین کا نمبر ملایا۔

"ہیلو بینش کیسی ہو؟" نگین نے فون اٹینڈ کرتے ہوئے نرمی اور محبت سے کہا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں، مجھے آپ سے پوچھنا تھا کہ آپ نے وہ ہینڈ آؤٹس کسی کو دیے تو نہیں؟" بینش نے پوچھا۔

"میں تم سے غلط بیانی نہیں کروں گی بینش۔" نگین نے صاف گوئی سے کام لیا۔ "میرے ایک بھائی حمزہ کو اس لڑکی کی تلاش ہے، وہ بے چارہ کب سے اسے ڈھونڈ رہا ہے۔ اس کو ہیلپ آؤٹ کرنے کے لیے اسے ضرور دیے ہیں۔"

"آپ کے بھائی کو تلاش ہے؟" بینش نے اٹکتے ہوئے کہا۔

"ہاں میرے بھائی کو...... وہ اس لڑکی میرال کو اپنے بچپن سے جانتا ہے۔"

"پلیز آپ اپنے بھائی سے کہیں کہ جو نمبر میں آپ کو دینے لگی ہوں فوراً اس پر رابطہ کریں۔" بینش نے تیزی سے کہا تھا۔

☆☆☆

زوئی کی دوست چی آن کو اس رات چین سے پاکستان پہنچنا تھا۔ چی آن بھی فارمیسی کی طالبہ تھی اور چھٹیاں گزار کر وطن سے واپس پاکستان آرہی تھی۔ زوئی، چی آن کو لینے نادر کے ساتھ ائرپورٹ پہنچی تھی۔ چی آن کو زوئی کا کچھ سامان بھی ساتھ لانا تھا۔ نادر اور زوئی جس وقت ٹیکسی پر ائرپورٹ پہنچے تھے۔ اسی وقت ایک قیمتی گاڑی، ائرپورٹ کی حدود میں داخل ہوئی تھی اور اس گاڑی سے جو شخصیت باہر نکلی تھی، زوئی نے اگرچہ اسے بہت سالوں کے بعد دیکھا تھا مگر وہ اسے بہت اچھی طرح پہچانتی تھی۔

(جاری ہے)

راہِ آسان ہوگئی

اسما قادری

"چاول دم پر رکھے ہیں انیلا! پانچ منٹ بعد انہیں دیکھ لینا اور ساتھ تھوڑی سی سلاد بنا لینا خبردار جو باپ سے رائتہ بنانے کے لیے دہی لانے کی فرمائش کی ہو تو...... قیمتوں کو تو آگ لگی ہوئی ہے۔ پاؤ بھر دہی پچیس چھبیس روپے سے کم میں نہیں آتا۔ یہاں پہلے ہی اخراجات کنٹرول سے باہر ہو رہے ہیں۔ بیٹی

WWW.PAKSOCIETY.COM

بیاہنا ناکوں چنے چبانے سے بھی زیادہ مشکل ہوگیا ہے اور ہاں مُن، بیلا اسکول سے آجائے تو اسے لمبی تان کر سونے مت دینا بلکہ اس کے ساتھ مل کر گھر کی اچھی طرح صفائی کر لینا۔'' پیر میں چپل اُڑس کر چادر اوڑھنے کے دوران ندرت بیگم نے ایک ہی سانس میں کافی کچھ ارشاد کر دیا۔

ان کے ساتھ ہی بازار جانے کو تیار کھڑی عدیلہ نے بڑی بے نیازی سے یہ سب سنا اور دھیمے سے مسکرانے لگی۔ مسکراہٹ کے یہ پھول یوں بھی آج کل وجہ بے وجہ ہی اس کے ہونٹوں پر کھلنے لگتے تھے اور دیکھنے والے کو صاف محسوس ہوتا تھا کہ وہ کسی اور ہی دنیا میں پہنچی ہوئی ہے۔ یہ دنیا بھی کسی سے چھپی ہوئی نہیں تھی کیونکہ سب ہی جانتے تھے کہ بس گنتی کے بیس دن بعد عدیلہ پیا گھر کے لیے روانہ ہونے والی ہے اور ظاہر ہے ایسی لڑکی کو تو خوابوں کی دنیا میں بس مسکرانا ہی مسکرانا تھا۔ اس سے چھوٹی انیلا نے البتہ کچھ بدمزگی سے ماں کا یہ حکم نامہ سنا تھا...... اسے طہاری، رائتے کے بغیر سخت ناپسند تھی اور یہاں یہ حال تھا کہ ندرت بیگم کی بچت اسکیم کی ساری تان کھانے پر ہی آ کر ٹوٹتی تھی۔ کتنا عرصہ ہوگیا تھا گھر میں عدیلہ کے سسرالی مہمانوں کی آمد پر اچھا پکنے کے سوا کچھ ڈھنگ کا پکتا ہی نہیں تھا اور اب تو یہ حال ہوگیا تھا کہ اسے گوشت، مرغی یا مچھلی کھانے کی خواہش دل میں ابھرنے پر بڑے خشوع وخضوع سے یہ دعا مانگنی پڑتی تھی کہ کسی طرح عدیلہ کی سسرال والے اپنی آمد کا فون کر ڈالیں۔ ایسا ہر فون آنے پر ندرت بیگم بے شک مہنگائی کا رونا تو خوب، خوب روتی تھیں لیکن خاطر مدارات میں بہر حال کوئی کسر باقی نہ رکھی جاتی تھی سو کھانے پینے کی شوقین انیلا کام کا بہت سا بوجھ شانوں پر آپڑنے کے باوجود خوش رہتی تھی کہ مہمانوں کا بچا کھچا آخر کار گھر والوں کے حصے میں ہی آتا تھا اور وہ اماں کے بعد آج کل کچن کی سیکنڈ انچارج ہونے کی وجہ سے کافی کچھ ویسے ہی خرد برد کر لیتی تھی عدیلہ کو شادی کی تاریخ طے ہوجانے کے بعد سے کچن سمیت گھر کے جملہ کاموں سے چھٹی ملی ہوئی تھی اور اسے دن رات فارغ بیٹھ کر خواب بُننے کے علاوہ صرف شاپنگ کی مصروفیت ہی درپیش تھی اور ظاہر ہے وہ یہ کام پورے جوش وخروش سے کرتی تھی۔

''میں نے کہا دلدار صاحب! ذرا دس ہزار روپے تو دیجیے گا۔'' اس سے قبل کہ انیلا ماں کے احکامات پر صدائے احتجاج بلند کرتی، وہ روئے سخن اخبار کے مطالعے میں مصروف اپنے شوہر نامدار کی طرف کر چکی تھیں۔

''وہ کس سلسلے میں بھئی؟'' دلدار صاحب نے اخبار چہرے کے سامنے سے ہٹائے بغیر دریافت کیا۔

''بازار جا رہی ہوں۔ خالی ہاتھ تو جانے سے رہی۔'' انہوں نے تنک کر جواب دیا۔

''آپ کے یہ بازار کے چکر آخر کب ختم ہوں گے۔ میری جمع پونجی ختم ہونے لگی ہے لیکن آپ کی خریداریاں ختم نہیں ہو رہیں۔ کچھ خیال سے خرچ کیجیے آگے دو اور بھی بیاہنی ہیں۔'' آخر کار دلدار صاحب کا چہرہ اخبار کے پیچھے سے طلوع ہو ہی گیا اور انہوں نے ناک کی پھننگ پر پھسلتے چشمے کو سنبھالتے ہوئے بیگم کو نصیحت کی۔

''مجھے بھی اچھی طرح معلوم ہے کہ آگے دو اور بیاہنی ہیں، اسی لیے بڑی کے لیے اتنے پاپڑ بیل رہی ہوں۔ اس کا بیاہ ڈھنگ سے کروں گی تو آگے باقی دو کے لیے بھی آسانی ہوگی۔ آج کل لوگ بہت دیکھ بھال کر رشتے کرتے ہیں اور لڑکی کی شرافت، سلیقے اور شجرے سے زیادہ یہ دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے ساتھ جہیز کیسا لائے گی۔ اگر ہم نے بڑی کے معاملے میں کنجوسی دکھائی تو بعد والیوں کی طرف سے مایوس ہو کر لوگ اس طرف کا رخ نہیں کریں گے۔'' ندرت بیگم

نے جواباً شوہر کو پورا لیکچر سنا ڈالا۔ وہ سادہ آدمی تھے جو زندگی بھر زیادہ تر بیوی کی ہی سنتے رہے تھے۔ کبھی کسی بات پر اختلاف کیا بھی تو بیگم نے اپنے دلائل سے انہیں قائل کر لیا۔ اس وقت بھی ایسا ہی ہوا اور انہوں نے الماری سے دس ہزار روپے نکال کر خاموشی سے اُن کے ہاتھ پر لا رکھے۔

''آپ پریشان مت ہوں، اب تو تقریباً ساری تیاری ہوگئی ہے بس چند چھوٹی موٹی چیزیں باقی ہیں جن کے لیے میں عدیلہ کو بازار لے جا رہی ہوں، آگے آپ کو زیادہ زحمت نہیں دوں گی۔'' مطلوبہ رقم ہاتھ میں آگئی تھی لہٰذا انہوں نے شوہر کی دلجوئی میں کوئی حرج نہیں سمجھا ویسے دیکھا جائے تو وہ شوہر کو بے جا تنگ کرنے والی عورتوں میں سے تھی نہیں۔ اپنی ذات کے لیے تو انہوں نے بہت کم ہی کبھی کوئی فرمائش کی ہوگی۔ گھر کے اخراجات بھی حتی الامکان بچت کے ساتھ ہی پورے کرتی تھیں لیکن پہلی بیٹی کی شادی کرتے وقت ایک خاص زاویے سے سوچنے کی وجہ سے وہ کچھ فضول خرچی کی مرتکب ہو رہی تھیں اور اپنی اس فضول خرچی کو گھر کے چھوٹے، چھوٹے اخراجات میں تنگی کر کے کور کرنے کی کوشش کرتی تھیں۔

☆☆☆

''اماں! یہ واٹر سیٹ دیکھیں کتنا خوب صورت ہے۔'' اپنی تیار کردہ فہرست کے مطابق چھوٹی موٹی اشیا کی خریداری سے فارغ ہو کر دونوں بازار سے نکلنے ہی لگی تھیں کہ کراکری کی ایک دکان کے سامنے سے گزرتے ہوئے نمایاں طور پر سجے ایک واٹر سیٹ کو دیکھ کر عدیلہ مچل گئی۔

''ہاں، واقعی خوب صورت تو ہے۔'' ندرت بیگم نے بھی رک کر اس نفیس ونازک سیٹ کو دیکھا اور اس کی تائید کی۔

غزل

نام لکھتے ہیں تیرا اور مٹا دیتے ہیں
کھیل کھیل میں یوں خود کو سزا دیتے ہیں

عشق پہ ظلم کی دیکھی ہیں مثالیں کتنی
پھول پہ بیٹھی تتلی بھی اڑا دیتے ہیں

شام کی سرد ہوا سسکتے ہوئے کہنے لگی
مل کے دردِ جگر آج بہا دیتے ہیں

ہم نہ کہتے تھے یہ دنیا ہے فریبی ساری
ایک سنتے ہیں مگر چار لگا دیتے ہیں

داد دے، حوصلے کی نظریں تو ملا کبھی
ہم تو اغیار تیرے پہلو میں بٹھا دیتے ہیں

ہے یہ اعتراف محبت میں نظر آتا نہیں
اور وہ بات ہنسی میں ہی اڑا دیتے ہیں

تیرگی اپنے بدن میں تو نظر آتی نہیں
شام ڈھلتی ہے تو شمعیں سی جلا دیتے ہیں

لگی ہے کب سے بے تاب نگاہوں کو تیری آس
کشمکش میں یونہی رات بتا دیتے ہیں

شاعرہ: فصیحہ آصف خاں، ملتان

''تو پھر مجھے یہ دلا دیں ناں...... ویسے بھی آپ نے میرے لیے جو کراکری لی ہے، اس میں واٹر سیٹ تو ہے ہی نہیں۔'' عدیلہ نے ان سے فرمائش کی تو انہیں دکان کی طرف قدم بڑھانے ہی پڑے اور بولیں۔

''چلو معلوم کرتے ہیں اس کی کیا قیمت ہے۔''

WWW.PAKSOCIETY.COM

”ڈھائی ہزار......“ دکان دار نے ان کے استفسار پر سیٹ کی قیمت بتائی تو وہ بجھ سی گئیں کیونکہ ان کے بٹوے میں اب کل بارہ سو روپے ہی باقی بچے تھے پھر بھی بیٹی کی خواہش کو دیکھتے ہوئے ہمت کی اور کمر ٹھونک کر میدان میں اتر آئیں۔

”دینے والی بات کرو بھائی...... ڈھائی ہزار تو بہت زیادہ بتا رہے ہو تم۔“ ان کے خیال میں وہ بھاؤ تاؤ کر کے سیٹ کی قیمت کو اپنے بٹوے میں موجود رقم تک لا سکتی تھیں۔

”معاف کیجیے گا بہن...... شاید آپ نے باہر لگا فکسڈ پرائز کا بورڈ نہیں دیکھا۔ ہماری دکان پر سارا امپورٹڈ مال ہوتا ہے اور ہم اسے بغیر جھک جھک کے ایک ہی دام پر سیل کرنا پسند کرتے ہیں۔“ دکان دار نے آنِ واحد میں ان کا سارا حوصلہ ختم کر دیا اور اس کی بات سننے کے بعد ان کے پاس مزید بحث کی گنجائش ہی نہیں رہی۔

”میرے پاس اتنے پیسے نہیں ہیں بیٹا، تم کوئی دوسرا ہلکا سیٹ پسند کر لو۔“ انہوں نے سرگوشی میں عدیلہ کو سمجھایا۔

”رہنے دیں اماں...... گھر چلتے ہیں۔“ عدیلہ ان کا ہاتھ پکڑ کر دکان سے باہر لے آئی۔ وہ والدین کی پہلی اولاد تھی اس لیے اس کے دوسروں کے مقابلے میں ذرا زیادہ ہی لاڈ اٹھائے گئے تھے اور اس کی یہ عادت سی بن گئی تھی کہ اپنی پسندیدہ شے لینے پر بے شک اصرار نہیں کرتی تھی لیکن اس سے کم تر پر سمجھوتا بھی نہیں کر پاتی تھی۔ اس کی عادت سے واقف ندرت بیگم نے بھی مزید اصرار نہیں کیا اور باتوں، باتوں میں اسے سمجھانے کے لیے بولیں۔

”ماشاء اللہ تمہارا جہیز بہت اچھا تیار ہوا ہے۔ تمہاری خالہ، پھپو، ماموں اور چچاؤں کی طرف سے بھی گھر کی پہلی شادی ہونے کی وجہ سے بہت اچھے گفٹ دیے جا رہے ہیں۔ میں نے پوری کوشش کی ہے کہ نظروں میں آنے والے بڑے، بڑے آئٹمز میں سے کوئی چیز باقی نہ رہے۔ کراکری میں ماربل، کانچ، پلاسٹک سب کے اتنے زبردست ڈنر سیٹ لیے ہیں کہ واٹر سیٹ جیسی چھوٹی موٹی چیز کی طرف کسی کی توجہ بھی نہیں جائے گی۔“ جواب میں عدیلہ نے ہوں کی نہ ہاں اور خاموشی سے ان کے ساتھ چلتی رہی۔ اس کا انداز دیکھ کر ندرت بیگم نے سوچا کہ جہاں لاکھوں خرچ ہو رہے ہیں وہاں ڈھائی ہزار کے واٹر سیٹ کے لیے گھر سے رخصت ہونے والی بیٹی کا دل کیا ملول کرنا...... ابھی تو مجبوری ہے کہ رقم ہی پوری نہیں دوبارہ جب بازار آنا ہوگا تو اس کے لیے اس کی پسند کا واٹر سیٹ خرید لیں گی۔ حقیقتاً اسٹائلش جگ گلاس پر مشتمل وہ نازک سا سیٹ خود اُن کے دل کو بھی بہت بھایا تھا لیکن خدا کا کرنا کچھ یوں ہوا کہ آنے والے دنوں میں وہ کچھ اس طرح سے مصروف ہو گئیں کہ اس سیٹ کا خیال ہی ان کے ذہن سے محو ہو گیا۔ خود عدیلہ نے بھی دوبارہ اس کا ذکر نہیں نکالا...... شاید شادی کی گہما گہمی، ہنگامے اور آنے والی خوشیوں کے خیال نے اتنی چھوٹی سی شے کا خیال دل میں جنم ہی نہیں دیا اور وہ مقررہ تاریخ پر پلکوں پر ڈھیروں سپنے سجائے خوشی، خوشی پیا دیس سدھار گئی۔

☆☆☆

سسرال میں اس کا استقبال روایتی جوش و خروش سے کیا گیا۔ دولھا، دلہن کے گھر کی دہلیز پار کرنے سے قبل صدقے کے کالے بکرے کو ہاتھ بھی لگوایا گیا اور پھولوں کی پتیاں بھی نچھاور کی گئیں۔ ڈھیروں عزیزوں کے درمیان کھیر چٹائی کی رسم کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ ایک بار پھر گروپ فوٹوز بھی بنائے گئے تب کہیں جا کر عدیلہ کو حجلۂ عروسی میں پہنچنا نصیب ہوا۔ پارلر میں دلہن بننے کی گھنٹوں کی خواری کے بعد اس مرحلے تک پہنچنے میں وہ سچ مچ خاصی تھک گئی تھی اور کمر اکڑ کر تختے کے مانند محسوس ہونے لگی

تھی لیکن یہ بھی سچ تھا کہ اس نے ہر، ہر مرحلے سے خوب لطف اٹھایا تھا اور دل اتنا خوش تھا کہ کچھ بھی ناگوار نہیں گزر رہا تھا یہاں تک کہ ایسا لگتا تھا کہ زندگی میں کبھی کسی دکھ، کسی محرومی یا تلخی کا سایہ بھی نہ پڑا ہو۔ ملنے والی خوشی نے ایک دم ہی یادداشت سے ہر برے احساس کو مٹا دیا تھا اور اسے لگتا تھا کہ آج کے بعد سے اس کی زندگی میں خوشیوں کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔ اس کا شوہر آفاق دور کا ددھیالی رشتے دار تھا۔ خاندان کی ایک تقریب میں ان دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا تھا۔ دونوں ہی نوجوان اور خوب صورت تھے اس لیے قدرتی طور پر ایک دوسرے کے لیے پسندیدگی بھی محسوس کی تھی لیکن کم از کم عدیلہ کی حد تک یہ پسندیدگی ایسی نہیں تھی کہ وہ اس روز ہی آفاق کی محبت میں مبتلا ہو جاتی البتہ جب اس کے لیے آفاق کا رشتہ آیا اور پھر منظور بھی کر لیا گیا تو وہ خود بخود اس کے لیے محبت کے جذبات محسوس کرنے لگی۔ ان جذبات کی شدت میں اس وقت مزید اضافہ ہو گیا جب اس کی سب سے چھوٹی نند نے اسے آگاہ کیا کہ یہ رشتہ آفاق کی پسند پر طے کیا گیا ہے اور آفاق اس پر اس بری طرح فریفتہ ہو گیا ہے کہ جلد از جلد اسے اپنی دلہن کے روپ میں دیکھنا چاہتا ہے۔ نند کی بات کی تصدیق یوں ہو گئی کہ رشتہ طے پانے کے بہ مشکل آٹھ ماہ کے اندر ہی شادی کی تاریخ بھی طے کر دی گئی حالانکہ ندرت بیگم کا اصرار تھا کہ انہیں تیاری کے لیے کم سے کم سال بھر کی مہلت دی جائے لیکن آفاق کی والدہ نے ...”ہمیں آپ کی بیٹی کے سوا کچھ درکار نہیں۔“ کہہ کر بات ہی ختم کر دی۔ آفاق کی والدہ کی کہی بات کے باوجود ندرت بیگم نے حتی الامکان اس کے لیے بہت شاندار جہیز تیار کیا تھا اور اب وہ اپنے اس شاندار جہیز سمیت سجی بنی اپنی سسرال میں موجود تھی۔ آفاق نے اپنے جذبات کی شدت کے باوجود منگنی سے

لڑائی سے روک لو

اللہ پہ رکھو ایمان دل سے میرے لوگو
نیکی کا حکم دے کر برائی سے روک لو

دل سے برا جانو برے کاموں کو سب کے
برائی کو ختم کرنے میں طاقت بھی لگا لو

اکڑو کبھی نہ خود پہ نہ چھپ کے بدی کرو
مشکل پڑے جو آ کے صبر سے تم کام لو

تلقین کرو سب کو گناہوں سے دور ہوں
اور خود بھی گناہوں سے پرہیز تم کر لو

قُربِ خدا کی جب بھی تمنا ہو شگفتہ
اصلاحِ معاشرے کا فریضہ ادا کر لو

شاعرہ...... شگفتہ شفیق، کراچی

موت

”جب تک میں ہوں موت نہیں ہے اور جب موت آئے گی میں نہ ہوں گا۔ اس طرح میری اور موت کی ملاقات ایک دوسرے سے کبھی نہ ہو گی پھر میں کیوں اپنی عمرِ عزیز کو بے فائدہ موت کے خوف سے تباہ کروں۔“

قول: اپیکورس
مرسلہ: روبینہ مجید روبی، ہڑالی

WWW.PAKSOCIETY.COM

شادی تک کے عرصے میں کبھی اس سے بات چیت یا میل ملاپ کی خواہش ظاہر نہیں کی تھی البتہ عدیلہ کے کانوں تک اس کی یہ بات ضرور پہنچی تھی کہ میں اس سے اپنے ہر جذبے کا اظہار اسی وقت کروں گا جب وہ شرعی اور قانونی طور پر میری بن کر میرے روبرو آئے گی۔ ایسے دیوانے کے روبرو پہلی بار خلوت میں ملاقات کے خیال سے اس کی سانسیں اتھل پتھل ہو رہی تھیں اور دل تھا کہ بار بار دھڑکنا بھول رہا تھا۔ اسٹیج پر آفاق کے پہلو میں بیٹھنے سے لے کر اس کے ہمراہ پھولوں سے سجی کار میں کندھے سے کندھا جوڑ کر سفر کر کے سسرال پہنچنے اور یہاں مختلف رسوم کی ادائیگی کے دوران کئی بار اس کی ہتھیلیاں پسیج گئی تھیں۔ اس پر شادی شدہ خواتین کے ذومعنی فقرے تھے جو اسے شرم سے گردن جھکا لینے پر مجبور کر دیتے تھے لیکن سچ یہی تھا کہ اسے یہ سب اچھا بہت اچھا لگ رہا تھا۔ وہ اپنی زندگی کے اس انوکھے تجربے سے پوری طرح لطف اندوز ہو رہی تھی۔ خواب گاہ کے دروازے پر آفاق اس کے ساتھ ہی رہا اور بہنوں، بھابیوں نے من چاہا نیگ وصول کر کے دلہن کو اندر داخل ہونے کی اجازت دی اس کے بعد وہ تو اندر پہنچا دی گئی البتہ آفاق کو اس کے دوست اور کزنز گھیر کے لے گئے چنانچہ اب وہ تنہا وہاں بیٹھی مزے سے اطراف کا جائزہ لے رہی تھی۔ کمرا خاصا کشادہ تھا جس میں اس کے جہیز کا فرنیچر بڑے قرینے سے لگایا گیا تھا۔ دیواروں اور پردوں کی کلر اسکیم سے لے کر بیلے اور گلاب کے پھولوں سے سجائی گئی سیج تک ہر شے اتنی پرفیکٹ تھی کہ اسے کہیں کوئی نقص محسوس نہیں ہوا۔ ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے میں اس کی اپنے سجے سنورے وجود پر نظر پڑی تو یہ سوچے بغیر نہیں رہ سکی کہ اس کا وجود اس لائق ہے کہ وہ اس کمرے اور آفاق کی بلاشرکتِ غیرے حق دار قرار پائے دو چار منٹ کے اس جائزے اور تجزیے کے بعد ہی اس نے کمرے کے دروازے پر قدموں کی آہٹ سنی تو ذرا سنبھل کر بیٹھ گئی۔ ہیل کی ٹک ٹک سے اسے یہ تو اندازہ ہو ہی چکا تھا کہ یہ آہٹ آفاق کی آمد کا اعلان نہیں بلکہ صنفِ نازک میں سے کوئی آیا چاہتا ہے لیکن بہر حال وہ دلہن تھی اور کسی کے سامنے بھی فی الوقت بے تکلفی کا مظاہرہ نہیں کر سکتی۔ آنے والی اس کی منجھلی نند تھی جس نے ہاتھ میں ایک ٹرے اٹھا رکھی تھی۔ اس کے پیچھے ہی اس کی اکلوتی جیٹھانی بھی موجود تھی۔ فربہی مائل جیٹھانی صاحبہ نے ساڑی زیبِ تن کر رکھی تھی اور اداؤں سے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ وہ اس وقت خود کو کسی فلمی ہیروئن سے کم نہیں سمجھ رہی ہیں۔

"بھابی! میں آپ کے لیے یہ دودھ، مٹھائی اور پانی کی بوتل لائی ہوں، جب آپ کا دل چاہے کھا پی لیجیے گا۔" منجھلی نند نے ٹرے سائڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا تو اس کی نظر یونہی اس طرف اٹھ گئی۔ ٹرے میں مٹھائی کی پلیٹ کے ساتھ پانی کی بوتل اور دودھ کا آدھا لیٹر والا ٹیٹرا پیک رکھا تھا۔

"میں گلاس رکھنا بھول گئی ہوں، خیر وہ آپ اپنے جہیز کے برتنوں میں سے نکال لیجیے گا۔ بڑی بھابی نے آپ کے جہیز کے سارے برتن ڈبوں سے نکال کر ڈیوائڈر میں سجا دیے ہیں۔" وہ تو نوٹ بھی نہیں کر سکی تھی کہ ٹرے میں گلاس موجود نہیں ہے البتہ اس طرح دودھ کا ٹیٹرا پیک رکھ دینا اسے عجیب سا لگا تھا۔ اب جو نند نے کہا کہ وہ اپنے جہیز کا گلاس نکال کر استعمال کرلے تو وہ حواس باختہ ہوگئی اور اسے یاد آیا کہ بہت سی کراکری جہیز میں لانے کے باوجود وہ کوئی واٹر سیٹ ساتھ نہیں لائی ہے۔ حواس باختگی میں زبان سے اس حقیقت کا اعتراف بھی کر بیٹھی۔

"کیا...... آپ کے جہیز میں واٹر سیٹ نہیں ہے۔" نند نے آنکھیں پھیلا کر یوں حیرت سے پوچھا جیسے کوئی عجوبہ دیکھ لیا ہو البتہ جیٹھانی صاحبہ ایک طرف کھڑی ذومعنی انداز میں مسکراتی رہیں۔ عدیلہ کے دل میں کھٹکا سا ہوا اور وہ بات سنبھالنے کے لیے بولی۔

"نہیں، یہ بات نہیں ہے، واٹر سیٹ ہم نے لیا تو تھا لیکن جہیز بھیجتے وقت گھر میں ہی رہ گیا۔"

"چلیں کوئی بات نہیں۔ کل آپ اپنے گھر والوں سے ملنے جائیں تو لے آیئے گا، فی الحال تو بھابی آپ اپنے جہیز کے گلاس انہیں لا کر دے دیں۔" نند کا میٹھے لہجے میں کیا گیا وار ایسا تھا کہ عدیلہ کی ہتھیلیاں تو کیا پورا جسم پسینے میں بھیگنے لگا اور وہ سوچنے پر مجبور ہوگئی کہ اس کا کس قسم کے لوگوں سے پالا پڑا ہے۔ اس اثنا میں جیٹھانی بیگم اٹھلاتی ہوئی کمرے سے یوں باہر نکلیں کہ ان کے مصنوعی بالوں کی چوٹی دونوں کولہوں کے درمیان خوب تھرک رہی تھی۔ وہ واپس آئیں تو اُن کے ہاتھ میں شیشے کے دو نازک گلاس تھے۔

"یہ لیجیے دیورانی جی...... یہ میرے جہیز کے گلاس ہیں۔ میرے ایک انکل فرانس سے لائے تھے۔ پلیز ذرا احتیاط سے استعمال کرنا...... ایسے نایاب گلاس یہاں نہیں ملتے اور مجھے یہ بڑے عزیز ہیں۔" جیٹھانی نے ہزار احسان جتا کر گلاس ٹرے میں رکھے تو عدیلہ کی آنکھیں ذلت و اذیت کے احساس سے بھیگ گئیں۔ گلاسوں کی سلامتی کی فکر کرنے والی نے ایک جیتی جاگتی لڑکی کا شیشۂ دل کس بری طرح چکنا چور کیا تھا کہ اسے ذرہ بھر بھی احساس نہیں تھا اور وہ یوں اس کے سامنے کھڑی مسکرا رہی تھی جیسے سسرال میں قدم رکھتے ہی پہلے ہی مرحلے میں دیورانی کو پچھاڑ دینے پر بے حد مسرور ہو۔ اپنی جیٹھانی کا یہ فاتحانہ انداز دیکھ کر اسے اماں کی شب و روز کی محنت اور فکر یاد آئی۔ کس جدوجہد سے انہوں نے اس کا جہیز جوڑا تھا اور اپنے تئیں کہیں کوئی کسر بھی نہ چھوڑی تھی بس ایک واٹر سیٹ ہی تھا جسے انہوں نے غیر ضروری جان کر صرف یہ سوچتے ہوئے نظر انداز کر دیا تھا کہ اتنی بہت سی کراکری کی موجودگی میں بھلا اتنی معمولی سی شے کی عدم موجودگی کا خیال کسے آئے گا لیکن یہاں نہ صرف خیال آیا تھا بلکہ اسے جتا بھی دیا گیا تھا۔ آگے اور بھی جانے کیا کچھ سامنے آنے والا تھا، وہ تو پہلے ہی قدم پر دل برداشتہ ہوگئی تھی اور بڑی یاسیت سے سوچ رہی تھی کہ مائیں چاہے کتنی بھی جدوجہد کرلیں بیٹیوں کا نصیب اپنے ہاتھ سے نہیں لکھ سکتیں۔ خصوصاً مال و زر کی بنیاد پر ایسی کوئی کوشش کرنا تو قطعی بیکار ہے کیونکہ چیزیں نہ تو کبھی انسان کو عزت دلاتی ہیں اور نہ ہی زندگی بناتی ہیں۔ زندگی تو بس اس ایثار، محبت، خلوص اور خدمت کے بل پر بنتی تھی جس کا مظاہرہ اسے آفاق کی محبت کے جواب میں کرنا تھا۔ اپنی زندگی کے اس پل میں اسے احساس ہوا کہ غلطی پر اماں بھی تھیں اور اس کی جیٹھانی بھی ہیں۔ اماں نے چند چیزوں کی بنیاد پر اس سمیت اپنی باقی بیٹیوں کا مستقبل سنوارنے کی کوشش کی تھی اور وہ جس طرح پہلے ہی مرحلے پر اپنی جیٹھانی کے ہاتھوں ناک آؤٹ ہوئی تھی اس سے اماں کی ناکامی کا اظہار ہوگیا تھا۔ اس کی جیٹھانی نے البتہ وقتی کامیابی ضرور حاصل کرلی تھی لیکن چند سال بعد اس وقت انہیں بھی ناکامی کا سامنا کرنا ہوگا جب وہ اپنے ہتھیاروں (ایثار، خلوص، محبت اور خدمت) کے ساتھ زندگی کی جنگ لڑتی ہوئی آفاق سمیت گھر کے ہر فرد کے دل پر راج کر رہی ہوگی اور کسی کو یاد بھی نہیں ہوگا کہ وہ اپنے جہیز میں کیا لائی تھی اور کیا نہیں کیونکہ چیزیں ہمیشہ فانی ہوتی ہیں اور دلوں کو جیتنے کا ہنر لافانی......

میکے کی بے پروا زندگی میں اپنی مرضی چلانے اور سمجھوتے نہ کرنے والی عدیلہ سسرال میں آنے کے چند گھنٹے بعد ہی کتنے مختلف انداز میں سوچنے لگی تھی، اسے خود بھی اندازہ نہیں تھا نہ ہی وہ یہ جان سکی تھی کہ بالکل غیر محسوس انداز میں وہ سمجھوتے کی راہ پر چل پڑی ہے۔ مستقبل کے خوش آئند خواب دیکھنا بھی حال سے ایک سمجھوتا ہی ہوتا ہے جو مشکلوں کو ذرا آسان بنا دیتا ہے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

ناولٹ

محبت کھو گئی ہے

ناہید فاطمہ حسنین

کس منظر میں تم نے ساتھ چھوڑا
میری تصویر آدھی رہ گئی ہے

الارم کی آواز پہ وہ جاگ تو گئی تھی لیکن سستی و تھکن کے باعث کسلمندی دکھا رہی تھی آنکھیں موندے لیٹے جب کافی دیر ہوگئی تو چائے کی طلب نے اسے اٹھنے پر مجبور کر دیا...... کمرے میں ہلکا سا دھندلکا چھا گیا تھا۔ بیڈ سے اتر کر اس نے اپنے لمبے گھنے بالوں کا جوڑا سا بنایا اور دھیرے، دھیرے

کھڑکی تک آکر اس کے پٹ کھول دیے۔ باہر کا منظر دیکھا تو دیکھتی رہ گئی۔ آسمان پر گہرے سیاہ بادلوں کا ہجوم سا نظر آیا گویا بارش بس ہوا ہی چاہتی ہے۔ وہ اس منظر میں خود کو پوری طرح ڈوبنے پر اکسانے لگی۔ تیز ہوا کے جھکڑ نے اس کی آوارہ لٹوں سے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی تھی، بالوں کا جوڑا کھل گیا تو بال آوارہ پرندوں کی طرح اِدھر اُدھر جھومنے لگے۔ مٹی کی سوندھی مہک اس نے گہری سانس کے ساتھ اپنے اندر اتاری۔ شاید کہیں دور بارش کے چھینٹے پڑے تھے۔ اس منظر سے لطف اندوز ہونے کے کافی دیر بعد دوبارہ بالوں کا جوڑا بناتی کمرے کے ایک گوشے میں بنے اوپن کچن میں اپنے لیے چائے بنانے لگی۔ بارش شروع ہو چکی تھی۔ وہ کھڑکی سے اس منظر کو دیکھ رہی تھی۔ اونچی سطح سے بارش کو دیکھنے کا اپنا ایک الگ ہی مزہ ہے۔

☆☆☆

”رشی......رشی......“ تیمور کے چلّانے پر اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے وہ دوڑ کر لاؤنج میں آئی۔

”کیا ہوا......؟“ تیمور کو بالکل ٹھیک ٹھاک کھڑا دیکھ کر اس کے حواس بحال ہوئے۔

”مومی کہاں ہے؟“ تیمور نے اسی لہجے میں پوچھا۔

”ارے بھئی اپنے کمرے میں سو رہی ہے...... بات کیا ہے؟“ وہ جُھنجلائی ہوئی۔ ”پہیلیاں بجھوانے کی عادت کیوں نہیں جاتی آپ کی؟“

”جلدی سے اسے اٹھاؤ......“ تیمور نے اس کی بات نظر انداز کی۔

”ہم آؤٹنگ پر جا رہے ہیں، دیکھتی نہیں ہو کہ کس غضب کا موسم ہے، اس نے زور سے دونوں ہاتھوں سے تالی بجائی...... یہ اس کی پرانی عادت تھی وہ اس موسم کا دیوانہ تھا۔

”نہیں تیمور......ہم نہیں جا سکتے، مومی کو فیور ہے۔“

”اُفوہ......“ وہ الجھا...... ”بخار چڑھتا اترتا ہے مگر یہ موسم ......قدرت کی نعمت ہے، اسے انجوائے نہ کرنا قدرت کی ناشکری ہے۔“ وہ سیدھا مومی کے روم میں گھستا چلا گیا۔

رشی کے لاکھ انکار کے باوجود وہ اسے لانگ ڈرائیو پر لے کر ہی گیا۔ واپسی پر تیز بارش نے آلیا اس کے باوجود انہوں نے کھانا باہر ہی کھایا۔

☆☆☆

سیل فون کی بیپ نے اسے چونکا دیا۔ وہ سنبھل گئی۔ جب تک وہ اٹھتی کال مسڈ ہو چکی تھی۔ وہ وہیں بیٹھی رہی خیالات کی کڑواہٹ اس نے چائے کے تلخ گھونٹ کے ساتھ اپنے اندر اتاری اور کھڑکی بند کر دی......واپس ایزی چیئر پر آکر وہ نڈھال ہو کر ڈھے گئی۔

☆☆☆

یاد آؤں گی تجھے اچھے دنوں کی صورت
میں مکمل تیری تنہائی نہ ہونے دوں گی

کمرے کی ڈسٹنگ کے دوران مومی کی مسکراتی تصویر پر اس کے ہاتھ رک سے گئے بہت دیر تک وہ تصویر اٹھائے دیکھتی رہی کس قدر معصوم چہرے پر کس قدر بلا کی ذہین وشرارتی آنکھیں......

”تم بہت شرارتی ہو......“ پانچ سالہ مومی کی کسی شرارت پر رشی نے عاجز آکر اسے بری طرح جھنجوڑ ڈالا تھا۔

”ارے، ارے کیا کرتی ہو......؟“ کمرے میں داخل ہوتے تیمور نے لپک کر مومی کو گود میں اٹھا لیا......مومی کو لپٹا کر بھینچتے ہوئے اس نے بغور اس کا چہرہ دیکھا کہیں وہ رو تو نہیں رہی تھی۔ ”ask your mom شریر بچے ہی تو جینئس ہوتے ہیں۔“

”نو بابا......“ مومی نے سر سے زیادہ سر پر بندھی دو پونیوں کو ہلایا۔

”واٹ......؟“ تیمور کو حیرت ہوئی۔

”ممی مجھے shout کرتی ہیں......آپ کہہ دیں۔“ اس نے گود میں چڑھے چڑھے تیمور کے بال بگاڑے...... تیمور خواہ مخواہ میں ہنس دیا تائیدی نگاہ رشی پر ڈالی اس کا غصہ ابھی ختم نہیں ہوا تھا۔

”آپ جو اس کی اتنی سائڈ لیتے ہیں، یہ اچھی بات نہیں ہے۔“

”تو کیا اتنی چھوٹی بچی کو سزا دینا، جھنجوڑ دینا، یہ اچھی بات ہے؟“ تیمور نے برجستہ کہا۔

رشی نے جواب نہیں دیا......پیر پٹختے لاؤنج میں آکر ٹی وی کھول کر بیٹھ گئی اور تیمور مومی کو اٹھائے اب رشی کو منانے کے جتن کر رہا تھا۔

”پتا ہے رشی......“ اس نے مومی کو گود سے اتار کر سائڈ میں سنگل صوفے پر بٹھایا۔

”مومی بڑی ہو کر کیا بنے گی؟“ اس نے رشی کا موڈ اچھا کرنے کو خوشگوار انداز میں کہا۔

رشی بدستور خاموشی اختیار کیے بیٹھی رہی، یہ اس کے انتہائی غصے کی علامت تھی۔ تیمور، مومی کی جانب مڑا۔

”جلدی سے ممی کو بتاؤ آپ بڑی ہو کر کیا بنو گی؟“

”پہلے ڈاکٹر...... پھر انجینئر، پھر پائلٹ......“ مومی رٹو طوطے کی طرح شروع ہو گئی۔

”کچھ بنو نہ بنو دلہن ضرور بنو گی......“ تیمور نے مومی کی ناک دبا کر مدھم لہجے میں کہا پھر مڑ کر رشی کو دیکھا اس کے لبوں پر دبی دبی مسکراہٹ تھی۔

”کیا ہوا......؟“ تیمور زور سے چلّایا۔ ”ہنسی تو پھنسی......“ اس نے مومی کو چھوڑ جھٹ رشی کو خود سے لپٹا کر بھینچا...... یہ اس کی عادت تھی۔ رشی خود کو چھڑاتے ہوئے ہنس دی۔

اس کی آنکھیں چھلملا گئیں......اس نے تصویر واپس کارنس پر رکھ دی۔ ہتھیلی کی پشت سے آنسو صاف کیے۔

اب اس کا دل کسی چیز میں نہیں لگا۔ وہ بستر پر ڈھے سی گئی مگر خیالوں کی یلغار نے پھر بھی پیچھا نہیں چھوڑا...... اسے یاد آیا جب مومی اپنی کلاس ففتھ میں نہ صرف تمام سیکشنز میں فرسٹ آئی تھی بلکہ کمپیوٹر اور میتھس میں اس نے سینٹ پرسنٹ نمبر لیے تھے۔ اینول فنکشن والے روز اس کا اور تیمور کا سر فخر سے بلند ہو رہا تھا جب ہر دو منٹ بعد مومی کا نام پکارا جاتا اور اسے کبھی ایوارڈ، کبھی شیلڈ، کبھی سرٹیفکیٹ سے نوازا جاتا، کبھی نعت خوانی میں اول، کبھی سائنس پروجیکٹ پر...... تیمور سے اپنی بیٹی کی خوشی چھپائے نہیں چھپ رہی تھی۔ کلیپ کرنے والوں میں کلیپ کی ابتدا وہی کرتا اور سب کی کلیپنگ رک جانے کے باوجود اس کی جاری رہتی۔ بعض مرحلے پر تیمور اس قدر جوشیلا ہو جاتا کہ اپنی سیٹ تک سے اٹھ جاتا۔ تب وہ اسے آہستہ سے ٹہوکا دیتی۔

”تیمور پلیز......“ ساتھ میں اس نے باڈی لینگویج کا بھی استعمال کیا۔

”اب کیا ہوا یار......؟“ کلیپنگ کے دوران اس نے خفیف سی گردن اس کی جانب موڑی......

”کیا تم ایکسائٹڈ نہیں ہو؟“

”ہوں تو......“ وہ ہلکے سے بدبدائی۔ ”مگر اظہار کا انداز دھیما ہے۔“

”دھیما......؟“ اس نے ابرو اچکائے سب کی تالیاں رک چکی تھیں وہ بدستور بجا رہا تھا۔

”ٹھیک ہے...... وہ تمہارا انداز ہے...اور اپنی خوشی کے اظہار کا یہ میرا انداز ہے۔“ ہال میں صرف اس کی کلیپ اوور لیپ ہو رہی تھی جب اسے اس بات کا احساس ہوا تب اس نے ہاتھ ڈال دیے۔ اس کی ہتھیلیاں سرخ ہو چکی تھیں۔

☆☆☆

وہ بیڈ پر لیپ ٹاپ گود میں رکھے آفس کا کام کر رہا تھا۔ گو یہ اس کا معمول تو تھا ہی لیکن آج بہت

WWW.PAKSOCIETY.COM

دیر ہو چکی تھی کام بے حد حساس نوعیت کا تھا آج ہی مکمل کرنا بھی ضروری تھا۔ وہ اس کی اہمیت اور کام کی نوعیت سے کچھ کچھ آگاہ تو تھی ہی، کبھی اسے اور کبھی لیپ ٹاپ پر ابھرنے والے ٹائپ شدہ حروف کو تکتی...... مگر پوتی کچھ نہیں۔ وہ کبھی اس کے کام میں بے جا مداخلت کرنے والی بیوی نہیں رہی تھی۔ اس کی بہت ساری پسندیدہ عادتوں میں یہ عادت بھی تیمور کو بے حد پسند تھی۔ وہ جب کام سے فراغت پا لیتا تو وہ دونوں ایک ساتھ دودھ، اوولٹین پیتے، باتیں کرتے اور سو جاتے لیکن آج تو تیمور کا کام شیطان کی آنت کی طرح بڑھتا ہی جا رہا تھا، ختم ہونے میں نہیں آ رہا تھا۔ اب وہ کچھ کچھ بور ہونے لگی تھی ساتھ ساتھ نیند کے خمار نے آنکھوں کو نہ صرف نشیلا بنا دیا تھا بلکہ اس کے حسن کو کچھ اور زیادہ بڑھاوا دے دیا تھا، اسے لمحے بھر کو نیند کا تیز جھونکا آیا اس کا سر تیمور کے شانے سے جا ٹکرایا تیمور کا ہاتھ ہل گیا۔ اس نے گردن خفیف سی موڑ کر اسے دیکھا رشی نے خجالت سے اپنی دونوں آنکھیں بھرپور کھول دیں۔

”آئی ایم سوری......“ وہ ہنس پڑا۔ بہت محبت سے اسے قریب کیا۔

”تم سو جاؤ...... مجھے ابھی بہت کام کرنا ہے۔“

اس نے ہاتھ کے دباؤ سے اسے لٹایا...... اور وہ تو ایسے ڈھے گئی جیسے کوئی بُھر بُھری عمارت...... اس کی اس ادا پر کچھ دیر تیمور پُرشوق نگاہوں سے اسے دیکھے چلا گیا پھر اسے جلد ہی احساس ہو گیا کہ یہ ٹائم رشی کو دیکھنے کا نہیں کام مکمل کرنے کا ہے جو بے حد الجھا ہوا ہے۔ اس نے مسکرا کر سر جھٹکا۔

☆☆☆

”رشی...... رشی......“ حسبِ عادت اسے نہ پا کر وہ گلا پھاڑ کر چلایا تھا پھر اسے ڈھونڈنے کے سفر پر جا نکلا...... وہ کونے والے کمرے میں بیڈ پر لیٹی نظر آ گئی۔

”کیا ہوا خیریت تو ہے تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے ناں...... یہاں کیوں لیٹی ہو......؟“ اس نے خلافِ معمول اسے یہاں لیٹا دیکھ کر اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر بخار چیک کرنا چاہا۔

”ہوں، میں ٹھیک ہوں۔“ وہ فوراً اٹھ گئی اور کچن کی طرف بڑھ گئی۔ کھانا ٹیبل پر لگا کر وہ جانے لگی تو تیمور نے پُرتشویش نگاہوں سے اسے دیکھا۔

”کھانا نہیں کھاؤ گی؟“

”نہیں......“

”موڈ نہیں ہے۔“

”کیوں......؟“

”کھانے کے لیے موڈ نہیں بھوک کی ضرورت ہوتی ہے......“ تیمور نے تیزی سے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی جانب کھینچا۔ وہ جان گیا تھا کہ شاید کل اس نے اس کے میکے کے حوالے سے اس کے چچا چچی کو کچھ سخت الفاظ کہہ دیے تھے۔ رشی نے اس وقت کوئی جواب نہیں دیا تھا بلکہ خاموشی سے کمرے سے نکل گئی تھی۔ یہ اسی کا ری ایکشن تھا اب۔

”ہاں، بھوک بھی نہیں ہے۔“ اس نے بے پروائی سے جواب دیا۔

”جب میں اپنے ہاتھ سے کھلاؤں گا تب ضرور بھوک لگے گی۔“ اس نے زبردستی اسے بٹھا لیا۔ ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھی مومی کبھی ماں کو دیکھتی کبھی باپ کو...... تیمور نے ایک نوالہ بنا کر زبردستی رشی کے منہ میں دینا چاہا۔

”بھئی میں کھا لوں گی ناں......“ اس نے نوالہ لینے سے انکار کر دیا۔

”نہیں، میں ہی کھلاؤں گا......“ تیمور نے زبردستی اس کے منہ میں ٹھونسا۔

”بابا......“ مومی نے تیمور کو پکارا۔

”جی جانو!“ وہ اس کی جانب بھی متوجہ تھا۔

”ممی کو مت کھلائیں۔“ اس نے منہ پھلایا۔

”کیوں بیٹا......؟“ تیمور کے ساتھ رشی بھی مسکرا دی۔

”ممی بڑی ہو گئی ہیں خود کھا لیں گی۔“ دونوں ہنس دیے دونوں جانتے تھے کہ مومی کبھی اس بات کو پسند نہیں کرتی کہ اسے اگنور کیا جائے۔

☆☆☆

صبح اس کی آنکھ دیر سے کھلی...... وال کلاک پر نظر ڈالی اسکول لگنے میں تھوڑا وقت ہی بچا تھا وہ بہت تیزی سے اٹھی تو چھناکے سے کوئی چیز گر کر ٹوٹ گئی۔ جھک کر دیکھا تو دل ڈوب سا گیا۔ رات وہ سوتے وقت مومی کی تصویر والا فریم لے کر سو گئی تھی...... ڈھیروں ملال تھے وہ ایک، ایک کرچی اٹھاتی رہی...... اسے محسوس ہوا یہ تمام کرچیاں اس کے دل میں اندر تک کہیں پیوست ہو گئی ہیں۔

بنا ناشتے کے وہ رکشے میں بھاگم بھاگ اسکول پہنچی...... اس کے پہنچتے ہی اسکول لگا تھا۔ اس نے شکر کی سانس لی اور اسمبلی گراؤنڈ میں پہنچ گئی۔ آج اس کی کلاس کی پریزینٹیشن تھی اسے آج جلدی پہنچنا تھا۔ بہر حال سب کچھ ٹھیک ہو گیا تھا اس کے اسٹوڈنٹ بہت سمجھدار تھے۔ انہوں نے سب کچھ سنبھال لیا تھا۔ وقتی طور پر وہ فریم کے ٹوٹ جانے کا دکھ بھول چکی تھی۔

”ٹیچر......“ کلاس لے کر باہر نکل جانے کے بعد پیچھے سے کسی نے اسے پکارا وہ مڑی پیچھے سارہ ارمان کھڑی تھی۔

”ہوں......“ بھنچے لبوں سے کم آنکھوں کے اشارے سے زیادہ اس نے سارہ کے پکارنے کی وجہ دریافت کی۔

"I have a pink rose for you"

سارہ نے گلابی گلاب اس کی جانب بڑھایا۔

"nice" وہ مسکرائی ہاتھ بڑھا کر گلاب لے کر سونگھا۔

"you are looking so beautiful and charming"

چاہت کے اجالے

میری چاہت کے اجالے پھیلے ہیں
آسمان کے چاند ستاروں میں
الفت کے دلکش پھول کھلے ہیں
دل کے لالہ زاروں میں
تم ہم کو مل نہ سکے
ہم پیار کی منزل پا نہ سکے
اب تم ہم کو ڈھونڈو گے
اپنے نئے سہاروں میں
جب شبِ فرقت ہو گی
دل میں درد کی نکہت ہو گی
ہم تم ملا کریں گے
دنیا کے دور کناروں میں

شاعرہ: عثمانہ اختر جمال، امریکا

محبت کا جزیرہ

اِک رُت بہار کی
بیت گیا اِک سال پورا
گیا سال دے گیا ہمیں اِک امید نئی
آگے دیکھو، آگے بڑھو
ابھی زندگی کی ہیں بہاریں بہت
راستے ہیں نئے، کھلیں گے پھول بہت
پھولوں بھرے راستے میں
ہمیں خوشبو سمیٹ کر
اس زندگی کو محبت کا جزیرہ بنانا ہے

شاعر: محمد امین خضر
انتخاب: فائزہ شاہ، اسلام آباد

WWW.PAKSOCIETY.COM

سارہ ارمان تو شاید اس کی دیوانی تھی۔
"thanks a lot" وہ بھی مسکرادی۔
"ٹیچر...... آپ جب بھی ساڑی carry کرتی ہیں اس روز میں پڑھ نہیں پاتی بس آپ کو دیکھتی رہتی ہوں۔"
"تو آپ کا مطلب ہے کہ آئندہ میں ساڑی نہ پہنوں......" وہ مسکرائی۔
"نو ٹیچر ایسا غضب مت کیجیے گا اور یہ رائل بلو کلر...... بس یہ تو آپ پر ختم ہے۔" اس کی مسکراہٹ کو بریک لگ گئے گردن کو خم دے کر ساڑی پر دوبارہ ایک نظر ڈالی پھر ایک نظر سارہ کو دیکھا...... پھر بہت تیزی سے اسٹاف روم کی طرف قدم بڑھادیے۔ اس کی نظروں میں نہ جانے کیا تھا...... جو کچھ بھی تھا...... مگر کچھ تھا ضرور...... جسے سارہ ارمان جان تو نہ پائی مگر محسوس کر گئی کہ کچھ تھا جو وہ نہیں سمجھ پائی...... رائل بلو ساڑی خریدتے وقت اسے ذرا احساس نہیں تھا کہ وہ ساڑی اور وہ بھی رائل بلو خرید کر یادوں کے ناگوں کو ڈسنے کی دعوت دے رہی ہے اور اب وہ اسٹاف روم میں دونوں ہاتھوں سے سر پکڑے بیٹھی تھی۔
"رشنا افتخار (اب وہ اپنے نام کے ساتھ والد کا نام لگانے لگی تھی) آر یو آل رائٹ؟" مسز منیر سینئر ٹیچر اسے یوں گم صم بیٹھا دیکھ کر گھبرا گئیں۔
"بس ذرا سر میں درد ہے۔" وہ سنبھلی۔
"ٹیبلیٹ لے لیں......" انہوں نے آیا کو پکارا۔
"نو...... تھینکس...... میں رات میں ڈاکٹر کو consult کرلوں گی۔"
"اوکے...... اوکے......" وہ کلاس لینے کے لیے اسٹاف روم سے نکل گئیں۔

☆☆☆

"رشی...... رشی اِدھر آؤ...... دیکھو ایک سرپرائز ہے تمہارے لیے۔" تیمور کے چلّانے پر چائے بناتے اس کے ہاتھ رک گئے۔ اس نے تیزی سے ٹی پاٹ کو کور کیا اور اس کی جانب دوڑی۔
"کیا ہوا تیمور آپ کو؟ بچوں کی طرح بی ہیو کرتے ہیں۔" وہ ابھی اس کی نظر آئس کریم کھاتی موی پر پڑی جو تیمور کی گود میں بیٹھی تھی سامنے خوب صورت ریپرز میں کچھ پیکٹس تھے۔
"موی...... اب بڑی ہوگئی ہو، گود میں نہیں بیٹھتے۔" اس نے ایک ہاتھ سے موی کو تیمور کی گود سے اتارا تو موی نے منہ بنالیا۔
"کیا کرتی ہو؟" تیمور نے محبت سے رشی کا ہاتھ پکڑ لیا۔ "تم تو ہماری پرنسز کو ناراض کرنے کے چکر میں ہو تم نے سنا نہیں ہر لڑکی اپنے باپ کی پرنسز ہوتی ہے۔"
"اور ہر بیوی اپنے شوہر کی ملکہ ہو، ضروری تو نہیں؟" نہ جانے کس رو میں اس کے منہ سے نکل گیا۔
"مگر تم تو میری ملکۂ عالیہ ہو ناں......!" تیمور نے اسے اپنی جانب کیا اس کا روم رُوم محبت میں ڈوبا ہوا تھا۔ نہ جانے کیوں اس کی آنکھیں بھر آئیں۔
"دیکھو ہم ملکۂ عالیہ کے لیے کیا لائے ہیں۔" تیمور نے سامنے رکھے تین ڈبوں کی جانب اشارہ کیا۔
"پتا نہیں......" اس کے لہجے میں خوشگواریت! چہرے پر حیرت اور آنکھوں میں اتنی محبت پا کر آنسو آگئے تھے۔
"ارے تم رو رہی ہو؟" اس نے اس کی ٹھوڑی کو چھو کر اس کا چہرہ اٹھانا چاہا۔
"نہیں تو......" اس نے خواہ مخواہ ہی جھوٹ بول دیا اور نظریں چرالیں۔
"بس جلدی سے بتاؤ کیوں رو رہی ہو۔" اس نے دونوں شانوں سے پکڑ کر اسے اپنی جانب موڑا۔
"بس مجھے پتا نہیں۔" وہ باقاعدہ روتی ہوئی تیمور کے سینے سے جا لگی۔ تیمور بہت محبت سے اس کے لمبے گھنے بالوں پر انگلیاں پھیرنے لگا۔

"بابا...... ممی کیوں رو رہی ہیں؟" موی تڑپ اٹھی۔
"بیٹا پتا تو کر رہا ہوں......" اس کے لیے اپنی دو بے حد عزیز ترین ہستیوں کو ایک ساتھ سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا۔
"رشی پلیز...... مجھے بتاؤ کیا ہوا؟"
"کچھ نہیں تیمور...... کچھ بھی تو نہیں۔" رشی جھلمل کرتی آنکھوں سے ہنس پڑی۔
"دیکھو رشی، تم مجھ سے کچھ نہیں چھپاؤ گی...... بتاؤ کیا ہوا؟"
"اُف......" اس نے موڈ بدلنا چاہا...... "آپ کی بے پایاں محبت کا بوجھ مجھ سے نہیں اٹھتا......"
"پاگل......" اس نے رشی کے سر پر چپت لگائی جلدی سے ان باکسز کو کھولا...... اور جب اس نے باکسز کھولے تو وہ شاکڈ رہ گئی۔ تینوں میں بلو کلر کی مگر الگ، الگ شیڈز کی تین ساڑیاں تھیں۔
"یہ تم ابھی پہنو گی اور آج کا پورا دن ہم باہر گزاریں گے because......?...... to day is your birthday"
اس نے رائل بلو ساڑی پر انگلی رکھ کر کہا۔
"اوہ......" وہ زور سے ہنسی...... "گڈ گاڈ مجھے تو اپنا برتھ ڈے کبھی یاد ہی نہیں رہتا۔"
"ہم جو ہیں تمہیں یاد دلانے والے۔" اس نے ایک ہاتھ سے رشی کو قریب کیا۔ "ہاں جب ہم نہیں رہیں تو......" تیزی سے اس نے تیمور کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔
"اسٹاپ......" وہ سچ مچ ناراض ہوگئی۔
"رشی ڈارلنگ جو دنیا میں آیا ہے، اسے جانا بھی ہے، کسی کو پہلے کسی کو بعد میں...... یہ حقائق ہیں انہیں جھٹلایا نہیں جاسکتا۔" تیمور خلافِ معمول بہت سیریس ہوگیا تھا۔

صحت کا کلیہ

☆ غصہ: بلڈ پریشر کا موجب ہے۔
☆ شوگر: غرور سے پیدا ہوتی ہے۔
☆ خدمتوں سے جان چھڑانا: درد کی کلفت میں مبتلا کرتا ہے۔
☆ لالچ: دین سے دوری کا باعث بنتی ہے۔
☆ ہوس: حیوان بنادیتی ہے۔
☆ بے اعتدال کھانا: ناک، کان، گلے کی بیماری کو دعوت دیتا ہے۔
☆ طہارت وصفائی: سے دوری خارش اور بوسیدہ دانتوں سے ظاہر ہے۔
☆ منفی خیالات: فالج اور پاگل پن کا حملہ کرسکتے ہیں۔
☆ بے ہودہ گفتگو: ذہنی انتشار کو جنم دیتی ہے۔
☆ عدم عبادت: بے سکونی کی غمّاز ہے۔
☆ نفس کی مکمل پیروی: شیطان سے ملاتی ہے۔
جبکہ......
☆ صحتِ کاملہ کا کلیہ صرف عاجزی میں پنہاں ہے۔

کوثر خالد، جڑانوالہ

"کیا ساری حقیقتیں باور کرانے کو آج ہی کا دن رہ گیا ہے؟" اس نے بڑی، بڑی آنکھوں کو

WWW.PAKSOCIETY.COM

پٹپٹایا......اس کا لہجہ آنسوؤں میں ڈوبا ہوا تھا۔

''افوہ......!'' اسے جیسے کچھ یاد آیا۔ ''اٹھ جائیں شہزادے تیمور ...... چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔'' تیمور کو بلو کلر بہت پسند تھا اس کا بس چلتا وہ بلو کلر سے اس کی ساری وارڈ روب بھر دیتا وہ جب بھی گفٹ دیتا اس میں بلو کلر نمایاں ہوتا، وہ اکثر کہتا۔

''بلو کلر محبت کے اظہار کا رنگ ہے جو تم پر بہت سجتا ہے...... میں اکثر تمہیں دیکھ کر سوچتا ہوں کہ رب کو ضرور میری کوئی نیکی بھا گئی ہے جو اس نے تم جیسی شریکِ سفر عطا کی مدھم، مدھم، دھیمے لہجے والی، میری ہر بات سمجھنے والی...... اگر خامی ہے تو بس غصہ اُف جو آئے تو سب بہالے جائے مگر غصے کا اظہار بھی دھیما...... شور شرابے والا نہیں......'' کار ڈرائیونگ کے دوران اس نے ایک ہاتھ سے اسے قریب کیا تو وہ لجا کر مسکرانے لگی۔

''بابا ہاتھ ہٹائیں......'' پچھلی نشست پر بیٹھی موی نے تیمور کے ہاتھ کو تھپتھپایا، وہ ہنس پڑا مڑ کر اسے دیکھا وہ اپنے ساتھ لائے ٹیڈی بیئر کو سنوار رہی تھی۔

''بیٹا اگر میں آپ کی ممی سے بات کروں تو آپ کو برا لگتا ہے؟'' تیمور نے کبھی اپنی بیٹی کی کسی بات کو اگنور نہیں کیا تھا۔

''نہیں......'' وہ بہت بے پروائی سے بولی۔

''پھر آپ نے مجھ سے ہاتھ ہٹانے کو کیوں کہا......؟'' وہ بیک ویو مرر میں بیٹی کو دیکھتے ہوئے بولا۔

''اس لیے کہ میرے بیئر کو سامنے کا راستہ نظر نہیں آ رہا تھا۔'' موی کے معصوم بہانے نے دونوں کو ہنسا دیا۔

☆☆☆

''مسز رشنا، پرنسپل کہہ رہے ہیں کہ کلاس نائنتھ میں آپ کا fixture لگا ہے۔'' نہ جانے کتنی بار کہنے کے بعد آپا نے ہولے سے اس کا شانہ ہلایا تو وہ چونکی۔

''او کے......'' وہ ایک دم اٹھ کھڑی ہوئی۔

رات کے کھانے کے بعد وہ اپنی لینڈ لیڈی حمنہ کے ساتھ پارک میں واک کے لیے چلی جاتی تھی یہی ان کا روٹین تھا۔ یہ ایک دو منزلہ گھر تھا اوپر کے پورشن میں مالک مکان رہتے تھے، نچلا حصہ کرایے پر اٹھایا تھا اور سب سے اوپر ایک کمرا اٹیچڈ باتھ کے ساتھ تھا جس کے ایک کونے میں اسٹوو لگا کر اور کچھ کیبنٹس بنا کر کچن کا نام دے دیا تھا وہ پورشن رشنا کے پاس تھا۔

''رشنا، کافی ٹائم سے آپ کی بیٹی نظر نہیں آ رہی۔'' واک سے واپسی پر حمنہ نے پوچھا جو تقریباً رشنا ہی کی ہم عمر تھی۔

درد کی ایک طویل لہر پورے جسم میں گردش کرتی ہوئی ارتھ ہو گئی۔ اس نے ہونٹوں کو بھینچ کر سسکی روکی اور ضبط کی آخری حدوں کو چھوا۔

''اس کے بابا نے کہا ہے کہ اب وہ ایگزام کے بعد آئے گی۔ اصل میں جب وہ مجھ سے مل کر گھر جاتی ہے تو خاصی اپ سیٹ رہتی ہے۔ نارمل ہونے میں اسے کئی دن لگ جاتے ہیں۔'' وہ دھیرے دھیرے بہت ڈیٹیل سے بتانے لگی حالانکہ یہ اس کی عادت تو نہیں تھی پھر بھی وہ اب چاہنے لگی تھی کہ کوئی اس سے ڈسکس کرے۔

''اب کس کلاس میں ہے وہ؟'' حمنہ بھی بہت سلجھی اور دھیمے مزاج کی تھیں۔

''اب تو ماشاء اللہ نائنتھ میں آ گئی ہے۔'' اس کے چہرے پر بیٹی کے ذکر سے قوسِ قزح بکھر گئی۔ گھر قریب آ گیا تھا۔ مین انٹرینس کو چابی سے کھول کر دونوں سیڑھیاں چڑھنے لگیں۔

''حمنہ آپ نے بھی کیا یاد دلا دیا۔'' کمرے میں لائٹ آن کرتے وقت وہ سسک اٹھی...... زخم مندمل ہو ہی نہیں پاتے...... وہ ہتھیلی کی پشت سے آنسو صاف کرنے لگی۔ اسے موی کو دیکھے تین مہینے بیت گئے تھے۔ یہ تین مہینے تین صدیوں پر محیط محسوس ہوئے تھے۔ وہ چھوٹی راؤنڈ ٹیبل کے عین سامنے رکھی کرسی پر ہاتھ پھیرنے لگی جس پر آخری بار موی آ کر بیٹھی تھی وہ بہت دیر تک کرسی پر شفقت سے ہاتھ پھیرتی رہی یوں جیسے اس پر اب بھی موی بیٹھی ہو۔ کافی دیر بعد وہ دوسری کرسی پر ڈھیر ہو گئی ہاتھوں سے کنپٹی دبانے کے دوران اس نے کہنیاں میز پر ٹکا لیں۔ آنسو کا ایک قطرہ آنکھوں سے نکل کر ٹیبل پر آ گرا اور پھر آنکھیں موندتے ہی گویا جھڑی لگ گئی۔

''ممی آج آپ نے کیا پکایا ہے؟'' وہ جب اس سے ملنے آئی تو آتے ہی باہیں گلے میں ڈال کر اس نے رشی سے پوچھا۔

''مٹر پلاؤ......'' رشی نے اس کی من پسند ڈش بتا کر اس کا منہ چوم لیا۔

''اور......؟''

''اور سلاد!''

''اور......؟''

''اور رائتہ، چٹنی......!'' پھر اسے خود ہی احساس ہو گیا کہ وہ تیمور کے گھر تو ہمیشہ دو ڈشز بناتی تھی مگر اب...... اب تو وہ ایک نچلی متوسط زندگی گزار رہی تھی اس نے تیمور سے خرچہ بالکل لینا پسند نہیں کیا تھا جو تھا اس کی تنخواہ تھی جس میں کرایہ، گیس، بجلی، راشن، دودھ، ناشتا سبھی کچھ اسے کھینچ تان کر کرنا تھا۔ کبھی بیمار ہو جاتی تو بجٹ بالکل آؤٹ ہو جاتا وہ کتنی بھی کفایت شعاری کر لیتی، مہینے کا آخر بہت تنگی سے گزرتا تھا جب رشی نے گھر چھوڑا موی سیونتھ میں تھی اور اب کلاس نائنتھ میں...... اب وہ جان گئی تھی کہ وہ موی کا خرچہ نہیں افورڈ کر سکے گی اور گھر میں رک جانا، حالات سے کمپرومائز کرنا اس کے بس سے باہر تھا...... ابتدا میں تیمور نے موی کو جب رشی سے ملنے کے لیے بھیجا تو خوب لدا پھندا کے ڈھیر سامان کے ساتھ بھیجا تھا، یہ سب کچھ رشی کی غیرت پر تازیانہ تھا جو اس نے بہت سمجھا بجھا کر موی کو واپس کر دیا تھا بہت پیار سے اس نے موی سے کہا تھا۔

''موم......! آئندہ یہ سب مت لانا، یہ سب تمہارے بابا کی امارت کو ظاہر کرتے ہیں تو دوسری طرف تمہاری ممی کی غربت کا مذاق اڑاتے ہیں۔''

موی کو سمجھنے میں ذرا دیر نہ لگی وہ جیسے بہت جلد باشعور ہو گئی تھی...... اور اب وہ رشی سے ذہنی طور پر بہت قریب ہو گئی تھی۔ اس جدائی نے یہ ظاہر کر دیا تھا کہ اتنی شدت سے محبت کرنے والا تیمور اپنے بعض معاملات میں انتہا درجے کا سخت ہے۔ اس نے موی کو ملنے کے لیے تو بھیجنا گوارا کیا لیکن مستقل بھیجنا اس نے گوارا نہیں کیا۔ موی جب بھی آتی وہ پوری رات سوتی ہوئی موی کو پیار کرتے، دھیرے دھیرے خود کلامی میں اس سے باتیں کرتے گزار دیتی...... ننھی پریوں جیسی موی چہرے پر بلا کا اطمینان لیے سوئی رہتی۔ اسے یاد آیا ایک بار کھانے کے دوران موی نے بہت ٹھہر ٹھہر کر کہا تھا۔

''ممی......''

''ہوں......''

''بابا...... نے کہا ہے۔'' رشی ایک دم جگہ سے اٹھ گئی اور تیزی سے روم ریفریجریٹر سے آئس کریم نکال لائی۔

''لو اسے ٹیسٹ کرو۔''

''ممی بابا نے......'' اس نے پھر کہنا چاہا۔

''موی......!'' اس نے تنبیہاً اسے ٹوکا۔ ''میں نے کہا تھا ناں...... اپنے بابا کا ذکر مت کیا کرو۔''

''آپ سن تو لیں......'' موی روہانسی ہو گئی۔

''نہیں۔'' بہت قطعیت سے رشی نے کہا...... ''جب مجھے ان کا نام تک سننا گوارا نہیں تو ذکر کیسے سن لوں۔''

موی...... ایک دم دونوں ہاتھ گود میں رکھ کر چپ ہو رہی پھر اس نے نہ کوئی ضد کی نہ اصرار...... یوں بھی اس معاملے میں وہ بالکل رشی پر گئی تھی...... وہ کمرے میں لیٹی چھت کو گھور رہی تھی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

کمرے میں نہ ختم ہونے والا عجیب سناٹا چھایا ہوا تھا...... بازو موڑ کر اس نے آنکھوں پر رکھ لیا۔
”کیا یوں آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر ہم آنے والے خیالات کا راستہ روک سکتے ہیں؟“ اس نے خود ہی سوچا۔ عجیب بے کلی و بے چینی چھائی تھی۔ وہ اٹھ کر ننگے پاؤں فرش پر ٹہلنے لگی۔ فرش کی ٹھنڈک بھی اس کے اندر دہکی آگ کو بجھا نہ سکی۔ کمرے میں موجود چھوٹے سے ریفریجریٹر سے اس نے پانی نکالا اور ایک سانس میں غٹاغٹ پی گئی۔ من میں لگی اگن یوں کبھی نہیں بجھتی ..... ایک، دو، تین وہ کئی گلاس ٹھنڈے پانی کے پیتی چلی گئی پھر تھک ہار کر دوبارہ لیٹ گئی آنکھوں کی جھالر نے چلمن کا کام کیا اور یکے بعد دیگرے خیالات کا سلسلہ پھر سے شروع ہو گیا۔
تیمور اسے کئی دن سے ڈسٹرب لگ رہا تھا۔ وہ لاکھ خواہش کے باوجود پوچھنے میں پہل نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ اسے اور موی کو معمول کے مطابق ٹریٹ کر رہا تھا لیکن اس سب میں بھی اسے مصنوعی پن لگنے لگا تھا۔
اس روز بھی وہ سوئی نہیں تھی۔ آنکھیں موندے تیمور کے برابر ہی لیٹی ہوئی تھی آج ہی کی طرح بازو موڑ کر آنکھوں پر رکھے ہوئے تھے...... تیمور نے اس کے ماتھے پر بکھری لٹیں سنواریں تو پٹ سے اس نے آنکھیں کھول دیں۔ تیمور کی کروٹ اسی کی طرف تھی۔ اس نے بہت غور سے تیمور کو دیکھا۔ وہ اس کی بہت مزاج آشنا تھی۔ تیمور کے لب کچھ کہنے کو... بے چین تھے تو اس کے کان بھی بہت کچھ سننے کو بے تاب تھے۔ اس ڈرامے کا ڈراپ سین اب ہو ہی جانا چاہیے کہ وہ بھی یہی چاہتی تھی۔ اس نے استفہامیہ نگاہوں سے تیمور کو تکا...... وہ گڑبڑا گیا اور بیڈ کراؤن سے ٹک کر آدھا بیٹھ گیا۔
”تم کچھ کہنا چاہ رہے ہو؟“ وہ بھی اٹھ کر بیڈ کراؤن سے ٹک گئی۔ ہمیشہ کی طرح اپنے لمبے گھنے بالوں کو جوڑے کی شکل دے کر ناٹ سی باندھ دی۔
”ہاں...... شاید......“ اس کی آواز کسی گہری کھائی سے آتی محسوس ہوئی۔
”اور شاید یہی بات تمہیں کئی دن سے بے چین کیے ہوئے ہے۔“ اس کا انداز تفتیشی ضرور تھا لیکن لہجے میں سختی نہیں تھی۔
”ج ج...... جی۔“ جانے کیوں اس لمحے اسے تیمور کی ”جی“ میں کسی چور کی چاپ سنائی دی۔
”ہاں تو کہہ ڈالو...... پتا نہیں تم نے اتنے ڈھیر سارے دن کیوں ضائع کر ڈالے۔“ تیمور نے بہت چونک کر اسے دیکھا...... چوری کبھی چھپتی نہیں نہ چھپائی جا سکتی ہے۔ تیمور ہونٹ کتر کر اسے دیکھے چلا گیا۔ وہ گھنے کھل جانے والے بالوں کو دوبارہ لپیٹ کر کیچر لگا رہی تھی۔ تیمور نے نگاہیں چرا لیں۔ وہ بغور اسے تکتی رہی۔ کافی وقت بنا چاپ کیے گزر گیا تب الجھن سمیٹے بالآخر رشی کو بولنا پڑا مگر اس طرح کہ وہ اس کی اضطرابی کیفیت کو بھانپ نہ لے۔
”ہوں...... تم کچھ کہہ رہے تھے......؟“ کافی توقف کے بعد تیمور بولا۔
”ہاں......“ اس نے سر جھکایا ہوا تھا۔ "I fall in love with some one" تیمور نے تو ایک سانس میں کہہ دیا اور وہ گویا جم سی گئی۔
”کک...... کیا......؟“ اس کی آنکھیں پھیل گئیں، جہاں تک پھیل سکتی تھیں گویا بلاسٹ اس کے دل پر ہی ہوا تھا اسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آرہا تھا...... وہ اسے بے چین تو دیکھ رہی تھی کئی دن سے لیکن بے چینی کے اس سبب کو وہ آخری لمحات تک کھوج نہیں پائی تھی۔
یہ...... یہ تیمور تھا؟ اسے اور موی کو بے چاہنے والا، جس کے پور پور میں دونوں کے لیے رچی خوشبو وہ بہت دور سے محسوس کر سکتی تھی۔ اتنی سہولت سے اقرار...... وہ بھی یوں اتنی آسانی ا

ڈھٹائی سے کسی اور کے لیے ”برائے فروخت کا بورڈ......؟“ کبھی کبھی آنکھوں دیکھی اور کانوں سنی جھوٹ بھی ہو سکتی ہے اس نے زور سے آنکھوں کو میچ کر کھولا۔ بہت دیر ٹرانس میں رہنے کے بعد بہت مردہ نحیف و نزار اس کی آواز خود اسے بھی اجنبی لگی۔
"who is she?"
”مائی کولیگ روما حسن......“ بہت دیر تک سناٹا چھایا رہا۔
”بہت خوب صورت ہے وہ؟“ وہ اس پر نگاہوں کی برچھی گاڑے ہوئے تھی جبکہ تیمور کی آواز گویا کسی جاں کنی میں مبتلا مُردے کی آواز تھی۔
”نن...... نہیں اتنی زیادہ تو نہیں۔“ وہ چور تھا اور چور بنا ہی جواب دے رہا تھا۔
”تم...... تم سے تو قطعی بھی نہیں۔“ اس نے اس لمحے گویا فضا سے پوری آکسیجن لے کر خود میں انرجی پیدا کی۔
”میں نے اپنے موازنے کے لیے تو کہا بھی نہیں۔“ لہجہ دھیما ضرور تھا لیکن بلا کی کاٹ تھی...... رشی نے ترکی بہ ترکی جواب دیا تھا۔ ”اور تم اس سے عنقریب شادی کرنے والے ہو؟“ وہ پوری طرح جرح کے موڈ میں تھی۔
”ہوں......“ وہ اتنا ہی کہہ سکا۔
رشی نے بہت تاسف سے اسے تکا...... تیمور نے اس لمحے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا نگاہوں کے تصادم نے شاید تیمور کو حوصلہ بخشا اس نے محسوس کر لیا تھا کہ رشی کی نگاہ مات کھائی عورت سے کم نہیں تھی۔
”but don't you worry تم یہیں رہو گی، اسی گھر میں...... یہ تو تمہارا ہے ناں...... وہ الگ رہے گی۔“ وہ وضاحتیں دے رہا تھا جسے وہ قطعی اگنور کر چکی تھی۔
”کیا میری محبت، ریاضت، خدمت میں کبھی تم نے کوئی کھوٹ محسوس کی یا کمی......؟“ تیمور نے پھر اسے تکا...... منظر بدل چکا تھا اب اسے لگا جیسے یہ سوال رشی نہیں کوئی روبوٹ کر رہا ہے۔
”رشی...... کسی کو پسند کرنے کا تعلق ہرگز اس بات سے نہیں کہ موجودہ ہستی میں کوئی کجی، کمی یا کھوٹ ہے بلکہ یہ دل کا معاملہ ہے اور دل تو بچہ ہوتا ہے۔“ آخری جملہ تیمور نے بہت والہانہ انداز میں کہا تھا بالکل اس طرح جیسے اس کے سامنے اس کی محبوبہ روما حسن کھڑی ہے اور وہ بہت محبت پاش نظروں میں تپش لیے اسے تک رہا ہے۔ وہ بہت ایمانداری اور دیانتداری سے کسی دوسری کے ہو جانے کا برملا اقرار یوں کر رہا تھا جیسے اس کے سامنے اس کی بیوی نہیں بلکہ کوئی اور ہے۔ اس سمے رشی آنکھیں پٹپٹائے گنگ اسے تک رہی تھی، وہ اپنی محبوبہ کے تصور میں اس طرح گم ہو گیا تھا کہ اسے اردگرد دنیا و مافیہا کا مطلق ہوش نہیں رہا تھا۔ اس سمے اور کچھ ہو نہ ہو لیکن رشی کو تیمور سے شدید نفرت اور گھن آئی تھی...... اسے کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا وہ روئے، چیخے چلائے یا منجمد بیٹھی اسے سنتی رہے۔ تیمور کی محویت ختم ہوئی تو اس نے اسی محبت سے رشی کے کاندھے اپنے دونوں ہاتھوں سے پکڑے۔
”رشی جان......“ رشی نے انتہائی نفرت سے اس کے دونوں ہاتھ جھٹک کر اپنے شانے چھڑائے اس کا بس نہیں چل رہا تھا ورنہ شاید وہ تیمور کو قتل کر دیتی یا خود کو...... مگر تیمور پر تو اس وقت روما حسن کے عشق کا بھوت سوار تھا...... اسے رشی کا جھڑکنا، جھٹکنا، ناراضی کچھ بھی نہ نظر آرہا تھا نہ برا لگ رہا تھا۔
”محبت کبھی کسی کو بھی کسی سے بھی ہو سکتی ہے۔ اس کے لیے کسی وجہ کا ہونا کوئی شرط نہیں...... بس مجھے بھی روما سے محبت ہو گئی ہے۔“ وہ اس کی.... بے غیرتی پر حیرت سے منہ کھولے رہی اور وہ اس پر بم برساتا رہا...... ”کب، کیوں اور کیسے؟ میں خود ان جوابات کو ڈھونڈ رہا ہوں۔“

WWW.PAKSOCIETY.COM

"اب اپنے ڈھونڈنے کے عمل کو موقوف کردو۔" ضبط ایک حد تک ہی کیا جاسکتا ہے اور اس کے ضبط کا بندھن اب ٹوٹ چکا تھا وہ تیزی سے بستر سے اتر کر کمرے سے نکلتی چلی گئی۔

"رشی...... رشی...... ڈارلنگ......" اس نے بہت دیر تک وہیں بیٹھے بیٹھے پکارا۔ جب کافی دیر تک وہ نہ پلٹی...... تب وہ اسے ڈھونڈنے نکلا...... بالآخر کونے والے کمرے میں وہ اوندھی لیٹی اسے مل گئی۔

"رشی میں تمہیں کب سے بلا رہا ہوں......" مرد کی عیاری کو دنیا کی کوئی عورت نہیں پہنچ سکتی۔ اس نے رشی سے ایسے بی ہیو کیا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ "چلو اٹھو شاباش!" وہ اس پر جھکا۔ پھر ٹھٹکا اور ایک دم سیدھا ہو رہا...... رشی کا بلو نائٹ گاؤن چینج تھا اب وہ گھر کے سادہ کپڑوں میں تھی۔

"اُف تم کس حد تک انتہا پسند ہو؟" اسے بلو گاؤن چینج کرنے کا مقصد فوراً ہی سمجھ آگیا تھا۔ نیلا رنگ تیمور کی کمزوری تھا۔ مرد کبھی اپنی غلطی، کوتاہی، کمی، کمزوری، بے وفائی غرض کسی بھی منفی رویے کو بہت ہلکا لیتا ہے اس کے نزدیک اس کا ہر عمل فطری اور درخورِ اعتنا سمجھے جانے کے لائق ہوتا ہے۔

"اٹھو......" اس نے بہت پیار سے اس کے بال بگاڑ کر پوری مردانہ قوت سے اسے اٹھانا چاہا۔

"leave me alone" زندگی میں شاید پہلی بار وہ چیخی تھی۔

"آہستہ بولو...... موی جاگ جائے گی۔"

"خیال ہے موی کا......؟" اس نے جھٹکے سے سر اٹھا کر الٹا اس سے سوال کیا۔

"یہ وقت ان باتوں کا نہیں۔" بات بنانا مرد کی فطرت ہے اس نے زبردستی اسے گھسیٹا...... اس کھینچا تانی میں بھی فتح تیمور کی اور مات رشی کے ماتھے کا جھومر بنی...... وہ کھنچتی گھسٹتی بالآخر بیڈ روم میں پہنچا دی گئی۔ اگلے کئی گھنٹوں تک اس کی آنکھیں بانجھ ہی رہیں۔ تیمور خدا معلوم کس، کس طرح محبت کے امرت اس کے کان میں ٹپکاتا رہا اس کی دماغی اسکرین بالکل صاف سلیٹ ہو چکی تھی کانوں کے پردے پٹ ہو چکے تھے، آنکھیں پتھرا کر چھت کو ایک ٹک تک رہی تھیں۔ دماغ مفلوج ہو چکا تھا اگر کوئی آرگن کام کر رہا تھا تو وہ تھا "دل" جس کی بیٹ اسے واضح سنائی دے رہی تھی۔ اگلے کئی دن کوئی فیصلہ کرنے میں گزر گئے...... اس کو بالکل چپ لگ گئی تھی۔ دل کسی کام میں لگ کے نہیں دے رہا تھا۔ ہر ڈور بیل پر لگتا جونہی وہ دروازہ کھولے گی ایک حسین و جمیل لڑکی گھر کے اندر قدم رکھ دے گی اس کی مزاحمت پر وہ ایک عفریت کا روپ دھار کر اسے دبوچ لے گی...... اور وہ اچھل کر سہم جاتی۔

موی اب تک اصل معاملے سے بے خبر تھی لیکن گھر کی مکدر فضا کے سبب وہ خود تناؤ کا شکار تھی۔ ہمیشہ سے رشی کے مقابلے میں تیمور سے قریب رہی تھی یا شاید تیمور نے اسے خود سے بہت کلوز کیا ہوا تھا۔

رشی کے سامنے بہت سارے سوالیہ نشان تھے "وہ موی کو چھوڑ دے تو کیسے چھوڑ دے گی؟" اسے لگتا وہ تو موی کے بغیر ایک لمحہ بھی نہیں جی پائے گی اور اگر ساتھ لے جائے تو بھلا کیسے سروائیو کرے گی، اس کے اپنے پیر ٹکانے کا کوئی آسرا نہیں تھا۔ موی کو کہاں ساتھ رکھے گی پھر اس کے اخراجات؟ تعلیم، کپڑے لتے، وہ ان سب اخراجات کا بوجھ کیونکر برداشت کرپائے گی پھر وہ جہاں کہیں بھی رہے گی نوجوانی کی جانب گامزن موی اس کے لیے بہت مسئلہ بن جائے گی۔ وہ جاب کرے گی یا موی کی رکھوالی؟"

"اُف خدایا!" اس کا سر بھاری ہونے لگا...... ان گنت سوالات جن کے جوابات ندارد تھے...... "ایک آپشن رک جانے کا...... سمجھوتا کرلینے کا...... نہیں!" وہ تلملا جاتی...... اس آپشن کو تو وہ رکھنا ہی نہیں چاہتی، سوچنا ہی نہیں چاہتی تھی۔ اس کا اصل

میکا تھا نہیں بے اولاد چچا، چچی نے پالا تھا جو لاہور میں تھے۔ اس کے تقریباً سارے عزیز لاہور میں ہی رہائش پزیر تھے پھر وہ وہاں جا کر تماشا بننا نہیں چاہتی تھی اس نے میکے جانے والا آپشن بھی قطعی مسترد کیا ہوا تھا۔ ان تمام فیصلوں کے سرے الجھے ہوئے اور آپس میں گڈمڈ تھے جو سلجھائے نہیں جاسکتے تھے ان سب کے برعکس اس کا ایک فیصلہ قطعی اور اٹل تھا اور وہ تھا گھر چھوڑ دینے کا...... سوت کو برداشت کرنے کا اس میں قطعی حوصلہ نہیں تھا ممکن ہے یہ حوصلہ بہت سی دار عورتوں کا ہو مگر وہ جی دار نہ تھی...... بالآخر وہ اس نتیجے پر پہنچ کر ڈٹ گئی کہ وہ تیمور کی شراکت کسی قیمت پر برداشت نہیں کرے گی اس کے لیے اس نے ہر نقصان کا سودا منظور کرلیا تھا یہاں تک کہ موی سے دوری کا بھی......

ہواؤں میں عجب سی بے کلی ہے
دلوں کے بادباں سمٹے ہوئے ہیں

نیند کے ساتھ اس کی بھوک پیاس بھی اڑ گئی تھی، اب گھر کا وہ ماحول نہیں رہا تھا جو تیمور کے شادی کے فیصلے کو عیاں کرنے سے قبل تھا، وہ روبوٹ کی ایک خاص وقت تک اپنے فرائض نبھا رہی تھی۔ یہ ضرور تھا کہ وہ کھانا بھی پکا رہی تھی لیکن بے حد بے مزہ کبھی نمک تیز تو کبھی نمک ندارد...... کبھی مرچیں تیز تو ہلدی غائب، تیمور اس کی اندرونِ خانہ درہم برہم ہوتی دلی کیفیت سے آگاہ تھا سو چپ چاپ زہر مار کرلیتا، کبھی بنا کھائے اٹھ جاتا لیکن موی بہت ڈسٹرب رہتی اسے معاملات کی پوری طرح سمجھ نہیں آپا رہی تھی۔ بجز اس کے کہ کچھ ہے جو دونوں میں دوری بڑھتی جارہی ہے مگر وہ کچھ کیا ہے اس کا اسے علم تھا نہ توقع......

"ممی آپ کیسا کھانا بنانے لگی ہیں......؟" موی کے کہنے پر رشی نے ٹکر ٹکر اسے تکا۔

"بابا...... اب ممی ہمارے ساتھ کھانا کیوں نہیں کھاتیں؟" کھانے کے برتن ٹیبل پر رکھ کر رشی کو جاتے دیکھ کر موی نے تیمور سے پوچھا۔

"سب ٹھیک ہوجائے گا...... رفتہ رفتہ......" رشی کے کمرے سے نکلنے کے بعد تیمور نے بے پروائی سے کندھے اچکائے...... مرد اپنے ہر معاملے کو سب ٹھیک ہے کی بنیاد پر پرکھتا ہے۔

سالن کا پہلا لقمہ ہی اسے غصہ دلانے کو کافی تھا مگر وہ ضبط کر گیا، خدا معلوم جو کچھ ڈونگے میں تھا وہ سالن کہلانے کے لائق بھی تھا کہ نہیں...... اس نے دوسرا ڈونگا کھولا وہاں اس سے بھی بدتر صورتِ حال تھی۔ اس نے ٹھک کی آواز سے ڈونگے کا ڈھکن گویا اس پر دے مارا۔

"اٹھو۔" اٹھتے ہوئے اس نے موی کو بازو سے پکڑ کر اٹھانا چاہا۔ "میں تمہارے لیے باہر سے کچھ لاتا ہوں۔"

"رہنے دیں بابا...... مجھے بھوک نہیں۔" موی کے کہنے پر تو جیسے اس کا دل حلق میں آگیا۔

"نہیں بیٹا، ایسا نہیں کرتے...... دیکھو تم کتنی کمزور ہوگئی ہو، رشی کو تو کچھ ہوش ہی نہیں ہے ذرا جو بیٹی کی پروا ہو۔" آخری جملے اس نے بدبدائے تھے۔ مرد کو کبھی اور کہیں اپنی غلطی نظر نہیں آتی وہ چاہتا ہے اس کے صحیح یا غلط ہر فیصلے کو درست مانتے ہوئے سرِ تسلیم خم کیا جائے۔

"اسے کیا کرنا ہے......؟ کہاں جانا ہے؟" کئی دن کی فول پروف پلاننگ اور بہت دن کی سوچ بچار کا نتیجہ ایک فیصلے پر منتج ہوا...... فیصلہ بھی ایسا جس کی دلیل پہ گھنٹوں بات کی جاسکتی تھی۔ جس پر سوچا بھی جاسکتا تھا، دلیل کے حق میں بحث و مباحثے کے انبار بھی لگائے جاسکتے تھے لیکن عمل...... عمل کرنا کٹھن ہی نہیں بلکہ ایک ماں کے لیے ناممکن بھی تھا...... موی کے بہتر مستقبل کے لیے اسے عارضی طور پر چھوڑ کر چلے جانا پھر اچھا بندوبست ہوجانے کے بعد اسے تیمور

WWW.PAKSOCIETY.COM

سے چھین لینا اور اس ''پھر'' میں بہت سارے وسوسے اور اندیشے شامل تھے۔ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ وہ بھی اتنا نہیں کما سکتی جتنے میں موی اپنے باپ کے گھر عیش کر رہی ہے...... دوسری صورت دل پر جبر کر کے سمجھوتے کی چادر اوڑھنے کی تھی اور یہ کڑوی گولی وہ کسی طور ہضم کرنے کو تیار نہیں تھی۔ لمحے بھر میں خوابوں کا شیش محل چکنا چور کر دینے والے تیمور سے اسے انتہا درجے کی نفرت محسوس ہوئی...... اور پھر شیشے میں آیا بال کب نکلتا ہے؟ اس نے اپنے طور پر دبے دبے بھی اشارتاً موی کے خیالات جاننے چاہے تھے تب اسے شدید مایوسی ہوئی تھی اس نے اندازہ کر لیا تھا کہ گھر چھوڑ دینے کی صورت میں بھی موی باپ سے جدائی کسی طور برداشت نہیں کرے گی اس کی تو خواہش ہے کہ رشی بھی ان کے ساتھ رہے لیکن وہ خود باپ کو چھوڑنے پر کسی بھی قیمت پر تیار نہیں تھی اگرچہ وہ باپ کی زندگی میں آنے والی دوسری عورت کے کردار سے مکمل ناواقف تھی۔

محبت میں کمی سی رہ گئی ہے
کہ بس اِک بے بسی سی رہ گئی ہے
نہ جانے کیوں ہمارے درمیاں یہ
فقط اِک برہمی سی رہ گئی ہے

''میں یہ گھر چھوڑ رہی ہوں......'' اس نے ایک سوٹ کیس اور ایک ہینڈ کیری لاؤنج میں رکھ کر گویا تیمور کے سر پر بلاسٹ کیا تھا۔

''مگر تم جاؤ گی کہاں......؟'' اس کی تیوری کے بل بہت نمایاں تھے سختی دبائے ہوئے لہجے میں نرمی گھولی۔

''یہ تمہارا مسئلہ نہیں......'' اکثر اس کے جوابات اسی قسم کے ہوتے تھے۔

''بہتر تو یہ ہوتا کہ تم موی کو میرے حوالے کر دو اور اس کا خرچہ بھی کیونکہ میں خرچہ......''

''خرچے کی کیا بات ہے؟'' تیمور نے درمیان سے اس کی بات اُچکی...... ''خرچہ تو میں تمہارا بھی دینے کا ذمے دار ہوں۔''

''نہیں......'' بہت قطعیت سے اس نے کہا۔ ''اس گھر سے نکلنے کے بعد میں تمہاری ذمے داری نہیں رہوں گی۔''

''تم مرتے دم تک میری ذمے داری رہو گی۔'' تیمور نے اسے سختی سے بازو سے پکڑا۔ ''گھر چھوڑنا تمہاری چوائس ہے، میں تمہیں نہیں چھوڑ رہا...... نہ کبھی میں، ڈائیورس دوں گا۔'' اس نے اچھا خاصا اسے جھنجوڑ کے چھوڑ دیا۔

''یہ چیلنج ہے؟'' دوبدو اس نے کہا۔

''نہیں...... یہ محبت ہے۔'' تیمور پھر نرم پڑ گیا۔

''محبت......؟'' وہ استہزائیہ مسکرائی۔ ''so called love ایک دل میں ایک ہی محبت رہ سکتی ہے۔'' وہ پنجوں کے بل گھومی کہ تیمور نے اسے پھر جا لیا اور اپنی جانب موڑا۔

''یاد رکھنا میں موی تمہیں کسی صورت نہیں دوں گا۔ یہ میرا اٹل اور حتمی فیصلہ ہے۔'' تیمور کا لہجہ آہنی تھا آنکھوں سے شرارے پھوٹ رہے تھے۔ ''میں سب کچھ کر سکتا ہوں ''سب کو'' چھوڑ سکتا ہوں۔'' اس نے ''سب کو'' کو بہت چبا کر کہا۔ ''لیکن...... موی... موی کو کسی طور پر خود سے جدا نہیں کر سکتا تم قانون کی مدد لو گی...... تو جان رکھو اب قوانین میں بھی تبدیلی آ گئی ہے۔ قانون کو ماں اور باپ سے زیادہ بچوں کی فلاح عزیز ہے۔ ماں، باپ کا اسٹیٹس دیکھا جاتا ہے جو زیادہ بہتر ہوتا ہے اولاد اسی کے حوالے کر دی جاتی ہے۔'' لمحے بھر کو تیمور رکا تو اس نے دیکھا رشی کی نم بھری نگاہوں میں ایک سمندر آباد تھا...... اور شاید لمحے بھر میں اس میں بہہ گیا...... اس کے سامنے عورت کھڑی تھی جو اس کی محبت تھی، چاہت تھی، عشق کیا تھا جس سے...... لیکن اب اگر روما پر اس کا دل

آ گیا تھا تو اس سے کہاں یہ مراد تھی کہ رشی اس کے دل سے اتر گئی ہے۔ یوں بھی مرد کا دل ایک تھوڑی ہوتا ہے ڈھیر سارے خانوں میں بٹا ہوتا ہے اور ہر خانہ دل ہی تو ہوتا ہے۔ اس میں کئی محبتیں سما سکتی ہیں۔ جنہیں وہ بہت خوبی سے ایک دوسرے سے چھپا بھی سکتا ہے۔ نہ جانے یہ اتنی سادہ سی بات رشی کی سمجھ میں کیوں نہیں آ رہی تھی۔ اس نے سر کو جھٹکا دیا۔ بہت ملائمت سے لہجہ بدل کر بولا۔

''تم نے سوچا تمہارے جانے کے بعد موی کتنا ڈسٹرب ہوگی۔''

''اور روما حسن کے آنے سے......؟'' ''یہ'' ''تم نے سوچا......؟'' رشی نے آنکھ میں آئے آنسو دل میں اتار کر لہجہ دوبدو کیا۔

''روما یہاں نہیں آئے گی۔''

''تم تو روما کے پاس رہو گے؟''

''اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ میں یہاں اور وہاں، دونوں جگہ رہوں گا۔''

''ہوں!'' رشی نے لمبی ہنکار بھری۔ ''بس سمجھ لو میں تمہیں دو کشتیوں کا مسافر بننے سے بچا رہی ہوں، تم یہیں رہنا، روما کو ساتھ لے کر...... اور چوبیس گھنٹے اپنی بیٹی کی نظروں کے سامنے۔''

''تم کیا سمجھتی ہو، وہ تمہیں مس نہیں کرے گی؟''

''میں تم کو ہرگز یہ اجازت نہیں دیتی کہ تم مجھے ایموشنل بلیک میل کرنے والے جملے بار بار دہراؤ...... تم اگر مستقل مجھے موی نہیں دیتے تو کم از کم میری بیٹی کو میرے پاس ویک اینڈ پر بھیج دیا کرنا۔''

''ہاں، اس پر سوچا جا سکتا ہے۔'' تیمور میں کچھ لچک آئی تھی۔

''میری مانو...... تو تم کچھ دیر اپنے فیصلے پر پھر سوچ لو۔'' تیمور نے کھنکھار کر گلا صاف کیا۔ اب وہ اسے کیا بتاتی کہ اتنے دن اس نے اسی کشمکش میں یہی سوچتے ہوئے گزارے تھے اب کوئی کشمکش باقی نہیں رہی تھی۔ کشمکش اسی وقت تک باقی رہتی ہے جب تک ہم کسی نتیجے، کسی فیصلے پر نہ پہنچیں۔ وہ فیصلے پر تو پہنچ چکی تھی بس فیصلہ نافذ ہونا باقی تھا۔ وہ سوٹ کیس اٹھانے کے بہانے جھکی تو پلکوں پر ٹھہرے آنسوؤں کے ریلے پر بند باندھنے میں بہت دقت ہوئی۔

نہ جانے تیمور نے اس خاموشی سے کیا اخذ کیا بہت پیار سے بولا۔

''رشی جان...... ایک بار...... صرف ایک بار اپنے فیصلے پر نظر ثانی کر لو۔''

''میں کچھ بھی سوچتی ہوں تو ایک ہی منظر نظر آتا ہے۔'' وہ سنبھل کر سیدھی ہو چکی تھی بہت مُردنی سے بولی۔

''کیا......؟'' بہت استعجاب سے تیمور نے اسے تکا۔

''تمہارے منظر سے میری تصویر کا غائب ہو جانا۔'' پھر وہ رکی نہیں بہت تیزی سے اس نے قدم آگے کو بڑھا دیے تھے، وہ موی کے اسکول سے آنے سے پہلے گھر کو خیر باد کہہ دینا چاہتی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ جدائی کا یہ منظر موی کی موجودگی میں طے ہو مبادا اس کی ممتا اس کے پاؤں کی زنجیر بن جائے اور وہ واپس اس منظر کا حصہ بننے کو ترجیح دے جہاں تیمور اور روما ہوں، اسے لگا وہ ملبے تلے دب رہی ہے۔

سفر یہ واپسی کا دھیرے دھیرے طے کرو اس نے
تمہیں آواز دینی ہے تمہیں واپس بلانا ہے

اسے لگا یہ غزل اس کے کان کے پردے پھاڑ دینے کو بہت کافی ہے۔ اس نے تیز تیز قدموں سے گیٹ تک جاتی روش عبور کی۔

☆☆☆

اپنے پلان کے تحت وہ اپنی دوست کے گھر چلی آئی جس سے وہ فیصلہ کرنے سے قبل رابطے میں تھی۔ یہاں آتے ہی اس نے مختلف جگہوں پر اپنا سی وی ڈراپ کیا۔ افزا اور اس کے شوہر دونوں طبعاً نیک تھے۔ فراز بھائی اکثر اسے شفقت سے واپس لوٹ

WWW.PAKSOCIETY.COM

''میں کسی طور خود میں اتنا حوصلہ نہیں پاتی کہ تیمور کی شراکت برداشت کرسکوں۔'' وہ رو ہانسی ہو جاتی۔

''تم اتنے عرصے میں تیمور بھائی کو قابو نہ کرسکیں۔'' افزا نے خالص گھریلو عورتوں سا سوال کیا۔

''قابو......'' ہنس کر اس نے دُہرایا۔ ''بے نتھا بیل تو قابو ہوسکتا ہے جذبات میں بپھرا مرد نہیں۔''

''رشنا...... کیا آپ نے تیمور کو شادی سے روکنے کی کوئی کوشش کی تھی؟'' تبھی گردن اٹھا کر رشی نے فراز بھائی کے سوال پر انہیں تکا۔ فراز اپنے بے تکے سوال پر خود ہی کھسیا کر گلا کھنکھار کر ہنسنے لگے۔

''میرا مطلب ہے کوشش تو ضرور کی ہوگی؟''

''نہیں...... بالکل بھی نہیں۔'' جذبات سے بالکل عاری ہو کر اس نے کہا تو فراز اور افزا دونوں اچھل پڑے۔

''مگر کیوں......؟'' یہ افزا تھی۔

''جب کسی مرد پر ان چھوئی عورت کا بھوت سوار ہو تو وہ اسے چھو کر ہی دم لیتا ہے۔'' اس کی آواز رُندھ گئی تھی۔

''تم بیٹی کو لے کر آتیں، کیا تم اسے مِس نہیں کروگی؟'' افزا نے موضوع بدلنا چاہا تھا۔

''کیوں...... فراز......؟'' افزا نے اپنی بات کی تائید کے لیے فراز کو دیکھا۔

''ہاں، ہاں بالکل...... بلکہ تم اب بھی اسے لاسکتی ہو۔ ہمارے گھر میں ہم دو کے سوا ہے ہی کون؟'' فراز کے کہنے پر رشی نے سر جھکا لیا تھا۔ جواب کوئی نہیں دیا تھا۔

☆☆☆

وہ پہلی رات جو اس نے موی کے بغیر گزاری تھی، جاگ کر اور روتے ہوئے۔

جاب ملتے ہی اس نے ایک کمرے کا پورشن کرائے پر لے لیا جس کا ایڈوانس افزا نے ادا کیا اور یوں وہ ایک کمرے کے نئے گھر میں منتقل ہوگئی اب کبھی افزا، فراز بھائی اس کے گھر آجاتے اور کبھی وہ ان کی طرف چلی جاتی۔ سیٹ ہوتے ہی اس نے تیمور کو فون کر کے موی سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ جسے تیمور نے فوراً قبول کرلیا اور جب مزید بات کرنا چاہی تو رشی نے فون منقطع کردیا۔ پھر اس کے بعد نہ کبھی تیمور نے اسے فون کیا نہ اس نے تیمور کو...... اب موی ہر ویک اینڈ پر اس سے ملنے آجایا کرتی...... کبھی کبھار جب تیمور، رشی کی ممتا کو آزمائش میں ڈالنا چاہتا تو بھیجنے کا وقفہ بڑھا دیتا اور رشی صبر کر جاتی کہ اب اس کے سوا چارہ بھی کیا تھا۔

☆☆☆

پھر ایک روز موی سے پتا چلا، روما حسن گھر آگئی ہے، کچھ دیر کے لیے رشی سناٹے میں آگئی پھر جلد ہی خود کو اس کیفیت سے نکالا...... گہری سانس بھر کر اپنے اندر کی گھٹن دور کرنا چاہی۔

''یہ تو مقسوم...... ہی تھا...... اسے کیا سوچنا......؟'' خود کو بہلا کر وہ مصروف ہوگئی۔

ایک حرف تسلی کا ایک لفظ محبت کا
خود اپنے لیے اس نے لکھا تو بہت رویا

''تیمور صاحب...... یہ عورت ہی کی دل نگری ہے جو صرف ایک شخص کے لیے صرف ایک بار آباد ہوتی ہے...... اور جب...... دل سے وہ مرد اتر جاتے ہیں تو نہ نگری دوبارہ بستی ہے نہ نظروں میں اپنا ہی آدمی سماتا ہے۔'' بڑبڑاتے ہوئے اس نے آستین سے آنکھیں رگڑ ڈالیں۔ جلد اس نے اپنی حالت کو نارمل کیا پھر موی کے عین مقابل کرسی پر بیٹھ گئی۔

''تمہارے ساتھ اس نئی خاتون کا رویہ کیسا ہے؟'' بے حد سپاٹ لہجے میں روما حسن کا نام لیے بغیر اس نے پوچھا۔ اس پوچھ تاچھ میں روما کے حوالے سے تجسس کے بجائے اسے اپنی بیٹی کے تحفظ

کا زیادہ خیال تھا۔

''وہ کوئی بری خاتون نہیں ہیں ممی......'' اس نے بہت ملائمت سے موی کو تکا اب وہ اسے کیا بتاتی کہ سوت ہیرے جڑی بھی ہو، سوت ہی ہوتی ہے۔

''میں انہیں آنٹی کہتی ہوں، بابا نے کہا کیا تم انہیں ممی نہیں کہوگی؟'' وہ جو اپنے میں کھوئی ہوئی تھی موی کے اس جملے پر بری طرح چونکی تھی پھر اپنے خیالات چھپاتے ہوئے اس نے موی کی طرف بظاہر سرسری سا دیکھا لیکن اس کا پورا جسم گویا کان بنا موی کا جواب سننے کو بے چین تھا۔

''میں نے بابا کو نو کہہ دیا...... میں نے کہا ممی صرف ایک ہوتی ہے اور وہ...... رشنا...... رشی ہوتی ہے۔'' ہاتھوں کی مٹھی بنا کر موی نے اس پر اپنا ماتھا ٹکا کر آنکھیں میچ لیں۔ تڑپ کر اس نے اٹھ کر موی کو گلے لگانا چاہا لیکن رک گئی۔ اس نے موی کو کچھ دیر اسی حالت میں رہنے دیا پھر برتن اٹھانے کے لیے کھڑی ہوگئی...... دھیرے سے اس کے کندھوں کو تھپتھپایا۔

☆☆☆

اذان کی آواز پر رشی اٹھ گئی تھی پوری رات خیالات کی یلغار نے اسے سونے نہیں دیا تھا۔ اس نے اپنے برابر میں خالی بستر دیکھا۔ اس نے دھیرے سے خالی بستر پر ہاتھ پھیرا۔ اسے موی کو دیکھے کئی ہفتے بیت چکے تھے وہ سسک اٹھی۔

بوجھل پلکوں اور سرخ انگارہ سی آنکھیں لیے اس نے وضو کیا تو پانی سے آنکھوں کو کچھ تقویت ملی بہت خشوع وخضوع سے نماز ادا کر کے، دعا کے وقت وہ شدتِ جذبات سے رو دی۔ وہ اپنے رب سے ایک ہی تکرار کیے جاتی تھی۔ موی کو دیکھ لینے کی۔

ناشتے سے فارغ ہو کر وہ موی کا انتظار کرنے لگی اسے اپنی دعا پر پورا یقین تھا آج چھٹی کا دن تھا اسکول تو جانا نہیں تھا۔ سو بے مقصد کمرے میں ٹہلنے لگی جب تھک گئی تو بستر پر ڈھے گئی۔ کوئی مشغلہ تو تھا نہیں لہٰذا پھر اٹھ کر مرے مرے قدموں سے کھڑکی تک آئی...... اوائل مارچ تھا بہت پُرسکون ہوا کے جھونکے نے اس کے چہرے کو چھوا، بالوں سے اٹکھیلیاں کیں...... کچھ آوارہ لٹیں چہرے سے چھیڑ چھاڑ کرنے لگیں۔ بالوں میں لگے مضبوط کچر نے بالوں کو باہم باندھ کر رکھا تھا۔

وہ کبھی کھڑکی پر ٹیکے دلفریب منظر کو آنکھوں میں جذب کرنے لگی۔ دلفریب مناظر سدا سے اس کی کمزوری تھے۔ ابھی وہ اس منظر سے لطف اندوز ہو ہی رہی تھی کہ نیچے موی ایک بیگ لے کر تیمور کی گاڑی سے اترتی نظر آئی وہ مارے خوشی کے گنگ ہی

یاد رکھنے کی باتیں

1۔ اپنے دکھوں کا حساب کرنے کے بجائے دوسروں کے الم شمار کریں تو تقدیر سے شکوہ نہیں رہے گا۔

2۔ کسی کو اپنا کہنے سے پہلے سوچ لو کہ تم اسے اپنائیت کا بھرپور احساس دلا سکو گے۔

3۔ عابد وہ نہیں جو شب و روز عبادت کرے بلکہ عابد وہ بھی ہے جو خدمتِ خلق میں مصروف رہے۔

4 اگر نیت صاف ہو تو منزل ضرور ملتی ہے۔

5۔ جس جگہ اچھی باتوں کی قدر نہ ہو وہاں خاموش رہو۔

6۔ تمنا کو دل میں ہرگز جگہ نہ دو کہ یہ گہرا زخم ہے۔

7۔ لامحدود آرزوئیں محدود زندگی کو عذاب بنا دیتی ہیں۔

8۔ ہماری شناسائیاں ہماری آزمائش ہیں اور آزمائش ہی زندگی ہے۔

مرسلہ: تمثیلہ لطیف، جوڑھالہ سیالکوٹ

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہوگئی، وہ کھڑکی سے ہٹ ہی نہیں پا رہی تھی پھر ایک جھٹکے سے وہ اس ٹرانس سے نکلی۔ مارے خوشی کے اس نے اوپر سے موی کو پکارا۔ موی نے سر اٹھا کر اسے دیکھا موی کی خوشی بھی دیدنی تھی اس نے رشی کی جانب فلائنگ کس اچھالی۔ جواباً اس نے بھی ایسا ہی کیا اس سے غیر ارادی اور بے اختیاری اس کی نگاہ تیمور پر جا پڑی جو بہت محویت سے سن گلاسز اتار کر اسے دیکھ رہا تھا، اس کی آنکھوں میں ایک دم ڈھیر سارے جذبے موجزن تھے تیمور نے اسے اور اس نے تیمور کو ایک مدت بعد دیکھا تھا...... وہ جھٹکے سے چونکی اور کھڑکی سے ہٹ گئی۔ تیمور بھی چونک گیا بہت مُردنی سے اس نے نگاہیں زمین پر گاڑیں اسے رشی کافی کمزور نظر آئی۔

وہ موی کو بے تحاشا چوم رہی تھی۔ نہ جانے آج زندگی میں پہلی بار اسے اپنے جذبات پر بند باندھنا مشکل لگ رہا تھا...... اس سب کے باوجود ایک لمحے کو تیمور کا سراپا اس کے دل و دماغ پر چھا گیا۔ وہ تیمور کے اس کی فیلنگز کے بارے میں کچھ بھی جج کرنے سے قاصر تھا۔

☆☆☆

''پتا نہیں کیوں آج کل آنٹی کی طبیعت خراب رہنے لگی ہے۔'' موی نے بہت عرصے بعد آج روما کا ذکر کیا تھا...... گردن موڑ کر اس نے موی کے چہرے کی معصومیت کو پڑھا۔

بولی کچھ نہیں، ٹوکا بھی نہیں وہ اتنے عرصے بعد آئی تھی۔ آج اسے ہر رعایت حاصل تھی۔ رشی اس طبیعت کی خرابی کی کچھ، کچھ سمجھ گئی تھی۔

''پیپرز کیسے ہوئے؟'' اس نے موضوع چن لیا تاکہ اس پر موی کو اٹکایا جاسکے۔

''اچھے ہوئے۔'' موی نے جھک کر ہینڈ کیری سے اپنے کپڑے نکالے جو اس نے شام کو پہننا تھے۔

''ممی آج پارک جائیں گی ناں......؟'' اس نے سوالیہ نگاہیں رشی پر گاڑھیں۔

''نہیں......!'' رشی نے انکار میں سر ہلایا۔

''کیوں ممی......؟'' موی کے چہرے پر اب تک معصومیت تھی۔

''تم اتنے دن بعد آئی ہو لگتا ہے برسوں بعد...... میں تم سے باتیں کرنا چاہتی ہوں، ایک ٹک پلکیں جھپکائے بغیر تمہیں دیکھنا چاہتی ہوں۔''

''اچھا...... جیسی آپ کی مرضی......'' وہ اب ہتھیار ڈالنے والی بچی بن گئی تھی یا شاید اسے حالات نے ایسا بننے پر مجبور کردیا تھا۔ وہ پورے دس دن اس کے ساتھ رہی، ان دس دنوں کو وہ مٹھی میں قید کرنے کی خواہش مند رہی...... جب دسویں روز تیمور کا فون موی کے سیل پر آیا۔ موی باتھ روم میں نہا رہی تھی...... رشی دھڑکتے دل اور پلکیں جھپکائے بغیر سیل کی اسکرین کو تک رہی تھی۔ وہ بالکل ساکت ہوگئی تھی...... اپنی ہارٹ بیٹ وہ اچھی طرح سن رہی تھی...... اور جب فون بند ہوگیا تو اس نے تیزی سے تیمور کی ہر مسڈ کال ڈیلیٹ کردی تھی اور موی کا سیل آف کردیا...... اس کا دل چاہا سیل فون کو کہیں چھپا دے وہ بہت دیر تک سیل کو خود سے لگائے آنکھیں میچے دھڑکتے دل کی صدا سنتی رہی۔ ریت میں سر ڈالنے سے طوفان ٹلا نہیں کرتے...... اس نے سیل واپس رکھا، اسے آن کیا اور کافی دور چلی گئی۔ اس کی چھٹی حس نے اسے بتادیا تھا کہ موی کا بلاوا آگیا ہے...... موی اس کے ساتھ بیٹھی کھانا کھا رہی تھی سب کچھ معمول پر آگیا تھا مگر وہ اندیشوں میں گھری خیالات کی دنیا ہی میں سفر کر رہی تھی اس نے تیمور کی کال کو دانستہ موی سے چھپا لیا تھا...... کھانے کے دوران ہی تیمور کی دوبارہ کال آگئی اور ساتھ ہی رشی کا دم حلق میں......

''جی...... نہیں، نہیں بابا...... کوئی کال مسڈ نہیں ہوئی...... جی میں شاور لے رہی تھی۔ نہیں بابا فون

آن تھا...... کسی نے سوئچ آف نہیں کیا......'' موی تیمور کے سوالات کا جواب دے رہی تھی اور رشی کی جان سولی پر اٹکی تھی۔ جوں ہی فون بند ہوا رشی چور نگاہوں سے موی کو تکنے لگی۔

''بابا کہہ رہے تھے انہوں نے فون کیا تھا پھر کسی نے میرا فون آف کردیا......'' موی سر جھکائے کھانے میں مصروف بتاتی جارہی تھی...... رشی کوشش کے باوجود کوئی جواب نہ دے پائی وہ کیا بتاتی کہ وہ ممتا کے ہاتھوں مجبور ہوکر بداخلاقی کی مرتکب ہوئی۔

''کیوں فون کیا تھا تمہارے بابا نے؟'' چند ثانیے خاموشی کی نذر ہوگئے پھر رشی نے گلا کھنکھارا۔

''آج رات وہ لینے آنے والے ہیں۔'' موی کے کہنے پر رشی کو لگا ملک الموت نے اس کی جان بری طرح اپنی مٹھی میں جکڑ کر کھینچی ہے۔

''نہیں، میں نہیں جانے دوں گی۔'' رشی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر ہذیانی انداز میں چیخ کر کہا۔

''نہیں موم...... میں آج تمہیں نہیں جانے دوں گی...... تم ایک مدت بعد آئی ہو......'' وہ رو پڑی۔

''اوکے ممی...... اوکے...... رات آنے میں ابھی بہت دیر ہے۔''

''نہیں، مجھ سے یہ پل نہیں کٹیں گے......'' وہ متواتر رو رہی تھی...... یہ پہلی بار ہوا تھا کہ رشی کو اپنے جذبات پر کنٹرول مشکل ہو رہا تھا۔

''اوکے ممی، میں بابا سے بات کرتی ہوں آپ کھانا تو کھائیں......'' موی سیل فون لے کر کمرے میں چلی گئی اور وہ کھانے سے ہاتھ کھینچ کر برتن سمیٹنے لگی۔ جب تک وہ تیمور کے ساتھ رہی تھی تیمور اس کے ساتھ بہت اچھا رہا تھا۔ اس اچھے دور میں بھی تیمور نے ہمیشہ اپنی چلائی تھی وہ عورت کی ضد ماننے کا قائل ہی نہ تھا۔

رات ٹھیک دس بجے موی کے سیل کی بیپ کے ساتھ ہی نیچے گاڑی کا متواتر ہارن بج رہا تھا...... اور رشی پھٹی آنکھوں سے موی کو رخصت ہوتا دیکھ رہی تھی۔ موی کا کچھ دن اور رک جانے کا مطالبہ تیمور نے سختی سے رد کردیا تھا جیسے موی نے یہ کہہ کر چھپالیا تھا کہ بابا فون پک نہیں کر رہے...... اس دفعہ موی کا سیل فون آف کرنے کا تاوان بڑا بھاری ادا کرنا پڑا یعنی آج تین مہینے سے وہ موی کی آواز اور شکل کو ترس گئی تھی۔ وہ جب بھی موی سے بات کرنا چاہتی اس کا سیل فون آف ملتا۔

☆☆☆

عورتیں چاہے ایوانوں تک پہنچ جائیں یا ملک کی باگ ڈور سنبھال لیں وہ مرد کے شانوں کے برابر کبھی کھڑی نہیں ہوسکتیں...... محض بکواس ہے کہ ہر قدم پر عورت مرد کے شانہ بہ شانہ ہے...... مرد شوہر کے روپ میں مجازی خدا...... جس میں سے لفظ مجازی نکال کر خود کو دنیاوی خدا سمجھنے لگتا ہے...... وہ چاہتا ہے کہ صرف اس کی سنی جائے، صرف اس کے فرمان کے سب تابع ہوں...... اس کا ہر حکم بجالایا جائے...... اس کے دستِ نگر یعنی ہر عورت محکوم وہ حاکم...... جب سے موی گئی تھی رشی ایک لمحے کے لیے بھی موی اور تیمور کے خیالات کو خود سے جھٹک نہیں پائی تھی۔ اسے تیمور پر بے پناہ غصہ بلکہ حد درجہ نفرت ہوگئی تھی۔ وہ فری پیریڈ میں اسٹاف روم میں سر جھکائے موی اور تیمور کے تانے بانے میں الجھی ہوئی تھی...... صرف اپنی بیٹی کو کچھ دن اور روک لینے کی خواہش میں اس نے موی کا سیل آف کیا تھا، جس کی سزا وہ تین مہینے سے موی سے دوری کی صورت میں بھگت رہی تھی...... اس نے پانی پینے کے لیے اٹھنا چاہا تبھی اس کا سیل فون بج اٹھا گردن موڑ کر دیکھا...... نمبر پر نام سیو نہ تھا مگر اس نمبر کو وہ اپنی یادداشت سے کھرچ نہ سکی تھی یہ نمبر تیمور کا تھا۔ لمحے بھر کو نفرت کی شدید لہر اس کی ریڑھ کی ہڈی میں گھس کر پیروں کے راستے

WWW.PAKSOCIETY.COM

earth ہوگئی تھی۔

"آج سے قبل مجھے اتنی شدید نفرت شاید کسی سے بھی نہیں ہوئی جتنی تم سے ہے۔" بہت دھیرے سے بڑبڑا کر اس نے user بزی کر دیا...... اس نے اپنی نفرت میں ایک لمحے کے لیے بھی یہ نہیں سوچا کہ گھر چھوڑ دینے کے بعد سے تیمور نے کبھی اسے فون نہیں کیا تھا یہ پہلی بار تھا...... اس نے حالات کی سنگینی کا احساس بھی نہیں کیا...... بلکہ بار بار تیمور کے فون کرنے پر وہ user busy کرتی رہی......

کچھ دیر بعد سکوت چھا گیا اس نے اطمینان کی سانس لی اور پانی پینے ڈسپنسر تک آئی کہ پھر فون بجنے لگا۔ اس نے اسکرین دیکھی اب کے فون موی کا تھا...... وہ ساکت کھڑی بار بار بجنے والی ٹون پر اسکرین پر اُبھرا موی کا نام دیکھتی رہی۔

بہت دیر سوچنے کے بعد بالآخر اس نے فون پک کر لیا تھا دوسری طرف تیمور تھا آواز میں گھبراہٹ تھی۔

"مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی۔" اس نے تیمور کی آواز سنتے ہی فون کاٹنا چاہا۔

"پلیز فون مت کاٹنا...... میری بات سن لو۔" تیمور ایک سانس میں بولا۔ "روما ایکسپائرڈ......" اس کی ہلکی سی چیخ نکلی۔" وہ ایکسپیکٹ کر رہی تھی کسی طرح اس کا بی پی کم ہو کے نہیں دے رہا تھا۔" تیمور کی آواز غم میں ڈوبی ہوئی تھی۔

"آج صبح بی پی اتنا شوٹ کر گیا کہ اسے برین ہیمبرج ہو گیا......" رشی کی آنکھیں پھیل گئیں۔

"ٹھیک ہے، میں آتی ہوں۔" اس نے تیمور کو زیادہ بولنے نہیں دیا۔ وہ اسکول سے ہاف لیو لے کر اٹھ گئی۔ وہ تیمور لاج کے گیٹ پر کھڑی تھی یہ گھر جو کبھی اس کا اپنا تھا...... آج اسے کتنا اجنبی لگا...... وہ اجنبیوں کی طرح آہستہ، آہستہ گیٹ سے لاؤنج میں جاتی روش عبور کر رہی تھی۔ ان برسوں میں گھر تقریباً تبدیل ہو کے رہ گیا تھا۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اردگرد اچٹتی نگاہ ڈال کر رہ گئی۔ گھر رشتے داروں سے بھرا ہوا تھا۔ اسے دیکھ کر تقریباً تمام نظریں اس کا طواف کرنے لگیں۔ اسے تقریباً سبھی کی looks بہت عجیب سی لگیں۔ جی چاہا حالات سے نظریں چرا کر بھاگ کر واپس پلٹ جائے کسی سے نظریں نہ ملائے...... لیکن مروت بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔

زندگی میں پہلی بار اس نے روما...... اپنی سوت کو دیکھا، وہ بھی کفن کے سفید براق لٹھے میں......

"وہ اتنی بری تو نہ تھی کہ جس سے نفرت کی جائے۔" اس کے چہرے پر پڑنے والی پہلی نگاہ ہی نے اس کا فیور کیا...... یوں بھی وہ مرنے والوں کے ساتھ کسی منفی جذبے کو اختیار کرنے کی قائل نہیں تھی۔

"روما حسن......" اس نے بہت آہستہ اسے مخاطب کیا پھر خود ہی اپنی تصیح کی۔ "روما تیمور...... میں نے تمہارے لیے اپنے دل میں کبھی اچھا گمان نہیں کیا۔ ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا۔ ایک مسلمان ہونے کے ناتے میں بھی تمہیں معاف کرتی ہوں۔"

وہ اسے ایک نظر دیکھ کر پیچھے ہٹ گئی۔ ہٹتے سے اس کی نظر روما کے سرہانے بیٹھی موی پر پڑی...... جو اشک بار آنکھوں سے دوپٹے کے ہالے میں لپٹی ننھی پری لگی۔ وہ اٹھ کر رشی سے گلے ملی...... رشی نے بہت دیر اسے بھینچے رکھا۔

پیاس تو پیاس تھی وہ بھی ممتا کی...... اتنی جلدی کیسے بجھ جاتی...... مگر اس نے جلد موی کو خود سے جدا کر دیا اور قریب بیٹھ کر سیپارہ پڑھنے لگی...... کچھ خواتین جا چکی تھیں اور کچھ میت کے ساتھ جانے والے مردوں کے انتظار میں بیٹھی تھیں...... لیکن ان سب کی خواہش یہی تھی کہ رشی کے پاس آ کر اس کے معاملات کی آگہی لیں...... کہ یہی دنیا اور اس کا چلن ہے۔ اس نے دانستہ کسی سے بھی آنکھیں چار کرنے کی کوشش نہیں کی بلکہ سر جھکائے سیپارہ پڑھتی رہی......

وہ جلد از جلد اس منظر نامے سے نکلنا چاہ رہی تھی لیکن یہ اس کی مجبوری تھی کہ وہ موی کو اس بھرے گھر میں بھی تنہا نہیں چھوڑ سکتی تھی جب تک کہ تیمور لوٹ کر نہ آجائے۔ پھر رفتہ رفتہ گھر خالی ہونے لگا موی اس کے برابر میں آ کر بیٹھ گئی اس نے موی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا...... جب اس نے لاؤنج میں تیمور کو آتے دیکھا تو اسے قدرے اطمینان ہوا۔

"موی!" اس نے اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں کے ہالے میں قید کیا۔ موی نے سر اٹھایا

"بیٹا میں چلتی ہوں۔" مبہم تاثرات سے موی نے اسے دیکھا۔

"میں چند دن بعد تمہیں اپنے پاس بلا لوں گی پھر ہم اکٹھے ہی رہیں گے۔" اس نے موی کی پیشانی چومی...... بہت خالی نظروں سے موی نے اسے دیکھا بولی کچھ نہیں...... وہ موی کے کمرے میں سے اپنا بیگ اٹھانے آئی جو موی نے اپنی وارڈ روب میں رکھ دیا تھا...... واپسی پر کسی سے بری طرح ٹکرائی۔ سر اٹھایا تو سامنے تیمور تھا۔ کچھ لمحے کے لیے وہ منجمد ہو گئی ہارٹ بیٹ شاید بے ترتیب بھی ہو گئی تھی آج برسوں بعد اس نے تیمور کو بہت پاس سے دیکھا تھا۔ پہلے تو وہ توازن برقرار نہ رکھ سکی مگر لمحوں میں سنبھل گئی پھر اس نے بچ کر نکل جانا چاہا۔

"رشی......" بہت گمبھیر مگر مدھم لہجے میں تیمور نے اسے پکارا۔ ایک طویل عرصے بعد بھی اسے تیمور کے منہ سے اپنا نام سننا بھی بھلا نہ لگا۔

"رشی......" اس کے دوبارہ پکارنے پر اس نے سوالیہ نگاہیں اس پر گاڑھ دیں۔

"کہاں جا رہی ہو؟" تیمور کے کہنے پر اسے جھٹکا تو لگا۔

"واپس اپنے گھر......" رشی کا سر جھکا ہوا تھا۔

"اپنے گھر؟" بہت دھیمے تیمور نے دُہرایا۔

"کیا تم موی کو اب دوبارہ چھوڑ جاؤ گی...... اب...... جبکہ وہ ہستی جسے تم نے اپنا حریف سمجھا وہ ابدی نیند سو چکی ہے......" نہ جانے کیوں...... تیمور کا یوں کہنا اسے ذرا اچھا نہ لگا۔ دل میں کوئی چیز...... بے آواز ٹوٹ گئی۔ وہ بولی کچھ نہیں کہ اب تو کم گوئی کی عادت اور پختہ ہو گئی تھی۔ اس نے راستہ بنا کر پھر نکلنا چاہا۔ تیمور دیوار بن گیا۔

"کیا تمہیں موی کے مستقبل کی کوئی فکر نہیں؟ اب جبکہ موی کو تمہاری زیادہ ضرورت ہے۔" وہ اب بھی چپ رہی۔

"کیا تم نے سوچا کہ ہم موی کی شادی کسی اچھی جگہ کر سکیں گے؟ لوگ دس سوال پوچھیں گے۔ ماں، باپ الگ کیوں رہتے ہیں؟" اور اس سوال پر واقعی وہ ڈھے گئی۔ بہت دکھی ہو کر سر اٹھا کر اس نے دوبارہ تیمور کو تکا۔

"جب تم نے جذبات کی بھٹی میں تپ کر دوسری شادی کی تھی تب سوچا تھا موی کا مستقبل؟ تب سوچا تھا کہ لوگ کیا کہیں گے؟ باپ نے بیٹی کے بجائے خود دولہا بننا زیادہ پسند کیا۔" اس کے لہجے اور جملے کی کاٹ سے تیمور کٹ سا گیا۔

"جو ہوا سو ہوا...... اسے ایک خواب سمجھو......"

وہ تیمور کو تکتی رہ گئی، یہ وہ تیمور تو نہ تھا...... یہ تو معاشرے کا ایک عام سا مرد تھا جو تمام خطائیں کر کے، گنگا نہا کر پوتر ہو چکا تھا۔

"تم مرد یہ کیوں سمجھتے ہو کہ تم سے خطائیں... سرزد نہیں ہو سکتیں، ہو جائیں تو قابلِ معافی ہوتی ہیں، تمہارے ہر فیصلے درست اور برحق ہوتے ہیں؟"

"یہ وقت ان باتوں کا نہیں۔" وہ اسے پکڑنے کو آگے بڑھا وہ تیزی سے نکل گئی۔ دروازے کی آڑ میں کھڑی سب سنتی ہوئی موی نے بہت بے چارگی سے اس کا آنچل تھاما۔

"ممی...... پلیز......"

"موی پلیز...... مت مجھے مجبور کرو......" اس

WWW.PAKSOCIETY.COM

نے نظریں جھکا کر ملتجی ہو کر آنچل چھڑانا چاہا۔

''میں آپ سے اور زیادہ دور نہیں رہ سکتی ممی...... پلیز میری خاطر......'' وہ روئی جدائی کے بعد پہلی بار مومی کو پھوٹ پھوٹ کر روتے دیکھ کر وہ ڈھے سی گئی۔ اولاد کے آنسو کتنی بڑی بیڑی ہوتے ہیں اسے آج سمجھ آ گیا۔

''تم میرے ساتھ چلو......'' وہ اب کسی سے بھی نظریں نہیں ملا پا رہی تھی سر جھکائے اپنے پیر کے انگوٹھے سے کارپٹ کھرچ رہی تھی۔

"mummy please stay here forever"، وہ ہچکیوں سے رونے لگی۔ ''آپ کو میری قسم......'' رشی نے تیزی سے مومی کے لبوں پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ یہ قسم نہ تھی، منہ زور سیلاب تھا جو رشی کے مضبوط ارادوں کو متزلزل کر کے بہائے جا رہا تھا اس نے بڑی شکستہ نظر تیمور پر ڈالی...... جس نے مومی کی صورت میں کامیاب ٹرمپ کھیلا تھا۔ وہ جانتی تھی تیمور کبھی اچھا شوہر رہا تھا لیکن اس سے کہیں بڑھ کر وہ ایک اچھا باپ تھا جو کسی حد تک ضدی اور ہٹ دھرم تھا جس نے بیوی کی جدائی تو قبول کر لی تھی لیکن بیٹی کی جدائی پر کوئی سودے بازی، کوئی کمپرومائز نہیں کیا تھا۔ وہ بھی اگر اپنی ضد اور ہٹ دھرمی سے واپس پلٹ جاتی تب بھی تیمور کو کوئی فرق نہیں پڑنے والا تھا۔ فرق تو اسے ہی پڑنا تھا اگر تیمور تمام زندگی اسے بیٹی کی شکل کے لیے ترسا دے......؟ وہ ایسا کر سکتا تھا بلکہ ایسا کر چکا تھا۔ وہ ایک مرد تھا...... اور مرد سے ہر سلوک ہر رویے کی توقع رکھی جا سکتی ہے۔ اس نے لمحے بھر کو مومی پر نظر کی...... جس کی آنکھوں سے برسات پھوٹی پڑ رہی تھی۔ ''کیا تم تاعمر مومی کے بغیر رہ لو گی؟'' دھیرے سے دل نے سرگوشی کی۔ اس کی آنکھیں ممکن حد تک پھیل گئیں سر خود بخود نفی میں ہل گیا پھر اگلے لمحے اس نے تیمور کو دیکھا۔ خود غرضی اور مطلب پرستی...... مرد کی صفت ہے، تیمور کو دیکھ کر ذرا بھی اس کا دل نہیں کھنچا...... محبت کی اس چادر کو تو وہ اسی دن اتار چکی تھی جب تیمور نے اس سے کہا تھا۔

"I fall in love with some one" اس نے پھر بیٹی کو تکا جس کے چہرے پر آس اور یاس کے سائے تھے۔ اس کی خواہش کو رد کر کے چلے جانا اس کے بس سے باہر ہو رہا تھا اور تیمور کو دیکھ کر اسے کراہیت کا احساس دگنا ہو رہا تھا۔ عورت کے دل سے جو اتر جائے وہ دوبارہ نہیں چڑھتا کیونکہ عورت محبت کی پریکٹس بار بار کبھی نہیں کرتی اس کا ایمان...... first sight love پر بہت پختہ ہوتا ہے۔ اس نے ہولے سے بیٹی کے آنسو پونچھے...... اسے لگا بہت پختہ عمارت لمحے بھر میں زمیں بوس ہو گئی ہو، اس کی بیٹی کی محبت جیت گئی۔ اس کے اصول، اس کی انا ڈھیر ہو گئی اور پھر سب سے بڑھ کر اب وہ وجہ وہ جواز ختم ہو چکا تھا جس نے اسے گھر چھوڑنے ...... پر مجبور کیا تھا۔ اس نے مومی کو لپٹا کر زور سے بھینچا۔

''تمہاری محبت میں، میں نے منافقت کی اوڑھنی اوڑھنا منظور کر لی ہے۔'' لبوں کو ہلائے بغیر اس نے سوچا اور ایک اچٹتی نگاہ تیمور پر ڈالی۔ جو اس کی اندرونی کیفیت سے بے خبر اس کے رک جانے پر، اپنی کامیابی پر مسکرا رہا تھا۔

کمرے میں مومی کی سسکیاں اب بھی اوور لیپ ہو رہی تھیں جو شاید بہت زیادہ خوشی کا اظہار کر رہی تھیں اور اسے لگ رہا تھا کہ وہ کئی خانوں میں بٹ کر اپنی شناخت کھو چکی ہے۔ وہ معلوم سے نامعلوم کی سمت پرواز کر رہی ہے نہ تو وہ رشا افتخار رہی نہ رشی تیمور وہ تو کائنات میں موجود بلیک ہول بن گئی ہے پُراسرار نامعلوم، غیر دریافت شدہ بلیک ہول......

WWW.PAKSOCIETY.COM

یہ زندگی کے راستے

عقیلہ حق

رات کا پچھلا پہر تھا...... محلّہ ہی کیا سارا شہر ہی اندھیرے اور گہری نیند میں ڈوبا ہوا تھا۔ سارے گھر میں ایک عجیب سی روتی بلکتی، آہیں بھرتی، سسکتی ہوئی افراتفری پھیلی ہوئی تھی۔ صحن کی دیوار سے لگی وہ عورت حیران نظروں سے چند لمحوں میں بسے بسائے گھر سے یک دم مکان بن جانے والے در و دیوار کو گھور رہی تھی...... گھر کا ہر فرد حیران تھا...... پریشان تھا...... ایک الجھن تھی...... اب کیا

WWW.PAKSOCIETY.COM

Shan
Nutra Plus

ہوگا......؟ دنیا کے کس، کس سوال کا جواب دیں گے...... کہ سوال سارے گھر میں گردش کررہے تھے...... لیکن "وہ" بہت مطمئن تھا۔ وہ جانتا تھا...... اس نے جو کیا بالکل درست کیا...... شاید اسے یہی کرنا چاہیے تھا۔

کیونکہ وہ سمجھتا تھا کہ گھر نام ہے میاں...... بیوی کی محبت بھری رفاقت سے بنے درودیوار کا...... اور اس کا گھر......؟ وہ سوچنا بھی نہیں چاہتا تھا...... لیکن سوچ رہا تھا۔

☆☆☆

"دیکھو بھئی شیدے، میں تیری بیوی کے ہاتھوں بہت ہی تنگ آگئی ہوں...... دل چاہتا ہے اس کا تو کام کرتی ہے، دل نہیں چاہتا تو کمرے سے باہر ہی نہیں نکلتی...... تو نے بہت سر چڑھا رکھا ہے اس کو۔" رضیہ نے گھر میں داخل ہوتے ہی اپنے اکلوتے بیٹے عبدالرشید سے کہا۔

"چھوڑ اماں، نہیں کرتی تو نہ کرے...... ایک دن کام نہ ہوگا تو قیامت تھوڑی آجائے گی......" عبدالرشید نے ہمیشہ کی طرح بیوی کی حمایت کی۔

"ارے کیا ہر وقت اس کی حمایت کرتا رہتا ہے...... مرد بن مرد...... اسی طرح کرتا رہا تو ایک دن تجھے دہلیز پر بٹھا کر روٹی دے گی۔" رضیہ نے بیٹے کے آگے چنگیر میں روٹی اور پلیٹ میں سالن رکھتے ہوئے جلے بھنے انداز میں کہا۔

"اماں کو تو خواہ مخواہ کی چڑ ہو گئی ہے بھولی سے، اتنی اچھی ہے، مجھ سے اتنی محبت کرتی ہے، نہیں کرتی کام نہ کرے، اللہ مجھے اس کے نصیب سے اتنا دے کہ میں گھر میں نوکرانیاں کھڑی کردوں...... وہ مجھ سے پیار کرتی ہے میرے لیے بس یہی کافی ہے۔" عبدالرشید نے روٹی کا نوالہ توڑ کر پتلے سے شوربے میں ڈبو کر منہ میں رکھتے ہوئے جیسے اپنے آپ سے کہا۔

"میں تو بہو لائی تھی کہ میرے بیٹے کا خیال رکھے گی...... میری خدمت کرے گی...... پر یہاں تو بیٹے کا بس نہیں چلتا کہ اسے گود میں اٹھائے پھرے...... جس کا میاں اتنا غلام ہو وہ عورت نخرے تو دکھائے گی ہی...... باپ کا تو عبدالرشید تجھ پر پرچھاواں بھی نہیں پڑا......" رضیہ نے بیٹے کے چہرے پر پھیلتی سوچ کو جیسے پڑھتے ہوئے اپنے آپ سے کہا۔

☆☆☆

عبدالرشید کی محلے میں ایک چھوٹی سی کریانے کی دکان تھی...... گھر کا روکھا سوکھا گزارہ ہوجاتا تھا...... اللہ بھوکا اٹھاتا ضرور تھا لیکن بھوکا سلاتا نہیں تھا۔

جب رضیہ کے دل میں عبدالرشید کی شادی کا ارمان جاگا تو اس کی نظر بھولی پر جا ٹکی...... بڑی بڑی غلافی آنکھوں والی سرخ و سفید نازک سی بھولی رضیہ کی سگی بھانجی تھی۔ جب رضیہ نے بھولی کے بارے میں عبدالرشید سے پوچھا گو عبدالرشید نے کبھی اس نظر سے بھولی کے بارے میں سوچا بھی نہیں تھا...... لیکن اسے ایسا لگا جیسے وہ تو جنم، جنم سے بھولی کا دیوانہ ہے...... سو اس نے اتنی جلدی ہامی بھری کہ رضیہ کا بے ساختہ قہقہہ نکل گیا اور یوں بھولی...... عبدالرشید کی زندگی میں ایک خوشگوار جھونکے کی طرح شامل ہوگئی۔

شادی کی پہلی رات عبدالرشید نے منہ دکھائی میں بھولی کے قدموں میں اپنا دل رکھ دیا...... اور بھولی نے بہت بھولپن سے عبدالرشید کے دل پر اپنی سنہری زری والی جوتی رکھ دی۔

بھولی کا باپ نہیں تھا اور اس کی ماں نے فاقوں اور کھاتوں کو توازن میں رکھتے ہوئے بڑی محنت اور مشکل سے اسے پالا تھا...... عبدالرشید کے گھر کے حالات بھولی کے میکے حالات سے بہت بہتر تھے۔ سو عبدالرشید کے ساتھ ساتھ بھولی بھی اس شادی پر

خوش تھی۔

بھولی کو کپڑے لتے، زیور کھانے پینے ہر چیز کا شوق اور خواہش تھی...... سو شادی کی پہلی رات اس نے خاموش زبان سے اپنی خواہش عبدالرشید کے دماغ میں بٹھادی...... جسے عبدالرشید نے خوشی، خوشی منظور کرلیا تھا۔

☆☆☆

"بھولی...... سو رہی ہو کیا؟" عبدالرشید نے مسہری پر کروٹ لیے لیٹی لاڈلی بیوی سے محبت بھرے لہجے میں پوچھا۔

"کیا ہوا؟" عبدالرشید نے کوئی جواب نہ پاکر تشویش بھرے انداز میں اس کے پیروں کے پاس جگہ بنا کر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"کر آئے میری برائیاں؟" بھولی نے روٹھے، روٹھے لہجے میں کہا۔

"ارے چھوڑو میری جان...... اماں کی باتوں کا برا کیوں مانتی ہو۔ وہ تو ایسے ہی بولتی رہتی ہیں پر دل کی بری نہیں ہیں۔ آخر اماں نے ہی تو تمہیں میرے لیے پسند کیا تھا۔" عبدالرشید نے ناراض روٹھی، روٹھی بیوی کو منانے کی کوشش کی۔

"اونہہ! دل کی بری نہیں ہیں، میں نے نیا لان کا سوٹ کیا صبح پہن لیا، بڑی بی کے تو پتنگے ہی لگ گئے...... دس ہزار نصیحتیں کرنے بیٹھ گئیں۔ پیسہ احتیاط سے خرچ کرو...... میرا شیدا بڑی محنت کرتا ہے۔ ہونہہ محنت کرتا ہے تو کرے، سارے ہی مرد کرتے ہیں کوئی اس کا بیٹا دنیا کا واحد مرد تو نہیں ہے جو کام پر جاتا ہے۔" بھولی نے چکن تکے کے ساتھ انصاف کرتے ہوئے جیسے اپنے آپ سے کہا۔

آج صبح ہی بھولی نے اس سے فرمائش کی تھی...... سو ہمیشہ کی طرح آج بھی وہ ٹفن میں چھپا کر اس کے لیے چٹخارے دار چکن تکہ لایا تھا اور بھولی کو مزے لے، لے کر کھاتے ہوئے لمحے بھر کے لیے بھی یہ خیال نہیں آیا تھا کہ اس کے محنتی شوہر نے پتلے شوربے میں باسی روٹی بھگو بھگو کر کھائی ہے۔

☆☆☆

"شیدے......" بھولی نے عبدالرشید کے سینے پر سر رکھتے ہوئے ایک ناز بھرے انداز میں کہا۔

"ہاں میری لاڈو...... بول۔" شیدے نے اس کی وارفتگی پر نثار ہوتے ہوئے ساری فکروں کو یک لخت ذہن سے پرے جھٹکتے ہوئے خوشگوار موڈ میں کہا۔

وہ بھولی کا دیوانہ تھا۔ یہ بات سب کے ساتھ ساتھ بھولی بھی بہت اچھی طرح جانتی تھی...... سو وہ اس کی محبتوں اور وارفتگیوں کو استعمال کرنا بھی جانتی تھی اور ان سے فائدہ اٹھانا بھی......

"میری سہیلی ہے ناں خالدہ......" بھولی نے ایک ادا سے سینے سے سر اٹھا کر تکیے پر سر رکھے شیدے کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"یاد نہیں آرہا......" بھولی نے شیدے کی آنکھوں میں الجھن دیکھ لی تھی۔ وہ ایسی ہی تھی، شیدے کی نبض شناس، ایسے ہی تو وہ اسے اپنی انگلیوں پر نہیں نچاتی تھی۔

"ارے وہی خالدہ جو میری اماں کے برابر والے گھر میں رہتی تھی۔ جس کا میاں دبئی چلا گیا تھا...... جس کی بھوری آنکھیں ہیں اور جو ذرا بھی خوب صورت نہیں ہے......" بھولی نے شیدے کو یاد دلانے کے لیے تقریباً سارے ہی حوالے دے ڈالے۔

"یاد آیا......؟" بھولی نے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں، ہاں یاد آگیا، اب بھی نہ یاد آتا کیا، بس تو نے اس کی تاریخ پیدائش نہیں بتائی باقی سب کچھ تو اس کے بارے میں بتا ہی دیا۔" شیدے نے بے ساختہ آنے والی مسکراہٹ کو چھپاتے ہوئے کہا۔

"اس کا میاں دبئی سے اس کے لیے بہت سارا

WWW.PAKSOCIETY.COM

سامان لایا ہے۔ میک اپ بہت سارے ریشمی کپڑے، کمبل، پرفیوم، چپلیں، چاکلیٹ...... بہت اترا رہی تھی کلو پری...... اور پتا ہے وہ بتا رہی تھی کہ پرفیوم تو ایسا ہے کہ اگر کپڑے دھو بھی لو تو خوشبو نہیں جاتی...... شیدے مجھے بھی ایسا پرفیوم لا دے اور ہاں وہ بہت خوشبو والے صابن بھی لایا ہے...... صابن ایسے ہیں اگر ان سے نہاؤ تو ایسا لگتا ہے جیسے سارے بدن پر خوشبودار کریم مل دی ہو...... وہ کہہ رہی تھی ایک صابن مجھے بھی دے گی...... میں نے تو صاف منع کر دیا، ایک صابن سے کیا ہوتا ہے...... دینا تھا تو کوئی جوڑا دیتی یا پرفیوم کی بوتل...... کنجوس کہیں کی......" بھولی کے لہجے میں حسد اور لالچ کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔

"بس شیدے مجھے بھی وہ سارا سامان چاہیے......" بھولی نے آنکھوں میں آنسو بھرتے ہوئے خاموش بیٹھے عبدالرشید سے فرمائش کی۔

"پر بھولی...... اس کا میاں تو دبئی سے لایا ہے ناں سارا سامان......" عبدالرشید کی زبان میں مجبوری ہکلائی۔

"تو کیا ہوا جو محنت کرے، اس کے لیے پاکستان ہی دبئی ہے اور پاکستان ہی امریکا......" بھولی کے انداز میں ضد تھی۔ "مجھے نہیں پتا...... میں کچھ نہیں جانتی...... مجھے بھی ہر چیز چاہیے...... اماں کہتی تھی، سسرال جا کر عیش کیجیو۔ مجھے تو یہاں بھی ایک، ایک چیز کو ترسنا پڑ رہا ہے۔" اب بھولی رو...... رہی تھی اور اس کا ایک، ایک آنسو عبدالرشید کے دل میں چھالا بنا رہا تھا۔

☆☆☆

"بھولی کب خوش ہوگی اور کیسے خوش ہوگی...... میں اب اس کے لیے کیا کروں...... مجھے بھولی سے بہت محبت ہے، وہ ہنستی ہے تو مجھے لگتا ہے زندگی ہنس رہی ہے۔ وہ روتی ہے تو ساری کائنات سسکتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ میں انشاء اللہ رات دن محنت کروں گا اور اس کی ایک، ایک خواہش پوری کروں گا۔ زیور، کپڑا، خوشبو، پھول جو کچھ...... اسے چاہیے میں اس کے قدموں میں ڈھیر کروں گا۔ میرا بس چلے تو میں اپنی چمڑی کا جوتا تک بنوا کر اس کے پیروں میں سجا دوں۔"

"2800 روپے!" وہ جو اپنے خیالات کے گھوڑے سرپٹ دوڑا رہا تھا۔ دکان دار کی آواز پر جیسے حقیقت میں آ کھڑا ہوا۔

"2800 ؟" اس نے رائل پرفیوم کی بوتل اٹھا کر آنکھوں کے قریب لے جا کر دیکھتے ہوئے سوکھے حلق سے سوال کیا۔

"جی...... 2800 روپے، یہ دبئی کا بالکل اوریجنل پرفیوم ہے ویسے تو اس کا دو نمبر بھی ہے ہمارے پاس۔۔ اگر آپ کہیں تو وہ دکھا دوں؟" دکاندار نے اس کے چہرے پر پھیلی 2800 روپے کی اہمیت بھانپ لی تھی۔

"نہیں، نہیں...... یہی دے دو۔" اس نے جیب سے ہزار، ہزار کے پانچ نوٹوں میں سے تین نکال کر کاؤنٹر پر رکھتے ہوئے کہا۔

ابھی اسے دو ہزار روپے میں ایک ریشمی جوڑا بھی لینا تھا۔ اس نے پانچ ہزار میں سے بچ جانے والے آخری دو نوٹوں کو جیب میں رکھتے ہوئے سوچا۔ یہ پانچ ہزار وہ بازار میں بیٹھنے والے ایک آدمی سے سود پر لایا تھا جس کا یہی کاروبار تھا۔ جس پر اسے پانچ سو مہینہ سود ادا کرنا تھا۔

"پانچ سو روپے مہینہ کا اضافی خرچہ تو نے اپنے ذمے لے لیا ہے...... اب کیا کرے گا تو......؟" کوئی اس کے اندر سے پوچھ رہا تھا۔

"اللہ مالک ہے...... آج میری بھولی تو خوش ہو جائے گی کم از کم...... آگے کی آگے دیکھی جائے گی۔"

اس نے خوشی، خوشی دکان کا گلاس ڈور کھول کر باہر نکلتے ہوئے جیسے اپنے آپ سے کہا کہ اسے گھر پہنچنے کی جلدی تھی...... کل رات کو روتی ہوئی بھولی کو وہ ہنستا ہوا دیکھنا چاہتا تھا۔

☆☆☆

"بس ایک جوڑا......؟" بھولی نے مسہری پر پھیلے سرخ اور اورنج کنٹراسٹ کے ریشمی جوڑے کو دیکھتے ہوئے منہ بنا کر کہا۔

"اور یہ پرفیوم بھی تو ہے......" عبدالرشید نے تھیلے میں سے دوسرا سرپرائز نکالا۔ اب تو یقیناً بھولی کی خوشی کے مارے چیخ نکل جائے گی۔ دکاندار کہہ رہا تھا کہ چار دفعہ بھی جوڑا دھل جائے تو خوشبو نہیں جاتی۔" عبدالرشید نے امید بھرے انداز میں بھولی کی طرف دیکھتے ہوئے جیسے اپنے آپ سے کہا۔

"بس......؟" بھولی نے پرفیوم کی بوتل پکڑتے ہوئے کہا اور عبدالرشید کو ایسا لگا جیسے امید...... خوشی...... محبت...... خواہش کے سارے مینار دھڑ، دھڑ کر کے اس پر آ گرے ہوں اور وہ ان کے نیچے دبتا چلا جا رہا ہو۔ اسے سانس لینے میں تکلیف سی محسوس ہونے لگی تو کمرے سے باہر چلا آیا۔ لوگ کہتے ہیں مرد روتے نہیں ہیں...... لیکن اس رات کی فضا گواہ تھی کہ مرد بھی روتے ہیں۔

☆☆☆

نیلا اور سی گرین لان کا نیا سوٹ، شانوں پر لہراتا ہم رنگ کرنکل جارجٹ کا دوپٹا...... دونوں ہاتھوں میں بھری سرخ مینے کی چوڑیاں، گلے میں جھولتی نیکلس...... ہاتھ میں پکڑی آئس کریم کھاتی بھولی کو تنقیدی نظروں سے رضیہ نے سر سے پیر تک دیکھا۔

"اری بھولی اپنے خرچے کم کر، میرا بچہ رات دن کولہو کے بیل کی طرح محنت کرتا ہے اور تو یوں اڑاتی ہے...... تجھے ذرا بھی خیال نہیں، آخر کیسی عورت ہے تو......؟" رضیہ بیگم نے غصے سے کھولتے ہوئے اپنی لاڈلی بھانجی کو گھر کا جو بہو کے روپ میں اسے قطعی نہ بھائی تھی۔

"کرتا ہے محنت تو کرے...... پہلے چھ بجے دکان بند کرتا تھا اب ایک، ایک بجے تک کھولے بیٹھا رہتا ہے تو بیٹھے...... میں کیا کروں...... وہ مرد ہے میرا...... میں ذمے داری ہوں اس کی...... اٹھائے میری ذمے داری، نہیں اٹھا سکتا تو شادی نہ کرتا...... میں تو اسی طرح روز روز چکن تکے اور نہاری، ربڑی کھاؤں گی، نئے نئے جوڑے پہنوں گی، بڑھیا جلتی ہے تو جلتی رہے۔" وہ دل ہی دل میں کہے چلی گئی۔

"ارے میں نے کچھ کہا ہے اور تو خاموش کھڑی نہ جانے اپنے باپ کی کون سی فصلوں کا

سسپنس، سرگزشت، پاکیزہ، جاسوسی
سول ایجنٹ برائے یو۔اے۔ای
WELCOME BOOK SHOP
وَیلکم بُک شاپ
پی او بکس: 27869 کرامہ، دبئی
فون: 04-3961016 فیکس: 04-3961015
موبائل: 050-6245817 ای میل: welbooks@emirates.net.ae

معیاری کتابوں کا اعلیٰ مرکز
WELCOME BOOK PORT
وَیلکم بُک پورٹ
ریٹیل، ہول سیل، ڈسٹری بیوٹر، پبلشر، ایکسپورٹر
مین اردو بازار۔ کراچی
فون: 32633151, 32639581 (21-92) فیکس: 32638086 (21-92)
ای میل: welbooks@hotmail.com
ویب سائٹ: www.welbooks.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

حساب لگا رہی ہے۔" رضیہ بیگم کی آواز بھولی کو سوچ کی وادیوں سے کھینچ کر باہر لائی۔

"ارے بھئی خالہ تم کیوں پریشان ہوتی ہو، میں اچھے کپڑے پہنتی ہوں، خوش ہوتی ہوں تو تمہارا بیٹا بہت خوش ہوتا ہے...... اور خالہ فکر کرنا چھوڑو، اللہ میرے نصیب سے تمہارے بیٹے کو دے رہا ہے تو جب میرے نصیب سے آرہا ہے تو مجھ پر خرچ بھی ہونے دو...... تم کیوں رات دن ہلکان ہوتی رہتی ہو۔" بھولی نے بدتمیزی کی آخری حد پر کھڑے ہو کر کہا اور غصے سے بڑبڑاتی ساس کو نظر انداز کرتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی۔ یہ سوچے بغیر کہ نصیب کو بدلتے لمحے لگتے ہیں اور جب لاکھ سے خاک ہوتے ہیں تو کیا ہوتا ہے۔ بھولی نہیں جانتی تھی لیکن تقدیر...... تقدیر جانتی بھی تھی اور ثابت بھی کر سکتی تھی۔

☆☆☆

"اماں ابھی دوا دارو اور پرہیز سے علاج کروانے دو بعد ا نجیو پلاسٹی بھی کروالیں گے...... اب میری طبیعت بہتر ہے۔" عبدالرشید نے آنسو چھپاتی ماں کو تسلی دی۔

"ارے کیا خاک طبیعت بہتر ہے، تیرا چہرہ پیلا پڑ رہا ہے ارے میں تیری زندگی کے لیے بھیک مانگنے کے لیے بھی تیار ہوں......" رضیہ بیگم نے جوان بیٹے کو اسپتال کے بیڈ پر...... لیٹے دیکھ کر دلگرفتگی سے کہا۔ ا نجیو گرافی میں ہی کافی پیسہ لگ گیا تھا۔

"اللہ نہ کرے...... اماں ایسا وقت آئے...... کسی سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔" عبدالرشید نے ہمت کی بلندیوں کو چھوتے ہوئے ماں کو سمجھایا۔

"ارے بیٹا میں کیا کسی سے مانگوں گی، پر تجھے پتا ہے، بھولی نے مجھے کیسے ٹکا سا جواب دیا ہے......؟" رضیہ بیگم نے غصہ دباتے ہوئے... عبدالرشید کو بتانا چاہا۔

"چھوڑو اماں، وہ تو بے وقوف ہے، میں کچھ جاننا نہیں چاہتا۔" عبدالرشید نے اسٹینڈ پر لگی قطرہ قطرہ گرتی ڈرپ پر نظریں جماتے ہوئے آنکھ سے گرتے آنسو کو روکنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"بھولی...... میرا عبدالرشید مر جائے گا بیٹا...... ڈاکٹر دل کے آپریشن کو کہہ رہے ہیں، ڈھائی لاکھ کا خرچہ ہے...... بیٹا اپنا زیور مجھے دے، دے......" رضیہ بیگم نے لجاجت سے بھولی سے کہا تھا۔

"خالہ عبدالرشید تمہارا ہی نہیں میرا بھی ہے...... موت و زندگی اللہ کے ہاتھ میں ہے...... ڈاکٹر کہہ تو رہے ہیں ابھی آپریشن کروالو یا۔ کچھ عرصے بعد تو جب سال بھر بعد آپریشن ہو سکتا ہے تو میں اپنی چوڑیاں کیوں دوں...... تم فکر نہ کرو خالہ... عبدالرشید مجھ سے اتنی محبت کرتا ہے کہ وہ میرے ہاتھ میں پڑی چوڑیاں دیکھ کر ہی ٹھیک ہو جائے گا...... لہٰذا تمہاری ممتا کو خوش کرنے کے لیے کم از کم میں اپنی چوڑیاں تو نہیں دے سکتی...... سارا زیور بک گیا اب یہ چار چوڑیاں رہ گئی ہیں، یہ بھی بیچ دوں؟"

"بے وقوف......!" عبدالرشید نے بھولی اور اماں کی باتوں کو ذہن میں دُہراتے ہوئے زیرلب کہا... اور سینے میں اٹھتی درد کی لہر کو صبر کے گھونٹ کے ساتھ برداشت کر لیا۔

☆☆☆

عبدالرشید کا جنرل اسٹور ٹھیک ٹھاک آمدنی دینے لگا تھا لیکن کہتے ہیں ناں...... تقدیر کا کیا بھروسا...... خدا کسی کی بنی ہوئی نہ بگاڑے...... شہر میں ہونے والے فسادات کی زد میں عبدالرشید کا اسٹور بھی آگیا، شرپسندوں نے کئی دکانوں کے ساتھ ساتھ اس کے اسٹور کو بھی جلا کر خاک کر دیا...... اور عبدالرشید جو دن رات کی محنت کے باوجود کھڑا نہیں ہو پا رہا تھا زمین پر ہی بیٹھ گیا...... سارا مال و متاع اور بچت جو وہ اسٹور کی خفیہ درازوں میں چھپا کر رکھتا تھا جل کر خاک ہو گئیں۔

گھر میں دروازہ توڑ کر سیلاب کی طرح داخل ہونے والی پریشانی، بازار کے قرضے اور لوگوں کے تقاضوں نے عبدالرشید کو دل کے دورے کی صورت بستر پر لا پھینکا۔

وہ مرد تھا...... ایک ایسا مرد جس نے بچپن ہی سے تنگی دیکھی اور پھر محنت کو زندگی کا شعار بنا لیا اور اس محنت کی عادت نے اسے ایک بار پھر کھڑا کر دیا تھا۔

☆☆☆

"آج مکان دار آیا تھا......" عبدالرشید تھکا ہارا جیسے ہی گھر میں داخل ہوا برتن دھوتی بھولی نے پیچھے سے غصے میں آ کر کہا۔

عبدالرشید کی دکان کا مال تو شرپسندوں نے جلا دیا...... لیکن آدھا مال تو وہ تھوک مارکیٹ سے ادھار اٹھاتا تھا...... اور بہت سا قرضہ بھولی کی خواہشات کو پورا کرنے کے لیے اس کے کاندھوں پر تھا۔ سو رضیہ بیگم کے مشورے سے اس نے دکان بیچ کر سارے قرضوں سے جان چھڑائی اور اب وہ ڈیلی ویجز پر ایک گارمنٹ فیکٹری میں کام کر رہا تھا۔

"اچھا تو کہہ دیتیں اگلے مہینے دے دیں گے۔" عبدالرشید نے پھولی ہوئی سانسوں کے ساتھ صحن میں بچھے تخت پر بیٹھتے ہوئے رسان سے کہا۔

"کب تک اگلے مہینے...... اگلے مہینے کہتی رہوں......؟ میں تو روز روز کی ذلت اور فاقہ مستی سے تنگ آگئی ہوں، سارا دن کام کرو...... اور پھر نہ پہننے کو اور نہ کھانے کو۔ روز دال، سبزی...... روز دال، سبزی...... حد ہو گئی ہے صبر کی بھی۔" بھولی تو غصے سے ایسے بپھری کہ عبدالرشید کو کانوں پر ہاتھ رکھنے پڑے۔

☆☆☆

"اتنی دیر سے آیا ہے شیدے...... میں اور بھولی اتنی دیر سے پریشان ہو رہے تھے۔" روز پانچ بجے آنے والا عبدالرشید جب رات کو گیارہ بجے تھکے قدموں اور جھکے ہوئے سر کے ساتھ گھر میں داخل ہوا تو...... ماں نے تڑپ کر پوچھا۔

"کچھ نہیں اماں...... اب میں روز اسی وقت آیا کروں گا...... فیکٹری کے بعد میں نے ایک دکان پر سیلز مین کی نوکری کر لی ہے......" عبدالرشید نے میلے کپڑوں میں کچن میں کھانا گرم کرتی بھولی کی پشت کو دیکھتے ہوئے پھولی ہوئی سانسوں کے ساتھ کہا۔

جب سے دل کی تکلیف نے دامن پکڑا تھا۔ اس کی سانس بہت پھولتی تھی اور سانس کے پھولنے کو بعض اوقات عبدالرشید اپنے لیے اللہ کی نعمت ہی تصور کرتا کہ بہت سے وہ الفاظ جو منہ سے ادا کرنے مشکل ہوتے، پھولی ہوئی سانسوں میں مدغم ہو جاتے...... اس طرح اس کا بھرم ہی رہ جاتا تھا۔

"کیوں بیٹا...... دو...... دو نوکریاں کیسے کرے گا، تیری تو ویسے ہی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی......؟" ماں کی ممتا بلبلائی۔

"نہیں اماں یہ ضروری تھا...... مکان کا کرایہ اور گھر کے چھوٹے موٹے خرچے ہی ادا ہو جائیں گے۔"

"بالکل ٹھیک کہا عبدالرشید نے" ان بڑی بی کا کیا...... اپنی تو ساری زندگی گزار دی...... اب چاہتی ہیں ہم سسکتے ہوئے کیڑے مکوڑوں کی طرح زندہ

Personality Development Dr. Online

ا۔ مضبوط قوت ارادی کے ساتھ پراعتماد اور کامیاب زندگی گزارنا آپ کا حق ہے
۲۔ آپ ہماری رہنمائی میں اپنی شخصیت کی خامیاں دور کر کے اپنا یہ حق حاصل کر سکتے ہیں۔
۳۔ Suggesion کی مشقوں کے ذریعہ احساس کمتری دور کر کے خود اعتمادی حاصل کریں۔ کامیاب زندگی گزاریں۔
۴۔ مسمریزم کی مشقوں کے ذریعے (صرف 27 دن میں) بے پناہ قوت ارادی حاصل کریں۔ ارادے کی قوت سے آپ جو چاہیں حاصل کر سکتے ہیں۔
۵۔ علم النفس کی مشقوں کے ذریعے دل دماغ کو پرسکون کر سکتے ہیں۔ مراقبہ کر سکتے ہیں اور ماورائی قوت حاصل کر سکتے ہیں۔
۶۔ مثبت انداز زندگی سیکھ کر آپ بہتر ازدواجی اور معاشرتی زندگی گزار سکتے ہیں خاندان اور معاشرے کے ہر دل عزیز فرد بن سکتے ہیں۔
۷۔ اپنے Depression اور Anxiety کو (Medicine & Psychotherapy) کے ذریعے دور کر کے اپنے اندر کی اداسی مایوسی ناامیدی بے چینی بے خوابی غصہ چڑچڑا پن ذاتی اور ازدواجی زندگی میں ناکامی پر قابو پا کر ایک پرسکون اور کامیاب زندگی گزار سکتے ہیں۔
۸۔ اپنے روحانی مسائل کے حل اور وظائف کے حصول کے لئے بھی رابطہ کر سکتے ہیں۔ ہر طرح کی نفسیاتی اور جسمانی کمزوری کے لئے Alternative Medicines بذریعہ ٹیلی فون ای میل ایس ایم ایس منگوائی جا سکتی ہیں

ڈاکٹر محمد لطیف شاہین
ایم بی بی ایس (بی ایس سی آنرز)
رابطہ اور فیس شیڈول کے لئے
صبح 11 تا 1 بجے تک رات 8 تا 10
03216528001
email: dr.muhammadlatifshaheen@gmail.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

رہیں...... بالکل ٹھیک فیصلہ کیا عبدالرشید نے...... اچھا ہے یہ فیصلہ خود عبدالرشید نے کرلیا...... ورنہ میں خود اس سے کہتی......" وہ بیمار شوہر کے اس فیصلے پر دل ہی دل میں خوش ہوئی۔

"میں نے ٹھیک کیا ناں بھولی؟" عبدالرشید نے سالن پلیٹ میں نکالتی بھولی سے اس آس اور امید کے ساتھ پوچھا کہ شاید وہ کہہ دے "نہیں شیدے، میں بھوکی رہ لوں گی...... روکھی سوکھی کھالوں گی...... میں سلائیاں کرلوں گی لیکن تو اپنی جان پر اتنی مصیبتیں نہ اٹھا۔

اور بھولی جو اپنی ہی سوچوں میں غرق تھی...... عبدالرشید کے سوال پر جیسے چونک اٹھی اور اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"بالکل ٹھیک کیا۔"

☆☆☆

اور گھر کی چھوٹی بڑی ضرورتوں کو پورا کرنے میں بیمار عبدالرشید جیسے گھن چکر بن گیا...... لیکن وہ خوش تھا کہ کیا ہوا، وہ تھک جاتا ہے لیکن اس کے گھر والے تو آرام سے ہیں، اس کی بھولی تو خوش ہے۔

رضیہ بیگم بھولی کو بہت محبت اور چاہ سے بیاہ کر لائی تھیں...... لیکن بھولی کو جب انہوں نے بہو کی حیثیت سے برتا تو انہیں احساس ہوا دور کے ڈھول سہانے ہوتے ہیں۔

ہر چیز میں میانہ روی درست ہوتی ہے لیکن بھولی میں انتہا سے زیادہ ہر قسم کے شوق پائے جاتے تھے...... کپڑے لتے، زیور، گھر کا شوق شاید عورت کی پیدائش کے ساتھ جنم لیتا ہے لیکن جب خواہش اور شوق حد سے بڑھ جائیں تو تکلیف دہ بن جاتے ہیں۔

بھولی کی خواہش اور شوق بھی رضیہ کی جہاندیدہ آنکھوں میں کھٹکنے لگے تھے...... اور ان کی چبھن اکثر راتوں کو اسے سونے نہیں دیتی تھی کیونکہ اس کی آنکھیں وہ دیکھ رہی تھیں جو بھولی کی محبت میں پور پور ڈوبا عبدالرشید نہیں دیکھ پا رہا تھا۔ رضیہ کو بھولی میں ایک وفادار بیوی کا روپ نظر نہیں آرہا تھا...... دو بچوں کی ماں ہونے کے باوجود وہ ماں نہیں تھی۔ دس سالہ شادی شدہ زندگی گزارنے کے باوجود عبدالرشید کی صحیح معنوں میں رفیقِ حیات نہیں بن سکی تھی۔ رضیہ گو کسی اسکول کالج کی پڑھی لکھی تعلیم یافتہ عورت نہیں لیکن زمانے کی سیکھی ہوئی جہاندیدہ عورت ضرورت تھی۔ اس نے بہت دفعہ عبدالرشید کو سمجھانا چاہا لیکن عبدالرشید کچھ سننے کو تیار ہی نہیں تھا لیکن جب سنا تو......

☆☆☆

"آج بھولی خوش ہوجائے گی۔" عبدالرشید نے سی گرین اور نیلے رنگ کے لان کے سوٹ کو دیکھتے ہوئے اپنے آپ سے کہا جو دکاندار شاپر میں ڈال رہا تھا۔

"پہلے تو وہ کم از کم تین سوٹ تو مہینے میں نئے بنا ہی لیتی تھی اب تو مہینوں بے چاری کو نیا کپڑا نصیب نہیں ہوتا لیکن پھر بھی صبر اور خاموشی سے گزارہ کررہی ہے۔ میری بیماری سے بھولی کمہلا کر ہی رہ گئی ہے شروع، شروع میں تو فرمائشیں کرتی بھی تھی اب تو...... اب تو کچھ نہیں کہتی لیکن انشاء اللہ میں پہلے کی طرح نہیں تو کم از کم کسی حد تک تو اس کے شوق پورے کرسکتا ہوں۔"

"لیجیے۔" دکاندار کی آواز عبدالرشید کے کانوں کے پاس گونجی تو وہ چونکا۔

"بھائی آپ کے پاس اس سوٹ کی میچنگ کی چوڑیاں ہوں گی؟" اس نے شاپر پکڑتے ہوئے پیسے دکاندار کو تھمائے اور پھر ہاتھ میں پکڑے نوٹوں پر نظر ڈالتے ہوئے خوشگوار لہجے میں پوچھا۔

"جی...... بالکل۔"

آج عبدالریشد کو اپنی پارٹ ٹائم جاب سے تنخواہ ملی تھی۔ وہ بہت خوش تھا یہ چند ہزار اسے خزانہ لگ

رہے تھے اس کا بس نہیں چل رہا تھا وہ کیا کرے۔

☆☆☆

کمرے میں وہ دبے پاؤں داخل ہوا۔ وہ بھولی کے پیچھے بہت قریب جا کر کھڑا ہوا اور پھر جیسے اس کی سماعتوں کے پرخچے اُڑ گئے۔ اس کے قدموں تلے زمین نہ رہی۔ ساتوں آسمان دھڑا دھڑ اس کے اوپر آگرے۔ اس کے لیے سانس لینی مشکل ہوگئی اور پھر ایک زوردار چیخ کے ساتھ اس کے منہ سے نکلا۔

☆☆☆

کہتے ہیں گھر عورت ہی بساتی ہے۔ عورت بناتی ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ بعض اوقات عورت مرد بن جاتی ہے اور مرد ایک ڈری سہمی محبت کی ماری۔ زمانے سے ڈرتی، محبت کے لیے مرتی ایک عورت بن جاتا ہے جس کی صرف ایک خواہش ہوتی ہے کہ محبتوں کی اینٹوں سے تعمیر کیا ہوا مکان جو خواہشوں، ارمانوں اور قربانیوں سے ایک گھر میں تبدیل ہوگیا ہے یہ سلامت رہے صدا سلامت رہے۔ میں کیا بلکہ ساری دنیا ہی جانتی ہے شادی دو گھروں کے درمیان ایک سمجھوتا ہے، ایک معاہدہ ہے پر تقدیر کس پیمانے پر لکھی جاتی ہے میں نہیں جانتا۔ مجھے نہیں معلوم میرا تو کوئی مطالبہ بھی نہیں تھا۔ کوئی شرط بھی نہیں تھی میں تو زمانے کے مزاج میں ڈھلا ڈھلایا ایک مرد تھا اور بس۔ ایک ایسا مرد جو دن بھر کی تھکا دینے والی محنت اور مشقت کے بعد گھر میں آکر آرام دہ بستر پر لیٹنا چاہتا تھا۔ آنگن میں کھیلتے بچوں کی شرارتوں پر ہنسنا چاہتا تھا لیکن مجھے کیا معلوم تھا کہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک بار آسمان سے گر کر کوئی زمین سے اٹھ نہیں سکتا۔ گہرے سمندروں میں ڈوب جانے کے بعد کوئی ابھر نہیں سکتا۔ گہرے پانیوں میں ڈوب جانے والوں کی لاشیں کبھی نہیں ملتیں۔ ہزار مرتبہ فضاؤں میں اڑنے والا پرندہ اگر کبھی بہت بلندی سے گرے تو اس کے پر ٹوٹ جاتے ہیں میرا وجود بڑی رفعتوں سے نیچے گرا تھا۔

میں سمجھتا تھا محبت کمال کرتی ہے، محبت صورت بدل دیتی ہے، حالات بدل دیتی ہے، اصول بدل دیتی ہے۔ محبت کائنات بدل دیتی ہے۔ فلسفۂ حیات بدل دیتی ہے لیکن میری محبت...... میری محبت کچھ نہ بدل سکی۔

اماں کی شکایتوں، نصیحتوں پر میں نے کان نہیں دھرے، بہن کی شکایتوں، طعنوں، ناراضی اور خفگیوں کو ہنس کر اڑا دیا کیونکہ میں... سمجھتا تھا میری بھولی میری ہے۔

بھولی کی ناراضی، خفگی، فرمائشیں مجھے اچھی لگتی تھیں۔ میں ایک غریب آدمی تھا لیکن اپنی حیثیت سے زیادہ میں نے بھولی کو چاہا اس کی ضروریات پوری کیں۔ زیور، جوتے، پرس، پرفیوم، میک اپ کا سامان ہر وہ چیز جس سے بھولی خوش ہوسکتی تھی میں نے اس کے قدموں میں ڈھیر کردی مگر......

کہتے ہیں یادیں انسان کو ویرانے میں گھسیٹ کر لے جاتی ہیں اور پھر ویرانوں میں گونجتی یادوں کی بازگشت کانوں میں زخم ڈال دیتی ہیں۔

میری یادیں میری کمر پر چابک برسا رہی ہیں۔ میری کمر میرے دل کی طرح لہولہان ہوگئی ہے۔ میں دکھی ہوں، میں غمزدہ ہوں، میں اکیلا ہوں لیکن اس کے باوجود میں اپنے فیصلے پر مطمئن ہوں۔ مجھے اپنے فیصلے پر کوئی پشیمانی نہیں ہے۔ ہاں میرا فیصلہ......!

☆☆☆

"ارے عبدالرشید کچھ تو بتا، کچھ تو منہ سے پھوٹ ایسا کیا ہوا تھا کہ تو نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اور سب کچھ تتر بتر کردیا۔ تو 'تو خوشی' خوشی گھر میں آیا تھا پھر کیا ہوا؟" رضیہ بیگم نے کئی گھنٹوں سے خاموش کمرے میں بند بیٹھے عبدالرشید سے گرجتی ہوئی آواز میں روتے ہوئے پچھلے پندرہ منٹوں میں کوئی دسویں

WWW.PAKSOCIETY.COM

بار پوچھا تھا۔

”خوشی، خوشی؟“ اس نے کمرے کی کھڑکی سے باہر صحن میں کھڑی ہاتھ پھیلا پھیلا کر کوستی اپنی ساس جو پھر خالہ بن گئی تھی کو دیکھا اور پھر صحن میں گھر میں پھیلی افراتفری کو اپنے اندر محسوس کرتے ہوئے شاپر میں سے جھلکتے سوٹ اور اس کی ہم رنگ چوڑیوں کو سسکتے ہوئے محسوس کیا، اچانک شاپر میں رکھا جوڑا دہاڑیں مارنے لگا، چوڑیاں بین کرنے لگیں اور ہوائیں اسے پیچھے دھکیلنے لگیں۔

”ارے امجد میں تو پریشان ہوگئی ہوں، دال روٹی کھاتے کھاتے تھک سی گئی ہوں، سارا دن گھر میں کام کرو اور رات...... رات عبدالرشید کے پاس اپنے آپ کو بیچ دو۔ سچی بات ہے مرد بغیر پیسوں کے حلق سے نہیں اترتا۔ سچ امجد اگر تم ہر دوسرے دن ٹیلی فون میں بیلنس نہ ڈلواؤ تو یہ جو تم سے باتیں کر کے مجھے سکون ملتا ہے اس سکون سے بھی محروم رہ جاؤں ...... ہاں سنو وہ سوٹ جو تم نے بھیجا تھا ...... ہاں، ہاں میں نے سلوالیا ہے جب تم سے ملنے آؤں گی تو پہن کر آؤں گی لیکن دیکھو جب میں آؤں تو تم مجھے کلفٹن لے کر چلنا۔ کتنے ہی دن ہو گئے کلفٹن گئے ہوئے۔“

”ارے عبدالرشید کیا لے کر جائے گا وہ تو اپنی پھولی سانسوں کو قابو کر لے تو بڑی بات ہے۔“

”کیا محبت...... نہیں، نہیں محبت تو میں اس سے کبھی نہیں کرتی تھی کبھی وہ میرا خیال رکھتا تھا تو میں بھی اس کا خیال رکھتی تھی۔ خالی پیٹ نہ محبت ہوتی ہے اور نہ ہی گھر بستا ہے اور بھئی میں تو پیسوں سے خوش ہوتی ہوں۔ عبدالرشید کی جیب خالی ہوگئی میری محبت ختم ہوگئی۔ میں ان بے وقوف عورتوں میں سے نہیں ہوں جو روتی بلکتی بھوکی رہتی ہیں لیکن ایک مرد کے قدموں سے لپٹی رہتی ہیں۔ نہ بھئی نہ زندگی صرف ایک بار ملتی ہے اور......“

بھولی دروازے کی طرف سے پیٹھ کیے موبائل کان سے لگائے یقینی طور پر کسی مرد سے باتوں میں مصروف تھی اور آنسو عبدالرشید کا گریبان بھگو رہے تھے۔ ہاتھ میں پکڑا شاپر اور شاپر میں رکھا جوڑا بلک رہا تھا عین اسی وقت کسی کونے کھدرے میں سوتے ہوئے ایک روایتی مرد نے عبدالرشید کے منہ پر ایک زناٹے دار تھپڑ رسید کیا۔ ہاتھ میں پکڑا شاپر مچلنے لگا۔ ہر شوہر کے اندر ایک روایتی مرد چھپا ہوتا ہے۔ اس روایتی مرد نے عبدالرشید کو جھنجوڑ ڈالا۔ بستر، تکیہ، چادریں اس پر ہنسنے لگے۔ اسے اپنے بستر میں سے اپنے کمرے میں سے، اپنے تولیے اور اپنے آس پاس سے کسی انجانے مرد کی خوشبو آنے لگی۔ ایسے مرد کی خوشبو جس کی جیب نوٹوں سے بھری تھی۔ جو ہر رشتے پر بھاری ہوتی اسے یوں لگا جیسے بلند و بالا عمارتیں دھڑ ادھڑ اس پر گر رہی ہوں۔ اسے ایسا لگا جیسے وہ ملبے تلے دبا جا رہا ہو اسے سانس لینی دشوار ہوگئی۔

”میرا دم گھٹنے لگا تھا اماں پھر میں نے وہ فیصلہ کیا جو نہ تو نے کبھی سوچا تھا اور نہ میں نے کبھی چاہا تھا۔“

☆☆☆

”میں آج...... ابھی اور اسی وقت تجھے طلاق دیتا ہوں۔ بھولی میں تجھے طلاق دیتا ہوں۔“ وہ حلق کے بل چیختا تھا اور پھر لفظ طلاق سارے گھر میں گونجنے لگا۔

☆☆☆

”بیوی اور طوائف میں فرق ہوتا ہے۔ بیوی دکھ سکھ میں زندگی کے نشیب و فراز میں اپنے شوہر کی ساتھی ہوتی ہے، غمگسار ہوتی ہے، دوست ہوتی ہے لیکن طوائف صرف بھری جیب تک ساتھ ہوتی ہے۔“ ان پڑھ رضیہ نے گھر کی دہلیز پار کرتی بھولی کو دیکھتے ہوئے جیسے خود سے کہا اور پھر اٹھ کر دروازے کی چٹخنی لگا دی۔

امیدِ صبح

رابعہ نیازی

چائے اور انواع و اقسام کے لوازمات سے بھری ٹرالی دھکیلتے ہوئے وہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی تو اندر موجود تمام نفوس باتیں کرتے ہوئے ایک دم خاموش ہو کر اس کی جانب متوجہ ہوئے۔ بلاشبہ آج کے دن قابلِ توجہ ہستی وہ تھی۔ شروع، شروع میں ایسے مواقع پر وہ حد درجے کنفیوزڈ نظر آتی مگر اب یہ اس کی روٹین بن گئی تھی۔ وہ بے حد مطمئن انداز میں عین کمرے کے وسط میں جا پہنچی۔ ٹرالی

WWW.PAKSOCIETY.COM

ایک طرف کر کے اس نے بہت مؤدب انداز میں سلام کیا تو رشتے کے لیے آنے والی تینوں خواتین کھڑی ہوگئیں اور باری باری اسے گلے لگا کر ملنے لگیں۔ کمرے کے داہنی جانب رکھے صوفے پر بھابی بیگم بڑے استحقاق کے ساتھ ٹانگ پر ٹانگ رکھے آمنہ کا گویا ایکسرے کر رہی تھیں۔

سر پر نفاست سے دوپٹا جمائے وہ ٹرالی سے چیزیں نکال، نکال کر کمرے کے وسط میں بچھی میز پر سلیقے سے رکھنے لگی۔ اس کی ہر حرکت پر تنقیدی نظریں کافی سخت تھیں۔ بھابی بیگم کو چائے کا کپ پکڑانے کے بعد وہ ان کے ساتھ ہی بیٹھ گئی۔

''ویسے بیٹا تمہاری بھابی اچھی خاتون ہیں، کافی سمجھدار اور سلجھی ہوئی۔'' قدرے بڑی عمر کی خاتون نے کھنکھارتے ہوئے بات کا آغاز کیا۔
''مجھے تم اپنی ان دونوں بیٹیوں جیسی ہی لگی ہو۔'' آمنہ جواباً صرف مسکرا کر رہ گئی۔

''کہاں تک پڑھا ہے بیٹا تم نے؟'' انہوں نے پہلا سوال کیا۔
''میں نے انگریزی میں ماسٹرز کیا ہے پچھلے سال۔''
''جاب بھی کرتی ہو؟''
''نہیں، میں جاب نہیں کرتی بس گھر پر ہی......'' آمنہ دونوں پاؤں جوڑے اپنے جوتوں پر نظریں جمائے ہوئے بولی۔

''اتنا پڑھنے کے بعد کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی چاہیے، گھر بار تو خیر چلتا ہی رہتا ہے۔'' انہوں نے بات آگے بڑھائی۔

''ہماری آمنہ دراصل کافی کم گو ہے۔ باہر جانے سے گھبراتی ہے۔'' بھابی بیگم نے فوراً بات سنبھالی تھی۔ ''ساری عمر اسکول، کالج، یونیورسٹی میں گزر گئی۔ اب میں نے ہی کام سے روکا کہ تھوڑی گھر داری سیکھ لے اور آرام بھی کر لے۔ بچیاں گھر داری سیکھتی ہیں تو انہی کے کام آتا ہے۔ خود بھی سکھی رہتی ہیں جہاں جاتی ہیں ان کو بھی آسانی دیتی ہیں۔''

آمنہ نے ایک گہری سانس خارج کر کے بھابی کی چاپلوسی کو نظر انداز کیا ورنہ دل تو کہہ رہا تھا کہ آپ خود بھی گھر داری سیکھ آتیں تو زیادہ اچھا ہوتا...... مگر اس وقت چپ میں ہی عافیت تھی۔

''ہاں، کہا تو ٹھیک ہے آپ نے......'' بیگم فاروقی نے کیک پیس کھاتے ہوئے توقف سے کہا۔
''بچے کتنے ہیں آپ کے؟'' وہ بھابی بیگم سے پوچھ رہی تھیں۔

''میرے دو بیٹے ہیں ماشاء اللہ......'' بھابی نے اخلاق کے سارے ریکارڈ توڑے ہوئے تھے۔ ''اس وقت میں انہیں اپنی ماں جی کے پاس چھوڑ آئی ہوں۔ یہ ساتھ والا گھر ان کا ہی ہے۔ آمنہ جب کالج جاتی تھی میں بہت اکیلا پن محسوس کرتی تھی اب وہ لوگ اِدھر ہی آگئے ہیں۔ ان سب کے ہونے سے کافی دوسراہٹ رہتی ہے۔ میری چھوٹی بہن اکثر میرے کام میں مدد کروانے آجاتی ہے۔ بڑا آسرا ہے مجھے اُن کا۔''

''اپنے تو ہوتے ہی اسی لیے ہیں۔'' وہ بھابی بیگم سے باتیں کرتے ہوئے مسلسل آمنہ پر نظریں جمائے تھیں جو اَب اپنے ناخنوں کو بلاوجہ کھرچے جا رہی تھی۔ ''اور بہن، بھائیوں پر تو ویسے بھی بڑا مان ہوتا ہے۔ ویسے مجھے آپ سب سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔'' وہ شاید اب اٹھنا چاہ رہی تھیں۔ اسی لیے اپنے بیگ کے ساتھ چادر بھی ٹٹول رہی تھیں۔

''آپ میرے گھر والوں سے بھی ملیں ناں، آپ کو اور بھی خوشی ہوگی۔ بس یہ ساتھ ہی دروازہ ہے کھڑے کھڑے چکر لگا لیں۔'' بھابی بیگم انہیں تقریباً گھسیٹ رہی تھیں۔

''جی، جی ضرور چلتے ہیں مگر مجھے آمنہ بیٹی سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔ بہت سادہ اور نفیس شخصیت کی مالک ہے بالکل میرے بیٹے جیسی۔'' بیگم فاروقی جاتے جاتے اسے گلے لگا گئیں۔ وہ سب آگے پیچھے باہر نکلیں اوران کا رخ بھابی بیگم کے میکے کی جانب ہی تھا۔

آمنہ کے لیے آئے تمام رشتوں میں یہ واحد گھرانا تھا جو کچھ آس یا امید دلا کر گیا تھا۔ نہ تو اس کے بنائے گئے کھانوں کی تفتیش ہوئی اور نہ کوئی بلا ضرورت سوال جواب...... مگر ایسے کئی رشتے بھابی بیگم کی چالاکیوں کی نذر ہو چکے تھے اور اس بار بھی کچھ ایسا ہی دکھائی دے رہا تھا۔

''نہ جانے اس جہنم سے کب نجات ملے گی؟'' آمنہ نے ایک گہری سانس لے کر سوچا اور برتن سمیٹنے لگی۔ آدھی چیزیں ان چھوئی پڑی تھیں ورنہ رشتے کو آنے والی خواتین کھانے کی اشیا کے ساتھ خوب انصاف کر کے جاتیں۔ اس نے... وہ سب چیزیں سلیقے سے سنبھال کر رکھیں اور برتن دھو کر جب ٹی وی لاؤنج میں آئی تو خالی گھر میں اس کا دل گھبرانے لگا۔ بھائی شام چھ سات بجے سے پہلے واپس نہیں آتے تھے اور بھابی بچوں کی ممکنہ بدتمیزی کے پیش نظر انہیں نانی کے گھر چھوڑ آئی تھیں۔ آمنہ نے ٹی وی لگا کر چینل سرچنگ شروع کی کہ گاڑی کے ہارن پر چونک گئی۔

''اس وقت کون ہو سکتا ہے بھلا؟'' آمنہ نے لاؤنج کی کھڑکی سے باہر جھانکا تو چوکیدار کو پھرتی سے گیٹ کھولتے دیکھا۔ نئے ماڈل کی سفید کرولا کار اندر داخل ہوئی تھی...... ساتھ ہی گیراج میں نصب بھابی کے میکے کا دروازہ کھلا...... بیگم فاروقی اُن کی بیٹیاں اور بھابی برآمد ہوئیں۔ شاید وہ اپنی گاڑی کو وقت دے کر انتظار میں ہی تھیں۔

''یہ میرا بیٹا ہے نادر......'' بیگم فاروقی نے تعارف کروایا۔ وہ یقیناً ان خواتین کو لینے آیا تھا۔

''ماشاء اللہ بہت خوب صورت بچہ ہے۔'' بھابی تو دیکھتے ہی نہال ہوگئیں۔ اونچا لمبا قد، خوب صورت بڑی بڑی آنکھوں والا نادر ملک واقعی دیکھنے کے قابل تھا۔ لائٹ بلو جینز پر بلیک شرٹ پہنے وہ بے حد وجیہہ لگ رہا تھا۔ آمنہ نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر بے یقینی سے بھابی کو دیکھا کہ اتنا خوب صورت لڑکا بھابی میرے لیے کیسے چن سکتی ہیں۔ وہ لوگ چلتے ہوئے گاڑی کی جانب بڑھ گئے، اس لیے ان کے درمیان ہونے والی گفتگو وہ نہ سن پائی مگر دل کی بے قابو ہوتی دھڑکنوں کے ساتھ وہ ابھی تک حیرت زدہ تھی۔

گاڑی گیٹ سے باہر نکلی تو بھابی بیگم نے بھی اندر کی جانب قدم بڑھا دیے۔ آمنہ نے تیزی سے ٹی وی آف کیا اور کچن کی جانب چلی گئی۔

☆☆☆

''برتن دھو لیے تم نے؟'' وہ نئے برتن ایک ترتیب سے اپنی اپنی جگہ رکھ رہی تھی کہ بھابی بیگم کچن میں آکر گرجیں۔

''جی دھو لیے اور خشک کر کے رکھ بھی دیے۔'' اس نے پیچھے مڑے بغیر آہستگی سے جواب دیا۔

''آج پھر چاول بناؤ گی تم......!'' بھابی نے دیگچی کا ڈھکن اٹھا کر اندر جھانکا۔ جس میں پلاؤ کا مسالا تیار پڑا تھا اور کاؤنٹر پر ایک برتن میں چاول بھگے ہوئے تھے۔ آمنہ جانتی تھی کہ اب منہ ماری کا کوئی بہانہ ڈھونڈ ہی لیا جائے گا۔ ''ابھی دو دن پہلے چاول بنائے تھے تم نے آج پھر بنا ڈالے۔ کم از کم بندہ پوچھ ہی لیتا ہے کسی سے...... پر نہ جی، یہاں بڑے چھوٹے کا ادب کہاں...... اتنا ہی جھکنے نہیں دیتی۔'' بھابی فریج سے پانی کی بوتل نکال کر اب گلاس کی تلاش میں تھیں مگر گلاس تک پہنچنے سے پہلے ہی بوتل کو منہ لگا دیا۔ آمنہ نے ناگواری سے دیکھا اور کمال برداشت سے گویا ہوئی۔

''گھر میں نہ سبزی تھی نہ گوشت، اس لیے چاول بنا لیے۔''

''تو بی بی پوچھنے میں کوئی حرج تھا؟'' بھابی بیگم ہاتھ نچا کر بولیں اور بوتل سلیب پر پٹخ دی۔

☆☆☆

WWW.PAKSOCIETY.COM

"ارے بھئی تم سب کہاں ہو؟" رضا بیرونی دروازے سے داخل ہو کر اونچی آواز میں پکارنے لگے۔ ان کے لہجے میں ڈولتی خوشی نمایاں تھی۔ اگلے ہی پل سب ٹی وی لاؤنج میں جمع تھے۔

"پہلے جلدی سے منہ میٹھا کرو پھر خوشی کی خبر سننے کو ملے گی۔" انہوں نے مٹھائی کا ڈبا کھولتے ہوئے سب کے درمیان رکھا۔

"مگر بھائی وجہ بھی تو بتائیں پھر مٹھائی کھانے کا مزہ بھی آئے۔ خوش خبری سننے سے پہلے کیسی مٹھائی۔" آمنہ بھی قریب آگئی۔

"خوش خبری یہ ہے کہ میری نہ صرف ترقی ہوئی ہے بلکہ تنخواہ میں بھی اچھا خاصا اضافہ ہوا ہے۔" بھائی کے چہرے کے ساتھ آنکھوں سے بھی خوشی چھلک رہی تھی۔ "میں نے بس راستے سے مٹھائی لی اور بھاگا چلا آیا کہ اتنی دیر صبر نہیں ہو سکتا تھا۔"

"رضا مجھے تو سمجھ نہیں آ رہا کہ کیسے خوشی کا اظہار کروں؟" بھابی صوفے پر ٹک نہیں پا رہی تھیں۔

"میں ذرا امی کا منہ میٹھا کروا آؤں اور یہ بریکنگ نیوز بھی دے آؤں۔" انہوں نے جلدی سے مٹھائی کا ڈبا بچوں کے ہاتھ سے جھپٹا جو کھانے سے زیادہ ضائع کر رہے تھے۔

"ارے یار، میں تھکا ہوا آیا ہوں، تم مجھے چھوڑ وہاں بھاگ رہی ہو۔ کم از کم چائے پانی ہی پوچھ لو" بھائی بشاشت سے کہتے ہوئے صوفے پر ہی نیم دراز ہو گئے۔

"کیوں نہیں بھائی جان، آپ چینج کریں، میں آپ کے لیے گرما گرم چائے اور مزیدار کباب لاتی ہوں۔" آمنہ چٹکی بجاتی کچن کی جانب مڑ گئی۔ وہ بھائی کے آنے سے چند لمحے قبل ہی چائے بنا کر فارغ ہوئی تھی۔ اس نے جلدی سے کباب فرائی کیے اور سب چیزیں ٹرے میں رکھنے لگی۔

"آمنہ چائے بنا لی تم نے؟" بھابی بہت عجلت میں آئی تھیں۔ "لاؤ میں تمہاری مدد کروا دوں تاکہ کام جلدی نمٹ جائے۔"

"نہیں بھابی، میں سب کر چکی ہوں۔ آپ اندر چل کر بیٹھیں میں لا رہی ہوں۔"

"ارے ذرا جلدی کرو ناں۔" بھابی نے جلدی سے اس کے ہاتھ سے چھین کر ٹرے میں ساری چیزیں رکھیں اور ٹرے لے کر لاؤنج میں چل دیں۔ آمنہ سلیپ صاف کر کے ہاتھ دھونے لگی۔

"دیکھیں رضا میں کتنی جلدی آپ کے لیے سب لے آئی۔ آپ کی تھکن کا احساس مجھ سے زیادہ کسے ہوگا بھلا۔" وہ ٹرے ان کے سامنے میز پر رکھ کر اب انہیں چیزیں سرو کر رہی تھیں اور دوپٹے کے پلو سے ہاتھ صاف کرتی آمنہ ان کا منہ دیکھتی رہ گئی جبکہ یہ تو روز کا ہی معمول تھا۔

"ارے میری بیگم کی تو کیا بات ہے اور چائے تو بہت اچھی بنائی ہے تم نے آج۔" انہوں نے پہلا گھونٹ پیتے ہی تعریف کی۔

"یہ شامی کباب بھی کھائیں ناں۔" وہ پلیٹ میں کیچپ نکالنے لگیں۔

"چلو بچوں تم سب لوگ تیار ہو جاؤ...... آمنہ تم بھی اچھا سا تیار ہو جاؤ اسی خوشی میں ہم ڈنر باہر کریں گے......" بھائی نے اعلان کر کے گویا سب کے چہروں پر خوشی دوڑا دی۔ آمنہ مسکراتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی جبکہ چائے کا ایک بچا ہوا مگ کسی کو نظر نہیں آیا کہ وہ آمنہ کس کے لیے لائی تھی۔

"میں ذرا امی کو بتا آؤں پھر چلتے ہیں۔" اسے بھابی کی آواز سنائی دی۔ آمنہ ایک اچھا سا سوٹ نکال کر استری کرنے لگی۔ بڑی دلجمعی سے استری کرنے کے بعد اسے اپنے بال کافی بے رونق لگے۔ نہانے کا ارادہ کرتے ہوئے وہ جلدی سے شاور لینے باتھ روم میں گھس گئی۔ نہانے کے بعد اس نے گھر کے ہی کپڑے پہن لیے تھے بقول بھابی کہ ابھی جانے میں کافی دیر تھی۔ تاول سے بال خشک کرتے کرتے وہ استری اسٹینڈ تک آئی مگر اس کے وہ استری شدہ کپڑے وہاں موجود نہیں تھے۔ اس نے یہاں وہاں تلاش کیے مگر کپڑے نہ ملے۔ لاؤنج تک پہنچتے پہنچتے اس کے قدم خود بخود جم گئے۔ بھابی اس کا خوب صورت فیروزی جوڑا پہن کر اپنے کمرے سے برآمد ہو رہی تھیں جو اس نے ابھی ابھی استری کر کے رکھا تھا۔ ناپ تقریباً ایک جیسا ہونے کا وہ اسی طرح فائدہ اٹھاتی تھیں۔

"چلیں اب...... تیاری ہو گئی ناں سب کی؟" بھائی کی آواز پر بھابی اپنا دوپٹا درست کرنے لگیں۔

"ہاں چلیں سب تیار ہیں، بچے تو پہلے سے ہی گاڑی میں جا بیٹھے ہیں اور آمنہ کہاں ہے؟" بالآخر بھائی کو اس کا خیال آگیا۔

"وہ کہہ رہی تھی کہ میرے سر میں درد ہے، مجھے نہیں جانا پھر میں نے ٹینا کو کہہ دیا چلنے کو اور پھر اب گاڑی میں بھی جگہ نہیں ہے۔" بھابی کی آواز پر وہ سن ہو کر رہ گئی۔

"اچھا جیسے اس کی مرضی۔" بھائی کندھے اچکاتے ہوئے باہر نکل گئے اور پیچھے خالی گھر میں بند ہوتے دروازے کی گونج باقی رہ گئی۔

☆☆☆

وہ کیاریوں کی کھدائی کر کے گلے سڑے پتے اور کوڑا کرکٹ نکال رہی تھی۔ پودوں کا خیال رکھنا اور ان سے باتیں کرنا اس کا من پسند مشغلہ تھا۔ بھابی بیگم اور رضا بھائی صحن میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ وہ ان کی جانب پشت کیے لاتعلق بیٹھی تھی یا خود کو لاتعلق ظاہر کر رہی تھی کیونکہ اتنے وقت کے دوران اسے کسی نے چائے کا نہیں پوچھا تھا۔ ایسا پہلی بار تو نہیں ہوا تھا۔ روز کا یہی معمول تھا مگر دل تھا کہ بھر آنے لگا۔ اس نے بے دلی سے کھرپی زمین میں [illegible] پھر خواہ مخواہ ٹھنڈی نم مٹی پر ہاتھ مارنے لگی۔

دروازے پر بجنے والی کال بیل پر رضا بھائی دیکھنے گئے تھے اور اب ان کے ساتھ بیگم فاروقی اور نادر ملک اندر آ رہے تھے۔ آمنہ یکایک گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی دوپٹے کا پلو ایک کندھے پر تھا اور دوسرا پلو زمین پر لٹک رہا تھا۔ ہاتھ مٹی سے اٹے ہوئے اور پاؤں چپلوں سے بے نیاز تھے۔ اس نے دور سے ہی بیگم فاروقی کو سلام کیا تو وہ مسکراتے ہوئے اس کی جانب آگئیں اور دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ تھام کر ماتھے پر بوسا دینے لگیں۔

"آئیں بیگم فاروقی آپ تشریف رکھیں۔" بھابی بیگم کی باچھیں کھل کر کانوں سے لگ رہی تھیں۔ بیگم فاروقی کے سامنے سے ہٹتے ہی اس نے چور نظروں سے ان کے صاحبزادے کو دیکھا جو بے حد دلچسپی سے اسی کی جانب دیکھ رہا تھا۔ اس نے مٹی بھرے ہاتھ کی پشت سے ماتھے پر آئے اپنے بال پیچھے ہٹائے پھر ان سے کترا کر تیزی سے اندر کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ دل کی لے الگ ہی راستے پر گامزن تھی۔ بھابی بیگم ان کو ہاتھوں ہاتھ لے رہی تھی۔ آمنہ نے کمرے میں آ کر اپنی سانس ہموار کی پھر ہاتھ دھو کر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے منہ پر مارے تو اس کی صبیح رنگت مزید چمک اٹھی۔ جلدی سے بالوں میں آگے آگے برش پھیرا۔ قمیص پر ہاتھ پھیر کر سیدھا کیا اور نفاست سے سر پر دوپٹا اوڑھ لیا۔ واش روم سے باہر آ کر اس نے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑے ہو کر خود پر ایک طائرانہ نظر ڈالی پھر ہاتھ بڑھا کر نیچرل پنک کلر کی لپ اسٹک اٹھالی ہونٹوں پر ہلکا سا کوٹ کر کے اسے اپنا آپ مطمئن نظر آیا۔ ٹی وی لاؤنج کا دروازہ کھول کر وہ صحن میں نکلی تو خالی صحن بھائیں بھائیں کر رہا تھا۔ ایک خوفناک خاموشی اس کے وجود کا احاطہ کرنے لگی۔ اس نے شکست خوردہ سی نظر بھابی کے میکے کے گھر کھلنے والے دروازے پر ڈالی جو نیم وا تھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

☆☆☆

ڈرائیور نے گاڑی کا ہارن دیا تو کام والی ماسی تیزی سے باہر نکل گئی۔ واپسی پر وہ کافی لدی پھندی لوٹی۔ کچھ ہی دیر میں پوری میز اُن اشیا سے بھر چکی تھی۔

"یہ اتنا سب کیوں منگوایا گیا ہے؟" آمنہ نے حیرت سے ایک شاپر کھولنا چاہا مگر اس سے پہلے ہی بھابی بیگم نے جھپٹ ڈالا۔

"تمہارے کان خراب ہیں کیا؟ ایک بات کو کتنی بار سمجھاؤں اور بتاؤں۔ میں نے کہا تھا کہ یہ سب امی کی طرف رکھ کر آنا مگر تم نے یہاں اسٹال لگا چھوڑا ہے۔" بھابی اتنی اونچی آواز میں گرجیں کہ آمنہ کا دل اچھل کر حلق میں آن اٹکا۔ ان کی مخاطب ان کی ماسی تھی مگر اس میں اتنا غصہ کرنے والی تو کوئی بات ہی نہیں تھی۔

"وہ بی بی میں برتن دھو رہی تھی۔ سوچا کام ختم ہو جائے تو ایک ہی بار جاؤں گی۔ آپ نے وہاں کی صفائی کے لیے بھی بولا تھا ناں اور آج شام تک رکنے کے لیے بھی۔" وہ اس پیشی پر تقریباً گھگھیاتے ہوئے بولی۔

"تو دوسری بار جاتے موت پڑ جاتی تھی تجھے۔" بھابی اپنے مخصوص جاہلانہ انداز میں چیخیں تو آمنہ کو اپنے کان پھٹتے محسوس ہوئے۔ زرینہ جلدی سے شاپر اٹھا کر بھاگی۔

"بھابی کیا کوئی مہمان آ رہا ہے؟" آمنہ ابھی تک ناسمجھی کے انداز میں حالات کا جائزہ لے رہی تھی۔

"ٹینا کی سہیلیاں آ رہی ہیں تو امی نے سامان منگوالیا ہے مگر تمہاری تفتیش ہے کہ ختم ہونے کو نہیں آ رہی۔" انہوں نے بیزاری سے تقریباً جھڑکتے ہوئے کہا۔

"سامان خود منگوالیتیں۔ ہمارے گھر سے ہی کیوں ہے؟" آمنہ اپنی سوچ کو الفاظ کی شکل نہ دے سکی...... "مگر جب رضا بھائی جیسا بے وقوف داماد میسر ہو تو اپنی جیب پر بار کیوں ڈالا جائے۔ بس وہ سارا دن گدھے کی طرح کمائے جائیں اور یہ اپنے میکے پر لٹاتی جائیں۔" آمنہ نے سر جھٹکتے ہوئے ڈسٹنگ شروع کر دی کیونکہ فارغ بیٹھنا اسے کبھی پسند نہیں تھا۔

ماسی ایک گھنٹے تک واپس نہ لوٹی تو آمنہ کو مجبوراً جھوٹے برتن بھی دھونے پڑے کیونکہ بھابی کی والدہ اب اس کی جان چھوڑنے والی نہیں تھیں۔ سارا کچن صاف کر کے وہ پسینے سے شرابور باہر نکلی، کچھ کپڑوں کی سلائی باقی تھی۔ وہ آج یہ کام بھی ختم کر لینا چاہتی تھی۔ ایک سوٹ پر ربن لگانی تھی۔ وہ مختلف انداز میں ربن رکھ کر جانچ پرکھ کر رہی تھی۔

"تم کھانا بنا کر کھا لینا۔ میں اور بچے آج امی کی طرف ہی کھانا کھائیں گے اور تمہارے بھائی دیر سے آئیں گے۔" بھابی کے حکم نامہ جاری کرنے پر اس نے سر اٹھا کر اوپر دیکھا تو پھر حیرت سے منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ وہ زرق برق لباس پہنے جانے کہاں جانے کو تیار تھیں۔ اس کی آنکھوں میں ابھرنے والے سوالوں کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے وہ باہر نکل گئیں تو وہ بھی کندھے اچکا کر اپنے کام میں مصروف ہو گئی کہ یہ تو اس گھر کا معمول تھا۔ اسے پہلے بھی کب کسی بات کی خبر دی جاتی تھی بلکہ اسے گھر کا فرد ہی کہاں تسلیم کیا جاتا تھا۔ اس کے بعد تو یہ ایک معمول ہی بن گیا۔ بھابی اکثر ہی امی کی طرف ٹائم گزارنے لگیں۔ مہمانوں کی آمد و رفت کا سلسلہ بھی زور پکڑتا جا رہا تھا۔ یقیناً بھابی ٹینا کے رشتے کے لیے بہت کوشاں تھیں۔ اگر ایسا نہ بھی ہوتا تو بھی ٹینا کو گھومنے پھرنے کا بہت شوق تھا۔ کبھی وہ خود نکلی ہوتی تو کبھی اس کی دوستوں کا ایک وسیع جھرمٹ اس گھر میں موجود ہوتا۔ اونچے اونچے قہقہے لگاتی آزادی سے دعوتیں اڑاتی وہ آمنہ کو بہت خوش نصیب اور آئیڈیل لائف گزارتی نظر آتی۔

"تم کیا بولائی، بولائی یہاں وہاں پھرتی رہتی ہو، اپنے حلیے پر دھیان دیا کرو، تمہارے رشتے کی بات چل رہی ہے، لوگ کسی بھی وقت آ سکتے ہیں مگر تمہیں کوئی پروا ہی نہیں، ناک تو میری کٹے گی کہ بھابی بہت ظالم ہے کچھ پہننے اوڑھنے نہیں دیتی۔" بھابی کی جھڑکیاں بھی آمنہ کے اندر کوئی امنگ پیدا نہیں کرتی تھیں کیونکہ رشتہ دیکھ کر جانے والے دوبارہ واپس نہیں آتے تھے۔

"جانے بھابی میری آزمائشوں کو کیوں بڑھا رہی ہیں؟" آمنہ اپنی بھیگی آنکھیں صاف کرتی رات گزار دیتی۔ کبھی کبھی بھابی کی معنی خیز باتیں اسے سوچنے پر مجبور کر دیتیں کہ سب معاملہ بھابی کے اختیار میں ہے جانے وہ مستقبل میں کیا کرنے والی تھیں؟ مگر اگلے ہی پل تقدیر پر یقین کرتے ہی توبہ کرنے لگتی کہ سب فیصلے اس کے ہیں اور جن کا کوئی نہیں ہوتا ان کا خدا ہوتا ہے اور آمنہ کا دل یکبار سکون سے بھر جاتا۔

☆☆☆

آج پھر گرمی اپنے جوبن پر تھی۔ اس نے کمرے کی ڈسٹنگ ختم کی تو مشین لگانے کا خیال آ گیا۔ ماسی برتن دھو چکی تھی۔ اس نے مشین میں پانی ڈال کر کپڑوں کی چھانٹی کی۔ بچوں کے کپڑوں کا ایک ڈھیر تھا جو دھلنے کے لیے جمع پڑا تھا۔ اس نے ڈھیر کو بیزاری سے دیکھا کیونکہ ساری پھرتی اڑن چھو ہو گئی تھی۔ یہ سب ختم ہونے میں یقیناً شام ہو جانی تھی۔ اس نے بالوں کو لپیٹ کر جوڑا بنایا اور ماسی کو بلا کر کام شروع کیا۔

تھوڑی دیر بعد اندر سے بھرپور باتوں اور قہقہوں کی آوازیں آنے لگیں۔ آمنہ نے لاؤنج کا دروازہ کھول کر جھانکا تو بھابی بیگم کی ماں اور چھوٹی بہن فری بیٹھی تھی جبکہ ٹینا آئینے کے سامنے کھڑی نئے سوٹ کا جائزہ لے رہی تھی جو بھابی بیگم کی ہی

انفرادی دلکشی اور شخصیت کے نکھار کیلئے

Dolphin®

BREAST DEVELOPING CREAM

ڈولفن بریسٹ ڈویلپنگ کریم میں شامل قدرتی اجزا نسوانی ابھار کیلئے نہایت آزمودہ ہیں۔ اس کا صرف پندرہ دن کا استعمال کمزور ٹیشوز کو طاقت فراہم کر کے ان میں سختی اور جسامت میں نمایاں اضافہ کرتا ہے انفرادی دلکشی اور شخصیت کے نکھار کیلئے یقینی موثر قطعی بے ضرر خواتین اور دوشیزاؤں کیلئے یکساں مفید

Rs. 350

تمام ہومیو اور یونانی اسٹورز پر دستیاب

STOKIST
Khuwaja Store Saddar Karachi. Tel: 35212257
Sindh Medical Saddar Karachi. Tel: 35670816
Ibraheem Sun Malir. Tel: 34502764.
Shabir Brothers Aram Bag. Tel: 32215111
Usman Bhai Khachi Gali Tel: 32435877
Central Homoeo Nazimabad. Tel: 36617486
Abid Homoeo Gulshan Tel: 34821193.
Taha Traders water pump. Tel: 36338065.
Kirin Medical u.p. Tel: 36909909.
German Al noor. TelL 36366372.
Mohammad Homoeo Maleer. Tel: 34506620
Irfan Qadri Landi. Tel: 35013919.
Adnan Medical Korangi. Tel: 35049056.
Bismillah Homoeo New Saeedabad. Tel: 32810777.
Murad Homoeo Stedlam Road, Tel: 34933664.
Al Habib Zenat Market. Tel: 32720328.
Bilal Homoeo Kherpur. 0301-3436572.
Hassan Medical Larkana. 4043813.
Al- Shahab Homoeo Merpur Khas.0300-3314450
Raheel Medacal Nawabshah, 64248.
Noman Homoeo Hydrabad. 2720259.
Maria Dawakhana Hydrabad. 2781798.
Multan Homoeo Multan. 4513805.
Al-Shifa Homoeo Bahalpur. 2877259.
Tahir Homoeo Rahemyarkhan. 5877170.
Sadaat Traders Quetta. 2830919.
Star Shop Suk. 23503.
Kent Homoeo Lahore. 6317276.

تقسیم کار: ھادی ٹریڈر فون : 0313-2603241

WWW.PAKSOCIETY.COM

عنایت تھا۔

"آرے آؤ آمنہ، اندر آجاؤ، تم کیا دروازے میں کھڑی سن گن لے رہی ہو۔" ٹینا نے اس کا مذاق اڑایا تو سب ہنسنے لگیں۔

"جانے کب تک بھابی بیگم، بھائی کے پیسوں کو اپنے میکے پر لُٹاتی رہیں گی۔" اس نے ٹینا کے بیش قیمت لباس پر نظر ڈالتے ہوئے سوچا اور اندر داخل ہوگئی۔

"لو یہ مٹھائی تم بھی کھاؤ، خوشی کا موقع ہے دل سے دعا دینا ورنہ جھٹ سے نظر لگ جاتی ہے میری ٹینا کو۔" بھابی کی والدہ نے مٹھائی کا ڈبا اس کی جانب بڑھایا تو وہ وجہ پوچھے بنا نہ رہ سکی۔

"ارے ٹینا کی بات پکی ہوگئی ہے اور کاہے کی مٹھائی؟"

"مگر کب... کس کے ساتھ؟" آمنہ چٹکی میں برفی پکڑے حیرانی سے پوچھنے لگی۔

"ارے کل شام ہی وہ لوگ آئے تھے دو چار چیزیں اور پیسے ہاتھ پر رکھے تو بات پکی۔" ان کا منہ برفی سے بھرا ہوا تھا مگر زبان پھر بھی چل رہی تھی۔

"ان فنکشنوں کے چکر میں، میں بھی نہیں پڑنے والی...... نرا خرچہ ہی ہوتا ہے جو دینا دلانا تھا وہ لوگ کر گئے۔ بس بات ختم۔" انہوں نے گویا ناک سے مکھی اڑائی۔

"کل شام تو میں گھر پر ہی تھی، آپ نے مجھے بھی بتا دیا ہوتا۔" وہ شرمندہ تھی مگر پھر بھی زبان سے پھسل گیا۔

"ارے لو، تم کسی کی خبر رکھو تو ناں...... جانے کس دنیا میں گم رہتی ہو۔" بھابی بیگم نے بر وقت مداخلت کرنا ضروری سمجھی۔ اب تک مٹھائی کا بڑا ڈبا آدھا ہو چکا تھا ان تینوں ماں بیٹیوں کی بدولت۔

"کہاں بات پکی کردی آپ نے؟" اس نے بھابی کا کڑوا لہجہ نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

"نادر ملک سے۔" اب کی بار ٹینا نے فخر سے بتایا۔ "مسز فاروقی کے بیٹے نادر سے۔ کب سے تو آنا جانا لگا ہوا ہے مگر تمہاری بھابی ٹھیک کہتی ہیں، تمہیں کسی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"نادر ملک سے؟" آمنہ کے الفاظ حلق میں ہی پھنس گئے۔ برفی منہ میں گھل کر کڑوا ذائقہ دینے لگی۔ وہ اتنا بھی نہ پوچھ سکی کہ اس کے لیے آنے کے بعد وہ ٹینا کا انتخاب کیونکر کر بیٹھا۔ مشین کی بیل نے ایک دم چنگھاڑنا شروع کیا تو وہ ہوش میں واپس آئی۔ کپڑے اپنے ٹائم کے بعد دھل چکے تھے وہ تیزی سے مڑ کر باہر کی طرف لپکی۔ ہاتھ میں پکڑی برفی کا ٹکڑا دو انگلیوں کے بیچ پس کر ریزہ ریزہ ہوگیا۔

"دیکھا امی، مبارک تک اس کی زبان سے نہیں نکلا۔" بھابی نے درشت نظروں سے اس کی پشت کو دیکھا جو لاؤنج سے نکل چکی تھی۔ "میری خوشی پر اس کی جلن باہر نکل آتی ہے کھل کر۔"

"ارے دفع کرو تم......!" والدہ صاحبہ نے نخوت سے ہاتھ ہلایا۔ "تمہیں اس کی کالی زبان سے مبارک وصول کر کے لینا کیا ہے، جائے بھاڑ میں اس کی قسمت تو کھلی نہیں۔ الٹا تمہاری دردِ سری بنی رہے گی۔"

"نہیں امی...... مسز فاروقی تو اسی منحوس کے حوالے سے آئی تھیں مگر یہ تمہاری باصلاحیت بیٹی کا کمال ہے کہ کیسے نادر اور بیگم فاروقی کو اس سے بدظن کیا ورنہ وہ تو اس کی مسکینی شکل پر لٹو ہوگئے تھے۔" بھابی بیگم نے فرضی کالر جھاڑتے ہوئے داد وصول کی تو وہ ہنسنے لگیں۔

"ارے چھوڑو اس کا ذکر۔ اس خوشی کے موقع پر مٹھائی کھاؤ۔" ان کی والدہ نے پھر سے ڈبا کھول دیا اور نئی شفٹ شروع ہوگئی۔

☆☆☆

الماری سے پرانا البم نکال کر اس نے گرد جھاڑی۔ آج بہت عرصے بعد کسی اپنے کے لیے دل بہت رویا تھا مگر کسی کا کندھا میسر نہیں تھا تو چند تصویروں سے دل بہلانے لگی۔ اس کے بچپن کی چند یادیں جس میں وہ امی، ابو کی گود میں بیٹھی لاڈ اٹھوا رہی تھی تو کہیں ماں کے چہرے پر اپنے لیے ممتا اور پیار تھا۔

ایک، ایک تصویر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اس کے آنسو جھر جھر بہہ رہے تھے، دل میں موجود ایک، ایک شکایت کہتی جا رہی تھی۔

"امی آپ سے کیا وعدہ بھائی بھول گئے، میرے لیے پیار تو دور کی بات رحم بھی ختم ہوگیا ہے ان کے دل سے۔ بھابی کی بدزبانی پر وہ بہرے بن جاتے ہیں۔ ان کی ہر زیادتی کو نظر انداز کر جاتے ہیں، میں اپنے حق کے لیے زبان بھی نہیں کھول سکتی کیونکہ اس گھر کے علاوہ کوئی ٹھکانا بھی نہیں میرا۔"

اس کا چہرہ پوری طرح سے بھیگ چکا تھا۔ اس نے آستین سے چہرہ رگڑا اور ورق پلٹ دیا۔

"آپ کو پتا ہے بابا بھائی نے میرا رشتہ طے کر دیا۔ مجھ سے پوچھے بغیر، مجھے بتایا تک نہیں، جانے وہ کون شخص ہے۔" وہ بازوؤں کے گھیرے میں منہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

☆☆☆

"بہت اچھا لڑکا ہے بس عمر میں تم سے تھوڑا بڑا ہے مگر بالکل ہیرا صفت ڈھونڈا ہے میں نے۔" بھابی بیگم بھائی کے سامنے اپنے نمبر بنا رہی تھیں مگر اس کے کانوں پر گویا بم پھوٹا تھا۔ "منگنی اور رسموں سے میں نے خود منع کر دیا کہ فضول کا خرچ بڑھ جاتا ہے تو رشتے کے طور پر تمہارے لیے یہ انگوٹھی اور چیزیں بھیجی ہیں۔" انہوں نے ٹیبل پر رکھی چیزوں کی جانب اشارہ کیا مگر وہ پاس کھڑی گم صم انداز میں انگلیاں چٹخا رہی۔ "بڑے ہی نیک شریف لوگ ہیں، آگے کا نہ کوئی آگے نہ پیچھے بس اکیلا رہتا ہے ہماری حسن راج کرے گی۔" وہ ایک، ایک شاپر ٹٹولتے ہوئے تبصرہ کر رہی تھیں۔

"اتنا ہی اچھا تھا تو آپ نے اپنی بہن کے لیے کیوں نہ چن لیا؟" آمنہ کے ذہن میں فوراً سوال چکرائے تھے۔ "ابھی ایک اور بہن بھی تو کنواری بیٹھی ہے اور یہ کیسا رشتہ ہے نہ لڑکے نے اسے دیکھا نہ اس کے گھر والوں نے، نہ اسے ان لوگوں کی کوئی خبر، بس بھابی بیگم نے تصویر پر دونوں طرف کام پکا کر دیا۔" آمنہ کے دل و دماغ میں آندھیاں چلنے لگیں۔ کھڑے کھڑے دم گھٹنے لگا۔ آنکھوں میں چھائی دھند کو جذب کرنے کی کوشش ناکام ہوئی تو آہستگی سے مڑ کر کمرے کا رخ کیا۔

"ارے یہ سرخ جوڑا کتنا شاندار بھیجا ہے، آمنہ تم تو پہنتی نہیں ایسے گہرے رنگ، میں ہی استعمال کر لوں گی۔" اسے اپنے پیچھے بھابی کی آواز سنائی دی مگر وہ بے حسی سے چلتی ہوئی کمرے میں بند ہوگئی۔

☆☆☆

وہ روایتی انداز میں دلہن بنی بیٹھی تھی۔ اس کا رشتہ جتنی جلدی میں طے ہوا تھا اسی تیزی سے شادی کا کام بھی انجام پایا۔ اسے ان تمام معاملات کا کچھ پتا نہیں تھا۔ وہ اس پورے عرصے میں صرف یہ جان پائی تھی کہ اس کی شادی عادل سے ہو رہی ہے، وہ بھی سب گھر والوں کے منہ سے خود ہی سن کر اندازہ ہوا۔ ورنہ تو اسے کچھ بتایا گیا نہ وہ پوچھنے کی ہمت کر پائی کیونکہ پھر بے حیا اور بے لگام جیسے القابات سے نوازی جاتی۔ آج دلہن کے روایتی روپ میں اسے خوب سراہا گیا تھا۔ مگر وہ دل میں ہزاروں خوف اور خدشے لے کر رخصت ہوئی کیونکہ وہ کون سا بڑی چاہ سے بیاہی جا رہی تھی۔ گھر والوں نے سر سے اتارا تھا... اور سسرال سے تو کوئی شخص اس نے ابھی تک نہیں دیکھا تھا۔

بس شادی کے روز لڑکے کی چند کزنز اور چچیاں، ممانیاں اسے چند رسموں کے بعد لے گئی تھیں۔ جتنی

WWW.PAKSOCIETY.COM

تعریفیں بھابی بیگم کے منہ سے سنی تھیں ان میں سے یہ تو واقعی سچ تھا کہ فیملی پڑھی لکھی اور مہذب نظر آرہی تھی۔

کمرے میں تازہ پھولوں کی خوشبو ہر چیز پر حاوی تھی۔ گہرے رنگ کی چیزوں سے سجا یہ کمرا بہت خوب صورت معلوم ہو رہا تھا۔ اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ گھبراہٹ سے ہاتھ پیر ٹھنڈے ہو رہے تھے۔ دروازہ کھلنے کی آواز پر اس کا دل حلق میں آن اٹکا۔ گھبراہٹ اتنی شدید ہوگئی کہ اسے لگا کہ وہ ابھی حواس کھو بیٹھے گی۔

عادل ہلکے سے کھنکھار کر سلام کرنے کے بعد جوتے اتار رہا تھا۔ ”آپ شاید بہت فارمل ہو کر بیٹھی ہیں، ایسے تو تھک جائیں گی۔ آرام سے ٹیک لگا کر ایزی ہو جائیں۔“ اس نے اتنے دھیمے انداز میں بات کی اور لہجہ اتنا شیریں کہ اس کے حواس کچھ حد تک بحال ہونے لگے۔ آمنہ نے ٹیک لگاتے ہوئے نظریں اٹھائیں تو پہلی نظر کافی خوش کن تھی کیونکہ عادل اس کی توقع سے زیادہ اسمارٹ نظر آرہا تھا۔ اس کے دل کی دھڑکن کچھ حد تک نارمل ہو چکی تھی۔

”میرے گھر میں میرے علاوہ کوئی نہیں پر اب تو یقیناً آپ کا ساتھ ہوگا۔“ وہ مسکراتے ہوئے اپنی بات کا آغاز کرنے لگا۔

”والدین حیات نہیں ہیں، یقیناً آپ کے گھر والوں نے آپ کو سب کچھ تفصیل سے بتا دیا ہوگا۔ پہلے میں سمجھتا تھا کہ میں اکیلے سب کچھ کر سکتا ہوں...... شریکِ حیات کے بغیر زندگی گزاری جا سکتی ہے...... بلاشبہ زندگی تو گزر جاتی ہے مگر اس میں رنگینی کا کوئی عنصر نہیں آتا۔ آمنہ آپ میرے لیے زندگی کی رنگینی ہی ثابت ہوں گی مجھے اس بات کی امید ہے۔“ وہ بولتا ہوا مزید خوب صورت لگ رہا تھا۔

”جہاں تک میرے بیٹے کا تعلق ہے تو وہ ماشاءاللہ ..... اب سات سال کا ہے، سمجھدار ہے، آپ پر اس کا کوئی بوجھ نہیں ہوگا۔“ اس نے جیب سے ایک مخملی ڈبیا نکالی۔ ”اور ایسی بات ذہن میں مت لایئے گا کہ میں نے یہ شادی بیٹے کے لیے کی ہے بلاشبہ آپ صرف میرے لیے یہاں آئی ہیں۔“ وہ آگے کیا کہہ رہا تھا آمنہ آنکھیں پھاڑے اس کا چہرہ تک رہی تھی جبکہ وہ اس کی حالت سے بے خبر مسکراتے ہوئے اسے انگوٹھی پہنا رہا تھا۔ اس کا یخ بستہ ہاتھ بے جان شے کی طرح نیچے گر گیا۔ عادل نے چونک کر اس کی جانب دیکھا۔

”آپ کا بیٹا بھی ہے؟“ الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کر بہ مشکل ادا ہوئے۔

”ہاں، میرا بیٹا جاسم۔“ عادل نے حیرت سے اس کی جانب دیکھا۔ ”کیا آپ کو پہلے معلوم نہیں تھا؟“ آمنہ کے لب وا ہوئے اس نے کچھ کہا بھی مگر اتنا آہستہ کہ وہ سمجھنے سے قاصر تھا مگر اس کے چہرے کی پھیکی رنگت پریشان کن حد تک زرد ہو رہی تھی۔

”آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟“ عادل سچ مچ گھبرا گیا تھا۔

”جی...... وہ پانی۔“ وہ اٹک اٹک کر بولی تو وہ تیزی سے گلاس بھرنے لگا۔ گھونٹ گھونٹ پانی پیتے وہ مکمل اس کا جائزہ لے رہا تھا۔

”مجھے حیرت ہے کہ آپ کے گھر والوں نے آپ سے جاسم کا ذکر کیوں نہیں کیا جبکہ میں نے اپنی زندگی کا کوئی پہلو در پردہ نہیں رکھا۔“ وہ دوبارہ سے باتوں کا سلسلہ جوڑ رہا تھا۔ کچھ لمحے قبل اس کے خوب صورت لب و لہجے نے جو شیریں تاثر چھوڑا تھا وہ اب کوفت میں بدلنے لگا تھا۔ اس کا دوستانہ مزاج چڑچڑاہٹ میں مبتلا کر رہا تھا۔ وہ اپنے بارے میں اپنی زندگی کے بارے میں جانے کیا، کیا بتا رہا تھا مگر وہ حواس باختہ ماؤف دماغ کے ساتھ نظریں جھکائے ہوئے تھی۔

”جاسم کی پیدائش پر میری بیوی کا انتقال ہو گیا۔ میں اسے بہت محبت سے بیاہ کر لایا تھا۔ مجھے اس کے جانے کی تکلیف آج بھی محسوس ہوتی ہے مگر اپنے لیے، اپنے گھر اور جاسم کے لیے مجھے جذباتی اور معاشرتی سہارے کی ضرورت ہے بلکہ میں شدت سے اس... کمی کو محسوس کرنے لگا تھا پھر میں نے دوسری شادی کا فیصلہ کیا اور یہ فیصلہ کرتے کرتے مجھے سات سال لگ گئے۔“ عادل نے پرت در پرت اپنی زندگی کی کتاب کھولی۔

”عادل جیسا ہیرا تو کہیں ڈھونڈنے سے بھی نہ ملے۔ چاند کی طرح بے داغ انسان ہے۔“ بھابی بیگم کی آواز کانوں میں گونجنے لگی۔

”اب آپ ہی اول اور آپ ہی آخر ہیں آمنہ۔“ عادل نے اس کا ہاتھ تھاما۔

”تم بھائی کے سامنے زبان کھول کر بری مت بن جانا۔ میری بات کا اعتبار کر لو۔ جواب تمہارا ہاں کی صورت میں ہی ہونا چاہیے۔“ بھابی بیگم باقاعدہ آنکھوں کے سامنے ناچنے لگیں۔

”کبھی دل میں تمثیل مت آنے دیجیے گا۔ وہ میرا ماضی تھی، بلاشبہ ماضی خوب صورت تھا مگر آپ حال ہیں اور آپ اسے خوب صورت تر بنا سکتی ہیں۔“ عادل کا لہجہ لو دینے لگا تھا۔

”مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے بھائی جان، آپ لوگوں نے میرے لیے غلط فیصلہ تھوڑی کیا ہوگا۔ آپ اسی میں میری بہتری سمجھتے ہیں تو مجھے بھی کوئی اعتراض نہیں۔“ آمنہ کو اپنے آخری جملے یاد آئے جو اس نے بھائی جان کی زبان پر اعتبار کرتے ہوئے ادا کیے۔

”میں نے دل و دماغ سے فیصلہ کرتے ہوئے اب خود کو اس قابل بنایا کہ میرا سب کچھ آپ کا ہوگا...... اور مجھے یقین ہے کہ آپ میری امیدوں کو حقیقت کا رنگ دیں گی۔“ عادل جس قدر قریب آرہا تھا وہ خود کو اتنا دور محسوس کر رہی تھی۔

”کیا آپ میرا ساتھ دیں گی؟“ عادل نے اپنی بات تمام کرتے ہوئے اپنا ہاتھ پھیلایا۔ آمنہ نے خالی نظروں سے سامنے پھیلے ہاتھ کو دیکھا پھر عادل کے چہرے کو۔

”تو بھابی بیگم آپ نے میری زندگی کا سب سے اہم فیصلہ بھی بدطینت ہو کر کیا۔ مجھ سے جھوٹ بول کر اپنی عزت کا بھرم بھی بچا لیا دنیا کے سامنے اور مجھ سے جان بھی چھڑا لی اگر مجھے دھکا دینا ہی تھا تو اس طرح ہی کیوں۔“ آمنہ نے وحشت زدہ نظروں سے عادل کو دیکھا۔

”تو میری قسمت میں یہی تھا ایک زندگی کا برتا ہوا مرد۔“ اس نے اپنا عروسی لباس سنبھالا اور تیزی سے ڈریسنگ روم کے پردے کے پیچھے غائب ہو گئی۔ یہ بھی دیکھے بنا کہ عادل کی محبت سے بھری جھولی میں وہ سکہ ڈالنے پر بھی آمادہ نہیں ہوئی اور مایوس جھولی اچھی امید پر سمٹ کر رہ گئی۔

☆☆☆

وہ شادی کے بعد پہلی بار میکے آئی تھی۔ اپنی ذات کا بھرم رکھنے کے لیے خوب تیار ہوئی تھی۔ عادل آفس جانے سے پہلے اسے بھائی کے گھر چھوڑ گیا تھا۔ آج پہلی بار بھائی نے گلے لگا کر پیار کیا اس کی آنکھیں چھلک پڑیں۔ جب ان محبتوں کی شدت سے منتظر تھی تب کسی نے فالتو شے کی طرح بھی نہ جانا اور اب جب وہ اس گھر سے بے دخل ہو گئی تو......

آمنہ نے بھابی کو دیکھ کر آنکھیں پونچھ لیں۔

”آمنہ تم اپنی بھابی کے ساتھ وقت گزارو، میں آفس سے واپسی پر تم سے گپ شپ کروں گا۔“ بھائی اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر باہر نکل گئے جبکہ بھابی سر سے پیر تک گھورتے ہوئے سامنے بیٹھ گئیں۔

”کیسا لگا عادل؟“ بھابی کے چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ تھی۔

”عادل اچھے انسان ہیں تو اچھے ہی لگیں گے۔“ آمنہ نے ہزار سوچا تھا کہ اب اپنا مذاق نہیں بنوائے گی۔ چہرے پر سجی جھوٹی مسکراہٹ جو گھر داخل

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہوتے ہوئے نمایاں تھی، بھابی کا چہرہ دیکھتے ہی اڑن چھو ہوگئی اب وہ حسبِ عادت سنجیدہ اور سخت چہرہ لیے جواب دہ تھی۔

"منہ دکھائی میں کیا ملا؟"

آمنہ نے خاموشی سے اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا جو خوب صورت انگوٹھی سے مزین تھا۔

"اس کا بیٹا تمہیں زیادہ تنگ تو نہیں کرتا؟" بھابی نے زہریلی نظروں سے اس کا چہرہ جانچا مگر ان کے لبوں پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی اور یہی ان کی شخصیت کا خاصہ تھا۔

"نہیں، جاسم تو بہت پیارا بچہ ہے، اس کی آپا ہی اسے سنبھالتی ہے جو پچھلے سات سال سے پال رہی ہے، مجھے کیوں تنگ کرنے لگا وہ۔" آمنہ نے کمالِ خوب صورتی سے اپنے زخم چھپائے جو بھابی بیگم نے اپنے ہاتھوں سے ادھیڑے تھے۔

"گھر میں دو دو ملازمائیں جو موجود ہیں، ایک جاسم کے لیے اور ایک گھر کے کاموں کے لیے، مجھے کوئی مسئلہ یا تکلیف کاہے کی۔" آمنہ کے جواب پر وہ پہلو بدل کر رہ گئیں۔

"وہ تو سب ٹھیک ہے مگر شروع سے ہی مرد کو قابو میں رکھنا، پہلے بھی ایک عورت برت چکا ہے، ایسے مرد بڑے تیز ہوتے ہیں۔" بھابی بیگم جھک کر رازداری سے بولیں تو اس کے اندر ٹیس سی اٹھی، ان کے چہرے پر ان کے بولے گئے جھوٹ کی کوئی شرمندگی نہیں تھی۔ آمنہ کو ان کا چہرہ اور بھی بدصورت لگا۔

"ہاں ٹھیک کہتی ہیں آپ۔" آمنہ نے سنجیدگی سے اثبات میں سر ہلایا۔

"مرد کا کچھ پتا نہیں ہوتا۔ اب وہ باہر جا کر کیا کرتا ہے، عورت کیا جانے...... آپ بھی بھائی پر کڑی نظر رکھا کریں۔"

"ارے دماغ ٹھیک ہے تمہارا لڑکی؟" بھابی کرنٹ کھا کر سیدھی ہوئی تھیں۔ "نہ شرم نہ حیا منہ کھول کر بھائی پر الزام لگا دیا۔ ارے یہ تو سوچا ہوتا کہ بات کس کے بارے میں کر رہی ہو، تمہارے باپ کی جگہ ہیں وہ۔" بھابی کو اتنا برا لگا کہ بل کھاتی ہوئی اندر چل دیں مگر نہیں آمنہ کا مطمئن چہرہ بے چینی میں مبتلا کر گیا تھا۔ آمنہ کے واپس جانے تک وہ یہ بتانا نہیں بھولی تھیں کہ ان کی چھوٹی بہن ٹینا، نادر ملک کے ساتھ ہنی مون کے لیے مری روانہ ہوگئی ہے اور یہ ٹرپ کم از کم پندرہ دن کا ہوگا۔ آمنہ اب کی بار منہ توڑ جواب دے رہی تھی کیونکہ اب اسے چھت چھن جانے کا ڈر نہیں تھا اب تو وہ خود ایک گھر کی مالکہ تھی۔

☆☆☆

ماسی کو ساری ہدایت دے کر وہ لاؤنج میں سے گزری تو ہر طرف کشن اور تکیے بکھرے پڑے تھے۔ یہ یقیناً عادل اور جاسم کا کمال تھا۔ کشنز کے ساتھ لڑائی ان کا من پسند کھیل تھا۔ آمنہ نے جھک کر سارے کشن اٹھائے اور اپنی اپنی جگہ پر ترتیب دینے لگی، کچھ ہی دیر بعد لاؤنج کی شکل نکل آئی تھی۔ اس نے ایک سرسری نظر پورے در و دیوار پر ڈالی تو گویا دل کا کوئی کونہ چور سی خوشی محسوس کرنے لگا۔ بلاشبہ اس کا گھر، بھابی بیگم کے گھر سے چھوٹا سہی مگر خوب صورت اور ہر آسائش سے مزین تھا۔ وہ ایک صوفے پر ٹک گئی اور ریموٹ اٹھا کر چینل سرچ کرنے لگی۔ چھوٹے دروازے کو زور سے بجاتے ہوئے جاسم بھاگتا ہوا آیا تھا۔

"آمنہ ماما، دیکھیں میں نے پلین بنایا ہے۔" اس نے ہاتھ میں کاغذ کا جہاز پکڑ رکھا تھا۔ جسے وہ منہ سے آوازیں نکالتے ہوئے اڑاتا پھر رہا تھا۔

"آمنہ ماما دیکھیں ناں۔" اس نے زور دیا اپنی بات پر اسے یہ لفظ عادل نے سکھایا تھا مگر آمنہ نے اچٹتی سی نگاہ ڈالی اور بنا کچھ کہے ٹی وی کی جانب متوجہ ہوگئی۔

"آمنہ ماما آپ میرا پلین نہیں دیکھیں گی؟ میں نے خود بنایا ہے، بہت مشکل تھا پر پہلی بار ہی میں بنا مجھ سے۔" اس نے معصومیت سے کہتے ہوئے اس کا گھٹنا چھوا مگر آمنہ نے اس کا ہاتھ پرے دھکیل دیا۔

جاسم منہ بسورتا نیچے کارپٹ پر جا بیٹھا۔

"ارے کیا بنایا ہے میرے بیٹے نے؟" عادل کی آواز پر جاسم کے ساتھ ساتھ آمنہ بھی چونکی۔ وہ نہا کر فریش حلیے میں اندر داخل ہوتا اسے دیکھ کر مسکرایا تھا اب وہ بھی نیچے بیٹھا پلین دیکھنے میں مگن تھا۔ آمنہ نے چور نظروں سے دونوں کو دیکھا۔ یقیناً آمنہ کا رویہ وہ دیکھ چکا تھا۔

نجمہ اس کی ہدایت کے مطابق ناشتا بنا کر ٹرالی گھسیٹ لائی۔ آمنہ ساری چیزیں وہیں لاؤنج کی ٹیبل پر منتقل کرنے لگی۔

"ناشتا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔" اس کے مختصر سے جملے پر وہ کھڑا ہوگیا۔ اس کی پینٹ میں کئی سلوٹیں پڑ چکی تھیں مگر وہ اپنے بیٹے کے ساتھ نیچے بیٹھا مگن اور خوش تھا۔

"کبھی اپنے ہاتھ سے بھی گرما گرم ناشتا کروائیں ناں تو مزہ آئے۔" عادل اس کے بالوں کا کیچر کھول کر شرارت کر گیا۔ وہ بس پھیکی سی مسکراہٹ لے کر رہ گئی۔ ساری عمر بھابی کے لیے ناشتا بنایا تھا اب ملازمہ سے بنا ناشتا اس کے لیے بہت بڑی عیاشی تھی۔ اس نے عادل کی بات سنی ان سنی ہی کر دی تھی۔

"اس نجمہ نے سارا کچھ یہیں آ کر بنانا سیکھا۔ اسے کچھ بھی نہیں آتا تھا۔" عادل نے پراٹھا اپنی پلیٹ میں منتقل کرتے ہوئے بتایا۔ "اور مزے کی بات نینا نے سب کچھ خاموشی سے کھایا اور اسے سیکھنے میں بھرپور مدد دی۔" اس نے ہنستے ہوئے بتایا مگر آمنہ اس کی کسی بھی بات میں ابھی تک حصے دار نہیں ہوتی تھی کیونکہ وہ اب تک خود کو اس گھر میں ایڈجسٹ نہیں کر پائی تھی۔

"آمنہ ماما مجھے پراٹھا نہیں کھانا مجھے بریڈ پر جام لگانا ہے۔" جاسم نے انڈے پر کالی مرچ ڈالنے کا شغل پورا کر لیا تو نئی فرمائش کر ڈالی جسے آمنہ نے بھرپور طریقے سے نظر انداز کرتے ہوئے خاموشی سے اپنا ناشتا جاری رکھا۔ جاسم کچھ لمحے اس کے چہرے کی جانب دیکھتا رہا...... شاید وہ آمنہ کو بھی اپنی آپا جان سمجھتا تھا جو اس کی کہی بات فوراً سے پہلے پوری کرتی تھی مگر کوئی توجہ نہ پا کر خود اس کوشش میں

قارئین متوجہ ہوں
پرچا نہیں ملتا
کچھ عرصے سے بعض مقامات سے یہ شکایات مل رہی ہیں کہ ذرا بھی تاخیر کی صورت میں قارئین کو پرچا نہیں ملتا۔ ایجنٹوں کی کارکردگی بہتر بنانے کے لیے ہماری گزارش ہے کہ پرچا نہ ملنے کی صورت میں ادارے کو خط یا فون کے ذریعے مندرجہ ذیل معلومات ضرور فراہم کریں۔
☆ بک اسٹال کا نام جہاں پرچا دستیاب نہ ہو۔
☆ شہر اور علاقے کا نام۔
☆ ممکن ہو تو بک اسٹال کا PTCL یا موبائل فون نمبر
رابطے اور مزید معلومات کے لیے
ثمر عباس
03012454188
جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز
سسپنس، جاسوسی، پاکیزہ، سرگزشت
C-63 فیز II ایکسٹینشن ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی مین کورنگی روڈ، کراچی
مندرجہ ذیل ٹیلی فون نمبروں پر بھی رابطہ کر سکتے ہیں
35802552-35386783-35804200
ای میل: jdpgroup@hotmail.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

مگن ہوگیا۔

''لاؤ، میں اپنے بیٹے کو ناشتا کروادوں۔''

عادل نے اپنا ناشتا ادھورا چھوڑ دیا۔ بریڈ پر جام لگا کر وہ خود اسے کھلانے لگا۔ ساتھ میں چھوٹی، چھوٹی باتوں پر ہنسی مذاق بھی جاری تھی۔ جب تک جاسم کا ناشتا ختم ہوا اس کے آفس کا ٹائم ہوگیا۔ وہ ادھورا ناشتا چھوڑ کر آمنہ کو خدا حافظ کہہ کر باہر نکل گیا۔ اس کے لب اب بھی مسکرا رہے تھے مگر اس کا ادھورا ناشتا ٹرے میں واپس رکھتے ہوئے اسے کہیں چبھن کا احساس ضرور ہوا تھا۔

☆☆☆

''ارے بھئی آمنہ کہاں ہیں آپ؟'' عادل اسے ڈھونڈتا ٹیرس تک آگیا تھا۔ وہ شام کے اس پہر ڈھلتے سورج کو دیکھ کر لطف اٹھا رہی تھی۔ موسم بہت حد تک بدل گیا تھا۔ شام کے پہر خنکی بڑھنے لگی تھی ہلکی ہلکی ٹھنڈی ہوا اندر تک اترنے لگی تھی۔ اس نے اپنے بڑے سے دوپٹے کو اپنے گرد پھیلا لیا مگر وہ سرد ہوا کے تھپیڑوں کو روکنے کے لیے ناکافی تھا۔ کب سے سوچ رہی تھی کہ میکے جا کر سردیوں کے کپڑے اٹھا لائے گی مگر جانا ہی نہیں ہو پا رہا تھا۔

''ارے تم اس وقت یہاں......؟'' عادل کی آواز پر وہ چونکی تو بہت سا وقت گزر جانے کا احساس بھی ہوا۔

''بس بدلتے موسم اور ڈھلتے سورج کے رنگ ڈھنگ دیکھ رہی تھی۔'' آمنہ نے ہلکے سے مسکرا کر کہا۔

''دیکھو، میں تمہارے لیے کیا لایا ہوں؟'' عادل نے اپنی پشت کی جانب چھپے ہاتھ سامنے پھیلائے تو تازہ موتیے کے دو گجرے دلفریب خوشبو سے مہک رہے تھے۔ آمنہ دیکھ کر اندر تک شانت ہوگئی۔

''تمہیں پسند ہیں؟'' عادل نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''بہت زیادہ......''

''دیکھ لو مجھے اندازہ تھا۔'' وہ مسکرایا تو اردگرد سارا ماحول خوشبو سے معطر ہو کر مسکرانے لگا۔ اس نے باری باری دونوں گجرے اس کی کلائیوں میں پہنا دیے۔

''اُف...... یہاں تو بہت ٹھنڈ ہے۔'' سرد جھونکے سے دونوں اندر تک کانپ گئے۔ شام کی سرخی اندھیرے میں ڈھل رہی تھی۔ اس نے ایک نظر ٹھنڈے روشن آسمان پر ڈالی پھر اندر کی طرف بڑھی۔

''آپ لاؤنج میں چل کر بیٹھیں، میں کافی بنا کر لاتی ہوں۔''

''نہیں، تم بیڈ روم میں آجانا کافی لے کر۔'' وہ کہتا سیڑھیاں اتر گیا۔ آمنہ کے دوپہر سے دُھلے بال ابھی تک کھلے تھے اس نے پہلے ہاتھ سے ہی بال سلجھائے پھر کسی کیچر یا بینڈ کے لیے یہاں وہاں نظر دوڑائی۔ ٹی وی ٹرالی کے نیچے موجود دراز کھولی تو...

ہیر بینڈ تو مل گیا مگر فریم کی گئی الٹی تصویر کو وہ پلٹے بنا نہ رہ سکی۔ عادل اور اس کی پہلی بیوی کا ایک ساتھ خوب صورت کلوز اپ تھا۔ بے چینی اور گھٹن تن بدن میں سرایت کرنے لگی۔ کچھ لمحے قبل وہ جن احساسات کے گھیرے میں تھی وہ ٹوٹ کر کیسے بکھرے وہ خود بھی نہیں جانتی تھی۔ بے اختیار ہی کلائی میں پہنے گجرے اتار کر دراز میں ڈال دیے اور ماؤف دماغ کے ساتھ کافی بنانے چلی گئی۔ شادی کے چار ماہ گزر جانے کے بعد بھی وہ خود کو اس حقیقت کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں کر پائی تھی جسے شادی سے پہلے خوب صورتی سے چھپا لیا گیا تھا۔ وہ دھچکا آج بھی اس کی حساس طبیعت کو کسی طرح چوکا لگا دیتا۔ کافی کا مگ سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر وہ واپس مڑ گئی۔ صد شکر کہ عادل نماز پڑھنے میں مصروف تھا۔ اردگرد کی ہر چیز سے بے نیاز وہ جا کر لان کی کرسی پر بیٹھ گئی۔ یہ جانے بغیر کہ اس کی کچھ دیر قبل کھولی گئی دراز ابھی تک کھلی تھی۔ موتیے کا خوشنما گجرا دراز میں تو دوسرا نیچے فرش پر پڑا

ناقدری پر رو رہا تھا۔

☆☆☆

آج وہ پھر بھائی کے گھر آئی تھی...... اپنی الماری سے اپنی چیزیں نکال کر بیگ میں پیک کیں پھر سردیوں کے کپڑے اور شالیں نکالنے لگی۔ بھابی پورے گھر میں کام والی کے پیچھے چکراتی پھر رہی تھیں۔ کام والی کبھی آتی کبھی نہیں آتی تو سارا کام بھابی کے کندھوں پر ہوتا تھا اب بھی گھر کی حالت بہت ابتر تھی۔ دو دن کی دیگچیاں گندی پڑی تھیں، کام والی نہیں آئی تو بھابی بیگم نے نئے برتن نکال کر استعمال کر لیے اسے دیکھ کر ان کے چہرے پر شدید ناگواری آئی اور دل میں ایک خوش فہمی نے سر اٹھایا کہ شاید وہ ان کا ہاتھ بٹائے مگر وہ بھی سخت دل ہو چکی تھی۔ آج بھی ٹی وی لاؤنج میں ماں بیٹیوں کی محفل جمی ہوئی تھی اور خوب جمی ہوئی تھی۔ اتفاق سے ٹینا بھی آئی ہوئی تھی۔

''آپی میرے مسئلے کا کچھ کریں ناں!'' ٹینا نے بیزاری سے اس فضول بحث کو سنا پھر رونی شکل بنا کر گویا ہوئی۔ آمنہ اپنے بیڈ روم کا دروازہ کھول کر کچھ دیر یونہی باتیں سننے کی غرض سے کھڑی ہوگئی۔ سب کے پاس بیٹھنے کا اس کا بالکل دل نہیں تھا۔

''تمہارے مسئلے کا کوئی حل نکل ہی نہیں سکتا کیونکہ تم خود ایک بے وقوف اور جاہل لڑکی ہو۔'' بھابی بیگم نے ہاتھ میں پکڑی پلیٹ میز پر پٹخی تو ٹینا کے آنسو جھر جھر بہنے لگے۔ ان کی والدہ صاحبہ نے محبت سے بیٹی کو اپنے بازوؤں میں بھر لیا۔

''اتنی مشکل سے یہ رشتہ کروایا تھا وہ لوگ تو آمنہ کے نام سے ایک انچ پیچھے نہیں ہٹ رہے تھے مگر کیا ہی اچھا ہوتا کہ یہ بلا آمنہ کے گلے ہی ڈلتی۔''

آمنہ کے اپنے نام پر ایک دم کان کھڑے ہوگئے۔

''جو ہوگیا اسے چھوڑو تم اب آگے کی سوچو۔'' والدہ صاحبہ نے بیزاری سے بات آگے بڑھانی چاہی۔

''ایک شوہر نہیں سنبھالا جاتا تم سے۔ آگے چل کر تو دیورانی، جیٹھانی کی تیز طراریاں تمہیں وہاں ٹکنے نہیں دیں گی اگر نادر ملک تمہیں توجہ نہیں دیتا تو توجہ حاصل کرنے کی کوشش کب کی تم نے؟ وہ باہر رات گزار کر آتا ہے تو تم منہ اٹھا کر میکے آجاتی ہو' بھئی تم بیوی ہو اس کی۔ اس سے پوچھ گچھ کرو کہ ایسا کون سا کام ہے جو رات، رات بھر ہوتا ہے۔'' بھابی بیگم جلے دل کے پھپھولے پھوڑ رہی تھیں۔ ''پوچھنا تو دور کی بات الٹا مار کھا کر ماں کے در پر پہنچ جاتی ہو۔''

''تم نے آمنہ کے ساتھ زیادتی کی شاید وہی گلے آرہی ہے۔'' بھابی کی والدہ نے سارا الزام ان کے سر رکھ دیا۔

''واہ، امی جان واہ...... میں نے زیادتی کی؟'' بھابی بیگم اٹھ کھڑی ہوئیں۔ ''سب کچھ آپ کے مفید مشوروں سے ہی تو ہوا اور آپ نے سارا الزام میرے سر پر رکھ دیا۔ میں نے اپنی طرف سے اچھا لڑکا اور اچھا گھر بار ہی دیکھا تھا مجھے کیا پتا تھا کہ وہ اتنی بری فطرت کا مالک ہوگا اور ایسے رنگ ڈھنگ نکالے گا۔''

''بے ایمان دنیا ہے، بھلا ہم سے سیدھے سادے لوگ کیا جانیں۔'' ان کی والدہ افسوس سے کہتی بیٹی کو پھر سے گلے لگانے لگیں جو ابھی تک زار و قطار رو رہی تھیں۔

☆☆☆

آمنہ نے ہاتھ میں پکڑا بیگ وہیں رکھا۔ ٹانگوں میں جیسے ہمت ہی نہیں رہی۔

''میں ساری زندگی ان لوگوں کی سازشوں اور برے رویے کا شکار رہی، میرا ذہنی سکون برباد کر کے رکھ دیا اور اب جب قدرت نے میری راہ میں کئی محبتیں بچھا دیں تو میں پھر بھی منکر ہو کر گناہ گار ہو رہی ہوں۔'' آنسو ایک تواتر سے اس کے گالوں پر بہنے لگے۔ ''ان کی بری سوچ اور سازش خود ان کے لیے

WWW.PAKSOCIETY.COM

زندگی کا روگ بننے جارہی ہے، تباہی ہونے جارہی ہے جبکہ میرے لیے اس انکشاف نے سکون کے کئی پھول کھلا دیے۔ شاید میں بہت ناشکری ہوں۔ دنیا میں مجھ سے بڑھ کر کوئی ناشکرا انسان نہیں ہوگا۔'' اس نے روتے ہوئے اپنا چہرہ ہاتھوں میں چھپالیا۔

☆☆☆

موسم کے بدلتے ہی عادل کی طبیعت کافی بوجھل ہوگئی تھی۔ معمولی سا نزلہ زکام آج بگڑ کر بخار میں تبدیل ہوگیا تھا مگر وہ روٹین کے مطابق آفس جانے کی تیاری میں مگن تھا۔

''عادل آپ کا ناشتا تیار ہے۔'' آمنہ نے بیڈ روم میں آکر اسے بتایا۔

''یہیں لے آؤ۔'' اس نے سستی سے کہتے ہوئے شرٹ کے بٹن بند کیے۔ آدھی شرٹ کے بٹن کھلے آدھے بند تھے۔ وہ کوفت سے کف کھلے چھوڑ کر ہیر برش کی تلاش میں اٹھا۔ آج اس سے بٹن نہیں بند ہورہے تھے۔

''آپ سلائس لیں گے یا پراٹھا؟'' آمنہ نے تیزی سے ٹرے لیے اندر داخل ہوئی۔

''مجھے صرف چائے بنادو۔'' عادل ہیئر برش پھینک کر اس کے قریب آگیا۔ آمنہ نے گرما گرم بھاپ اڑاتی خوشبودار چائے کپ میں انڈیلی اور اس کی جانب بڑھادی مگر اگلے ہی پل حیرت سے اس کے کھلے کف اور ادھ کھلے بٹنوں کو دیکھنے لگی۔ آج سے پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا تھا۔ عادل بہت نفاست پسند تھا اور یہی نفاست اس کے ہر رویے سے ظاہر ہوتی تھی۔

''لائیں، میں بٹن بند کردوں۔'' آمنہ نے ہچکچاتے ہوئے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا تو عادل کی آنکھوں میں حیرت کے ساتھ ساتھ کچھ اور بھی تھا مگر وہ نظریں چرا کر بٹن بند کرنے لگی۔ جب دونوں کف بند کرنے کے بعد وہ پیچھے ہٹنے لگی تو عادل نے نئی فرمائش کرڈالی۔

''یہ بھی بند کردو۔'' اس کا اشارہ گریبان کے بٹن کی جانب تھا۔ آمنہ نے ہاتھ بڑھا کر بٹن بند کیا مگر واپس مڑنے سے پہلے اس کا ہاتھ عادل کی گرفت میں تھا۔

''تھینک یو......'' اس نے مسکراتے ہوئے آمنہ کا ہاتھ دبایا۔

''آپ کو بخار ہے؟'' آمنہ نے اس کے ہاتھ کی تپش کو فوراً محسوس کیا۔

''نہیں تو...... میرے جذبوں کی گرمی ہے جو ابھی کچھ لمحے قبل بیدار ہوئے ہیں۔'' عادل نے شرارت سے اسے اور قریب کھینچا۔ ابھی کچھ لمحے قبل کی بیزاری اور کوفت کا نام ونشان تک نہیں تھا۔

''آپ مذاق میں مت ٹالیں۔'' اس کا چہرہ سرخ ہوگیا تھا۔ ''آپ کو بہت تیز بخار ہے۔ آپ آج آفس بالکل نہیں جائیں گے۔'' وہ نظریں چراتے ہوئے بریڈ پر جیم لگانے لگی۔

''اگر تم اسی طرح روکو گی تو نہیں جاؤں گا۔'' عادل کی شرارت عروج پر تھی۔ آمنہ میں آنے والی تبدیلی نے قدم بڑھانے پر مجبور کیا تھا اور یہ تبدیلی آنے والے وقت کے لیے خوش آئند بھی تھی۔

''یہ بریڈ لیں، میں دوا لے کر آتی ہوں۔'' وہ واضح طور پر کترا رہی تھی۔ عادل نے مسکراتے ہوئے اس کی پشت دیکھی۔ جو اَب جاسم کی کسی شرارت پر اس کے پیچھے لپکی تھی۔ پورے لاؤنج میں جاسم کے بھاگنے اور آمنہ کی اسے پکارنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ پورا گھر ان کی شرارتوں اور قہقہوں سے گونج رہا تھا۔ عادل اس تبدیلی پر حیران ضرور تھا مگر امید کی کوئی کرن پہلے دن سے اندر کہیں روشن تھی۔ اس نے چائے کا کپ خالی کیا اور خود بھی ان حسین لمحات کا حصہ بن گیا جن کا انتظار کب سے تھا۔ صبح کی روشن روشن کرنیں پورے گھر میں محبت کا پیغام لارہی تھیں۔

ٹی وی لاؤنج میں بیٹھی ثمین بظاہر ٹی وی اسکرین پر نظریں جمائے ہوئے تھی مگر اس کا ذہن اور خیال دونوں بھٹکے ہوئے تھے۔ جیسے جیسے شام ڈھلنے لگتی اور تیمور کے آفس سے آنے کا وقت..... قریب آتا اس کے اندر بہتے احساسات برف کے مانند منجمد ہونے لگتے۔ تیمور سے اس کی شادی کو ایک سال ہوچکا تھا اور اس ایک سال کے عرصے میں تیمور کی محبت، والہانہ پن اور وارفتگی میں روز بروز شدت

بے وفا سے وفا

زمر نعیم

WWW.PAKSOCIETY.COM

آتی جارہی تھی۔ وہ شادی کی پہلی رات سے اس کا اس طرح خیال رکھتا آرہا تھا جیسے وہ کوئی کانچ کی گڑیا ہو یا پھر کوئی قیمتی اثاثہ...... جبکہ ثمین پہلے دن سے ہی اس کی گرم جوش چاہت سے چڑنے لگی تھی۔ تیمور کی محبت کا جواب وہ جس سرد مہری اور بیگانگی سے دیتی کوئی اور مرد ہوتا تو یقیناً اس سے جواب طلبی کرتا یا پھر چڑ کر اس سے زیادہ سرد مہر ہو جاتا...... مگر تیمور کے لیے اس کا رویہ اس کی بیگانگی، چڑچڑاہٹ کوئی معنی نہیں رکھتے تھے۔ وہ اس پر بس اپنی محبتیں نچھاور کیے جاتا...... جیسے کوئی پجاری کسی دیوی کے قدموں میں اپنی عقیدت و محبت کے چڑھاوے رکھتا جاتا ہے۔ بنا یہ دیکھے جانے کہ اس کی عقیدت و محبت قبول بھی ہو رہی ہے یا نہیں...... اسے تو جیسے ثمین کے کسی ردِ عمل سے کوئی فرق ہی نہیں پڑتا تھا۔

کال بیل کی آواز پر ثمین یک دم چونک کر متوجہ ہوئی۔ تیمور کی متوقع آمد کا سوچ کر ہی اس کے چہرے کے تاثرات مزید سرد اور سنجیدہ ہو گئے۔ وہ ہاتھ میں پکڑا ریموٹ ایک طرف رکھ کر قدرے بیزاری سے اٹھی اور کاریڈور سے گزرتی دروازے تک پہنچ گئی۔ اس اثنا میں مزید دوبار اطلاعی گھنٹی بج چکی تھی۔ اس نے دروازہ کھولا تو حسبِ توقع تیمور ہی کھڑا تھا اور اس کے دونوں بازوؤں کے درمیان کافی زیادہ شاپنگ بیگز سمٹے ہوئے تھے۔ ثمین کے چہرے پر مزید بیزاری پھیل گئی۔ دروازہ کھلتے ہی تیمور سامان کو گرنے سے بچاتا ہوا تیزی سے چلتا لاؤنج کے صوفے تک آیا...... پہلے اس نے سارا سامان وہاں ڈھیر کیا اور پھر خود بھی وہیں ڈھے سا گیا۔

''اُف تھک گیا یار...... لفٹ کو بھی ابھی خراب ہونا تھا...... سیڑھیاں چڑھ کر آنا پڑا۔'' ثمین دروازہ بند کر کے پلٹی تو وہ گہری سانس لیتا ہوا شکایتی انداز میں بولتا ثمین کو مزید چڑا گیا۔

''کیا ضرورت ہے ہر دوسرے دن اتنا سب کچھ اٹھا لانے کی؟''

''بھئی میرا دل چاہتا ہے، تم خود تو کبھی کوئی فرمائش کرتی نہیں ہو، نہ ہی میرے ساتھ شاپنگ کے لیے جاتی ہو۔'' تیمور نے سر کے پیچھے اپنے دونوں ہاتھ باندھے اور اسے نظروں کے حصار میں لے کر بڑی لگاوٹ سے توجیہہ پیش کی۔ ثمین اس کی نظروں کی تپش سے بچنے کے لیے اس کے سامنے سے ہٹتے ہوئے بڑبڑانے کے سے انداز میں بولے گئی۔

''مجھے ان سب چیزوں کی ضرورت ہے نہ شوق...... بیکار پڑا رہتا ہے سب کچھ......'' اس کی سرد مہری شادی کے پہلے دن سے ہی ایسی تھی، تیمور کو لگتا وہ سنجیدہ مزاج رکھتی ہے۔ اسی لیے تیمور کو آج بھی اس کا رویہ محسوس نہیں ہوا۔ وہ اپنے مخصوص انداز سے اپنے دلی جذبات عیاں کرنے لگا۔

''مگر میں اپنے شوق کا کیا کروں، میرا بس چلے تو ساری دنیا تمہارے لیے خرید لاؤں، ثمین میرا دل چاہتا ہے دنیا کی ہر نعمت سب سے پہلے تمہارے حصے میں آئے اور......''

''فضول شوق ہے آپ کا...... پیسے کا زیاں۔ مجھے یہ سب نہیں چاہیے۔'' اس نے تنقیدی نظروں سے سامان کو دیکھ کر اس کی بات کاٹی تو وہ مسکرا کر اس شاپنگ میں سے ساڑی کا ڈبا اٹھا کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بڑے اصرار سے کہنے لگا۔

''اچھا...... یہ دیکھو تو سہی...... تمہیں یہ ساڑی ضرور پسند آئے گی، دیکھو کتنی خوب صورت ہے اور رنگ بھی تمہارا فیورٹ ہے۔'' ثمین نے ایک نظر اس کے چہرے پر ڈالی جہاں چاہت اور شوق کے رنگ دمک رہے تھے۔

''دیکھ لوں گی...... ابھی میں چائے لے کر آتی ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ کچن کی جانب بڑھ گئی۔ ایسا پہلی بار نہیں ہوا تھا۔ وہ ہمیشہ تیمور کی وارفتگی پر اسی طرح کترا کر بچ نکلتی تھی۔ تیمور کے ہاتھ میں بند کا بند ڈبا

تی رہ گیا تھا اور وہ اسے جاتے ہوئے دیکھنے لگا۔ تیمور کے لیے اس کا گریز بھی اس کی ایک ادا تھی اور وہ اس کی ہر ادا پر فدا تھا۔

وہ کافی دیر سے ثمین کے اپنے کام سے فارغ ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔ بظاہر تو وہ سونے سے پہلے اپنے معمول کے مطابق کتاب پڑھنے میں محو تھا مگر اس کی سوچیں ثمین کے اردگرد چکرا رہی تھیں جو کافی دیر سے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی اپنے چہرے کے کلینزنگ مساج کے بعد اب بالوں میں آہستہ آہستہ برش کر رہی تھی۔ اس کا چہرہ سپاٹ تھا۔ جس سے اس کی سوچ پڑھنا بے حد مشکل ہو جاتا تھا جبکہ تیمور اپنی کوشش میں ہر بار ناکام ہو کر خود کو ہی سرزنش کرنے لگتا۔ اپنی سوچوں کو جھٹکتے ہوئے تیمور نے کتاب سینے پر الٹ کر رکھتے ہوئے معمول کے لہجے میں اسے مخاطب کیا۔

''ثمین...... کیا...... تم شروع سے ہی ایسی ہو؟'' وہ پہلی بار اس کے منہ سے یہ سوال سن کر چونک اٹھی اور اس نے تقریباً گھوم کر اس کی طرف دیکھا۔

''کیا...... کیسی......؟'' ثمین کو اپنی حیرت خود ہی محسوس ہوئی تھی۔ ورنہ تیمور کا لہجہ تو معمول کا ہی تھا اور وہ اسی انداز میں وضاحت بھی دے رہا تھا۔

''یعنی عام لڑکیوں سے مختلف...... تمہیں بننے سنورنے کا شوق ہے، نہ شاپنگ کا اور نہ گھومنے پھرنے کا۔'' وہ ڈریسنگ اسٹول سے اٹھ کر اب بیڈ پر آبیٹھی تھی۔

''میں نے تو سوچا تھا کہ ہم ہر شام ساحل پر گزارا کریں گے، لانگ ڈرائیو پر نکلا کریں گے، میں تمہیں اپنی پسند کا میوزک سنایا کروں گا، ویک اینڈ پر مووی ز دیکھا کریں گے لیکن تمہیں تو یہ پسند ہی نہیں ہے۔ آخر تم ایسی کیوں ہو؟'' تیمور نے آج دل کا سوال آخر پوچھ ہی لیا۔ ثمین جو نظریں جھکائے اسے سن رہی تھی بس اسے دیکھے بغیر اس کی

جانب سے رخ موڑ کر لیٹتے ہوئے نہایت سرد و بوجھل لہجے میں فقط اتنا ہی بولی۔

''میں ایسی ہی ہوں...... بابا کے لیے اپنا بزنس اہم تھا، میرے لیے ان کے پاس ٹائم ہی نہیں ہوتا تھا...... اس لیے مجھے عادت نہیں ہے کہ کوئی......'' وہ بولتے بولتے یک دم چپ ہو گئی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی وہ نہ جانے کیوں وضاحت دینے لگی تھی۔ ثمین کی دل گرفتگی تیمور کو تڑپا گئی۔ وہ یک دم اس کے قریب ہو کر اس کا ہاتھ تھام کر دلجوئی بھرے انداز میں کچھ یقین دلانے لگا۔

''مگر میرے پاس تو تمہارے لیے ٹائم ہی ٹائم ہے اور تم سے زیادہ میرے لیے کچھ بھی اہم نہیں۔'' ثمین کو اچھی طرح معلوم تھا وہ اس کے لیے بے حد اہم ہے پھر بھی وہ اسے خالی نظروں سے دیکھے گئی۔ اس کی قربت کی گرمی سے شاید وہ پگھلنے لگی تھی تبھی اپنا ہاتھ غیر محسوس انداز میں چھڑانے لگی۔

''کیا فرق پڑتا ہے اب...... ویسے بھی باہر نیا کیا ہے، ساحل پر وہی لہروں کا شور، وہی دنیا، وہی منظر......''

''تم میرے ساتھ نکلا تو کرو پھر دیکھنا تمہیں ساری دنیا نئی اور بدلی ہوئی لگے گی۔ تم انکل کی موت کا دکھ بھلانے کی کوشش تو کرو...... میں تمہارے ساتھ ہوں سوئٹ ہارٹ۔'' تیمور نے اس کی طرف جھکتے ہوئے والہانہ پن سے کہا تو وہ بے اختیار نظریں چرا گئی۔

''اچھا...... ابھی مجھے نیند آرہی ہے۔'' تیمور کو اس کے آرام کے آگے اپنے جذبوں کو تھپکنا منظور تھا اس نے خود بڑھ کر سائڈ لیمپ بند کر کے اسے چادر اوڑھا کر تھپتھپایا، کمرے میں اندھیرا پھیلتے ہی ثمین نے گہری سانس لی۔ تیمور کی محبت سے اسے گھٹن ہونے لگتی تھی۔

☆☆☆

روشن صبح دبیز پردوں اور بند کھڑکیوں کی حدود

WWW.PAKSOCIETY.COM

توڑ کر اپنے ہونے کا احساس دلاتی پورے کمرے کو جگمگا رہی تھی۔ دن کے ابتدائی اجالے زندگی کی نئی ترتیب کا آغاز بن کر امید دلانے آئے تھے کہ گزشتہ شب سے کہیں بہتر یہ نئی صبح، نیا دن ثابت ہوگا۔ ثمین کی آنکھ بھی روشنی کی بھرپور مگر بے آواز دستک پر ہی کھلی تھی...... مگر وہ کسلمندی سے پڑی تھی اور چاہتی تھی آج بھی تیمور معمول کے مطابق خود ہی اٹھے اور آفس چلا جائے۔ گزرے سال میں چھٹی کے علاوہ چند ایک دن ہی ایسے تھے جب دونوں نے مل کر ناشتا کیا تھا۔ تیمور کا طرزِ زندگی کافی شاہانہ تھا۔ شادی سے پہلے ہی وہ پوش علاقے کے لگژری اپارٹمنٹ میں رہائش پزیر تھا۔ ذاتی بزنس تھا اور وہ اکیلا اکثر کھانا باہر سے کھایا کرتا تھا یا پھر ہفتے میں دوبار وہ ایک کھانا پکانے والی خاتون کی مدد لے کر اپنے لیے کچھ پسندیدہ کھانے بنوا کر فریج میں رکھ لیتا تھا اور پھر ضرورت پڑنے پر اوون میں گرم کر کے کھا لیتا تھا۔ ثمین سے شادی کے بعد وہی کک روزانہ آتی تھی اور دوپہر اور شام کا کھانا بنا کر چلی جاتی تھی۔ باقی گھر کے کاموں کے لیے جز وقتی ملازمہ آتی تھی جو سارا کام نمٹا کر شام سے پہلے چلی جاتی تھی۔ ثمین کو صرف کھانا سرو کرنا ہوتا تھا یا پھر اپنے لیے ناشتا بنانا پڑتا۔ تیمور کے لیے اس نے کبھی خصوصی طور پر خود کو جگایا تھا نہ تھکایا تھا۔ تیمور بھی اس سے فرمائش نہیں کرتا تھا...... نہ ہی شکایت، وہ ثمین کے ہر طرح کے رویّے اور طرزِ عمل سے مطمئن اور خوش رہتا تھا۔ ثمین جانتی تھی اسے آفس جانے کے لیے دیر ہو رہی ہے پھر بھی اس نے تیمور کو نہیں جگایا تھا بلکہ اس کے کسمسانے پر وہ سوتی بن کر لیٹی رہی...... تیمور نے زبردستی اپنی آنکھیں کھول کر سائڈ ٹیبل پر پڑے اپنے سیل فون کو اندازے سے اٹھا کر آنکھوں کے سامنے کیا اور پھر یک دم ہی ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔

''مائی گاڈ...... آج پھر دیر ہوگئی......'' اس کی بڑبڑاہٹ ثمین کے کانوں تک بھی پہنچی تھی اور پھر تیمور کی ساری حرکات و سکنات وہ نہ دیکھ کر بھی محسوس کر رہی تھی۔ وہ چند منٹ بعد ہی واش روم سے فریش ہو کر نکلا تھا اور پھر بہت محتاط انداز میں وہ اپنے کپڑے الماری سے نکال کر تیار ہونے لگا تھا۔ بنا آہٹ و شور کے تیاری کرنا بھی اس کا معمول تھا۔ تیمور کے چہرے پر پھیلی محبت یہ بات واضح کرتی تھی کہ وہ ثمین کی نیند بھی خراب کرنا نہیں چاہتا...... اپنا لیپ ٹاپ بیگ میں رکھتے ہوئے تیمور نے بڑی توجہ اور محبت سے ثمین کو دیکھا اور پھر جانے کے لیے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ ثمین کو لگا تھا کہ وہ جیسے کسی قید سے رہائی پانے والی ہے۔ تیمور دروازے تک جا کر بے قراری سے پلٹ کر اس کی جانب اس طرح آیا جیسے اپنے جذبوں پر اختیار کھو چکا ہو...... اس کی پیشانی کو نرمی سے بوسہ دیتے ہوئے تیمور کے بے قرار دل کو بھی قرار سا آیا تھا اور وہ سرشار سا دوبارہ دروازے کی طرف بڑھ کر کمرے سے نکلتا چلا گیا...... ثمین نے فوراً ہی آنکھیں کھول کر اپنی پیشانی پر ٹھنڈا ہاتھ رکھ کر انگلیوں سے سہلایا۔ تیمور کے لبوں سے منتقل ہوتے محبت کے حدت آمیز لمس نے اس کے چہرے پر ناگواری اور دل میں اک سناٹا کر دیا۔ وہ چاہ کر بھی تیمور کی شدتوں سے خود کو بچا نہیں پاتی تھی۔

☆☆☆

آج کل ان کی کک اپنی بیماری کے باعث چھٹی پر تھی۔ اس لیے ثمین ناچار یہ ذمے داری اٹھانے پر مجبور تھی۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا پکائے۔ فریج سبزیوں اور فروٹ سے بھرا ہوا تھا اور ڈیپ فریزر ہر قسم کے گوشت سے۔ فریزر سے مرغی کا پیکٹ نکال کر سنک میں رکھ کر اس نے نل کھول دیا اور جھنجلاتے ہوئے مسالا بنانے لگی۔ کھانا بنانا اسے کبھی برا نہیں لگا تھا مگر تیمور کے لیے کھانے کا اہتمام کرنا اسے گراں گزرتا تھا۔ مسالا پتیلی میں چڑھا

کر اس نے اپنے لیے چائے کا کپ بھی بنایا اور پھر آنچ مدھم کر کے وہ کچن سے نکل کر لاؤنج میں آ بیٹھی۔ عجیب سی کیفیت میں مبتلا وہ گھونٹ گھونٹ چائے پیتی رہی۔ ماضی کی یادیں ہر دفعہ نیا دکھ دینے لگتیں۔ وہ اپنی زندگی سے مطمئن نہیں ہو پا رہی تھی۔ تیمور کی رفاقت اسے تسکین نہیں دے پا رہی تھی۔ وہ اسی ناآسودگی کو سوچ سوچ کر ہلکان ہوتی رہتی تھی اب بھی وہ یہی سوچ رہی تھی تبھی اس کے پہلو میں پڑا اس کا سیل فون گنگنا اٹھا۔ تیمور کی کال کی یہ مخصوص بیل اسے سوچوں کی گہرائی سے نکال لائی تھی۔ اس نے ہمیشہ کی طرح بے دلی سے اس کی کال ریسیو کی۔

''ہیلو......!'' مختصر الفاظ کے ساتھ اپنے ہونے کی اطلاع دیتی وہ خود کو بھی اجنبی سی محسوس ہو رہی تھی مگر دوسری طرف محبت بھی تھی اور شناسائی بھی...... اور گہری وابستگی بھی۔

''کیا کر رہی تھیں جانِ من......؟'' اپنے آفس میں کچھ فرصت سے بیٹھا کرسی پر جھولتا تیمور بشاشت سے پوچھ رہا تھا۔

''کچھ نہیں...... چائے پی رہی تھی۔'' سرسری لہجے میں اس نے بتایا۔

''اور میں تمہیں مس کر رہا ہوں...... تمہاری یاد، تمہارا خیال بس...... وہ شاعر نے کیا خوب کہا ہے ناں کہ...... عشق نے ہم کو نکما کر دیا ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے۔'' شعر میں تھوڑی ترمیم کر کے اس نے نہایت رومانوی لہجہ اختیار کیا اور پھر خود ہی قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔ وہ جزبز ہو کر فقط اتنا ہی بول پائی۔

''وہ...... کچن میں چولھے پر سالن جل رہا ہے شاید۔'' یہ تو اس سے بچنے کا محض بہانہ تھا...... تیمور نے بھی ہنستے ہوئے شرارت بھرے انداز میں اسے چھیڑا۔

''جلنے دو یار...... ایک دن جلا ہوا سالن کھانے پر مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ ڈونٹ وری۔''

''تو آپ مجھے بے وقت کال ہی کیوں کرتے ہیں؟'' ثمین نے بے حد برا مان کر قدرے بے رخی سے کہا تو تیمور کا قہقہہ بے اختیار ہی بلند ہوا اور اسے مزید چڑا گیا۔ اس کی خاموشی محسوس کر کے وہ فوراً ہی اس کی دلجوئی کرنے لگا۔

''میں تو مذاق کر رہا تھا یار...... یقین کرو اگر تم مجھے زہر بھی کھلا دو تو وہ بھی مزے کا لگے گا۔'' تیمور کے لہجے میں محبت بھی تھی اور دلداری بھی۔

''آپ ہمیشہ فضول باتیں کرتے ہیں۔'' وہ پھر سے چڑ گئی۔ تیمور جیسے اس کی خفگی سے محظوظ ہو رہا تھا۔ ہنستے ہنستے اسے منانے لگا۔

''اچھا بابا...... اب فضول نہیں کام کی بات سنو! آج ہم ڈنر باہر کریں گے اور لانگ ڈرائیو پر جائیں گے، کوئی بہانہ نہیں چلے گا۔ تم تیار رہنا...... اوکے۔''

''مگر......'' وہ تیمور کا پروگرام سن کر انکار کرنے والی تھی مگر اُدھر سے رابطہ منقطع ہو گیا تھا۔ ثمین نے جھنجلاتے ہوئے فون ایک طرف پٹخا۔

☆☆☆

آفس میں بیٹھا تیمور آنے والے وقت کو سوچ، سوچ کر خوش ہو رہا تھا اور آپ ہی آپ مسکرائے جا رہا تھا۔ کتنے دن بلکہ کئی مہینے ہو گئے تھے۔ ثمین اس کے ساتھ کہیں گھومنے پھرنے نہیں گئی تھی۔ خصوصاً تب سے تو اس نے بالکل ہی آنا جانا چھوڑ دیا تھا جب سے اس کے بابا اکرام الحق دل کے شدید دورے کے باعث فوت ہو گئے تھے۔ ان دونوں کی شادی بھی اکرام الحق کی بیماری کی وجہ سے کافی سادگی سے ہوئی تھی۔

تیمور کے والد صدیق احمد اور اکرام الحق میں گہری دوستی اور کاروباری مراسم بھی تھے۔ تیمور ابھی طالب علمی کے دور میں ہی تھا جب اس کے والد کا انتقال ہو گیا تھا۔ اس نے تعلیم کے ساتھ ساتھ جس طرح اپنے آپ کو سنبھالا تھا، وہ ثمین کے والد کو متاثر کر گیا۔ تیمور شادی سے پہلے ہی ثمین کے لیے اپنے دل میں گہرے جذبات رکھتا تھا گو کہ اس نے کبھی

WWW.PAKSOCIETY.COM

اظہار نہیں کیا تھا۔ ویسے بھی کم کم ہی دونوں کا سامنا رہا تھا۔ ثمین کو اس نے شادی کی پہلی رات ہی اپنی محبت کے بارے میں بتایا تھا۔ ردِعمل کے طور پر اسے ثمین کی حیرانی اچھی لگی تھی۔ یہ اور بات تھی کہ ثمین نے اس کی محبت کے جواب میں وہ پزیرائی وہ گرم جوشی نہیں دکھائی تھی، جس کی وہ توقع کر رہا تھا۔ اپنی توقعات پوری نہ ہونے کے باوجود اسے ثمین کی ذات سے کوئی گلہ کوئی شکوہ نہیں تھا۔ وہ جانتا تھا کہ ثمین کی محبت آخر اسی کے لیے تھی۔ ایک محبوبہ سے زیادہ قابلِ فخر محبت ایک بیوی کی ہوتی ہے اور یہ محبت اسے حاصل ہو چکی تھی۔ اسی لیے تو وہ شاداں و فرحاں زندگی کے ہر لمحے سے خوشیاں کشید کر رہا تھا۔

☆☆☆

شام ڈھلے وہ گھر لوٹا تو ثمین معمول کے حلیے میں بیٹھی تھی۔ اسے چائے لاتے دیکھ کر وہ قدرے سنجیدگی سے بولا۔

”یار...... کیا ہے، تم تیار کیوں نہیں ہوئیں ابھی تک؟“ تیمور نے ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کر کے گلے سے اتار کر ایک طرف پھینکی۔

”کیا ضروری ہے جانا؟“ ثمین نے چائے کا مگ اس کے سامنے رکھتے ہوئے نہایت سرد لہجے میں الٹا اس سے سوال کیا اور پھر وہیں صوفے پر بیٹھ گئی۔

”بے حد ضروری ہے...... گھر میں رہتے رہتے تم بور نہیں ہوتی ہو؟ نہ تمہاری کوئی دوست ملنے آتی ہے، نہ تم کہیں جاتی ہو۔ اس طرح سب سے کٹ کر رہنا انسان کو dull بنا دیتا ہے اور میں اپنی سوئیٹ ہارٹ کو زندگی سے بھرپور دیکھنا چاہتا ہوں۔“ بات کرتے کرتے وہ اٹھ کر اس کے برابر آ بیٹھا تو ثمین جز بز ہو کر فوراً کھڑی ہو گئی۔۔۔ تیمور کے لیے اس کا یہ ردِعمل نیا نہیں تھا۔ وہ اس سے ہمیشہ اسی طرح کترا... جاتی تھی۔ تیمور کے لیے اس کی یہ محض ادا تھی۔

”میں کچھ دیر میں تیار ہو کر آتی ہوں۔“ ثمین کے پاس اس کے سوا کوئی اور راستہ نہیں تھا۔ اس کی رضامندی دیکھ کر تیمور کا چہرہ کھل اٹھا وہ اتنی جلدی مان جائے گی اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ وہ لاؤنج کے اِدھر سے اُدھر چکر لگاتے اٹھتے بیٹھتے ثمین کے کمرے سے باہر نکلنے کا انتظار کر رہا تھا۔ ثمین کچھ دیر بعد تیمور کی لائی ہوئی بلیک ساڑی زیب تن کیے وہاں آئی تو تیمور کی آنکھوں کو خیرہ کر گئی۔ وہ معمول سے ہٹ کر کچھ خاص انداز میں تیار ہوئی تھی۔

”چشم بددور...... آج بجلیاں مجھ سمیت کس کس پر گریں گی۔“ وہ بڑی وارفتگی سے دیکھتا بڑی چاہت سے اس کی جانب لپک کر شرارت آمیز لہجے میں بولا۔

”چلیں، اب دیر نہیں ہو رہی۔“ اس کی شریر نظروں سے بچتے ہوئے وہ خفگی بھرے لہجے میں بولی۔ اس کی بات پر تیمور مسکرانے لگا۔ اس کی ہمراہی میں تیمور سرشاری سے گاڑی چلاتا رومانوی گیت کی دھن پر سیٹی بجاتا ثمین کو گدگدانے کے بجائے کوفت میں مبتلا کر رہا تھا۔ وہ کبھی اس کے ساتھ باہر آ کر خوش نہیں ہوتی تھی۔ اس کے دل میں ہمیشہ یادوں کا دھواں سا بھرا رہتا تھا اور وہ... بے نیازی سے بیٹھی رہتی۔ تیمور متوجہ کرتا تو کبھی چونک جاتی اور کبھی ہوں، ہاں کر کے سر ہلا دیتی۔ اب بھی وہ اس سے ریسٹورنٹ کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ وہ اپنے خیالوں میں اس قدر مگن تھی کہ اسے خبر ہی نہیں ہوئی کہ وہ کس بارے میں کیا پوچھ رہا ہے۔

”ہاں...... اچھا...... اچھا سونگ ہے۔“ گاڑی میں راحت فتح علی کے گانوں کی سی ڈی لگی ہوئی تھی۔

”ہاں بھئی گانا تو بہت اچھا...... اور لاجواب ہے اور میرے دل کی آواز بھی...... مگر یہ تمہیں بھی اتنا پسند ہو گا مجھے اندازہ نہیں تھا۔ بائی دا وے میں پوچھ رہا تھا تمہیں کون سا ریسٹورنٹ پسند ہے؟“ تیمور کی بات پر وہ خجل ہو گئی۔

”آپ کی مرضی ہے، مجھے نہیں پتا۔“ اس کا خفا ہو کر باہر کے منظر میں گم ہونا بھی تیمور کو لبھا رہا تھا پھر وہ اسے اپنے پسندیدہ ریسٹورنٹ لے آیا۔ کھانا آرڈر کر کے وہ اسے بولنے پر اکساتا رہا مگر وہ خاموش اور مگن سی اس کے سامنے اس طرح بیٹھی رہی جیسے تیمور کی باتوں سے اسے کوئی دلچسپی نہ ہو، کھانے کے دوران بھی وہ ایک، ایک ڈش اس کی طرف بڑھا کر بڑی چاہت سے کھانے کے لیے اصرار کر رہا تھا مگر وہ اشارے سے منع کرتی رہی مگر وہ پھر بھی باز نہ آیا۔ ثمین اس کی مستقل مزاجی پر اسے دیکھ کر رہ گئی۔ یہ شخص نہ جانے کس مٹی سے بنا تھا۔ ثمین کے کسی رویے پر اس کے چہرے پر ذرا سی ناگواری تو دور خفگی بھی ظاہر نہیں ہوتی تھی۔

”کیا خیال ہے ثمی...... ساحل پر چلیں؟ آج چودھویں شب ہے بڑا رومینٹک سین ہو گا۔ میرا دل چاہتا ہے کہ ہم دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے ساحل کی بھیگی ریت پر چلیں اور چاند سے لہروں کی جنوں خیز محبت کا نظارہ کریں۔ کس قدر شدت ہوتی ہے ناں لہروں کے شور سے ہی اندازہ ہوتا ہے اس کی محبت کا۔“ ریسٹورنٹ سے اٹھ کر پارکنگ کی طرف آتے آتے تیمور نے بے اختیار ہی اپنی خواہش کو فرمائشی انداز میں بیان کیا۔

”اور میں اس شور سے ہمیشہ تنگ ہوتی ہوں۔ بس واپس چلیں۔ میرے سر میں پہلے ہی درد ہو رہا ہے۔“ ثمین نے اس کی خواہش کو خاصی بیزاری سے رد کیا۔ تیمور اس کے سر درد کا سن کر ہی بے چین ہو گیا۔

”کیا ہوا......؟ پہلے کیوں نہیں بتایا۔ چلو ڈاکٹر کے پاس لے چلتا ہوں تمہیں۔“ اس نے جلدی سے اس کے لیے گاڑی کا فرنٹ ڈور کھول کر بیٹھنے کے لیے کہا اور خود ڈرائیونگ سیٹ پر آ بیٹھا۔ ”آخر تم اپنی کیئر کیوں نہیں کرتی ہو؟ بار بار سر میں درد ہونا اچھی بات نہیں ہے۔“ گاڑی اسٹارٹ کر کے سڑک پر لاتے ہوئے وہ مزید فکرمندی ظاہر کرتا ثمین کو وقتی طور پر شرمندہ کر گیا۔

”میں شاید تھک گئی ہوں، آرام کروں گی تو ٹھیک ہو جاؤں گی۔ ڈاکٹر کی ضرورت نہیں ہے بس گھر چلیں۔“ اس وقت وہ کچھ مروت سے فقط اتنا ہی کہہ پائی۔

”ایک بار تو ڈاکٹر کو دکھانا چاہیے۔“ وہ بہ اصرار بولا۔

”پھر کبھی چلی جاؤں گی...... ابھی گھر چلیں ناں۔“ اور ایسا کبھی نہیں ہو سکتا تھا کہ ثمین کہے اور وہ اس کی بات نہ مانے۔

☆☆☆

تیمور اپنے معمول کے مطابق آفس سے سیدھا گھر آ رہا تھا کہ غلط سمت سے ایک موٹر سائیکل سوار ٹکراتے ٹکراتے بچا۔ تیمور اگر بروقت گاڑی نہ روک لیتا تو یقیناً بہت نقصان ہوتا۔ تیمور ایک دم ہی گاڑی وہیں روک کر اترا اور موٹر سائیکل سوار کی طرف بڑھا۔ موٹر سائیکل سوار بھی بوکھلایا کھڑا تھا۔ یقیناً وہ بھی ارادتاً ایسا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ تیمور کے قریب جانے تک وہ سر سے ہیلمٹ اتارے جیسے اپنے حواس بحال کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ تیمور بھی موٹر سائیکل سوار کی بے احتیاطی پر خاصے غصے میں بولتا اس کی جانب بڑھا۔

”مرنے کا اتنا ہی شوق ...... ہے تو......“ مقابل کو دیکھتے ہی تیمور کا غصہ و جھنجلاہٹ حیرت میں بدل گئی۔ ”فا...... ئق...... تم؟“ مقابل کی حیرانی بھی یک دم خوشی میں بدل گئی تھی۔

”مائی گاڈ...... دنیا واقعی گول ہے، مجھے یقین نہیں آ رہا کہ......“ فائق تیمور کا اسکول اور کالج فیلو بلکہ اچھے دوستوں میں سے تھا۔ دونوں کافی سالوں سے نہیں ملے تھے۔

”کہاں غائب ہو گئے تھے اچانک......؟ نہ اتا

WWW.PAKSOCIETY.COM

نہ پتا نہ ہی کوئی خیر خبر ہے۔" تیمور اس سے گلے ملتے ہوئے بے ساختہ شکوہ کر رہا تھا۔ ابھی کچھ دیر پہلے کا واقعہ وہ بالکل فراموش کر چکا تھا۔ فائق بھی جیسے سنبھل چکا تھا۔

"گردشِ زمانہ میں گم تھا یار...... اب تو لوٹ آیا ہوں...... تم سناؤ...... کہاں ہو؟" ایک گہری سانس لے کر وہ اسے بتانے لگا۔

"یہیں ہے میرا ہوم سویٹ ہوم...... آؤ دکھاتا ہوں اپنا آشیانہ......" تیمور کی خوشی اس کے لہجے کے ساتھ چہرے سے بھی چھلک رہی تھی۔

"مطلب...... تمہیں اپنی محبت مل گئی؟" فائق نے اسے رشک سے دیکھا۔

"سمجھو کہ ساری دنیا مل گئی...... آؤ ناں...... ملواتا ہوں تمہیں اپنی زندگی سے۔" تیمور کی سرشاری اس کے خوشگوار لہجے سے عیاں تھی۔

"پھر کبھی یار...... ابھی کہیں ضروری پہنچنا ہے۔ آفس تو وہیں ہے ناں تمہارا۔" فائق اس کے اصرار پر کچھ جزبز ہوا...... اسے کہیں جانے کی جلدی تھی۔ معذرت کرنے لگا۔

"ہاں...... ہاں...... اُسی جگہ پر۔" تیمور نے بھی اس کی مجبوری سمجھی۔

"اوکے...... پھر ملتے ہیں۔" فائق نے بائیک اسٹارٹ کر کے مصافحہ کیا تو تیمور نے بھی تائید کی۔

"انشاء اللہ......" فائق کے جانے کے بعد تیمور بھی اپنی گاڑی میں آبیٹھا۔ فائق کو دوبارہ دیکھ کر اسے اپنا طالب علمی کا خوشگوار دور یاد آ گیا تھا۔

اس نے بھرپور انداز میں تعلیمی دور گزارا تھا۔ اپنی دوستانہ فطرت و مزاج کی بدولت ہر دلعزیز تھا۔ لڑکیاں تیمور کی شخصیت کے سحر میں فوراً گرفتار ہو جاتی تھیں مگر تیمور نے اس معاملے میں کبھی حد سے بڑھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اس کے دل و نظر میں ثمین کے علاوہ کوئی نہیں سما سکا تھا۔ اس کا نظریہ یہ تھا کہ محبت اسی سے کرو جسے زندگی کا ہم سفر بناتا ہو۔ فائق اُس اس بات پر اس کا مذاق بھی اڑایا کرتا تھا۔

"یار آخر تم کس دنیا کے انسان ہو۔ اس دور لڑکیاں اپنی وفا صرف ایک کے لیے نہیں رکھتیں اور ہو کہ...... جسٹ فار انجوائے منٹ لائف میں سب چلتا ہے یار۔" تیمور اس کے لاابالی پن پر ہمیشہ ہنس دیتا تھا۔ وہ اپنی رائے بدل سکتا تھا نہ دوسروں کی...... فائق کو دیکھ کر اسے سب یاد آ گیا تھا۔ فائق بھی کسی کی محبت میں سنجیدگی سے گرفتار ہو گیا تھا، وہ نہیں جانتا تھا کہ اس کی محبت کا کیا انجام ہوا۔ وہ پھر ملتا تو وہ جان پاتا۔

☆☆☆

کچھ مہینے بعد تیمور کے آفس میں فائق اچانک ہی چلا آیا تھا۔ اس کی صحت اور حیثیت پہلے سے کافی بہتر نظر آ رہی تھی۔ دونوں آمنے سامنے بیٹھے کافی اور سینڈوچز سے لطف اندوز ہوتے ماضی کی یادیں دُہراتے دہراتے اپنی، اپنی محبتوں کی کامیابی اور ناکامی کی داستان تک آ پہنچے تھے۔ تیمور نے تو جسے چاہا تھا اسے پالیا تھا جبکہ فائق کی چاہت ادھوری اور نامکمل تھی۔ وہ بڑی دلگرفتگی سے مغموم ہو کر کہہ رہا تھا۔

"میں نے تو کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ میں اپنی محبت نہیں پاسکوں گا۔ وہ صرف مجھے چاہتی تھی۔ اس کے باوجود......" وہ آہ بھر کر بات ادھوری چھوڑ گیا...... یہ موضوع اس کے لیے بڑا جان لیوا تھا۔

"تم تو کہتے تھے...... وہ تمہاری خاطر اپنا سب کچھ چھوڑنے پر تیار ہے۔" تیمور ساری بات سن کر حیرت سے پوچھتا اسے بولنے پر اکسا رہا تھا۔

"وہ تو تیار تھی مگر چاہتی تھی اسے باعزت طور پر اپناؤں اور میں بھی اسے عزت سے ہی اپنانا چاہتا تھا۔" وہ ٹھہر ٹھہر کر بولتا اپنے دکھ سے نبرد آزما ہوتا محسوس ہو رہا تھا۔

"تو کیا اس کے گھر والے نہیں مانے؟"

"اس کے باپ کو خبر ہو گئی تھی...... اس نے شرط رکھ دی تھی کہ میں اس کی بیٹی کو اُن جیسا نہیں تو ففٹی پرسنٹ تک ہی ان جیسا معیار زندگی دینے کے قابل بن گیا تو وہ مجھے اپنا داماد بنا لیں گے۔" فائق کے چہرے اور لہجے میں دکھ، ملال اور حسرتیں گڈمڈ ہو کر اس کی ناکامی کو واضح کر رہی تھیں۔

"پھر......؟" تیمور نے بے چینی سے استفسار کیا۔

"پھر...... پھر کیا...... چلا گیا تھا میں اس کی خاطر پردیس کی خاک چھاننے...... دو سال بعد آیا ہوں تو نہ وہ ہے نہ اس کا باپ......" فائق کے چہرے پر استہزا اچھل گیا تھا۔

"کیا...... مطلب......؟" تیمور کی الجھن مزید بڑھ گئی۔ "تمہارا اس سے رابطہ نہیں تھا؟"

"شروع میں تھا...... پھر میں نے بھی غصے میں رابطہ نہیں کیا...... وہ اپنے باپ کے فیور میں تھی۔ سنا ہے مرنے سے پہلے اس کے باپ نے اپنے جیسے بزنس مین سے اس کی شادی کر دی تھی۔" فائق کا انداز ہارے ہوئے جواری جیسا تھا۔

"یہ تو تم نے اچھی خبر نہیں سنائی یار......" تیمور تاسف سے بولتا اس کے دکھ کو محسوس کر رہا تھا۔

"مقدر خراب ہوں تو بندہ کیا کرے...... اب ہر کوئی تمہاری جیسی قسمت لے کر تو پیدا نہیں ہوتا...... جسے چاہا، اسے پالیا......" ٹھنڈی آہ بھر کر فائق نے اسے رشک بھری نظروں سے دیکھا تو تیمور اسے تسلی دینے لگا۔

"تمہاری خوش نصیبی بھی بڑھ جائے گی...... کوئی اچھی لڑکی دیکھو اور شادی کر لو...... کسی کی بے وفائی کو روگ نہ بناؤ......" فائق اس کے مشورے پر بے بسی سے بولا۔

"دل کو سمجھانا اتنا آسان نہیں ہوتا یار......"

"کوشش تو کرو ناں...... اچھا...... پھر کل تم ڈنر پر ہمارے گھر آ رہے ہو، وہاں بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔" تیمور نے اس کی مشکل سمجھتے ہوئے موضوع بدلا تو فائق بھی آسودہ سی سانس لیتے ہوئے مسکرانے کی کوشش کرنے لگا۔

☆☆☆

تیمور بیڈ پر اپنے لیپ ٹاپ پر آفس کی کوئی فائل کھولے مصروف تھا اچانک فائل پڑھتے، پڑھتے اسے فائق کا خیال آ گیا۔ اس نے ڈریسنگ ٹیبل کے آگے بیٹھی اپنے معمول میں مصروف ثمین کو ایک نظر دیکھ کر مخاطب کیا۔

"سنو، کل میں نے اپنے ایک دوست کو ڈنر پر انوائٹ کیا ہے۔" ثمین چونک کر مڑی اس کے ہاتھ بالوں پر ہی ٹھہر گئے تھے۔

"گھر پر......؟" اپنی حیرت ظاہر کرتی وہ بالوں کو کیچر میں جکڑتی بیڈ پر آ بیٹھی۔

"ظاہر ہے، گھر پر ہی بلایا ہے۔" تیمور نے مصروف سے انداز میں بولتے ہوئے معمول کے رویّے کے مطابق اس کے تاثرات پر دھیان نہیں دیا۔ ثمین کے چہرے پر مزید بیزاری نظر آنے لگی تھی۔

"آپ کو پتا ہے کک چھٹی پر آج کل...... اور میں اتنا ارینج نہیں کر سکتی۔ آپ اپنے دوست کو کسی ریسٹورنٹ میں لے جائیں۔" پہلی بار تیمور اس کے جواب پر چونک کر متوجہ ہوا۔

"میں اسے اپنے گھر آنے کی دعوت دے چکا ہوں۔"

"تو میں کیا کروں......؟ عادت نہیں مجھے، دعوتیں پکانے کی۔" وہ اسی طرح بولتی تکیہ جگہ پر رکھتی سونے کی تیاری کرنے لگی۔ تیمور نے بے بسی سے اسے دیکھا۔

"اب کیا ہو سکتا ہے یار؟"

"منع کر دیں یا پھر کسی ریسٹورنٹ میں لے جائیں۔"

"کیسے منع کر دوں؟ میں نے خود اصرار کیا تھا...... وہ کیا سوچے گا کہ......" تیمور کو اس کا مشورہ زِچ کر گیا تھا۔ وہ بے چینی سے اظہار کرتا ثمین کو بھی

WWW.PAKSOCIETY.COM

چڑانے پر مجبور کر گیا۔

"دوست کے سوچنے کا خیال ہے اور میرا......؟ کم از کم مجھ سے پوچھ تو لینا چاہیے تھا۔" وہ بے رخی سے بڑبڑائی تو تیمور کی جان پر بن آئی اس کی ناراضی وہ کب برداشت کر سکتا تھا۔

"سوری یار...... غلطی ہوگئی۔ دراصل وہ کافی عرصے بعد ملا ہے اس لیے میں نے فوراً اسے انوائٹ کرلیا۔" تیمور بے بسی ظاہر کرتا اسے مزید زچ کر گیا۔

"اتنا ہی دوستوں کو دعوتیں دینے کا شوق ہے تو ہوٹل سے کھانا منگوالیں...... مجھ سے کچھ نہیں ہوگا۔" ثمین نے لیٹ کر چادر سر تک کھینچ لی۔

"یار...... آخر تم......" تیمور پہلی بار جھنجلایا اور پھر بے بسی سے خاموش ہوگیا پھر کچھ توقف کے بعد قدرے تحمل سے بولا۔

"اوکے، ہوٹل سے ارینج کر لیتے ہیں۔ پلیز اپنا موڈ خراب مت کرو لیکن میری ایک ریکویسٹ ہے۔" تیمور نے کروٹ لیتی ثمین کو کندھا ہلا کر متوجہ کر کے شرارت آمیز نظروں سے دیکھتے ہوئے بات مزید بڑھائی۔ "پلیز...... میرا پول مت کھول دینا کیونکہ......" اس کی ادھوری بات نے لمحے بھر کو متجسس کیا۔ "کیونکہ میں نے تمہاری کوکنگ کے بڑے قصیدے پڑھے ہیں اپنے دوست کے سامنے۔"

اس کی بات سنتے ہی ثمین نے اسے خفگی سے گھورا اور پلٹ کر اپنی جانب کا لیمپ بجھا دیا۔ تیمور نے بھی اسے مزید تنگ کرنا مناسب نہیں سمجھا اور اس نے بھی اپنا لیپ ٹاپ بند کر کے بستر سے اٹھ کر میز پر رکھا اور پھر خود بھی سونے کے لیے لیٹ گیا۔

☆☆☆

ثمین نے اپنے کہے کے مطابق کچھ بھی نہیں پکایا تھا۔ وہ اپنے طور پر تیمور کو زچ کرتی رہتی تھی۔ اسے غصہ کرنے پر اکساتی رہتی تھی۔ نہ جانے اس کے دل میں کیا تھا۔ تیمور بار بار اس کی جانب سے برتی گئی کوتاہیوں کو نظر انداز کرتا چلا جاتا۔ تیمور آفس سے لوٹا تو ثمین وہی شب کے لباس میں ملبوس کسلمندی سے لیٹی ہوئی تھی وہ فکرمندی سے فوراً ہی اس کے پاس آبیٹھا۔

"خیریت ہے؟ ایسے کیوں لیٹی ہو...... طبیعت تو ٹھیک ہے ناں......؟" سوال پر سوال کرتے تیمور نے اس کی کلائی تھام کر نبض ٹٹولی...... ثمین نے فوراً ہی کلائی چھڑائی اور اٹھ بیٹھی۔

"میں ٹھیک ہوں...... بس سر میں درد تھا۔ ٹیبلیٹ لے لی تھی آپ پریشان نہ ہوں۔"

"یار...... کیسے پریشان نہ ہوں...... تمہیں اس وقت بستر پر دیکھ کر میری تو جان ہی نکل گئی تھی...... آخر تم ڈاکٹر سے ٹریٹمنٹ کیوں نہیں لینا چاہتیں۔ تمہارے سر کا درد زیادہ ہی نہ بڑھ جائے؟" اس کے چہرے پر حقیقی پریشانی تھی۔ ثمین نے اس سے نظریں چرائیں۔

"کچھ نہیں ہوتا مجھے، ہٹیں میں آپ کے لیے چائے بنا کر لاتی ہوں۔ آپ فریش ہوجائیں پھر آپ کے دوست کو بھی آنا ہے ابھی۔" وہ اس سے کترا کر وہاں سے نکلنا چاہتی تھی مگر تیمور نے اسے زبردستی روکا۔

"میں چائے خود بنالوں گا، تم ابھی ریسٹ کرو جانو، میں نے کھانا بھی آرڈر کردیا ہے، آٹھ بجے تک ڈلیوری ہوجائے گی۔ تمہیں ٹینشن لینے کی ضرورت نہیں ہے۔" تیمور اسے مطمئن کر کے کمرے سے نکل گیا۔ ثمین کچھ بہتر روپے اور حلیے میں ڈائننگ روم میں موجود میز پر کھانے پینے کے لوازمات رکھ رہی تھی۔ تیمور کا دوست آچکا تھا اور وہ دونوں ڈرائنگ روم میں بیٹھے تھے۔ ابھی وہ میز پر آخری ڈش رکھ ہی رہی تھی کہ اسے قدموں کی چاپ کے ساتھ تیمور کی اصرار بھری آواز بھی سنائی دی۔

"آؤ...... آؤ ناں یار...... اپنا ہی گھر سمجھو...... تم ذرا اس طرح جھجک رہے ہو جیسے پہلی بار سسرال میں آئے ہو۔" تیمور، فائق کو چھیڑتے اسے ہمراہ لیے اندر آیا۔

"السلام علیکم...... بھا...... بی......" نظریں جھکائے ہوئے فائق نے سلام کرتے کرتے پلکیں اٹھائیں تو جیسے ساکت رہ گیا۔ حیرت کا جھٹکا تو ثمین کو بھی لگا تھا اگر وہ کرسی کا سہارا نہ لیتی تو واقعی چکرا کر گر جاتی...... اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔ تیمور دونوں کے تاثرات سے بے خبر اپنی دُھن میں مگن بڑی سرشاری و بشاشت سے تعارف کروا رہا تھا۔

"meet my life and wife ثمین......

فائق میرا بہت پیارا دوست ہے۔ تمہیں معلوم ہے ہم نے کالج لائف میں بہت مستیاں اور شرارتیں کی تھیں۔" دونوں کی آنکھوں میں شناسائی مگر چہرے پر صدماتی کیفیت تھی۔ دونوں ایک دوسرے سے اس مقام پر ملیں گے انہوں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔ فائق کی نگاہ اس پر ٹھہر سی گئی تھی جبکہ ثمین حیرت کا مجسمہ بنی بے حس و حرکت سر جھکائے کھڑی تھی، اسے تیمور کی آواز بہت دور سے آتی محسوس ہورہی تھی، تیمور کے کھنکتے لہجے میں اپنی محبت کے ساتھ ساتھ شرارت اور مستی بھی تھی۔

"یار...... میری بیوی ہے ہی ایسی، جو دیکھتا ہے، دیکھتا ہی رہ جاتا ہے۔" فائق کی نگاہ اس پر مرکوز دیکھ کر تیمور نے اسے ٹہوکا دے کر چھیڑا۔

"اب اتنا بھی مت گھورو...... کھانا کھانے کے بجائے اس کی سینڈل کھانے کا ارادہ ہے کیا......؟" فائق نے یک دم گڑبڑا کر نظر پھیر لی۔

"اچھا بیٹھو تو سہی...... ثمین تم کیوں کھڑی ہو۔" تیمور نے مذاق سے ہٹ کر قدرے معمول کے انداز میں باری باری دونوں کو مخاطب کیا...... فائق نے بڑی دقت سے خود کو سنبھالا جبکہ ثمین مسلسل کشمکش میں تھی۔ اس کا وہاں رہنا دشوار ہو رہا تھا اپنا آپ عیاں ہونے کا

دنیا کے کسی بھی گوشے میں اور ملک بھر میں
گھر بیٹھے
رسالے حاصل کیجیے
جاسوسی ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ
ماہنامہ پاکیزہ، ماہنامہ سرگزشت
باقاعدگی سے ہر ماہ حاصل کریں، اپنے دروازے پر
ایک رسالے کے لیے 12 ماہ کا زرِ سالانہ
(بشمول رجسٹرڈ ڈاک خرچ)
پاکستان کے کسی بھی شہر یا گاؤں کے لیے 700 روپے
امریکا، کینیڈا، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے لیے 8,000 روپے
بقیہ ممالک کے لیے 7,000 روپے
آپ ایک وقت میں کئی سال کے لیے ایک سے زائد رسائل کے خریدار بن سکتے ہیں۔ رقم اسی حساب سے ارسال کریں۔ ہم فوراً آپ کے دیے ہوئے پتے پر رجسٹرڈ ڈاک سے رسائل بھیجنا شروع کردیں گے۔
یہ آپ کی طرف سے اپنے پیاروں کے لیے بہترین تحفہ بھی ہوسکتا ہے
بیرون ملک سے قارئین صرف ویسٹرن یونین یا منی گرام کے ذریعے رقم ارسال کریں۔ کسی اور ذریعے سے رقم بھیجنے پر بھاری بینک فیس عاید ہوتی ہے۔ اس سے گریز فرمائیں۔
رابطہ: ثمر عباس (فون نمبر: 0301-2454188)
جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز
63-C فیز II ایکسٹینشن ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی مین کورنگی روڈ، کراچی
فون: 35895313 فیکس: 35802551

WWW.PAKSOCIETY.COM

خوف یک دم اس پر حاوی ہو گیا تھا۔ اس لیے وہ کچھ بے چینی سے معذرت کرنے لگی۔

"ایکسکیوز می...... میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔ میں...... یہاں بیٹھ نہیں پاؤں گی۔" فائق نے دوبارہ چونکتے ہوئے اسے دیکھا جبکہ تیمور کے چہرے پر شرمندگی کے تاثرات نظر آنے لگا۔ وہ جانتا تھا ثمین بہانہ کر رہی ہے۔ اس کی عادت جان کر وہ روکنے کی کوشش کرنے لگا۔

"ثمی...... پلیز...... کچھ دیر تو......" اس کی بات فائق نے درمیان میں کاٹ کر اسے مزید شرمندہ کیا۔

"شاید...... میرا آنا نہیں اچھا نہیں لگا۔" فائق کے لہجے کی چبھن صرف ثمین ہی محسوس کر سکتی تھی۔ اس کی کشمکش مزید بڑھ گئی۔ تیمور نے صفائی دینے کی کوشش کی۔

"فائق...... پلیز ڈونٹ مائنڈ...... ثمین کی طبیعت واقعی بہتر نہیں۔"

"تو...... تم مجھے بتا دیتے...... میں پھر آجاتا...... ان کی بھرپور میزبانی کا لطف لیتا...... اس طرح تو مجھے لگ رہا ہے میں زبردستی کا مہمان ہوں......" فائق کی مصنوعی مسکراہٹ میں بھی کاٹ تھی۔ ثمین نے اسے شاکی نظروں سے دیکھا...... تیمور نے بھی دوستانہ انداز میں ہاتھ تھام کر اسے زبردستی بٹھایا۔

"اب تم مجھے شرمندہ کر رہے ہو...... ثمی پلیز کچھ دیر تو بیٹھ جاؤ...... ورنہ یہ ساری زندگی مجھے طعنے دیتا رہے گا۔" وہ بے بس ہو کر بیٹھ گئی تھی مگر پھر جیسے وہ وہاں ہو کر بھی نہیں تھی۔ تیمور اور فائق کیا، کیا باتیں کرتے رہے، اسے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ تو اپنے ہی احساس کے قلعے میں بند ماضی کے جھروکوں سے جھانکتے ان منظروں سے ہراساں ہوئی بیٹھی تھی۔ جن کے عیاں ہونے سے وہ ڈرتی آ رہی تھی۔ دل میں چھپا چور آج سامنے آ بیٹھا تھا۔ تیمور سے برتی گئی سرد مہری، بیگانگی اور بیزاری کے جواز اسے خود ہی مل گئے تھے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی اس کے ماضی کی اس تصویر کا تعلق تیمور سے بھی ہوگا جسے اس نے اپنے بابا کی ضد، محبت اور عزت کی خاطر زندہ دفنا دیا تھا۔

☆☆☆

اسے کچھ خبر نہیں تھی کہ تیمور نے اپنے دوست کو کب رخصت کیا۔ وہ تو کچھ دیر بعد ہی بنا معذرت کیے اٹھ کر کمرے میں چلی آئی تھی اور سر تک چادر تان کر خود کو تیمور کی نظروں سے بچانے کے لیے سوتی بن گئی تھی۔ تیمور کمرے میں آیا تو ثمین کو سر تک چادر تانے لیٹے دیکھ کر مزید محتاط ہو کر بنا آہٹ کیے کپڑے بدل کر خود بھی سونے لیٹ گیا اگر وہ پہلے ہی اس کے سر درد کے بارے میں نہ جانتا تو یقیناً آج کے ثمین کے رویے نے اسے چونکا کر باز پرس پر مجبور کر دینا تھا۔ ویسے بھی ثمین کے حوالے سے اس کے ذہن میں کبھی کوئی بدگمانی نہیں آتی تھی اسی لیے وہ مطمئن تھا جبکہ چادر کے اندر بظاہر سوئی ثمین اتنی ہی بے اطمینانی سے جاگ رہی تھی اس کی ایک، ایک حس بیدار تھی۔ وقت جیسے اس کی سانسوں میں اٹک اٹک کر گزر رہا تھا۔

تیمور کی بے خبری کا مکمل یقین آجانے کے بعد ثمین نے چادر چہرے سے اتار کر گہری سانس کھینچی اور پھر اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس کی بے کلی، اس کا اضطراب اس کے چہرے پر عیاں تھا۔ آدھی رات کو نیم تاریک کمرے میں اٹھ کر ٹہلتے ہوئے وہ نئی سوچوں نئی الجھنوں میں گرفتار تھی۔ فائق کا تیمور کے دوست کے روپ میں سامنے آنا اس کے لیے کسی دھماکے سے کم نہیں تھا...... اس پر فائق کی بدگمانی، شکایتی نظریں...... وہ یہ صدمہ سہہ نہیں پا رہی تھی۔ زندگی نے اسے کہاں لا کر رسوا کرنے کی کوشش کی تھی۔ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ کیا کرے۔ وہ خود کلامی کر رہی تھی۔

"فائق...... اب اس مقام پر میری زندگی میں کیوں چلے آئے...... میں تو اب تک تمہاری یادوں سے پیچھا چھڑا نہیں پائی تھی، تمہارے ساتھ گزرا ایک، ایک پل میری روح کے ساتھ اس طرح لپٹا ہے کہ چاہ کر بھی میں خود سے ان یادوں کو الگ نہیں کر پائی۔ تبھی تو تیمور کی محبت کی شدتیں بھی مجھ پر اثر نہیں کرتیں...... صرف تمہاری وجہ سے میں اس کے لمس سے آشنا ہی نہیں ہو پائی اور...... تم...... مجھ سے ہی... بدگمان ہو، اُف تمہاری نظروں کی چبھن کسی تیر کے مانند میرے دل میں پیوست ہو گئی۔ میں کیسے بتاؤں تمہیں کہ میں آج بھی تمہاری محبت کے اثر میں ہوں...... تم نے تو خود ہی مجھ سے سارے تعلق، ہر رابطہ توڑ لیا تھا...... اب کیسے بتاؤں تمہیں کہ تمہارے سوا میرے دل میں کوئی نہیں ہے۔ کیسے بتاؤں کہ......" وہ مسلسل ٹہل رہی تھی اور پھر جیسے دل نے اسے راہ دکھائی اپنا سیل فون لے کر اس نے بہت محتاط نظروں سے تیمور کے سیل فون کو دیکھا...... بہت آہستگی سے تیمور کو دیکھتے دیکھتے اس نے سائڈ ٹیبل سے اس کا فون اٹھا لیا۔ چہرے پر خوف نظر آنے لگا تھا۔ اسے تیمور کے جاگ جانے کا احتمال تھا مگر دل بار بار اکسا رہا تھا کہ بلا خوف و خطر جو چاہتی ہے کر گزرے۔ تیمور کی طرف سے رخ موڑ کر اس نے تیمور کے فون سے فائق کا نمبر نکالا اور پھر اپنے سیل فون میں save کر کے گہری سانس لی۔ ایک نگاہ پھر سے تیمور پر ڈالی۔ ہنوز سو رہا تھا۔ ثمین احتیاط سے اس کا موبائل سائڈ ٹیبل پر رکھ کر کمرے سے باہر آ گئی۔

☆☆☆

آدھی رات ہو چکی تھی مگر فائق کو نیند نہیں آ رہی تھی۔ سگریٹ سے سگریٹ جلاتے وہ خود بھی سلگ رہا تھا۔ پاس پڑی ایش ٹرے میں سگریٹ کے ٹکڑے اس کے ماضی کے لمحوں کی طرح مسلے ہوئے معلوم ہو رہے تھے اور یادوں کا کثیف دھواں اس کے اندر کی گھٹن بڑھا رہا تھا۔ اس کی سوچیں بھی بے بسی کی انتہا پر تھیں۔

"میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا ثمین...... کہ تم مجھے میرے ہی دوست کے گھر میں نظر آؤ گی......؟ مجھے نامراد کر کے کس قدر مطمئن زندگی گزار رہی ہو...... وہ قسمیں...... وہ وعدے دھوکا تھا...... فریب تھا...... محبت کے نام پر کوئی کھیل تھا...... کیسے......؟ کیسے بھلا سکتی ہو تم وہ ساتھ نبھانے کا عہد...... وفا کے لیے مر مٹنے کا وہ دعویٰ...... کیا تمہیں کچھ بھی یاد نہیں رہا...... وہ پل...... وہ دن...... اور میری محبت......!" سوچتے سوچتے فائق ماضی کے ان سہانے دنوں میں کھو گیا جو اب کسک بن کر اس کے دل کو تڑپا رہے تھے۔

☆☆☆

فائق نے ثمین کو کسی کزن کی شادی پر دیکھا تھا۔ ثمین کی بھی سہیلی کی شادی تھی۔ مہندی کے دوران گانوں میں مقابلے بازی اور گروپ ڈانس کرتے کرتے دونوں کی چھیڑ چھاڑ جھگڑے سے بڑھ کر تلخی تک جا پہنچی تھی۔ ثمین نے تو ناراضی کا اظہار کرتے ہوئے اپنی دوست کو کہہ دیا تھا کہ اگر اس کے دیور نے اس سے معافی نہ مانگی تو وہ اس کی شادی میں شریک نہیں ہوگی۔ شروع میں تو فائق نے بھی اکڑ دکھائی تھی اور پھر اپنے کزن کے اصرار اور منت سماجت پر وہ اسے منانے پر راضی ہوا تھا۔ اس کے کزن شہزاد نے اپنی منکوحہ سے ثمین کا نمبر لے کر اسے دیا تھا...... شادی کے فنکشن سے پہلے فائق نے اسے فون کیا تھا...... اجنبی نمبر دیکھ کر پہلے تو ثمین نے اس کی کال ریسیو نہیں کی پھر اس نے میسج کیا تھا...... اس کے بعد ثمین نے اس کی کال ریسیو کر لی تھی...... فائق نے فوراً ہی کہا تھا۔

"آپ کی ناراضی نے تو شادی کے گھر میں سوگ پھیلا رکھا ہے۔ خدا کے لیے میری غلطی معاف

WWW.PAKSOCIETY.COM

کردیں اور ہماری خوشیاں لے کر آجائیں ورنہ......"
فائق دانستہ بات ادھوری چھوڑ گیا تھا جواباً وہ تنک کر بولی تھی۔

"ورنہ کیا......؟"

"ورنہ میں آپ کو لینے آپ کے گھر آجاؤں گا۔" فائق نے اسے دھمکی دی تو وہ پھر بگڑ اٹھی تھی۔

"آپ مجھ سے معافی مانگ رہے ہیں یا دھمکا رہے ہیں؟"

"بخدا دل سے معافی مانگ رہا ہوں، آپ آجائیں پھر سبھی کے سامنے ہاتھ جوڑ کر معافی بھی مانگ لوں گا۔" جواباً وہ بے نیازی سے بولی تھی۔

"اس کی ضرورت نہیں ہے۔"

"مطلب...... آپ نے مجھ بے خطا کی خطا معاف کردی۔ بڑا احسان کیا...... میں زندگی بھر یاد رکھوں گا۔" وہ شوخ ہوا تھا۔

"یاد رکھنا بھی چاہیے۔" ثمین نے زعم سے کہہ کر کال کا سلسلہ منقطع کردیا تھا اور پھر فائق نے ساری تقریب میں اس کا پیچھا نہیں چھوڑا تھا۔ اس کے آگے پیچھے پھرتے اس کے لیے کھانے کی اشیا میز پر رکھتے ہوئے اس کی توجہ پانے کی کوشش کرتا رہا تھا۔ ثمین اپنے حسن پر نازاں اسے بے نیازی دکھاتی مزید کشش بڑھا رہی تھی۔ آخر بار بار کال کر کے فائق نے اسے اپنی محبت کا یقین دلا کر متاثر کر ہی لیا تھا، دونوں کے درمیان دوستی کا سلسلہ شروع ہو کر محبت کی انتہا تک پہنچ گیا...... اور دونوں ہی لمبی لمبی کالز کرنے کے ساتھ ساتھ چوری چھپے ملنے بھی لگے تھے۔ فائق کے گھر والے تو شہر کے مضافات میں رہتے تھے اور وہ پہلے اپنی تعلیم کے لیے اور اب نوکری کی وجہ سے شہر میں معمولی درجے کی رہائش گاہ میں کچھ لڑکوں کے ساتھ مل کر رہتا تھا جبکہ ثمین کے والد اکرام الحق کا ذاتی کاروبار تھا۔ ثمین ان کی اکلوتی اولاد تھی۔ کچھ سال پہلے ثمین کے لڑکپن کی عمر میں ثمین کی امی ایک سنگین بیماری میں چل بسی تھیں۔ اکرام الحق کے پاس بیٹی کے لیے وقت نہیں تھا۔ اسی لیے وہ سہیلیوں میں وقت گزار کر خوش ہوجاتی تھی اور اب فائق کی محبت نے جیسے ساری کمیاں پوری کردی تھیں۔ وہ اس کی توجہ پا کر...... روز بروز نکھرتی جارہی تھی۔ فائق کو اپنی ثمین سے ہونے والی ہر ملاقات یاد تھی۔ وہ اکثر ثمین کے گھر کے قریب فیملی پارک میں ملا کرتے تھے۔ اسے وہ دن بھی یاد تھا جب دونوں نے اپنی، اپنی محبت کا اظہار و اقرار کھل کر کیا تھا۔ فائق نے پہلی بار اسے سرخ گلابوں کا گلدستہ دیا تھا جسے ثمین نے بڑی سرشاری و ممنونیت سے قبول کرتے ہوئے کہا تھا۔

"تمہیں پتا ہے، سرخ گلاب محبت کی نشانی سمجھے جاتے ہیں، بنا کہے سنے یہ دل کا راز بیان کردیتے ہیں۔"

"ہاں...... تبھی تو اپنا راز تمہارے حوالے کیا ہے...... اس یقین اور امید کے ساتھ کہ تم ہمیشہ میری محبت کی یہ نشانی سنبھال کر رکھوگی۔" فائق کی محبت سے بوجھل آواز متاثر کن تھی۔ ثمین کے چہرے پر محبت کے نور نے دلآویزی بڑھادی تھی۔

"تمہیں پتا ہے تمہاری محبت نے مجھے اس طرح باندھ لیا ہے کہ اب میں کہیں اور جا ہی نہیں سکتی۔"

"میرا بھی یہی حال ہے۔ میرے لیے تمہارے سوا کسی اور کو سوچنا بھی گناہ ہے۔" فائق نے اس کا ہاتھ تھام کر اسے بھرپور یقین دلایا تھا۔

"میں بھی تمہارے بغیر جینے کا تصور نہیں کرسکتی۔" اقرار و اظہار کے بعد تو دونوں کی بے قراریاں مزید بڑھ گئی تھیں۔ فائق اکثر لنچ ٹائم میں اس سے ملنے پر اصرار کرتا اور وہ ہر روز کوئی نہ کوئی بہانہ کر کے اس سے ملنے چلی آتی۔ ایک روز تو اس نے فائق کو اپنے گھر ہی بلالیا تھا۔ اس کے حلیے اور لباس سے تو پہلے ہی اس کی مالی حیثیت کا اندازہ ہوتا

تھا۔ اس کا عالیشان گھر دیکھ کر فائق مرعوب بھی ہوا تھا اور خائف بھی...... وہ ڈرائنگ روم میں بیٹھا ثمین سے اپنے خدشے بیان کرتا اپنا خوف ظاہر کر گیا۔

"ثمین...... مجھے نہیں لگتا تمہارے بابا مجھے تمہارے لیے قبول کرلیں گے، کہاں تم اور کہاں میں......؟ میرے پاس تو کچھ نہیں تمہیں دینے کے لیے۔" میز پر انواع و اقسام کی اشیائے خورونوش اس کے لیے سجی تھیں مگر اس کی بھوک پیاس سبھی اڑ گئی تھی۔

"کیا مطلب...... تمہارے پاس محبت بھی نہیں ہے میرے لیے؟" وہ ایک دم چمک کر بولی تھی۔ جواباً وہ گڑبڑا گیا تھا۔

"نہیں...... وہ میرا مطلب ہے کہ......"

"تمہارا مطلب میں اچھی طرح سمجھ گئی ہوں۔ تم یہ بات اپنے ذہن میں بٹھا لو فائق، مجھے تمہاری محبت کے سوا کچھ نہیں چاہیے اور رہی بات بابا کی وہ مجھیں قبول کریں نہ کریں۔ مجھے ہر حال میں زندگی تمہارے ساتھ ہی گزارنی ہے۔ فی الحال موڈ خراب مت کرو اور یہ سب کھاؤ...... میں نے اتنے شوق سے ساری چیزیں خود تمہارے لیے بنائی ہیں۔" ثمین نے زبردستی اسے پلیٹ بھر کر تھمادی تھی اور وہ اس کی محبت کے آگے اپنے خدشے بھلانے پر مجبور ہوگیا تھا۔

☆☆☆

وہ دونوں محبت کے نشے میں چور ایک دوسرے سے ملتے...... مستقبل کی پلاننگ بھی کرنے لگے تھے۔ ثمین کی محبت کی انتہا تو یہ تھی کہ وہ اس کی خاطر سبھی کچھ چھوڑ کر اس کے پاس بھی آنے کو تیار تھی۔ وہ بلا خوف و خطر اس کے ساتھ ریسٹورنٹس، پارک اور ساحل پر وقت گزارا کرتی...... ہاتھ میں ہاتھ ڈالے بھاگتی دوڑتی، اٹکھیلیاں کرتی۔ ثمین اسے زندگی کے معنی سمجھانے لگتی۔ آئس کریم کے لیے لڑتی جھگڑتی ثمین کبھی کبھی اسے کوئی معصوم بچی لگا کرتی، اس نے کبھی اپنی مالی برتری نہیں جتائی تھی۔ اپنی گاڑی ہونے کے باوجود وہ رکشے میں اس سے ملنے آتی تھی۔ اچانک ہی اس کے معمول میں فرق آنے لگا تو فائق پریشان ہوگیا تھا۔ وہ اس کا اس قدر عادی ہوچکا تھا کہ اگر ایک دن بھی وہ ثمین سے نہ ملتا تو اس کی جان پر بن جاتی۔ اس روز بھی وہ دیر سے آئی تھی۔ فائق ریسٹورنٹ میں بیٹھا کب سے اس کا انتظار کررہا تھا۔ وہ آئی تو بڑی بے تابی سے پوچھنے لگا تھا۔

"آج پھر اتنی دیر......؟" ثمین نے گہری سانس لے کر اپنی گھبراہٹ کم کرتے ہوئے جواب دیا تھا۔

"بابا! آج پھر لنچ پر گھر چلے آئے تھے۔ شاید انہیں شک ہوگیا ہے کہ میں ہر روز گھر سے نکلتی ہوں۔"

"انہوں نے تم سے کچھ پوچھا...... کچھ کہا؟" فائق بھی سن کر گھبرا گیا تھا۔ یہی تو خوف اسے دامن گیر رہتا تھا کہ کہیں ثمین کے والد کو پتا چل گیا تو وہ دونوں کا ملنا بند کردیں گے۔

"نہیں...... پوچھا تو نہیں مگر مجھے لگتا ہے گھر کے کسی ملازم نے ان سے کچھ کہا ہے، اس لیے وہ وقت بے وقت گھر آنے لگے ہیں۔" ثمین نے اپنا اندازہ لگا کر بتایا۔

"مجھے بھی یہی ڈر تھا...... تم نے بھی تو اس روز مجھے گھر بلالیا تھا...... اب کیا ہوگا...... ہم اب کیسے ملیں گے۔" فائق نے مزید پریشان ہو کر اپنا اندیشہ بیان کیا۔

"کچھ نہیں ہوگا...... آخر تو انہیں ایک نہ ایک دن پتا چلنا ہی ہے۔ ہم کب تک یوں چھپ چھپ کر مل سکتے ہیں۔" ثمین کو خود پر یقین تھا اسی لیے وہ بے پروائی سے بولی۔

"ہاں...... میں بھی چاہتا ہوں کہ ملیں تو ہمیں کسی کا ڈر و خوف نہ ہو۔" فائق نے بھی ہمت دکھائی تھی۔

"تو ملو ناں بابا سے، اب تو تمہیں پہلے سے بہتر جاب مل گئی ہے......" وہ بھی اصرار سے بولی تھی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

''اگر انہوں نے مجھے رد کر دیا تو......؟''

''اگر انہوں نے ایسا کیا تو میں انہیں چھوڑ دوں گی۔'' ثمین کے ارادے پختہ تھے۔

''اتنی محبت کرتی ہو مجھ سے؟'' فائق کافی متاثر ہوا۔ جواباً اس نے بگڑ کر دیکھا۔

''نہیں...... میں تو تمہارے پاس ٹائم پاس کر رہی ہوں۔'' وہ اس کی بات پر ناراض ہو گئی تھی اور پھر بڑی معافی تلافی کے بعد مانی تھی اور پھر ایک دن ایسا ہوا کہ دونوں کے درمیان اچانک رابطہ ختم ہو گیا۔ فائق کی بے چینی سوا تھی...... اسے نہیں معلوم تھا کہ ثمین کے ساتھ کیا معاملہ ہوا ہے...... یقیناً اس کے بابا کو خبر ہو گئی تھی۔ وہ کافی دنوں بعد پارک میں آئی تھی۔ پریشان بھی تھی اور بوکھلائی ہوئی بھی...... وہ آتے ہی بینچ پر بیٹھ کر سانس بحال کرنے لگی۔

''کیا ہوا......؟ کہاں ہو اتنے دن سے؟ تم نے اپنا فون کیوں بند کر رکھا ہے، معلوم ہے ناں تم سے بات نہ کروں تو جان نکلنے لگتی ہے میری۔''

''تو میں کون سا سکون سے تھی...... غضب ہو گیا ہے، بابا کو ہمارے بارے میں پتا چل گیا ہے، بہت ناراض ہیں وہ۔ مجھ پر پابندی لگا دی ہے، سیل فون بھی انہوں نے لے لیا ہے۔ بڑی مشکل سے نکل کر آئی ہوں۔'' وہ اپنے نہ آنے کی وجہ بتاتی اسے بھی پریشان کر گئی۔

''کیا...... مطلب ہم اب نہیں مل سکیں گے؟''

''ایسا کیسے ہو سکتا ہے...... میں نے بابا کو بتا دیا ہے کہ میں تمہارے علاوہ کسی سے شادی نہیں کروں گی۔'' ثمین نے اسے خوف سے نکالنے کی کوشش کی تھی۔

''پھر کیا کہا انہوں نے؟'' فائق کے چہرے پر فکر بڑھ گئی تھی مگر ثمین پُراعتماد ہو کر اسے تسلی دے رہی تھی۔

''تم فکر نہ کرو فائق وہ جانتے ہیں میری ضد...... بالآخر مان جائیں گے۔''

''اگر نہ مانے تو......؟'' فائق نے جیسے اسے پھر آزمایا تھا۔

''تو میرا فیصلہ تم جانتے ہو...... میں مر جاؤں گی مگر تمہارے علاوہ میری زندگی میں کوئی اور نہیں آسکتا۔'' ثمین کے ارادے فائق کو اطمینان بخش گئے تھے۔

☆☆☆

کچھ دن بعد ثمین اسے فون کر رہی تھی، یقیناً وہ اپنے بابا سے جنگ لڑ کر کامیاب ہو چکی تھی تبھی اس کا حوصلہ بڑھا رہی تھی۔ وہ اپنے آفس میں بیٹھا اس کا فون سن رہا تھا۔

''تم ہر خوف دل سے نکال دو فائق...... بس تم آج ہی میرے بابا سے جا کر ملو......'' فائق کے پوچھنے پر اس نے بتایا تھا مگر فائق کا اعتماد ڈول رہا تھا۔

''کیا واقعی تمہارے بابا مان گئے ہیں؟'' اپنی تسلی کے لیے ایک بار پھر پوچھا۔

''ہاں...... ہاں...... میں نے بات کر لی ہے۔ بس تم جا کر انہیں یقین دلا دو کہ تم میری خاطر کچھ بھی کر سکتے ہو...... میں تمہارے ساتھ ہوں۔'' ثمین نے اسے پھر حوصلہ دیا تھا۔ تبھی وہ خود کو سمجھاتا اپنی محبت کے لیے ان کے آفس چلا گیا۔ وہ کسی بھی حال میں ثمین کو پانا چاہتا تھا۔ اس لیے اپنی تمام ہمتیں اور ارادوں کی پختگی کے ساتھ اکرام الحق کے سامنے بیٹھا تھا جبکہ اُن کے چہرے پر رعونت واضح تھی۔ انہوں نے پہلی بات جو کی تھی وہی اس کے حوصلے توڑنے کے لیے کافی تھی۔

''کیا تمہیں یقین ہے کہ تم اپنی اس معمولی سی جاب کے بل بوتے پر میری بیٹی کو وہ لائف اسٹائل دے سکتے ہو جس کی وہ عادی ہے؟'' اس کے چہرے پر اکرام الحق کی نگاہیں جمی ہوئی تھیں۔ وہ اپنا اعتماد بحال کرنے کی کوشش کرتا ہوا اپنی گھبراہٹ چھپاتا ہوا بولا تھا۔

''میرا یقین کریں سر! وہ میرے ساتھ خوش رہے گی...... میں ثمین کی ہر خواہش پوری کرنے کے لیے دن رات محنت کروں گا اسے کبھی کوئی شکایت نہیں۔'' اکرام الحق نے نخوت سے سر جھٹکتے ہوئے اس کی بات کاٹ دی تھی...... جیسے اس کی بات پر اعتبار نہ ہو۔

''خالی خولی دعوؤں پر، میں تمہارے ساتھ اپنی بیٹی کو ایک مشکل زندگی گزارنے کی حماقت کرتے نہیں دیکھ سکتا۔'' فائق پریشان ہو کر انہیں دیکھنے لگا تھا پھر زچ ہو کر بولا۔

''سر! یہ خالی دعویٰ نہیں ہے آپ آزما کر دیکھ لیں۔''

''اچھا......'' اکرام الحق کے چہرے پر استہزا نظر آیا تھا۔

''کیا کر سکتے ہو......؟ اپنی سطح سے کتنا اٹھ سکتے ہو، اس کی خاطر؟'' فائق کے چہرے کا رنگ متغیر ہوا تھا۔

''جی......جی؟'' وہ سمجھ کر بھی ناسمجھی ظاہر کر گیا۔

''مطلب صاف ہے، پہلے اس کے قابل تو بن کر آؤ۔ ہمارے مطابق! تم میری بیٹی کو ففٹی پرسنٹ دینے کے بھی قابل ہو گئے تو ہم تمہیں اپنا داماد بنا لیں گے۔'' فائق حیرت بھرے تاثرات کے ساتھ دیکھتا رہ گیا۔ اپنی معمولی سی نوکری پر وہ عام سی زندگی بھی بہ مشکل دے سکتا تھا کجا اکرام الحق جیسے بزنس مین کے مقابلے پر آدھا یعنی پچاس فیصد دینا اس کے لیے دشوار ہی نہیں ناممکن بھی تھا۔ اس کی خاموشی اور چہرے کی کشمکش اکرام الحق کے چہرے پر پھیلی حقارت اور لہجے کا استہزا مزید بڑھا گئی تھی۔

''کیا ہوا...... اتنا بھی نہیں کر سکتے؟ ابھی تو بہت دعوے کر رہے تھے...... میں جانتا ہوں تم جیسے نوجوان ہم جیسوں کی بیٹیاں اسی لیے پھانستے ہیں تاکہ انہیں سیڑھی بنا کر اپنا مقصد حاصل کر لیں۔ تم نے بھی ثمین کو شارٹ کٹ سمجھا ہوگا تاکہ......'' اکرام الحق نے جیسے اس کی برداشت کو آزمایا تھا۔

''آپ مجھے گالی دینے کا حق نہیں رکھتے۔ میں بھی آپ کو ثمین کے قابل بن کر دکھاؤں گا...... آپ اپنا وعدہ یاد رکھیے گا۔'' وہ ایک دم ہی جوش سے بولتا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ پھر وہ وہاں ٹھہرا نہیں تھا۔ جوش میں وہاں سے نکل آیا تھا اور پھر بڑی جدوجہد سے اس نے ملک سے باہر جانے کا انتظام کیا۔ یہاں رہ کر وہ ثمین کو وہ کچھ نہیں دے سکتا تھا جس کا مطالبہ اس کے باپ نے کیا تھا۔ ثمین نے بھی اس کے ساتھ ساری زندگی گزارنے کا عہد کیا تھا۔ شروع، شروع میں ثمین کی باتیں اس کا حوصلہ بڑھاتی رہیں اور پھر کویت جیسے صحرائی ملک میں جاں سوز محنت کرتے کرتے اس کی ہمت ٹوٹنے لگی۔ اپنوں سے دوری، ثمین کی محبت کی کسک...... پھر اس کا بار بار واپسی کا مطالبہ...... قسمیں وعدے یاد دلانا...... اپنے باپ کے بدلتے رویوں کا ذمے دار ٹھہرانا...... یہ سب فائق کو چڑچڑا بنانے لگے۔ بیوہ ماں اور بہنوں کی شادی کے مسائل الگ اس کے سر پر سوار تھے۔ اسے لگتا وہ آئندہ دس سال تک بھی محنت کرتا رہا تو اپنا مقصد نہ پا سکے گا۔ اپنی چڑچڑاہٹ وہ ثمین پر نکالتے، نکالتے اس سے فاصلے بڑھا گیا۔ محبت کے درمیان میں انا آگئی تو دونوں طرف خاموشی چھا گئی...... اب وہ کئی سال بعد لوٹا تھا تو نہ اس کے مسائل پوری طرح حل ہوئے تھے اور نہ ہی اس کی محبت اس کے لیے رہی تھی...... فائق اپنی یادوں کی راکھ کو چھیڑ کر چنگاری تلاش کرتا بے حال ہو رہا تھا تبھی اس کے پاس پڑا اس کا موبائل فون بجنے لگا۔ آدھی رات بلکہ رات کے تیسرے پہر کسی انجان نمبر کی کال اسے حیران کر گئی۔ اس نے کچھ سوچ کر یس کا بٹن دبا دیا۔

دوسری طرف کی آواز اسے مزید حیرت میں ڈال گئی۔

''فا......ئق...... فائق پلیز فون مت بند کرنا......'' فائق کو یقین نہیں آرہا تھا کہ ثمین اسے کال کر رہی ہے۔

☆☆☆

ثمین کمرے سے نکل کر بہت دیر تک مضطرب

WWW.PAKSOCIETY.COM

رہی تھی۔ ماضی کا ہر لمحہ اس کے ذہن میں بھی کسی فلم کی طرح گردش کرتا اسے اس کی ناکام محبت کی ادھوری کہانی سناتا رہا تھا۔ بڑی کشمکش کے بعد وہ فیصلہ کن نتیجے پر پہنچ کر فائق سے رابطہ کر رہی تھی۔

"فائق...... تمہیں میری آواز آرہی ہے ناں...... میں ثمین...... دیکھو مجھ سے تمہاری نظروں کی وہ بدگمانی، وہ شکایت برداشت نہیں ہو رہی، تم...... اچانک...... تیمور کے دوست بن کر سامنے آؤ گے میں نے سوچا بھی نہیں......"

"تم...... میں...... تم؟...... تیمو......ر...... کہاں ہے؟" فائق کو بھی یک دم احساس ہوا تھا کہ وہ حقیقت میں ثمین سے بات کر رہا ہے۔ ثمین کی...... بےقراری اس کی آنسوؤں سے گھٹتی آواز میں عیاں ہو رہی تھی۔

"میر......ی...... بات سنو......! تم نے خود مجھ سے تعلق توڑا تھا...... کوئی تعلق...... کوئی رابطہ نہیں رکھا تھا...... تمہیں یاد ہے ناں...... تم نے آخری بار مجھ سے کہا تھا کہ...... میں تمہارا انتظار نہ کروں...... تمہیں بھلا دوں، میں آخر کب تک بابا کو روکتی......" وہ رو رہی تھی۔ فائق کو اس کا رونا متاثر نہیں کر رہا تھا بلکہ اس کا دکھ مزید بڑھ گیا تھا وہ اسے جواز دے رہی تھی۔ نہایت ہی بودا جواز...... وہ طنزیہ انداز میں بولنے لگا۔

"اچھا کیا...... بہت اچھا کیا...... میں تمہیں آخر دے بھی کیا سکتا تھا۔ ویسے بھی اب ان باتوں کا کیا مقصد......؟ تمہیں تمہارے باپ کی خواہش کے مطابق لائف اسٹائل تو مل گیا ہے ناں...... تمہیں تو ساری خوشیاں مل گئی ہوں گی۔" نہ چاہتے ہوئے بھی فائق کا لہجہ طنزیہ ہو گیا تھا۔ جس پر وہ تڑپ اٹھی تھی۔

"ایسا مت کہو...... میں بالکل خوش نہیں ہوں تیمور کے ساتھ...... میرا یقین کرو...... میں تمہیں بھلا نہیں پائی...... میں تمہیں......" اچانک ہی تیمور نیند سے اٹھ کر آ گیا تھا۔ ثمین بستر پر نہیں تھی وہ پریشان تھا۔

"ثمین...... اِدھر کیوں بیٹھی ہو؟ طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری۔" وہ فکرمندی سے بولتا لاؤنج کی لائٹ جلاتا بوجھل پلکوں سے اس کی جانب دیکھ رہا تھا، ثمین نے اس کی آواز سنتے ہی بے اختیار...... سیل فون اپنے نیچے چھپانے کی کوشش کی۔

"وہ...... میں...... پانی پینے آئی تھی...... ابھی میں بس اب سوؤں گی...... آپ چلیں۔" ثمین نے بڑی خوب صورتی سے اپنی گڑبڑاہٹ پر قابو پا لیا تھا۔ فون کو خود میں چھپاتی وہ تیمور سے بھی پہلے وہاں سے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

اگلی صبح تیمور کے آفس جاتے ہی وہ دوبارہ فائق سے رابطہ کر کے اسے کہیں ملنے پر مجبور کر رہی تھی، اس کے اصرار پر فائق بھی ملنے پر تیار ہو گیا تھا۔ بہت عرصے بعد وہ دل سے تیار ہو کر اپنی مرضی اور خواہش کے ساتھ گھر سے باہر نکلی تھی۔ ریسٹورنٹ میں فائق پہلے سے اس کا منتظر بیٹھا تھا۔ کافی دیر دونوں آمنے سامنے بیٹھے خاموشی کی زبان میں اپنے شکوے شکایتیں کہہ، سن رہے تھے۔ ثمین کے لیے جب خاموشی ناقابل برداشت ہو گئی تو بے بس ہو کر اپنی صفائیاں دینے لگی۔

"تم کیوں نہیں آئے تھے؟ میں نے تم سے کہا تھا آ جاؤ...... بابا بیمار تھے، انہوں نے مجھ سے التجا کی تھی۔ وہ مجھے تنہا نہیں چھوڑ سکتے تھے...... میں مجبور ہو گئی تھی۔"

"اونہہ...... مجبور......؟ میری محبت، اپنی وفا، وہ قسمیں، وعدے بھلانے کے بعد جو کچھ تم نے پایا ہے وہ تو میں زندگی بھر تمہیں نہیں دے سکتا تھا۔" فائق کی نظروں اور لہجے نے طنزیہ تیر چھوڑے، وہ زچ ہو کر چیخ اٹھی۔

"کچھ نہیں بھلایا میں نے...... اور...... اور تم جو دیکھ رہے ہو وہ سب دھوکا ہے، فریب ہے، میں آج

بھی تمہاری محبت سے بندھی ہوں۔" فائق کو یقین نہیں آرہا تھا وہ جذباتی ہو کر بولا۔

"جھوٹ مت بولو، تیمور تمہاری محبت کا دم بھرتا ہے اور تم اس کے ساتھ بھرپور زندگی گزار کر...... مجھے کیوں بہکا رہی ہو؟" لوگوں کو متوجہ دیکھ کر وہ خود کو سنبھالتی لہجہ ذرا دھیما کر کے تردیدی انداز میں سر ہلا کر یقین دلانے لگی۔

"تیمور کا ساتھ عذاب ہے میرے لیے...... میرا یقین کرو۔" فائق اسے حیرت و ناسمجھی بھرے تاثرات سے دیکھے گیا۔ ثمین نے مزید کہا "ایک لمحے، ایک گھڑی بھی میں نے اس کی محبت کا جواب محبت سے نہیں دیا۔ تم جانتے ہو، میں تمہارے علاوہ کسی کے ساتھ خوش نہیں رہ سکتی...... میں نے فیصلہ کر لیا ہے، میں تیمور کو چھوڑ دوں گی...... چاہے مجھے کچھ بھی کرنا پڑے، تمہیں دوبارہ کھونے کا حوصلہ نہیں ہے مجھ میں۔" ثمین کی باتوں نے فائق کی ذہنی کشمکش بڑھا دی تھی۔ ایک طرف ثمین کی محبت کی شدت تھی اور دوسری طرف دوست کی دوستی...... وہ تیمور کا حال اب بھی جانتا تھا، جس کے سارے جذبے، ساری امنگیں صرف اپنی بیوی کے لیے مختص تھیں...... مگر ثمین اپنے علاوہ کچھ سوچنے ہی نہیں دے رہی تھی۔

☆☆☆

ثمین آج بھی فائق سے مل کر شام ڈھلے گھر لوٹی تو تیمور پہلے ہی گھر پر موجود تھا۔ وہ ڈپلیکیٹ چابی لے کر اندر داخل ہوا تھا۔ ثمین پہلے کبھی کہیں جاتی تھی نہ ہی ہمسائیوں سے اس نے میل جول بڑھا رکھا تھا۔ اس کا سیل فون بھی بند جا رہا تھا۔ تیمور کو پریشانی ہونے لگی۔ وہ جھنجلا کر بار بار فون کرنے لگا مگر ہر بار ایک ہی جواب موصول ہو رہا تھا۔ مزید پریشان ہو کر وہ اسے ڈھونڈنے کے لیے نکلنے ہی لگا تھا کہ وہ چلی آئی۔ تیمور کو دیکھ کر لمحے بھر کو تو وہ بھی ٹھٹکی مگر خود کو سنبھال کر آگے بڑھ آئی۔

"کہاں چلی گئی تھیں یار تم...... تمہارا سیل بھی آف جا رہا ہے تمہیں پتا ہے میں کتنا پریشان ہو گیا تھا۔" وہ بے اختیار اس کی جانب لپکا مگر وہ اس سے کترا کر کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

"ایک دوست سے ملنے چلی گئی تھی۔ بیٹری لو تھی اس لیے کال نہیں کر سکی۔" ثمین نے صفائی سے جھوٹ بولا۔ تیمور نے کمرے کے دروازے میں آ کر قدرے رسانیت سے کہا۔

"پلیز آئندہ گھر سے جاؤ تو پہلے مجھے کال کر دینا...... تم نہیں تھیں تو میں کیا، کیا سوچتا رہا ہوں۔ یہاں کے حالات تو تم جانتی ہو ناں!"

"کیا سوچتے رہے ہیں آپ......؟" وہ بیگ بیڈ پر اچھال کر تنک کر مڑی۔ "میں کسی کے ساتھ چلی گئی تھی جو آپ پریشان ہو رہے تھے۔" تیمور اس کے غصے پر مزید حیران ہوا۔

"میرا یہ مطلب نہیں تھا...... میں تو......" وضاحت دینے کی کوشش کرتے تیمور کی بات ثمین نے پھر کاٹ دی۔

"آپ چاہتے ہیں بس میں اس قید خانے میں قید ہو کر رہ جاؤں...... کسی سے نہ ملوں...... میری اپنی زندگی، اپنی کوئی خوشی نہیں......"

"کیا ہو گیا ہے ثمی...... کیوں اس طرح کر رہی ہو۔" تیمور اس کے چلّانے پر تحمل کا مظاہرہ کرتا اس کی جانب بڑھا اس کے کندھے کو تھام کر سمجھانے لگا۔

"میں تو بس تم سے ایک بات کہہ رہا تھا...... کہ......" ثمین نے جھٹکے سے مڑ کر اس سے فاصلہ پیدا کیا۔

تیمور کو اس کا غصہ سمجھ نہیں آ رہا تھا بس نرمی سے اسے آرام کرنے کی تاکید کرنے لگا۔ "اچھا...... پلیز تم ریلیکس ہو جاؤ...... کافی عرصے بعد گھر سے نکلی ہو...... میرا خیال ہے تم تھک گئی ہو گی۔" تیمور اسے وہیں چھوڑ کر کمرے سے نکل گیا جبکہ وہ سر جھٹک کر اپنا غصہ اور بیزاری کم کرنے کی کوشش کرنے لگی،

WWW.PAKSOCIETY.COM

فائق سے ملنے کے بعد تیمور کو دیکھتے ہی اسے الجھن ہونے لگی۔ اس کا دل چاہتا تھا کہ وہ اسے صاف، صاف اپنی اور فائق کی محبت کے بارے میں بتا کر چھٹکارا پالے مگر تیمور کی نرمی اور پُرجوش محبت کہیں نہ کہیں اسے بے بس کر دیتی تھی۔

☆☆☆

فائق کے ساتھ اس کا ٹیلی فونک رابطہ مسلسل تھا۔ فائق اسے فون کرتا نہ کرتا وہ اسے ضرور فون کر کے اپنے ہونے کا احساس دلاتی تھی۔ گھر سے وہ بالکل بے پروا ہوگئی تھی۔ گھر کی صفائی ستھرائی اور برتن دھونے والی ماسی پر بھی اس کی توجہ نہیں رہی تھی۔ وہ آتی آدھا ادھورا کام کر کے چلی جاتی...... یا پھر کسی دن ثمین باہر جانے کی جلدی میں ماسی اور کک کو ایسے ہی رخصت کر دیتی۔ کچھ دن تو تیمور باہر سے کھانا منگوا کر خاموشی سے گزارہ کرتا رہا آخر آج رات کے کھانے پر بھی ہوٹل کا کھانا دیکھ کر نرمی سے پوچھنے لگا۔

''کیا ہوا...... آج بھی کک نہیں آئی؟''

''آئی تھی...... مگر مجھے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ کیا پکواتی......'' ثمین نے بے پروائی سے کہتے ہوئے پلیٹ میں چکن شاشلک اسٹک رکھی۔

''یہی پکوا لیتیں جو ہوٹل سے منگوایا ہے۔ تمہیں معلوم ہے میں جب تنہا تھا جب بھی باہر کے کھانے کم ہی کھاتا تھا۔'' تیمور نے پانی کا گلاس لبوں سے لگانے سے پہلے پہلی بار اپنی مرضی کا احساس دلایا تو ثمین کے چہرے پر ناگواری سی پھیل گئی۔

''دل نہیں چاہ رہا تو مت کھائیں...... بلکہ اپنی مرضی کا مینیو لکھ کر رکھ دیں...... مجھ سے یہ مغز ماری نہیں ہوتی۔'' تیمور نے حیرت بھری نظروں سے دیکھ کر اظہار کیا۔

''ثمین...... آخر تمہیں اچانک کیا ہو جاتا ہے، میں نے تو ایک بات کہی ہے، میں ہر روز ہوٹل کے کھانے نہیں کھا سکتا۔ اس میں ناراض ہونے والی کیا بات ہے، تم میری بیوی ہو...... تمہیں اب تک معلوم ہو جانا چاہیے کہ مجھے کیا پسند ہے کیا نہیں۔''

''بس رہنے دیں...... آپ کی ان باتوں سے میں عاجز آچکی ہوں، نوکرانی نہیں ہوں میں۔'' تیمور کی سنجیدگی پر وہ بھڑک اٹھی۔'' ہر بات کا خیال بس میں ہی رکھوں۔'' وہ غصہ دکھاتی جا کر کمرے میں بند ہوگئی۔ تیمور بے بسی سے بیٹھا رہ گیا تھا۔ ثمین کا ردِعمل اس کی سمجھ سے بالاتر تھا۔ اگلے کئی دن تک بھی ثمین کا موڈ ٹھیک نہیں ہوا تھا۔

☆☆☆

اس روز وہ لاؤنج میں بیٹھی فائق سے فون پر بات کرتے ہوئے اپنا فیصلہ سنا رہی تھی۔ ''میں بس اب تیمور سے دوٹوک بات کروں گی، وہ بھی میرے رویّے کی وجہ پوچھنے لگا ہے۔ جلد ہی فیصلہ ہو جائے گا۔'' دوسری طرف فائق کشمکش میں تھا۔

''ثمین دیکھ لو...... میں آج بھی اسی مقام پر ہوں جہاں سے چلا تھا۔ میری حیثیت تیمور کے مقابلے میں کچھ نہیں ہے اور میرا خاندان......'' ثمین فوراً اس کی بات کاٹ کر بولی۔

''مجھے تمہاری محبت کے علاوہ کچھ نہیں چاہیے۔ تم یہ بات کیوں بھول جاتے ہو؟ کہیں ایسا تو نہیں تمہیں اب میری تمنا نہیں رہی؟'' اسے یقین دلاتے دلاتے وہ بدگمانی سے پوچھنے لگی تو فائق بے ساختہ مگر افسردگی سے جواب دینے لگا۔

''تمہاری تمنا میں ہی تو ملک بدر ہوا تھا۔ چاہوں بھی تو دل سے تمہیں نکال نہیں پاتا...... مگر...... اب میں نے......''

''بس پھر اب...... کوئی رکاوٹ ہمیں ملنے سے نہیں روک سکتی...... تم بس میرا انتظار کرو...... کچھ دن اور...... پلیز۔'' ثمین نے ایک بار پھر اس کی بات مکمل نہیں ہونے دی اور اپنے اٹل ارادوں سے فائق کو قائل کرنے کی کوشش کرنے لگی۔

☆☆☆

تیمور حسبِ معمول اپنے بیڈ پر بیٹھا لیپ ٹاپ سامنے کھولے اپنے آفس کی کوئی فائل دیکھ رہا تھا۔ وقفے وقفے سے وہ خاموش لیٹی چھت کو گھورتی ثمین پر بھی نگاہ ڈال لیتا تھا۔ کئی دنوں سے وہ ثمین میں تبدیلی محسوس کر رہا تھا۔ سنجیدہ اور سرد مزاج تو وہ پہلے بھی تھی اب چڑچڑی بھی ہوگئی تھی۔ تیمور جب بھی اس سے فیملی بڑھانے کی بات کرنے لگتا، وہ یا تو ٹال جاتی یا پھر خاموشی اختیار کر لیتی۔ اب بھی وہ اپنا کام ختم کر کے لیپ ٹاپ بند کر کے اسے مخاطب کر بیٹھا۔

''ممی...... آج فاخرہ پھپھو سے نیٹ پر بات ہوئی تھی۔ تمہارا پوچھ رہی تھیں۔'' جواباً وہ کچھ نہ بولی، لگتا تھا وہ کسی گہری سوچ میں تھی۔ ''you know...... وہ تو آج بھی یہی پوچھ رہی تھیں کہ میں انہیں دادی کب بنا رہا ہوں...... کیا خیال ہے؟ کیوں نہ اب انہیں اگلے سال سرپرائز دیا جائے۔'' اس کی بات سنتے ہی ثمین نے جھٹکے سے رخ موڑ کر اسے دیکھا اور پھر یک دم اٹھ بیٹھی۔

''کیا...... کیا مطلب؟ لوگوں کو سرپرائز کرنے کے لیے میں اپنی زندگی جنجال میں پھنسا لوں...... پہلے کیا کم عذاب جھیل رہی ہوں میں۔'' ثمین کے لہجے میں اس قدر تلخی اور آگ تھی کہ پہلی بار تیمور کو شدت سے اس کا رویّہ محسوس ہوا تھا۔

''یہ...... یہ تم کیا کہہ رہی ہو ثمین...... کیا ہو گیا ہے؟''

''پاگل ہو رہی ہوں میں؟ دم گھٹنے لگا ہے میرا یہاں پر، جب سے تم میری زندگی میں آئے ہو، مجھ سے میری ہر خوشی چھین لی ہے......'' وہ چیخنے لگی تھی۔ تیمور کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اچانک وہ ایسا ری ایکشن کیوں دکھا رہی ہے۔

''ثمی...... میری جان...... کیا ہوا ہے؟ کیوں اپ سیٹ ہو......؟ مجھے بتاؤ کیا بات ہے؟'' اسے سنبھالنے کے لیے وہ اس کے قریب آیا اور بڑے

سچی کہانیوں، آپ بیتیوں، جگ بیتیوں کا بے مثال مجموعہ
ماہنامہ سرگزشت
شمارہ جنوری 2014ء کی جھلکیاں
سفر مزاج
ایک انتہائی اہم شخصیت کی زندگی کے عروج و زوال کی دلچسپ روداد جو خود میں بھرپور سبق ہے
جاپانی ہنری فورڈ
غربت سے امارت تک پہنچنے والے کی روداد جس نے پوری دنیا میں تہلکہ مچا دیا تھا
مروہ کا مجنوں
لیلیٰ مجنوں کی داستان سے زیادہ اہم داستانِ عشق، مروہ کے مجنوں کی کتھا
سلطانہ بیگم
انا کے خول میں بند عورت کا قصہ جو بہو اور بیٹی میں فرق کرنے کی عادی تھی
اس کے علاوہ
لہو کی گردش تیز کر دینے والی داستان ''سراب''، فلمی دنیا کا ماضی و حال ''فلمی الف لیلہ'' اور بہت سی دلچسپ تحریریں جنہیں آپ پسند کریں گے جنہیں آپ کو پڑھنا چاہیے
آج ہی نزدیکی بک اسٹال پر اپنا شمارہ مختص کرالیں
خاص شمارہ...... ہر شمارہ، خاص شمارہ...... ہر شمارہ، خاص شمارہ

WWW.PAKSOCIETY.COM

پیار سے بولا۔

"ڈونٹ ٹچ می......" ثمین نے اس بار بری طرح اسے خود سے دور جھٹک کر کہا تو تیمور کے چہرے کا رنگ ہی متغیر نہیں ہوا...... اس کے اندر بھی بہت کچھ چھنا چھن ٹوٹ کر بکھرتا چلا گیا۔ ثمین اس سے کیا کہہ رہی تھی۔ وہ سن کر بھی یقین نہیں کر پا رہا تھا۔

"وحشت ہوتی ہے مجھے تمہاری قربت سے...... زہر لگتی ہے تمہاری محبت...... نفرت کرتی ہوں میں تم سے...... آئی ہیٹ یو...... سنا تم نے...... میری خوشیوں کے قاتل ہو تم...... تمہاری وجہ سے مجھے میری محبت نہیں ملی...... اب اور نہیں...... میں نہیں سہہ سکتی...... آزاد کردو مجھے...... خدا کے لیے آزاد کردو اپنی اذیت ناک محبت سے...... نہیں رہنا چاہتی میں تمہارے ساتھ...... آزاد کردو...... آزاد کردو......" وہ بری طرح چیخ رہی تھی اور بولتے بولتے اپنے بال نوچ رہی تھی۔ تیمور کے لیے سارے انکشافات نئے تھے اور جان لیوا بھی...... وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ثمین اس کی محبت، اس کی قربت سے اذیت محسوس کرتی تھی۔ وہ کسی روبوٹ کی طرح وہاں سے اٹھ کر لاؤنج میں آبیٹھا تھا۔ اس کی تمام حسیں گہرے صدماتی اثر میں تھیں اور سماعتوں میں ثمین کی باتوں کی تکرار گونج رہی تھی۔

"آزاد کردو...... اپنی اذیت ناک محبت سے آزاد کردو۔ آزاد کردو......" اسی تکرار نے اس کے اندر اضطراب بھر دیا تھا۔ اس نے تو اپنی ذات کے سارے جذبے ثمین پر ایمانداری سے لٹا دیے تھے اور وہ بدلے میں اسے خطاوار ٹھہرا کر نئی سزاؤں کا ذمے دار بنا رہی تھی...... لاؤنج میں اٹھتے، بیٹھتے، ٹہلتے وہ اس بیکراں کرب پر قابو پاتے پاتے تھکنے لگا تو معاملہ ثمین کی خوشی پر چھوڑ دیا...... وہ اس کے لیے مزید اذیت بنے رہنا نہیں چاہتا تھا...... خواہ اس کے لیے اس نے اپنے دل کا لہو کیا تھا...... اور اسی لہو سے وہ فیصلہ لکھ دیا تھا جو ثمین کی خوشی تھی اور خود نڈھال ہو کر صوفے پر ہی دراز ہوگیا تھا۔ آج ثمین کے ہر رویے، ہر تاثر کا جواز اسے مل گیا تھا۔

☆☆☆

رات اپنی بھڑاس نکال دینے کے بعد ثمین مطمئن ہو کر اپنا ضروری سامان باندھ کر صبح ہونے کا انتظار کررہی تھی...... اسے یقین تھا کہ تیمور جیسا انسان زبردستی اپنی بات نہیں منواتا نہ ہی کسی پر خود کو مسلط کرتا ہے...... اور ایسا ہی ہوا تھا...... صبح ہوتے ہی تیمور دستک دے کر کمرے میں آیا تھا...... وہ اپنے سفری بیگ کی زپ بند کرتے ہوئے دانستہ اس سے نظریں بچانے لگی۔ تیمور نے کچھ فاصلے پر رک کر مہر کا بند لفافہ اس کی طرف بڑھا کر سرد مہری و بیگانگی سے کہا۔

"مجھے نہیں معلوم تھا کہ میں نے اپنی ساری وفائیں، تمام محبت اور اپنے پُرزور جذبات دلی شدتوں کے ساتھ جس پر لٹا دیے...... اس کے لیے وہ سب کچھ اذیت ناک رہا تھا اور میری ذات ہمیشہ قابل نفرت رہی...... وہ کسی اور سے محبت کرتی ہے...... کاش...... کاش آپ مجھے پہلے ہی بتا دیتیں تو آپ کو ایک لمحے کے لیے بھی وہ اذیت نہیں سہنی پڑتی...... گزشتہ وقت کا ازالہ تو میں نہیں کرسکتا البتہ آج سے آپ میری محبت، میری قربت اور...... اور میرے ساتھ کی اذیت سے آزاد ہیں......" گزرے وقت کی ثمین کی طرف سے برتی گئی ساری سرد مہری اور بیگانگی تیمور کے لہجے میں چند لمحوں میں سمٹ آئی تھی۔ ثمین بھی قدرے حیرت سے اس کا یہ روپ دیکھ رہی تھی۔ وہ لفافہ اسے تھما کر پلٹ گیا تھا۔ ثمین کچھ دیر تو کھڑی رہی پھر یک دم اس کے اندر بھی اطمینان بھرتا چلا گیا...... آج وہ خود کو کسی قید سے رہا محسوس کررہی تھی۔

☆☆☆

ثمین وہاں سے نکل کر اپنے باپ کے گھر آگئی تھی اور اب فائق سے ملنے میں دنیا کی کوئی رکاوٹ آڑے نہیں آسکتی تھی۔ فائق اس کے بلاوے پر چلا تو آیا تھا مگر اس کے چہرے پر کشمکش بھی تھی اور ملال بھی۔ وہ اس کے سامنے سر جھکائے بیٹھا تھا۔ ثمین نے اس کی خاموشی محسوس کرکے پوچھا۔

"کیا بات ہے......؟ تمہیں یقین نہیں آرہا ناں...... مگر یہ سچ ہے...... تیمور نے واقعی مجھے آزاد کردیا ہے، اب ہم پر کوئی پابندی نہیں ہے فائق...... میری عدت کے دن گزر جائیں تو ہم...... نکاح کرلیں گے...... تمہیں اب باہر جانے کی ضرورت نہیں...... بابا کا بزنس اب تم سنبھالنا۔" ثمین اپنی دھن میں بولے جارہی تھی بنا فائق کے ردِعمل اور تاثرات پر غور و فکر کیے۔

"یہ تم نے اچھا نہیں کیا ثمین۔" وہ اس کے چپ ہوتے ہی افسوس و دکھ سے بولا۔ "مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی۔" فائق نے اسے ایک دم چونکا دیا تھا۔

"کیا...... کیا......؟ مطلب......؟" وہ ناسمجھی سے پوچھ رہی تھی۔

"جب مجھے معلوم ہوا کہ تمہاری شادی ہوچکی ہے تو بخدا اس دن سے تمہیں پانے کی تمنا چھوڑ دی تھی میں نے۔"

"یہ تم کیا کہہ رہے...... ہو......! آخر کہنا کیا چاہتے ہو؟" ثمین کو یک دم فائق کی باتوں سے کوئی اشارہ ملا تھا۔

"کیونکہ میں جانتا تھا مشرقی عورت کی وفاداری شادی کے بعد اپنے شوہر اور اپنے گھر سے وابستہ ہو جاتی ہے۔ شادی سے پہلے کا کوئی جذبہ اسے یاد بھی نہیں رہتا، میرا خیال تھا کہ تم بھی...... اور پھر تمہیں تیمور کے گھر میں دیکھ کر میرا خیال یقین میں بدل گیا تھا...... میرے علم میں تھا تیمور اپنی بیوی سے بے حد محبت کرتا ہے اور ایسا تو ہو ہی نہیں سکتا کہ شوہر کی محبت پر مشرقی عورت اپنی وفا نہ لٹائے...... مگر تم نے تو......"

"فائق...... تم ایسی باتیں کیوں کررہے ہو؟ میں نے تو تمہاری خاطر ہی......" ثمین الجھ گئی تھی اور اسی انداز میں بول بھی رہی تھی۔

"میری خاطر......؟ جب میرا انتظار کرنا چاہیے تھا تب تم میرا انتظار نہیں کرسکیں اور اب میری خاطر اپنے شوہر سے وفا نہ کرسکیں...... اس کا اور تمہارا تو ایک رشتہ تھا۔ جسے مذہب، قانون اور دنیا نے مستند کیا تھا...... مجھ سے تو تمہارا تعلق دنیا، قانون اور مذہب کے لحاظ سے جرم بھی ہے اور گناہ بھی...... اور تم نے اپنی یہ وفا میرے لیے وقف کردی...... آخر کیوں......؟ تم نے تو مجھے میری ہی نظروں میں گرا دیا......" وہ اسے احساس دلاتا خود بھی جیسے بکھر رہا تھا۔ اس کے دھواں، دھواں چہرے پر جو شکستگی رقم تھی وہ ثمین کو بہت کچھ سمجھا رہی تھی۔

"تو کیا تم...... اب...... مجھے، نہیں۔" وہ بات مکمل نہیں کرپائی تھی۔ فائق نے بھیگی نظروں سے اسے دیکھ کر اٹھتے ہوئے نہایت شکستگی سے کہا۔

"میں نے ایسا نہیں چاہا تھا۔ میں تمہیں بار بار سمجھانے کی کوشش کررہا تھا مگر تم...... پلیز تم مجھے معاف کردینا...... میں اپنے ضمیر اور دل پر اتنا بڑا بوجھ اٹھا کر فقط تم سے محبت نبھانے کے لیے دوستی کے رشتے کے لیے گالی نہیں بن سکتا اور...... نہ ہی کبھی اپنے دوست کی نظروں میں اپنے لیے نفرت دیکھ سکتا ہوں...... اس لیے...... مجھے معاف کردینا...... زندگی تو بالآخر کٹ ہی جائے گی...... میری بھی...... تمہاری بھی......" یہ کہہ کر پھر وہ وہاں رکا نہیں...... نہ ہی ثمین اسے روک سکی۔ وہ اپنی جگہ پر ساکت و جامد...... گنگ سی بیٹھی رہ گئی تھی۔ وفا کی بقا کے لیے اس نے جو کچھ قربان کردیا تھا...... اس کا ملال تو ساری عمر اس کی ہر سانس کے ساتھ اسے یاد رہنا تھا اس کے پاس تو کچھ بھی نہیں بچا تھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

منی ناول

اک نئے موڑ پر

رضوانہ پرنس

تیسرا حصہ

کبھی منزل ، کبھی رستہ کوئی کیسے بدلتا ہے
ہمیں معلوم ہی کب تھا کوئی کیسے بدلتا ہے
یقیں سے بے یقینی کے سفر تک ساتھ تھا میرے
بدل کر اس نے دکھلایا کوئی کیسے بدلتا ہے

راہِ زیست کبھی پُرخار و پُرپیچ تو کبھی رواں دواں ہوتی ہے۔ اسی راہ پر سفر کرتے ہوئے اجنبی مسافروں سے آشنائی، کبھی منزل کی جانب رہنمائی کرتی ہے تو کبھی راہ گم کردیتی ہے... ایسے ہی ایک مسافر کا دلگداز احوال جو منزل پر پہنچا تو ضرور مگر کیسے...؟

شوبز کی دنیا کے اسرار سے پردے اٹھاتی، گراتی ایک دل فریب روداد

WWW.PAKSOCIETY.COM

وہ سائیں سائیں کرتے ہوئے دماغ کے ساتھ چپ چاپ اپنے بیڈ پر آنکھیں بند کیے لیٹی ہوئی تھی بالکل ایسے ہی جیسے کبوتر بلی کو دیکھ کر آنکھیں بند کرلیتا ہے۔ وہ بھی اس وقت کسی آنے والے طوفان کے خوف سے نیم جان ہو رہی تھی جو فاران کی شدید نفرت اور غصے کے روپ میں اس کی زندگی میں آنے والا تھا۔

ابھی شیرازی صاحب نے اسے جو فون پر اطلاع دی تھی اس بات نے زنیرا کو اندر تک دہلا کر رکھ دیا تھا۔ کیا یہ کوئی معمولی بات تھی کہ فاران کے خوابوں کو چکنا چور کرنے کی ذمے دار وہ بننے جا رہی تھی۔ جو آج کل اپنی مٹھی میں پوری کائنات کو سمیٹے پھر رہا تھا جس کی آنکھوں میں چمکتا ہوا آسمان وہ خود بھی محسوس کر رہی تھی اب اس آسمان پر سیاہ بدلی بکھیرنے کی موجب بھی وہی تو تھی۔ زنیرا کی ہتھیلیاں پسینے میں بھیگ سی گئیں۔ وہ گھبرا کر اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اسے ایسا محسوس ہوا جیسے باہر پورچ میں فاران کی کار آ کر رکی ہے۔ زنیرا کا دل زور زور سے دھک دھک کرنے لگا۔ اس وقت فاران کا سامنا کرنے سے اس کی روح فنا ہوئی جا رہی تھی اور شیرازی صاحب کے جملے بازگشت بن کر جیسے بار بار اسے ہولا رہے تھے۔

"زنیرا جی! آپ کا شوہر بے حد ٹیلنٹڈ انسان ہے اور اس کا مستقبل بھی بے حد تابناک ہوسکتا تھا لیکن آپ اس کی کامیابی اور خوابوں کے حصول کی جدوجہد میں بہت رکاوٹیں ڈال رہی ہیں۔ یہ اس کی بدقسمتی ہے کہ اسے آپ جیسی بیوی کا ساتھ ملا ہے۔ میرا مطلب ہے کہ اس کا ذہن ہر وقت آپ ہی میں الجھا رہتا ہے کیونکہ میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ اسے space دینے کی قائل ہی نہیں ہیں۔ اس لیے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں اسے اپنی فلم سے آؤٹ کردوں اور دوسرے فلمساز کو بھی وارن کردوں کہ وہ فاران کو کاسٹ کرنے کا خطرہ مول نہ لے۔" وہ بہت تلخ لہجے میں اسے اپنا فیصلہ سنا رہے تھے۔ زنیرا تو ان کی بات سن کر شاکڈ ہی رہ گئی۔ ابھی کل ہی تو فاران اسے بتا رہا تھا کہ شیرازی جیسے مانے ہوئے ڈائریکٹر کے ساتھ وہ دو ہٹ فلمیں دے چکا ہے اور اب تیسری بہت بڑے بجٹ کی فلم میں اسے ہیرو لے کر شیرازی صاحب نے دیگر مشہور ہیروز کو ٹھیک ٹھاک مایوس کیا ہے۔ فاران کو اس فلم سے بہت ہی امیدیں وابستہ تھیں اور اسے پورا یقین تھا کہ اس فلم کی کامیابی کے بعد وہ سب ہی ہیروز کو پیچھے چھوڑ کر نمبر ون کا اعزاز حاصل کرلے گا اور اتنے کم عرصے میں اتنا بڑا اعزاز ملنا بہت ہی بڑی بات تھی لیکن اس وقت جیسے شیرازی نے اپنے جملوں سے کامیابی کی جگمگاتی شاہراہ پر ایک دم سے اندھیرا بکھیر دیا تھا جس میں اس کا فاران کھو بھی سکتا تھا۔

"سوری شیرازی صاحب اگر میری وجہ سے آپ کو کوئی پریشانی ہوئی ہے۔ دیکھیں میری غلطی کی سزا فاران کو مت دیجیے۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ آئندہ احتیاط برتوں گی۔" اس نے بہت متوحش ہو کر شیرازی سے معافی مانگی تو وہ مزید اُکھڑ گئے۔

"ارے آپ کو پتا نہیں ہے کہ آپ کے آنے کے بعد فاران ڈھنگ سے کام ہی نہیں کر پا رہا تھا۔ بے شمار ری ٹیکس دے کر میرا اتنا نقصان کر دیا ہے اس نے... اب میں مزید رسک لے ہی نہیں سکتا کیونکہ وہ خود ایڈمٹ کر رہا ہے کہ وہ ذہنی سکون اور مکمل یکسوئی کے ساتھ کام نہیں کرسکتا۔ کل کو آپ دونوں کے درمیان مزید کوئی بڑا مسئلہ کھڑا ہوگیا تو پھر میں تو... بے موت مارا جاؤں گا۔ زنیرا جی فلم بنانا کوئی ہزاروں کا نہیں بلکہ لاکھوں، کروڑوں کا معاملہ ہوتا ہے اور میں ہرگز اتنا بڑا نقصان افورڈ نہیں کرسکتا۔" انہوں نے حتمی لہجے میں کہتے ہوئے فون ڈسکنیکٹ کردیا اور اس وقت سے زنیرا جیسے سولی پر لٹکی ہوئی تھی۔ فاران کا

سامنا کرنے سے اس کی روح فنا ہوئی جا رہی تھی۔ دل بیٹھا جا رہا تھا۔ یہ ٹھیک تھا کہ وہ فاران کا اس انڈسٹری میں رہنا کسی طور برداشت نہیں کر پا رہی تھی لیکن وہ یہ بات بھی بہت اچھی طرح سے سمجھ رہی تھی کہ فاران کو انتہائی عروج سے زوال کی طرف یوں اچانک دھکیلنے کی مجرم بن کر وہ ہمیشہ کے لیے فاران کی نفرتوں کی قیدی بن کر ایک کڑی سزا کاٹتی رہے گی۔

"نہیں، نہیں ایسا کبھی نہیں ہوسکتا۔ میں فاران کی خوشیوں کو یوں پامال نہیں ہونے دوں گی۔ میرے دل پر چاہے کچھ بھی گزر جائے میں اب اپنے آنسو، اپنے احساسات کو ہمیشہ دل میں چھپا کر رکھوں گی، میرے اللہ یہ میرا تجھ سے وعدہ ہے لیکن بس ایک بار میرے فاران کو اس اذیت سے بچالے۔ وہ میرا محبوب ہے، اس میں میری جان ہے۔ میں اس کو اس طرح ٹوٹا ہوا نہیں دیکھ سکتی۔" وہ زار و قطار روتے ہوئے گڑگڑا، گڑگڑا کر اللہ سے دعائیں مانگ رہی تھی۔ تبھی اس کا موبائل ایک بار پھر بج اٹھا۔ اس نے.... دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ موبائل کانوں سے لگایا۔ دوسری طرف پھر شیرازی تھے ان کا ہیلو سنتے ہی زنیرا بے اختیار رو پڑی۔

"شیرازی صاحب پلیز آپ آخری بار میرے وعدے پر اعتبار کر کے دیکھیں، اب میں کبھی فاران کو ڈسٹرب نہیں کروں گی۔ میں اپنے آپ کو بالکل بدل دوں گی۔ آپ کو اتنی ہٹ فلمیں دی ہیں فاران نے... آپ اس کے ساتھ بھلا ایسے کیسے کرسکتے ہیں؟" وہ بہتے ہوئے آنسوؤں کے ساتھ ان سے التجا آمیز لہجے میں کہہ رہی تھی۔ دوسری طرف کچھ لمحوں کے لیے خاموشی رہی اور اس سے پہلے کہ زنیرا کچھ اور کہتی اس کے کانوں میں شیرازی صاحب کی آواز نے جیسے رس گھول دیا۔

"زنیرا جی، پلیز آپ اتنا زیادہ اپ سیٹ نہ ہوں۔ مجھے تو بہت شرمندگی سی محسوس ہو رہی ہے کہ میری باتوں نے آپ کو رُلا دیا۔ خیر میں نے فون تو کسی اور وجہ سے کیا تھا لیکن اب میں نے آپ پر بھروسا کر کے اپنا فیصلہ بدل دیا ہے۔ فاران شاید ابھی تک آپ کے پاس نہیں پہنچا ہے۔ اس کا موبائل بھی آف جا رہا ہے۔ وہ گھر آجائے تو اس کو بتا دیجیے گا کہ شیڈول کے مطابق کل صبح گیارہ بجے شوٹنگ پر پہنچ جائے اور ہاں آپ کا دل میری وجہ سے دُکھا ہے اس کے لیے ایک بار پھر معذرت چاہوں گا۔" جملے کے اختتام کے ساتھ فون بھی بند ہوچکا تھا اور زنیرا خوشی کے بے پناہ احساس کے ساتھ پھر بھی موبائل کانوں سے لگائے جیسے بے خودی بیٹھی رہی۔ اسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ ایک بہت بڑی آفت آتے آتے یوں بھی پلٹ سکتی ہے۔

☆☆☆

"چلو میاں، تمہارا پرابلم تو حل ہوگیا۔ مجھے پوری امید ہے کہ اب آئندہ تم بغیر کسی ٹینشن اور الجھن کے بہت سکون کے ساتھ اپنے کام پر توجہ دے سکو گے۔" شیرازی صاحب نے موبائل جیب میں رکھتے ہوئے مسکرا کر فاران کی جانب دیکھا جو چائے کا کپ ہاتھوں میں تھامے ان کی اور زنیرا کی گفتگو کو بہت اطمینان اور دلچسپی سے سن رہا تھا کیونکہ شیرازی صاحب نے اپنے موبائل کا اسپیکر آن کیا ہوا تھا۔

"تھینک یو شیرازی صاحب، آپ نے اپنی ذہانت سے مجھے ایک بہت بڑی مشکل سے نکال لیا۔ مجھے پورا یقین ہے کہ اب میں اس فلم پر اچھی طرح concentrate کرسکوں گا ورنہ میرا ذہن گھر اور شوٹنگ میں بٹ کر رہ گیا تھا اور آج کے واقعے کے بعد تو میں نے سوچ لیا تھا کہ......" فاران کی بات ادھوری ہی رہ گئی کیونکہ اس کا موبائل بج اٹھا تھا۔ اسکرین پر زنیرا کا نام جگمگا رہا تھا۔ فاران نے تذبذب سے شیرازی صاحب کی طرف دیکھا تو وہ سمجھ گئے کہ یہ کس کا فون ہوسکتا ہے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

''فاران ابھی تم یہ کال ریسیو نہیں کرو۔ اچھا ہے کہ وہ تمہیں یہ خوش خبری فیس ٹو فیس سنائے، میرے خیال میں اب تمہیں گھر چلے جانا چاہیے۔ ورنہ یہ ٹو مچ ہو جائے گا۔'' شیرازی صاحب کے مشورے پر وہ اثبات میں سر ہلاتا ہوا کھڑا ہو گیا۔

''اور ہاں فاران گھر جا کر اسے کسی قسم کا طعنہ یا ٹینشن نہ دینا۔ تم بہت لکی ہو یار، تمہاری بیوی تم سے بہت محبت کرتی ہے۔ اسے اپنی خوشی سے زیادہ تمہاری خوشی کی فکر تھی۔ تم نے تو خود سنا ہے کتنی پریشان تھی وہ تمہارے لیے...... کیسے رو پڑی تھی وہ تمہاری خاطر حالانکہ تمہارا فلم انڈسٹری سے تعلق ٹوٹنا اس کے حسبِ منشا تھا۔'' شیرازی صاحب نے بہت صاف دلی سے زنیرا کے جذبات کو سراہا۔

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں سر، وہ یقیناً اب صرف میری خوشی کی خاطر اپنے جذبات اور احساسات پر ایک بند باندھ لے گی مجھ سے کچھ نہیں کہے گی لیکن مجھے یہ بھی ڈر ہے کہ اندر ہی اندر اپنے آپ سے لڑتے ہوئے کہیں وہ تھک نہ جائے۔ آپ نہیں جانتے شیرازی صاحب وہ کتنی پوزیسیو ہے۔ اگر کسی گیدرنگ میں وہ میری ذرا سی توجہ کسی خوب صورت چہرے کی جانب دیکھ لیتی ہے تو اس کا موڈ آف ہو جاتا ہے اور اب تو میں حسین چہروں کے ساتھ ہی زیادہ تر وقت بِتا رہا ہوں۔'' فاران کی بات پر شیرازی صاحب ہنس دیے۔

''سب کچھ آہستہ، آہستہ ٹھیک ہو جائے گا۔ وہ تمہارے کام کی نوعیت کو سمجھتے ہوئے ان چیزوں کی عادی ہو جائے گی۔ آج ہمیں اسے ایک کڑوی ڈوز دینی پڑی ہے لیکن اس میں بھی اس کی اور تمہاری بھلائی شامل ہے۔ یاد رکھو ایک صاف انجن ہمیشہ زیادہ کام کرتا ہے اس طرح الجھنوں اور تفکرات سے پاک ذہن زیادہ طاقت سے کام کرتا ہے اور یہ بات تمہارے فیوچر کے لیے بہت ضروری ہے کسی بھی آدمی نے کوئی بڑا کام الجھن اور تذبذب کی حالت میں نہیں کیا۔'' فاران نے مسکرا کر شکر گزار نظروں سے اُن کی جانب دیکھا۔ اس کے مایوس دل کے اندھیروں میں کیسی جھلملاتی سی روشنی بکھیر دیتی تھیں ان کی باتیں۔

☆☆☆

''اماں پلیز مجھے یہ بتا دیجیے کہ آپ نے میرا نام شہزادی آخر کس خوشی میں رکھا تھا؟ قسم سے میرا مذاق اڑاتا ہوا محسوس ہوتا ہے یہ نام۔'' اس نے آلو کاٹتے ہوئے بے حد جھنجلا کر چھری زور سے تخت پر پٹخ دی اور بہت جھنجلائے ہوئے انداز میں ماں کی جانب دیکھا جو کپڑے الگنی پر پھیلا رہی تھیں۔

''لو بھئی پھر دورہ پڑ گیا اس جنم جلی کو۔ ارے تم تو یہ سوال کرتے، کرتے نہیں تھکو گی لیکن میں عاجز آ گئی ہوں جواب دیتے دیتے۔'' انیسہ نے اپنی بیٹی کو گھورتے ہوئے اسے لتاڑا تو کمرے سے باہر آتی ہوئی رانی بے اختیار کھلکھلا کر ہنس دی۔

''ارے شہزادی اگر تم کو یہ نام اتنا ہی برا لگتا ہے تو بدل کر فقیرنی رکھ لو۔ بھئی میں تو برا نہیں مانتی مجھے تو اپنے نام سے بہت پیار ہے۔ محلوں کی رانی نہ سہی اپنے اماں ابا کے گھر کی تو رانی ہوں ناں!'' وہ شرارت سے شہزادی کو دیکھتے ہوئے وہیں تخت پر نیم دراز ہو گئی۔

''کاش نام رکھنے کا اختیار بچوں کو خود ہی دیا جاتا تو کتنا اچھا ہوتا۔ غریبوں کے گھر میں شہزادی اور رانی جیسے نام رکھ کر اپنے احساسِ محرومی کو دور کرنے کا یہ طریقہ میری سمجھ میں تو نہیں آتا۔'' شہزادی کے لہجے میں چھپے طنز کو محسوس کر کے انیسہ تو جیسے بھڑک ہی اٹھیں۔

''احساسِ محرومی ہوگا تمہیں، ہم لوگوں کو ایسا کوئی غم نہیں ہے اور ہزار بار بتایا ہے کہ یہ نام تمہاری مرحومہ دادی کے رکھے ہوئے ہیں کم از کم ان ہی کے احترام میں یہ فضول بکواس مت کیا کرو۔'' شہزادی کے فقرے کے جواب میں بے اختیار ہنس دی۔

''سچ اماں جب کوئی آپ کو یہ کہتے ہوئے سنتا ہوگا کہ چلو شہزادی کمرے میں جھاڑو دو اور رانی ذرا غسل خانہ اچھی طرح سے دھو دینا تو اس کو کتنی ہنسی آتی ہوگی۔'' شہزادی نے یہ جملہ کچھ ایسے اسٹائل سے ادا کیا کہ رانی کے ساتھ ساتھ انیسہ کو بھی ہنسی آگئی۔

اجمل صاحب ایک چھوٹی سی فرم میں اکاؤنٹنٹ تھے۔ تنخواہ اتنی تھی کہ بس گزر بسر ہو ہی جاتی تھی۔ ورثے میں باپ کے چھوڑے ہوئے گھر نے بھی سفید پوشی کا بھرم رکھ لیا تھا اور یہ بھی اللہ کا کرم تھا کہ انیسہ جیسی نیک، صالح اور صابر بیوی کا ساتھ انہیں کافی مسائل سے بچائے رکھتا تھا جو اُن کی محدود تنخواہ میں بھی گھر کو خوش اسلوبی سے چلا رہی تھیں اور اس میں ان کی اپنی محنت کا بھی بہت دخل تھا کہ اپنی سلائی، کڑھائی کی مہارت کو انہوں نے ضائع نہیں ہونے دیا تھا۔ محلے کی بیشتر خواتین انہی سے اپنے کپڑے سلواتی تھیں کہ ان کے ہاتھوں کے سلے ہوئے کپڑے بڑے، بڑے ٹیلرز کو مات دیتے ہوئے نظر آتے تھے اور پھر سلائی کے ریٹ بھی بے حد مناسب تھے۔ اب تو کچھ بڑے گھر کی خواتین بھی اُن کی شہرت سن کر ان کی کسٹمر بن چکی تھیں۔ شادی کے تین سال بعد جب ان کے گھر میں ایک گڑیا جیسی بچی کی قلقاری گونجی تو انیسہ کی ساس نے بے اختیار اس بے حد خوب صورت سی ننھی پری کو اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا۔

''انیسہ کیسی شہزادی جیسی پوتی ہے میری۔ بس آج سے ہم اسے شہزادی ہی پکاریں گے، نام کا بہت اثر ہوتا ہے۔ دیکھنا انشاء اللہ اس کا نصیب بھی شہزادیوں جیسا ہی ہوگا۔''

اور پھر جب شہزادی ان کے اس چھوٹے سے گھر میں ڈھیر ساری محبتوں کے سائے تلے ایک سال کی ہوئی تو اس کے ساتھ کھیلنے کے لیے ایک اور رانی ان کے آنگن میں اتر آئی۔ دوسری بیٹی کی پیدائش پر انیسہ کا اترا ہوا چہرہ دیکھ کر اس کی ساس جنہیں وہ بھی اجمل کی طرح اماں بی کہتی تھی انہوں نے بہت پیار سے اپنی پوتی کو گود میں لیتے ہوئے بہت خوشی سے جیسے اعلان کیا۔

''بھئی شہزادی کے بعد ہمارے گھر میں رانی بھی آ گئی ہے۔ اب تو ہمارا یہ چھوٹا سا گھر ایک بادشاہ کے محل جیسا ہو گیا ہے جہاں رانی اور شہزادی رہتی ہیں۔'' ان کے فخر آمیز لہجے نے انیسہ کے مرجھائے ہوئے دل میں جیسے ایک عجیب سی توانائی بھر دی اور پھر اجمل کے بے پناہ خوشی کے اظہار نے رہی سہی اداسی بھی اس کے دل سے تحلیل کر دی۔

رانی اور شہزادی صورتوں میں تو اپنے نام کی مکمل عکاس تھیں لیکن بقول شہزادی قسمت پر اُن کے نام کا کہیں دور، دور کوئی اثر نہیں پڑا تھا بلکہ اپنے رہن سہن کو دیکھتے ہوئے اسے یہ نام ایک مذاق ہی لگتے تھے۔ ان کے ہوش سنبھالنے سے پہلے ہی ان کی دادی کا انتقال ہو گیا تھا ورنہ شاید شہزادی تو ان کا ناطقہ ہی بند کر دیتی، یہ خیال انیسہ کا تھا۔ اجمل صاحب کو اپنی بیٹیوں سے والہانہ محبت تھی۔ دونوں میاں، بیوی اپنے محدود وسائل کے باوجود اپنی بچیوں کو ہر قسم کی خوشی اور آرام فراہم کرنے میں کوشاں رہتے۔ شہزادی اور رانی دونوں ہی حسن میں یکتا تھیں۔ ایک درمیانے درجے کے اسکول سے میٹرک کرنے کے بعد اجمل صاحب نے انہیں گھر بٹھا دیا تھا کہ ان کی گلاب جیسی بیٹیوں کے حسن کی مہک اب جیسے محلے میں ہر سو پھیلنے لگی تھی۔ اجمل صاحب کے والد نے جب یہ گھر بنایا تھا تو اس وقت لوگ بھی کچھ رکھ رکھاؤ والے ہوتے تھے اور حالات بھی آج کل جیسے نہیں تھے لیکن اب اس علاقے میں نہ جانے کس، کس قسم کے لوگ آ کر آباد ہو گئے تھے۔ انیسہ نے کئی بار اجمل صاحب سے یہ محلّہ چھوڑ کر کسی اور علاقے میں شفٹ ہو جانے کی بات کی جہاں ان کی خالہ بھی رہتی تھیں لیکن اجمل صاحب

WWW.PAKSOCIETY.COM

لاکھ چاہنے کے باوجود بھی یہ محلہ نہیں چھوڑ پا رہے تھے کیونکہ ایک تو اُن کے مکان کی قیمت بہت کم لگ رہی تھی اور دوسرے یہ کہ وہ کرائے کا مکان افورڈ نہیں کر پا رہے تھے۔ جوں جوں اُن کی بچیاں بڑی ہو رہی تھیں اتنی ہی اُن کی پریشانی بڑھتی جا رہی تھی۔ اپنے گھر کے آس پاس پھرتے اوباش لڑکے ان کی نظروں سے چھپے ہوئے نہیں تھے۔ پہلے شہزادی اور رانی اپنی سہیلیوں سے ملنے محلے میں اِدھر اُدھر جاتی آتی رہتی تھیں لیکن ایک بار محلے کے دو لڑکوں نے ان کی راہ روک کر جب اپنا حالِ دل سنانے کی کوشش کی تو اتفاق سے اسی وقت اجمل صاحب کا وہاں سے گزر ہو گیا۔ انہوں نے ان لڑکوں کی ٹھیک ٹھاک خبر لے ڈالی تھی لیکن اس دن کے بعد سے اپنی بیٹیوں کا یوں محلے میں آزادانہ گھومنا پھرنا انہوں نے قطعی بند کر دیا تھا جس کا ان دونوں کو بہت قلق تھا لیکن یہ بھی شکر تھا کہ ٹی وی پر چینلز کی بھرمار نے انہیں بور ہونے سے بچایا ہوا تھا۔ یہ الگ بات تھی کہ اجمہ نے ہمیشہ ان پر نظر رکھی تھی کہ وہ کیا دیکھ رہی ہیں لیکن پھر بھی ٹی وی پر چلنے والے ڈراموں اور فلموں نے انہیں زندگی کے بہت سے حسین گوشوں سے آشنا کر دیا تھا اور ان کے معصوم دل بھی انجانے میں کسی شہزادے یا راجا کے تصور میں دھڑکنے لگتے جو اُن کا ہاتھ تھام کر انہیں ایک ایسی دل فریب دنیا میں لے جاتے تھے جہاں سے واپس آنے کو دل ہی نہیں چاہتا تھا۔

رانی تو پھر بھی اپنی زندگی کی تلخ حقیقتوں کو تسلیم کرتے ہوئے جینے کی کوشش کر رہی تھی لیکن شہزادی کو ٹی وی کے ڈراموں کی دنیا میں ہی رہنا بہت اچھا لگتا تھا۔ مختلف ہیروز کو اپنا آئیڈیل بنانے میں اسے کوئی ہچکچاہٹ نہیں محسوس ہوتی تھی۔

”رانی ایمان سے اگر میں اس ڈرامے کی ہیروئن ہوتی ناں تو میرا کپل اس ہیرو کے ساتھ بہت ہی ہٹ جاتا۔“ ایک ڈرامے کو دیکھتے ہوئے اس نے اتنے وثوق سے کہا کہ رانی کو اپنی ہنسی روکنا مشکل ہو گیا۔

”اُف خود اپنی تعریف کرنا کوئی تم سے سیکھے۔ ویسے اللہ نے اس ہیرو کی قسمت پر رحم کیا جو تم اس کی ہیروئن نہیں بنیں ورنہ بے چارے کا تو بیڑا ہی غرق ہو جانا تھا۔“ رانی کے مذاق اڑانے پر اس نے برا مان کر اسے دیکھا۔

”جانتی ہوناں کہ مجھے میٹرک کی فیئرویل میں بیوٹی کوئن کا خطاب ملا تھا بلکہ ایک شرارتی سی لڑکی شہلا تو مجھے خوب صورت شہزادی کہہ کر مخاطب کر رہی تھی اس دن۔“ شہزادی کی آنکھوں میں وہ دن جیسے پوری جزئیات کے ساتھ گھوم گیا۔

”ہاں تو مجھے بھی اس دن روپ کی رانی کا ٹائٹل دیا گیا تھا اس میں کون سی بڑی بات ہے۔“ رانی نے جگمگاتی آنکھوں سے اسے چھیڑا۔ ان دونوں کی عمروں میں ایک سال کا فرق تھا لیکن اجمل صاحب نے اسکول میں دونوں کا ایڈمیشن ایک ہی کلاس میں کروایا تھا۔

”ہائے رانی کتنے پیارے دن تھے وہ ہمارے۔ سچ اسکول کا زمانہ یاد آ کر کبھی کبھی مجھے بہت رُلاتا ہے۔ ایک گھٹن سی محسوس ہونے لگتی ہے مجھے اس چھوٹے سے گھر میں۔ اگر یہ ٹی وی بھی نہ ہوتا تو ایمان سے میں تو شاید پاگل ہی ہو جاتی۔“ شہزادی نے ٹھنڈی سانس بھر کر باہر صحن میں اپنی اماں کو ابا سے سر جوڑ کر باتیں کرتے دیکھا۔

”ویسے شہزادی کل سے ابا اور اماں میں کوئی خاص کانفرنس چل رہی ہے۔ میں جب بھی اُن کے نزدیک جاتی ہوں وہ ایک دم چپ ہو جاتے ہیں۔“ رانی نے اس کی نظروں کے تعاقب میں صحن کی طرف دیکھتے ہوئے کچھ کانشس سے لہجے میں اسے بتایا۔

”ہاں رانی، یہ بات میں نے بھی نوٹ کی ہے۔

کوئی خاص بات ہے ضرور۔“ شہزادی نے پُرسوچ نظروں سے اماں اور ابا کی جانب دیکھا جو اَب بھی بہت سیریس انداز میں ایک دوسرے سے محوِ گفتگو تھے۔

”بھئی میرا کامن سینس کہہ رہا ہے کہ یہ تمہارے رشتے کی بات ہے کیونکہ تمہارا نام اڑتے، اڑتے میں نے سن ہی لیا تھا۔“ رانی کی بات پر وہ کچھ چونک کر اس کے نزدیک ہو گئی۔

”ہائے رانی ذرا پتا تو کرو کہ کیسا رشتہ ہے، کون ہے؟ میرے خیال میں وہ جو چمکتی ہوئی سی سفید کار میں آنٹی آتی ہیں ناں انہوں نے اپنے بھائی یا بیٹے کا رشتہ دیا ہے۔“ اس نے اتنے کانفیڈنس سے کہا کہ رانی اسے دیکھتی رہ گئی۔

”تم اتنے وثوق سے کیسے کہہ سکتی ہو؟“ رانی نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

”ابھی پچھلے ہفتے جب وہ اپنے کپڑے لینے آئی تھیں تو امی سے میری بہت تعریفیں کر رہی تھیں۔ مجھے اپنے پاس بٹھا کر مجھ سے باتیں بھی کی تھیں۔ یاد نہیں جب تم چائے بنا کر لائی تھیں تو میں انہی کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔“ شہزادی نے اسے یاد دلانے کی کوشش کی تو رانی نے ہنس کر اسے دیکھا۔

”خیر تعریف تو انہوں نے میری بھی کی تھی کہ ماشاء اللہ آپ کی چھوٹی بیٹی بھی کتنی پیاری ہے لگتا ہے اللہ نے فرصت سے آپ ماں بیٹیوں کو بنایا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمارے ساتھ ساتھ اماں کا رشتہ بھی شاید آ گیا ہے۔“ شرارت سے دمکتے ہوئے چہرے کے ساتھ رانی بے ساختہ ہنستی چلی گئی۔

”یہ میری ہر بات میں تم اپنے آپ کو کیوں گھسیٹ لاتی ہو۔ خدا کی قسم تم سے تو میری کوئی خوشی برداشت ہی نہیں ہوتی۔“ شہزادی کو ایک دم غصہ آ گیا۔

”ارے میری گڑیا ابھی تو تم خیالی پلاؤ بنا رہی ہو جب تمہیں سچ مچ خوشی ملے گی ناں تو مجھ سے زیادہ خوش ہونے والا تمہیں اس پوری دنیا میں کوئی اور نہیں ملے گا۔“ رانی نے پیار سے اس کے گلے میں بانہیں ڈالتے ہوئے اسے منایا تبھی اماں کے پکارنے پر رانی جلدی سے باہر کی جانب چلی گئی جبکہ شہزادی بھی ایک تجسس کے تحت دروازے کے پاس رک کر اُن کی باتیں سننے لگی۔

”دیکھو رانی شام کو کچھ مہمان شہزادی کے رشتے کے لیے آ رہے ہیں۔ مہمانوں کا کمرا اچھی طرح سے صاف کر لینا اور ہاں ڈبے میں کچھ چنے پڑے ہوئے ہیں ان کو بھگو دو شام کو آلو چاٹ بنا لینا بہت اچھی بناتی ہو تم۔ باقی سموسے اور بسکٹ تمہارے ابا بازار سے لے آئیں گے۔“ وہ بہت تفصیل سے رانی کو شام کے لیے ہدایات دے رہی تھیں۔

”اماں مہمانوں کا کمرا تو آپ ایسے کہہ رہی ہیں جیسے شاندار فرنیچر اور قیمتی پردوں سے سجا ہوا کوئی ڈرائنگ روم ہو۔ چار کرسیاں اور ایک میز ہی تو ہے، کر دوں گی صاف لیکن اماں آخر کون لوگ آ رہے رشتہ لے کر؟“ اس نے بہت پُرتجسس لہجے میں ماں سے پوچھا جبکہ شہزادی کا بھی رُواں رُواں سماعت بن گیا تھا۔

☆☆☆

دروازہ دھیمے سے کھول کر فاران اندر داخل ہوا تو زنیرا جسے ہلکی سی جھپکی آ گئی تھی ایک دم گھبرا کر اٹھ بیٹھی۔ سامنے ہی تھکا تھکا سا فاران کھڑا اسے شکایتی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ زنیرا کا دل بری طرح سے دھڑکنے لگا۔ ایک لمحہ دونوں چپ چاپ ایک دوسرے کو بس دیکھے ہی گئے پھر زنیرا بے اختیار اٹھی اور اس سے لپٹ کر رونے لگی۔

”سوری فاران، میری وجہ سے آپ کو اتنی ٹینشن اٹھانی پڑی۔“ وہ بھرائی ہوئی آواز میں اس سے معافی مانگ رہی تھی۔

”تم نے تو میرے سارے خوابوں کو چکنا چور کر دیا زنی تمہیں پتا ہے کہ......“ فاران کے جملے کو مکمل ہونے سے پہلے ہی زنیرا نے کاٹ دیا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

''مجھے سب کچھ معلوم ہے فاران لیکن میرے ہوتے ہوئے آپ کے خواب کبھی نہیں ٹوٹ سکتے۔'' بھیگی بھیگی آنکھوں کے ساتھ اس کے ہونٹوں پر جگمگاتی مسکراہٹ اتنا خوب صورت تاثر دینے لگی کہ فاران اسے یک ٹک دیکھے گیا۔

''فاران میں نے شیرازی صاحب سے اپنے آج کے بی ہیوئیر کی بہت معذرت کرلی ہے اور انہوں نے اپنا فیصلہ واپس لے لیا ہے۔ اب بھی آپ ہی اُن کی فلم کے ہیرو ہیں۔'' اس نے اپنے حساب سے فاران کو بہت بڑی خوشی خبری سنائی تھی۔ فاران کو دل ہی دل میں ہنسی تو بہت آئی لیکن بظاہر اس نے بہت حیرت آمیز خوشی کے ساتھ اس کی طرف دیکھا۔

''کیا تم سچ کہہ رہی ہو زنی لیکن وہ تو کہہ رہے تھے کہ مجھے فلموں میں کام کرنے کے بجائے اپنی بیوی کے موڈ کی فکر کرنی چاہیے۔ ان کا خیال ہے کہ ایسی جیلس بیوی کے ہوتے ہوئے میں کبھی ڈھنگ سے اپنا کام نہیں کرسکوں گا۔'' وہ بہت معصومیت سے اپنے دل کی باتیں شیرازی صاحب پر رکھ کر اسے سنا رہا تھا۔

''نہیں فاران، میں نے ان سے وعدہ کرلیا ہے کہ آئندہ کبھی ایسا نہیں ہوگا۔ آپ یقین کریں فاران انہوں نے کل آپ کو شوٹنگ پر آنے کی تاکید کی ہے۔'' وہ بہت بھولپن سے اسے یقین دلا رہی تھی۔ فاران نے بے اختیار پیار سے اسے اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا۔ زنیرا نے سکون کی ایک گہری سانس لے کر اس کے سینے پر سر رکھ دیا۔ اُف جس لمحے کا سوچ کر اس کی جان سولی پر لٹکی رہی تھی وہ لمحہ کتنی خوش اسلوبی سے گزر گیا تھا پھر اس رات فاران کے سو جانے کے بعد وہ کتنی ہی دیر کروٹیں بدلتی رہی۔ نیند جیسے اس سے روٹھ ہی گئی تھی۔ اس نے پاس لیٹے ہوئے فاران کی جانب دیکھا۔ کتنا سکون تھا اس کے چہرے پر کیسی مست اور غافل نیند سو رہا تھا وہ۔ فاران کے ماتھے پر بکھرے بالوں کو ہلکے سے ہٹاتے ہوئے اس نے سوچا۔

''فاران آپ کو کیا خبر آپ کا عشق میری عبادت ہے، آپ کی محبت میرا جنون ہے۔ میں تو آپ کے بنا شاید سانس بھی نہ لے پاؤں۔ میں صرف آپ کی بیوی نہیں بلکہ آپ کی پجارن ہوں فاران جتنا میں نے آپ کو چاہا ہے کوئی کسی کو ایسے چاہ ہی نہیں سکتا۔ میں نے آپ کی خوشی آپ کا جگمگاتا مستقبل آپ کو واپس تو لوٹا دیا ہے لیکن میں یہ بھی جانتی ہوں کہ مجھے اس کی قیمت ایک ایسے درد کو سہتے ہوئے دینی ہوگی جس کی اذیت کا آپ اندازہ بھی نہیں کرسکتے۔ فاران آپ میری پوزیسیو نیچر کو جانتے ہوئے بھی اسی فیلڈ کا انتخاب کر بیٹھے جو مجھے ہر روز مرنے پر مجبور کرے گی اور ستم یہ کہ اب ..... یہ دکھ، یہ اذیت مجھے بند ہونٹوں کے ساتھ اپنے دل میں اتارنی ہی ہوگی کاش آپ کی محبت میں بھی اتنی ہی شدت ہوتی کہ آپ میرے آنسوؤں کے عوض اپنی خوشیاں نہ خریدتے۔'' زنیرا نے اپنے رخساروں پر بہتے آنسوؤں کو محسوس کرتے ہوئے بے اختیار سوچا۔

☆☆☆

''اماں آخر آپ نے سوچا بھی کیسے اس رشتے کے بارے میں۔ اللہ کی قسم میں مرجاؤں گی لیکن یہاں ہرگز، ہرگز شادی نہیں کروں گی۔'' شہزادی کا غصہ کسی صورت کم ہی نہیں ہو رہا تھا جبکہ رانی کو اپنی ہنسی روکنا محال ہو رہا تھا۔

''اور اماں اس رانی سے کہیں اگر اس کی ہنسی بند نہیں ہوئی تو میں اس کے سارے دانت توڑ ڈالوں گی۔'' اس بار اس کے عتاب کا نشانہ رانی تھی جس نے جلدی سے اپنے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا۔ انیسہ سر پکڑے بالکل خاموش بیٹھی اس کی چیخ پکار سن رہی تھیں۔

''اماں آخر آپ کچھ بول کیوں نہیں رہیں، میں کب سے کہے چلی جا رہی ہوں۔'' اس نے زچ

ہو کر ماں کی طرف دیکھا۔ انیسہ نے اسے ملامت بھری نظروں سے گھورا اور بنا جواب دیے کمرے سے باہر نکل گئیں۔

''اُفوہ شہزادی رشتے تو آتے رہتے ہیں اس میں اتنا گرم ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ سفید کار والی آنٹی کے بجائے فقیر محمد کی اماں آگئیں۔ ہائے کتنا مزہ آئے گا فقیر اور شہزادی کی جب شادی ہوگی۔'' رانی اپنی ہی بات پر ہنسی سے دُہری ہونے لگی تو شہزادی نے طیش میں آکر اس کی کمر پر اتنی زور سے مُکا مارا کہ وہ تڑپ ہی گئی۔

''ہائے اماں، میں مرگئی۔'' اس کی چیخ سن کر انیسہ بے اختیار کمرے میں بھاگتی ہوئی آئیں جہاں شہزادی کھڑی شعلہ بار نظروں سے رانی کو دیکھ رہی تھی جو اپنی کمر پکڑے کراہ رہی تھی۔

''اری کمبخت ماری کتنی زور سے مارا دیا ہے تو نے میری بچی کو...... کیسا تڑپ رہی ہے۔'' انیسہ نے ہول کر رانی کی کمر سہلاتے ہوئے اسے صلواتیں سنائیں۔

''ہاں، ہاں یہ ہی تو بچی ہے۔ مجھے تو گٹر سے اٹھا کر لائی تھیں آپ۔'' ضبط کا دامن ہاتھ سے چھوٹا تو بھاں بھاں کرکے وہ رو ہی پڑی۔ انیسہ نے بہت الجھ کر اسے دیکھا۔

''شہزادی آخر یہ بچپنا کب جائے گا۔ کاش اللہ نے تمہیں صورت کے ساتھ ساتھ تھوڑی سی عقل بھی دی ہوتی۔ ارے بیٹا آخر اس رشتے میں برائی کیا ہے۔ اچھا خاصا کماتا ہوا لڑکا ہے۔ صورت شکل بھی ٹھیک ٹھاک ہے کوئی خاص ذمے داری بھی نہیں ہے۔ سب بہن بھائی شادی شدہ ہیں اور ماں بھی اپنے بڑے بیٹے کے ساتھ رہتی ہے۔ پورے گھر میں صرف تمہارا راج ہوگا۔'' اس بار انیسہ نے اس رشتے کی خصوصیات بہت تفصیل سے بیان کیں جو شہزادی کو مزید آگ لگا گئیں۔

''واہ اماں نام میرا رکھا گیا شہزادی اور بیاہ

کیا آپ موذی مرض شوگر سے نجات چاہتے ہیں؟

آج کل تو ہر انسان شوگر کی مرض سے بیزار پریشان فکرمند ہے۔ ہم نے ایک طویل عرصہ دیسی طبی یونانی قدرتی جڑی بوٹیوں پر ریسرچ کرکے ایک ایسا خاص قسم کا ہربلز شوگر نجات کورس ایجاد کرلیا ہے جو کہ انشاء اللہ آپ کو شوگر سے نجات دلا سکتا ہے۔ شفا منجانب اللہ پر ایمان رکھیں کیونکہ مایوسی تو گناہ ہے۔ یاد رکھیں شوگر کی مرض تو انسان کو اندر ہی اندر دیمک کی طرح کھوکھلا کمزور بے جان بنا دیتی ہے۔ اگر آپ بھی شوگر سے نجات چاہتے ہیں تو آج ہی فون پر تمام علامات بیان کرکے گھر بیٹھے بذریعہ ڈاک VP وی پی شوگر نجات کورس منگوالیں۔ خدارا ہمارا شوگر کورس آزما کر تو دیکھیں

المُسلم دارالحکمت (رجسٹرڈ)

(دیسی طبی یونانی دواخانہ)

ضلع و شہر حافظ آباد پاکستان

0300-6526061

0301-6690383

فون اوقات

صبح 9 بجے سے دوپہر 1 بجے تک

عصر 4 بجے سے رات 10 بجے تک

آپ صرف فون کریں شوگر کورس ہم پہنچائیں گے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

رہی ہیں مجھے فقیر صاحب سے...... سب کتنا مذاق اڑائیں گے کہ وہ دیکھو شہزادی اور فقیر ساتھ ساتھ جارہے ہیں۔'' شہزادی کا لہجہ غصے میں اتنے مزے کا لگا کہ تکلیف کے باوجود رانی کھلکھلا کر ہنس دی جبکہ انیسہ نے مسکرانے کی بھی زحمت نہیں کی۔

''اچھا تو تمہیں پہلے اپنے نام پر اعتراض تھا اب اس بے چارے کے نام کی بھی شامت آگئی ہے۔ ارے نہ تم سچ مچ کی شہزادی ہو اور وہ نہ بھیک مانگنے والا فقیر ہے۔ بڑے بڑے امیر لوگوں کے نام بھی فقیر ہوتے ہیں بدعقل لڑکی۔'' وہ تپے ہوئے لہجے میں اسے سمجھانے کی کوشش کرنے لگیں۔

''اماں اصل میں اس کو فقیر اور شہزادی کے کامبی نیشن سے الجھن ہورہی ہے اگر فقیر محمد..... بے چارہ رفیق محمد ہوتا پھر بھی یہ گزارہ کرلیتی۔'' رانی نے اپنی شوخ طبیعت سے مجبور ہوکر لقمہ تو دے دیا لیکن پھر وہ جلدی سے اماں کے پیچھے چھپ گئی۔ شہزادی نے قہرآلود نظروں سے رانی کو دیکھا۔

''اماں اپنی چہیتی کو سمجھالیں۔ میرا ایک مکا اس کو شاید کافی نہیں لگ رہا ہے اور ہاں مجھے نام کے ساتھ ساتھ وہ خود بھی ناقابلِ برداشت لگ رہا ہے۔ اتنے سوکھے' چمرخ، مسکین شکل کے آدمی کے ساتھ میں چند منٹ نہیں رہ سکتی، ساری زندگی گزارنا تو دور کی بات ہے۔ بالکل اپنے نام کی کاپی لگتا ہے۔'' اس نے دانت پیس کر اس کی ''خوبیاں'' گنوائیں تو انیسہ ہتھے سے ہی اکھڑ گئیں۔

''ارے میں منع کرتی تھی تمہاری دادی کو ایسے نام نہ رکھیں جو اُن کے مزاج پر بھی اثرانداز ہوجائیں۔ ہم سفید پوش لوگوں کو ہر بات اپنی حیثیت کے مطابق ہی کرنی چاہیے۔ شہزادی خدا کے لیے عقل سے کام لو۔ کتنی محبت اور چاہ سے یہ لوگ تمہارا ہاتھ مانگ رہے ہیں ورنہ آج کل تو ہر کوئی دولت اور اسٹیٹس کے پیچھے بھاگ رہا ہے۔ لڑکی کی صورت اور سیرت کا ذکر تو بعد میں آتا ہے۔'' آخری جملے انہوں نے بڑے ملتجی لہجے میں کہے تھے لیکن شہزادی جواباً استہزائیہ انداز میں ہنس دی۔

''اوہو یعنی فقیر صاحب نے دولت' اسٹیٹس کے بجائے میری صورت اور سیرت کو اہمیت دی ہے۔ ارے اماں انہیں دولت مند لوگ گھاس ہی کب ڈالتے ہوں گے تبھی تو انہوں نے سوچا کہ دولت نہ سہی حسین صورت ہی مل جائے۔ آپ نے ان کا اپنا اسٹیٹس بھی تو دیکھا ہوا ہے۔ خود ہی بتارہی تھیں فقیر کی اماں کہ چھوٹا سا مکان ہے جو شہزادی کے آجانے سے محل کی طرح لگے گا۔'' شہزادی نے اتنے کمال کی نقل اتاری کہ رانی کی ہنسی ایک بار پھر چار سو بکھر گئی۔ تبھی اچانک ابا کے اندر داخل ہونے پر فضا میں سناٹا سا چھا گیا۔ انیسہ نے چور نظروں سے اُن کے چہرے کا جائزہ لیا تاکہ وہ ان کے موڈ کا اندازہ کرسکیں۔ انہیں ڈر تھا کہ کہیں انہوں نے شہزادی کی فضول باتیں نہ سن لی ہوں اور ان کا خدشہ صحیح نکلا۔ اجمل صاحب کے چہرے پر کافی تناؤ تھا۔

''انیسہ آئندہ تمہیں شہزادی سے اس معاملے پر بحث کرنے کی قطعی ضرورت نہیں ہے۔ اگر یہ نادان ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم اتنا اچھا رشتہ اس کی بے وقوفی کی نذر کردیں۔ آئندہ گھر میں اس قسم کی بیکار کی باتیں میں قطعی نہیں سنوں۔ کچھ روز میں انشاءاللہ .... وہ لوگ تاریخ لینے آئیں گے۔ بہتر یہی ہے کہ خوشی، خوشی شادی کی تیاریوں کی ابتدا کرو۔'' وہ حتمی لہجے میں کہتے ہوئے کمرے سے نکل گئے۔ انیسہ نے ڈرتے، ڈرتے شہزادی کی جانب کسی سخت ری ایکشن کی توقع میں دیکھا تھا لیکن وہ تو جیسے بالکل شاکڈ رہ گئی تھی البتہ آنکھوں سے بہتے آنسو اس کے دل کا سارا حال سنا رہے تھے۔

☆☆☆

''مما میں بہت بور ہورہی ہوں اور مجھے یہ لاہور بالکل بھی اچھا نہیں لگ رہا۔'' روشانہ نے ٹی وی دیکھتی ہوئی زنیرا کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے کچھ خفگی سے کہا تو زنیرا نے فوراً ہی ٹی وی بند کرکے اسے اپنے مزید نزدیک کرلیا۔

''ارے میرے بچے کو لاہور کیوں نہیں اچھا لگ رہا۔ اتنا پیارا شہر تو ہے یہ اور پھر یہاں تمہارے بابا بھی تو ہیں۔'' اس نے پیار سے روشانہ کی پونی ٹیل کھینچی۔

''بابا تو ہمارے پاس بالکل بھی نہیں ہوتے۔ اتنی رات کو آتے ہیں جب میں سوجاتی ہوں۔ مما آپ کو یاد ہے کراچی میں وہ آفس سے روز چھ بجے تک آجاتے تھے اور مما ہم لوگ کتنا گھومنے بھی جاتے تھے۔ سچ مما کراچی میں بہت مزہ آتا تھا۔ یہ لاہور تو بہت برا ہے یہاں بابا ہمیں زیادہ گھماتے بھی نہیں ہیں۔'' وہ بہت معصومیت سے زنیرا کی گود میں سر رکھے لاہور کی برائی کررہی تھی۔ زنیرا کو.... بےساختہ اس پر پیار آگیا۔

''میری جان اس سے پہلے تم کو کراچی برا لگ رہا تھا کیونکہ وہاں تمہارے بابا نہیں ہوتے تھے اب بابا تم کو یہاں لے کر آئے ہیں تو تمہیں واپس کراچی جانا ہے۔''

''لیکن مما مجھے پتا نہیں تھا کہ یہاں بھی پاپا گھر پر نہیں آیا کریں گے۔ آپ بھی تو کتنی خاموش ہوگئی ہیں۔ کل آپ چپکے، چپکے رو بھی رہی تھیں۔ آپ کو نانو اور نانا جی یاد آرہے تھے ناں؟'' روشانہ نے اتنی.... بےساختگی سے پوچھا کہ ایک لمحے کو تو وہ کچھ بول ہی نہ سکی۔ دل ہی دل میں اپنے آپ کو سرزنش بھی کیا۔ بچوں کے سامنے اسے اپنے جذبات کو ایسے عیاں نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اصل میں کل اس کی سالگرہ تھی، پچھلے کتنے سالوں تک فاران نے اس دن کے حوالے سے اسے بہت سارے خوب صورت سرپرائز دیے تھے۔ بچوں کی طرح سے سیلیبریٹ کی جاتی تھی اس کی برتھ ڈے۔ فاران کا بس نہیں چلتا تھا کہ صرف گھر نہیں بلکہ شہر کو ہی سجادے۔ شادی سے پہلے بھی اس کی سالگرہ منائی جاتی تھی لیکن فاران کے سنگ تو جیسے یہ دن رنگوں اور خوشبوؤں میں ڈوبا ہوا اتنا حسین اور دلکش لگنے لگا تھا کہ کبھی کبھی اس کا دل چاہتا کہ کاش اس کی سالگرہ ہر مہینے ہوا کرتی۔ اینورسری بھی وہ لوگ خاصی دھوم دھام سے مناتے تھے لیکن اس کی برتھ ڈے کی اہمیت جیسے بالکل ہی الگ تھی لیکن ان دو سالوں میں اس دن کی جگمگاہٹ ایک ایسی ٹمٹماتی ہوئی موم بتی کی مدھم روشنی کے مانند ہوگئی تھی جو اندھیرے میں بہت اداس سا تاثر دیتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ کل فاران کو کافی جلدی شوٹ پر پہنچنا تھا۔ صبح صبح وہ کافی ہڑبونگ میں تیار ہوکر نکلا تھا اس کو وش کرنا تو دور کی بات اس نے ڈھنگ سے اسے خدا حافظ بھی نہیں کیا تھا۔ فلم کے سیٹ سے بار بار فون جو آرہے تھے لیکن پھر بھی اس کا خوش فہم دل فاران کے خوب صورت سے سرپرائز کا تمام دن منتظر رہا لیکن سرپرائز تو دور کی بات فاران کو ایک کال کرکے اسے ہیپی برتھ ڈے بھی کہنا یاد نہ رہا اور پھر وہ دن اس کے آنسوؤں کے جھلملاہٹ اپنے دامن میں چھپا کر رات کی سیاہی میں چھپ گیا تھا۔ ہاں البتہ اس روز زنیرا کے میکے اور سسرال کے علاوہ اس کی فرینڈز کے بھی فون اسے مبارک باد دینے کے لیے آتے رہے تھے اور وہ اپنے آنسوؤں کو دل میں اتارتے ہوئے بظاہر بہت خوش دلی سے سب کی کالز ریسیو کرتی رہی تھی۔ سب ہی کے اس سوال پر کہ آج فاران اس کی سالگرہ کس انداز سے سیلیبریٹ کررہا ہے؛ وہ ہنستے ہوئے انہیں بتاتی رہی کہ یہ سرپرائز تو اسے شام کو ملے گا اور یہ کہتے ہوئے ہر بار اس نے دل کی گہرائیوں سے دعا مانگی تھی کہ کاش ایسا ہی ہو لیکن وہ شام ہر روز سے زیادہ اداسی سمیٹ کر اسے مزید تنہا کرگئی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

''اگر میں آج مرگئی ہوتی تو شاید میرے گھر میں ایسا سناٹا ہر سو چھایا ہوا محسوس نہ ہوتا بلکہ ایک رونق تو بکھری ہوئی نظر آتی بے شک چاہے وہ آنسو بھری ہی کیوں نہ ہوتی، اس برتھ ڈے سے تو بہتر ہوتی۔'' اس نے بہت تلخی سے سوچا تھا۔ روشانہ اور فرحان کو اس نے اپنی سالگرہ کی ہوا بھی نہیں لگنے دی تھی ورنہ روشانہ تو سوال کر کے اس کا جینا حرام کردیتی۔ فرحان تو ابھی چھوٹا تھا لیکن وہ اپنے بابا کے ساتھ مل کر خوب انجوائے کیا کرتی تھی۔ کچن میں بچوں کے لیے کھانا نکالتے ہوئے اس کا دل نہ جانے کیوں بھر آیا تھا اور اتفاق سے کچن میں آتی روشی نے اس کے آنسوؤں سے تر رخسار دیکھ لیے تھے جسے اس نے چھپانے کی پوری کوشش کی تھی لیکن پھر بچوں کے سوجانے کے بعد جیسے اس کے ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے تھے۔ وہ دل بھر کر روئی تھی۔

وہ درد سہا ہے جو غیروں کا نہیں تھا
وہ زخم لگے ہیں جو خنجر کے نہیں ہیں
تبھی اچانک فون کی بجتی گھنٹی پر اس نے ....

بادلِ ناخواستہ کال ریسیو تو کرلی لیکن اس کی آنسوؤں سے بوجھل آواز کو اجالا نے صاف محسوس کرلیا۔ ابھی اپنی امی سے فون پر بات کرتے ہوئے اسے پتا چلا تھا کہ آج زنیرا کی سالگرہ ہے سو اس نے فوراً ہی زنیرا کو وش کرنے کا سوچا تھا لیکن اس کی آواز کی سوگواریت جیسے اجالا کو اپنے دل میں اترتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔

''ہیپی برتھ ڈے مائی ڈیر زنیرا۔'' اجالا کو آخر اسے وش تو کرنا ہی تھا۔

''تھینک یو اجالا۔'' جواباً زنیرا نے بہت بجھے ہوئے لہجے میں کہا تھا۔

''کیا بات ہے زنیرا سب ٹھیک تو ہے ناں؟'' اجالا نے اس بار کچھ پریشان ہو کر پوچھا تھا۔

''ہاں سب ٹھیک ہے۔'' لاکھ ضبط کے باوجود اس کی آواز بھرا گئی حالانکہ اس سے پہلے اس نے باقی ساری کالز اپنے لہجے میں خوشی سمو کر اٹینڈ کی تھی لیکن اب شاید وہ اپنی اس جھوٹی ایکٹنگ سے تھک چکی تھی یا پھر اجالا کا فون عین اس وقت آیا تھا جب بالآخر وہ سارا دن ایک عجیب طرح کی اذیت سہتے ہوئے اپنی تنہائی اور گھر میں بکھرے ہوئے سناٹوں سے گھبرا کر بے اختیار ہو کر رو رہی تھی۔ فاران نے اسے کتنا تنہا کردیا تھا۔ اپنی محبت کی شدتوں کا عادی بنا کر ایک دم سے اپنا دامن چھڑا لیا تھا۔

''نہیں زنیرا مجھے تو تم بہت اپ سیٹ اور اداس لگ رہی ہو۔ سب خیریت تو ہے؟'' اجالا سچ مچ بہت فکر مند ہوگئی تھی۔

''اجالا میں تھک چکی ہوں بالکل ٹوٹ گئی ہوں۔ فاران نے مجھے بالکل اکیلا کردیا ہے۔'' زنیرا کے رکے ہوئے آنسو ایک بار پھر بہنے لگے۔ اجالا ان آنسوؤں کو دیکھ تو نہیں پا رہی تھی لیکن پھر بھی وہ اسے اپنے دل پر گرتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔

''پلیز زنیرا ایسے مت روؤ۔ فاران کی تو زندگی ہی تم سے ہے یہ وقتی فیز ہے ذرا ہمت اور حوصلے سے برداشت کرلو سب کچھ ٹھیک ہوجائے گا۔'' اجالا کے سمجھانے پر اس کے رونے میں اور شدت آگئی۔

''اب تو میرا حوصلہ ختم ہوتا جا رہا ہے اجالا اور مشکل یہ ہے کہ اس ستم گر کے سامنے لب کھولنے کی بھی اجازت نہیں۔ انہیں نہ میری تنہائی کا خیال ہے اور نہ ہی میرے جذبات، میرے احساسات اور میری خوشیوں کا۔ جانتی ہو آج میری برتھ ڈے پر سوائے فاران کے اور سب ہی لوگوں نے وش کیا ہے۔ وہ جو پہلے میرے اس دن کو اپنے خوب صورت سرپرائز سے سجا کر یادگار بنایا کرتے تھے اب ان کی نظر میں اس کی کوئی اہمیت بھی نہیں رہی کہ فقط وش ہی کردیں۔'' صبح سے زنیرا جو غبار دل میں لیے گھوم رہی تھی وہ اجالا کے ہمدرد لہجے نے باہر نکالنے پر مجبور کردیا تھا۔

''دیکھو زنیرا آج کل فاران یقیناً بہت بزی

ہیں تبھی وہ تمہاری برتھ ڈے بھول گیا ورنہ بھلا ایسے کیسے ہوسکتا ہے کہ اسے یہ دن یاد نہ رہے۔ زنیرا اب تم پچھلے دنوں سے نکل کر حال میں آجاؤ۔ انسان کو وقت اور حالات کے تحت اپنے آپ کو بدلنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اپنی پچھلی یادوں کے ہاتھ میں اپنی زندگی کی باگ ڈور نہ دو ورنہ سوائے اذیتوں اور آنسوؤں کے تمہیں کچھ نہیں ملے گا۔ تمہیں چاہیے تھا کہ آج تم خود اسے بتا دیتیں کہ آج تمہاری برتھ ڈے ہے یا پھر شام تک اسے ایک میسج ہی کردیتیں یا پھر کیک لے کر اس کی فلم کے سیٹ پر چلی جاتیں۔ خوب پیارا سا تیار ہو کر ہنستی مسکراتی جب تم وہاں پہنچتیں تو فاران کتنا خوش ہوتا اور پراؤڈ فیل کرتا اور دل ہی دل میں اپنے بھول جانے پر شرمندہ بھی ہوجاتا۔ کبھی کبھی غصہ، گرمی اور رونے دھونے سے زیادہ اس طرح کی ٹھنڈی مار انسان کے دل کو جھنجوڑنے کی زیادہ صلاحیت رکھتی ہے۔'' اجالا بہت نرمی سے اسے سمجھا رہی تھی اور اس کا ایک، ایک لفظ جیسے روشنی بن کر زنیرا کو کوئی راستہ دکھا رہا تھا۔

☆☆☆

گھر میں شادی کی تیاریاں شروع ہوچکی تھیں۔ فقیر محمد نے سختی سے جہیز کے لیے منع کردیا تھا بلکہ انہوں نے یہاں تک کہہ دیا تھا کہ اگر اجمل صاحب نے کوئی چیز دی بھی تو وہ اسی وقت واپس کردے گا۔ ان کا کہنا تھا کہ بس شہزادی کو چند جوڑوں کے ساتھ رخصت کردیا جائے۔ اجمل صاحب پہلے ہی فقیر محمد کے اخلاق و اطوار سے متاثر تھے اب تو جیسے وہ اس کے گرویدہ ہی ہوگئے تھے۔ انیسہ بھی اپنے ہونے والے داماد کے ہمہ وقت قصیدے پڑھتی ہوئی نظر آتی تھیں۔ بس جو کچھ بھی گزر رہی تھی وہ شہزادی کے دل پر گزر رہی تھی۔ جب اماں اور رانی بازار سے شہزادی کے لیے لائے ہوئے کپڑے اور دوسری چیزیں اسے دکھانے کی کوشش کرتیں تو وہ آنکھ اٹھا کر بھی اُن کی طرف نہ دیکھتی۔ اس دن انیسہ نے ایک نیلے رنگ کا جوڑا اسے بہت محبت اور شوق سے دکھانے کی کوشش کی تو وہ بھڑک اٹھی۔

''افوہ اماں مجھے ذرا بھی دلچسپی نہیں ہے آپ کے اس نیلے جوڑے سے۔ ارے جس شخص کے تصور سے ہی مجھے کراہیت آتی ہے اس کے نام کے جوڑوں کو میرا آگ لگانے کو جی چاہ رہا ہے۔ ہٹا لیں یہ سب یہاں سے۔'' اس نے نفرت سے سامنے رکھے ہوئے کپڑوں کو زمین پر پھینک دیا۔ انیسہ ایک لمحے کو تو اسے دیکھتی رہ گئیں پھر زور سے اس کی پیٹھ پر دو ہتڑ مارتے ہوئے وہ رودیں۔

''ارے کم بخت ماری کیوں بدشگونی کر رہی ہے تو۔ شرم نہیں آتی اپنے ہونے والے شوہر کے لیے لفظ کراہیت استعمال کرتے ہوئے۔ اتنا نیک، شریف اور باکردار لڑکا قسمت والوں کو ہی ملتا ہے۔'' انیسہ کے جملوں نے جیسے جلتی پر تیل کا کام، کیا وہ مزید چراغ پا ہوگئی۔

''ہاں ہاں، آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں اتنا سوکھا سہما، کالا کلوٹا لڑکا اللہ ہر خوش قسمت لڑکی کو دے جو صرف نام کا نہیں شکل کا بھی فقیر ہو۔ اماں مر جاؤں گی لیکن فقیر کی بیوی کہلوانا ہرگز پسند نہیں کروں گی سمجھ لیں آپ۔'' وہ ہٹ دھرمی سے کہتی کمرے سے باہر نکل گئی جبکہ انیسہ سر پکڑ کر وہیں پلنگ پر بیٹھی رہ گئیں۔ رانی باورچی خانے میں چائے بناتے ہوئے سب کچھ سن رہی تھی۔ اسے خود بھی فقیر محمد شہزادی کے جوڑ کا نہیں لگ رہا تھا۔ اگر ابا اور اماں تھوڑا صبر کرلیتے تو یقیناً اس سے بہتر رشتہ مل سکتا تھا ابھی کون سی عمر نکلی جا رہی تھی اس کی لیکن فقیر محمد نے اپنے کردار، خیالات و اطوار سے کچھ ایسے گھر کرلیا تھا اس کے والدین کے دل میں کہ انہیں آج کل کے پُرآشوب اور خود غرض زمانے میں ایسے باکردار اور مخلص انسان کا مل جانا کسی معجزے سے کم نہیں لگ رہا تھا بقول

WWW.PAKSOCIETY.COM

اجمل صاحب مرد کی شکل نہیں اس کا کردار دیکھا جاتا ہے لیکن رانی کا خیال تھا کہ ابا کو شہزادی کے خیالات اور اس کی مرضی کا احترام کرنا چاہیے تھا۔ اسے شہزادی پر بہت ترس آ رہا تھا۔ اس کو ستانا یا چھیڑ چھاڑ کرنا الگ بات تھی لیکن اب اس کو اتنا اداس اور دل گرفتہ دیکھ کر اسے بہت افسوس ہو رہا تھا۔ کئی دفعہ اس نے اماں کو بھی سمجھانے کی کوشش کی لیکن بدلے میں صرف ڈانٹ ہی کھانے کو ملی۔ اس وقت بھی وہ چائے بنا کر اماں کے پاس لے آئی جو بڑبڑاتے ہوئے زمین پر بکھرے کپڑوں کو اٹھا رہی تھیں۔

"اماں پہلے یہ گرما گرم چائے پی لیں، کپڑے میں سمیٹ دیتی ہوں۔" اس نے ماں کا موڈ ٹھیک کرنے کی کوشش کی لیکن اسے ناکامی ہی ہوئی کیونکہ انیسہ نے چائے پینے سے صاف انکار کر دیا۔

"نہیں، میرا بالکل دل نہیں چاہ رہا۔ اس لڑکی کی وجہ سے البتہ زہر ضرور پی لوں گی۔" انہوں نے کپ کو ایک طرف ہٹاتے ہوئے بہت بیزاری سے کپڑوں کو پلنگ پر پٹخ دیا۔

"اماں مجھے تو بہت ڈر لگ رہا ہے شادی میں اب کچھ ہی دن رہ گئے ہیں اور شہزادی کی کسی بات سے نہیں لگ رہا کہ وہ راضی ہے۔ اماں اگر اس نے عین وقت پر انکار کر دیا تو پھر؟" رانی نے زبردستی چائے کا کپ انیسہ کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے تشویش کا اظہار کیا۔

"دیکھو رانی مجھے ہولاؤ نہیں۔ اللہ نہ کرے کہ وہ یہ حرکت کرے۔ یہ نخرہ اور ضد سب وقتی ہے۔ شادی تک آہستہ، آہستہ اس کا مزاج بہتر ہو جائے گا اور تم میری بات لکھ لو کہ فقیر محمد کی محبت اس کی شکل و صورت پر غالب آ جائے گی۔ رانی تم لوگوں نے تو اس سے ایک ہی بار ملاقات کی ہے لیکن میں نے اور تمہارے ابا نے اسے اچھی طرح پرکھا ہے۔ کئی بار اس سے ملے ہیں اتنا خیال اور محبت کرنے والا بچہ ہے وہ۔ تم دیکھنا وہ کتنی جلدی شہزادی کا دل جیت لے گا۔" انیسہ کے لہجے میں اتنا یقین تھا کہ رانی ان کی باتوں کی تردید کرنے کی ہمت کر ہی نہ سکی لیکن نہ جانے کیوں اس کی چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ شہزادی کوئی نہ کوئی گڑبڑ ضرور کرے گی اور پھر ایسا ہی ہوا۔

اس دن فقیر محمد بہت خوشی، خوشی شہزادی کی چپل کا ناپ لینے ان کے گھر آیا ہوا تھا۔ اس کی ماں کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی سو انہوں نے خود اسی کو بھیج دیا تھا اور اندھا کیا چاہے دو آنکھیں کے مصداق وہ لمحہ ضائع کیے بغیر محبوب کے در پر حاضر تھا۔ ویسے بھی بردکھوے والے روز ہی اس نے شہزادی کو دیکھا تھا اور زرد کپڑوں میں ملبوس اس کا حسین پیکر فقیر محمد نے آنکھوں کے راستے دل میں کچھ ایسے اتار لیا تھا کہ پھر اس کے دل میں کسی اور کی ذرا سی بھی گنجائش نہیں رہی تھی اور حور کے پہلو میں لنگور والی مثال اپنے اوپر فٹ کرتے ہوئے وہ خود ہی محظوظ ہوا تھا۔ اسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ اس کی قسمت میں شہزادی جیسی حور شمائل لڑکی کا ساتھ لکھا ہے۔ پتا نہیں کتنے خواب سجا ڈالے تھے اس کی آنکھوں نے آنے والے خوب صورت دنوں کے حوالے سے اور اس وقت بھی اپنی ساس کے سامنے مؤدب سا بیٹھا وہ کافی مسکین بھی لگ رہا تھا۔

"ارے رانی جلدی سے شربت لے آؤ، دیکھو تو سہی کتنی گرمی سے آیا ہے میرا بیٹا۔" انیسہ نے لہجے میں ڈھیر سارا شہد سمو کر رانی کو آواز دی۔ اجمل صاحب گھر پر نہیں تھے وہ آفس سے واپسی پر ایک ٹیوشن پڑھاتے ہوئے ہی گھر آتے تھے اور پھر اچانک ہی انیسہ کی نظریں دروازے سے اندر آتی شہزادی پر پڑیں اور ان کی سانس جہاں کی تہاں رہ گئی کیونکہ شہزادی کا غیظ و غضب بتا رہا تھا کہ وہ کیوں یہاں آئی ہے۔

☆☆☆

فاران اپنی چابی سے مین گیٹ کھول کر جب اندر داخل ہوا تو سارے گھر میں بکھرے اندھیرے اور سناٹے نے اسے بتا دیا کہ اس گھر کے مکین سو چکے ہیں۔ اس وقت رات کا تقریباً ڈیڑھ بج رہا تھا۔ آج وہ دو، دو فلموں کی شوٹنگز میں کچھ اس درجہ مصروف رہا تھا کہ پورے دن میں گھر ایک کال تک نہیں کر پایا تھا۔ یقیناً آج زنیرا کا موڈ بگڑا ہوا ہوگا۔ بچوں نے بھی اسے کافی تنگ کیا ہوگا اس نے گہری سانس لے کر سوچا اور دبے قدموں اپنے بیڈ روم میں داخل ہو کر بجلی کا سوئچ آن کر دیا۔ ایک لمحے میں کمرا روشن ہو گیا لیکن اس کو اپنی آنکھوں کے آگے اندھیرا سا چھاتا ہوا محسوس ہوا کیونکہ سامنے بچھے ہوئے بیڈ کی بے شکن چادر بتا رہی تھی کہ اس پر کوئی سویا ہی نہیں ہے البتہ باتھ روم کے دروازے کے پاس قالین پر زنیرا ساکت پڑی ہوئی ضرور نظر آئی تھی۔ سرخ پیور سلک کے سوٹ پر جھل مل کرتا ہوا کامدانی کا دوپٹا بڑی بے ترتیبی سے اس کے چہرے پر پڑا ہوا تھا۔ ہاتھوں میں پڑی سرخ اور سنہری چوڑیاں بھی اس کی طرح بالکل خاموش تھیں۔ فاران لرزتے قدموں کے ساتھ اس کے نزدیک آ کر بے اختیار بیٹھ گیا۔

"زنیرا، زنی تم ٹھیک تو ہو۔ کچھ بولو زنی پلیز۔" اس نے بے تابانہ زنیرا کو جھنجوڑ ڈالا۔ تب زنیرا چہرے سے دوپٹا ہٹاتے ہوئے بے اختیار اتنا کھلکھلا کر ہنسی کہ فاران ایک لمحے کو تو بالکل شاکڈ رہ گیا۔ دل کی دھڑکنیں اب تک قابو میں نہیں آئی تھیں۔ زنیرا کی ہنسی رک ہی نہیں رہی تھی۔ فاران نے بہت خفگی سے اس کی طرف دیکھا اور پھر ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور اس سے پہلے کہ وہ واپس پلٹتا زنیرا تیزی سے اٹھ کر اس کے نزدیک آ گئی۔ دلہن کی طرح سجی بنی زنیرا کا چہرہ ہنستے، ہنستے گلنار ہو رہا تھا۔ اسے فاران کی قہر آلود نظروں سے کوئی خوف نہیں محسوس ہو رہا تھا۔

"یہ اتنی احمقانہ شرارت کرتے ہوئے تمہیں ذرا بھی احساس نہیں ہوا کہ میں کتنا پریشان ہو جاؤں گا۔ بہت ہی جاہلانہ حرکت تھی یہ تمہاری۔" فاران اپنا ٹمپر ایک دم ہی لوز کر گیا۔ تب زنیرا کے ہنستے مسکراتے چہرے پر ایک دم ہی ملال کے رنگ اتر آئے۔

"فاران آپ میری ہر برتھ ڈے پر مجھے خوب صورت سرپرائز دیا کرتے تھے۔ اسی لیے میں اس دن کا شدت سے انتظار کیا کرتی تھی اور آج اس کھوئے ہوئے دن کو ڈھونڈنے کی کوشش میں شاید میں نے آپ کو کچھ زیادہ ہی پریشان کر دیا۔" اس نے زبردستی چہرے پر مسکراہٹ لانے کی کوشش کی لیکن اس کی آنکھوں میں آئی نمی دھوپ میں بارش جیسے سماں کی عکاسی کر رہی تھی۔ فاران کا دل دھک سے رہ گیا۔ شدید شرمندگی زنیرا کی سالگرہ بھول جانے پر اسے جو ہوئی سو ہوئی لیکن زنیرا کے خاموش شکوے نے اسے اپنی کوتاہی کا احساس کچھ اس شدت سے دلایا تھا کہ اسے اپنے اوپر جی بھر کر غصہ آ رہا تھا۔

"اوہ، سو سوری میری جان' مجھے بالکل یاد نہیں رہا آج کا دن جو میرے لیے کتنا اہم ہے، یہ بات تم بھی اچھی طرح سے جانتی ہو۔ بس کام کی زیادتی نے جیسے میرا دماغ ہی ماؤف کر دیا ہے۔" فاران کو سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیسے اپنی صفائی پیش کرے۔ بس ایسے ہی بے ربط جملے بولتے ہوئے اس نے..... بے اختیار زنیرا کو اپنی بانہوں میں لے لیا۔

"زنی سالگرہ مبارک ہو۔" اس نے بہت پیار سے اس کے کان میں جیسے سرگوشی کی۔

"تھینک یو۔" زنیرا نے آہستگی سے کہتے ہوئے اس کے سینے پر سر رکھ دیا۔ فاران کو کچھ حیرت سی محسوس ہو رہی تھی۔ اس کی سالگرہ کو بھول جانا کوئی معمولی بات تو نہیں تھی۔ ان دنوں فاران کی مصروفیات کی بنا پر وہ ویسے ہی کافی حساس اور

WWW.PAKSOCIETY.COM

زود رنج ہو رہی تھی لیکن لڑنے جھگڑنے اور رونے دھونے کے بجائے اس نے آج اپنی برتھ ڈے پر اس کا استقبال بہت نئے اور انوکھے انداز میں کیا تھا اور اس پر مستزاد سرخ کپڑوں میں سجی بنی وہ جیسے وقت گزرنے کے باوجود اب بھی اس دن کو سلیبریٹ کرنے کے لیے بہت صبر کے ساتھ اس کا انتظار کر رہی تھی۔

''اچھا زینی یہ بتاؤ اپنی اس بھول کا ازالہ میں کیسے کروں۔ تم مجھے جو بھی سزا دوگی وہ مجھے قبول ہوگی۔'' اپنی حیرانی کو دل میں چھپاتے ہوئے فاران نے بہت محبت سے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا تو زنیرا کا بے اختیار یہ دل چاہا کہ آج اس کی شرمندگی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس سے اپنا وہ پرانا فاران واپس مانگ لے۔ اس سے کہے کہ خدا کے لیے اس فلم انڈسٹری کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ دے جس نے ان کے درمیان اتنی دوریاں پیدا کر دی ہیں۔ وہ اپنی زندگی میں بکھرے اس سناٹے سے بہت گھبرا گئی ہے جو لمحہ، لمحہ اسے اندر سے بالکل توڑ رہا ہے۔ اسے اپنے بچوں کے وہ بابا بہت یاد آتے ہیں جو انہیں بہت سارا ٹائم دیتے تھے۔ ان کے ساتھ کھیلتے تھے انہیں تقریباً روز ہی باہر گھمانے لے جاتے تھے۔ یہ سب زنیرا نے بس دل ہی دل میں سوچا تھا۔ لاکھ چاہنے کے باوجود یہ سب کچھ وہ اپنے لبوں تک لا نہ سکی بس بے بسی سے اسے دیکھ کر رہ گئی۔

''کیا ہوا جان پلیز بنا خفا ہوئے مجھے اپنی فرمائش بتاؤ۔ میں نے کہا ناں کہ میں نے نادانستگی میں تمہیں جو دکھ دیا ہے میں اس کی تلافی کرنا چاہتا ہوں۔'' فاران نے اس کے چہرے پر جھولتی لٹ کو ہلکے سے کھینچتے ہوئے بہت ملتجیانہ انداز میں اس سے کہا تو ایک اداس سی مسکراہٹ کے ساتھ وہ اس کی بانہوں کے حصار سے نکل کر صوفے پر بیٹھ گئی۔ فاران نے ایک نظر اس کے اترے ہوئے چہرے پر ڈالی اور پھر کچھ سوچ کر اپنی سائڈ ٹیبل کی دراز سے اپنی چیک بک نکال کر وہ اس کے نزدیک آ کر بیٹھ گیا۔ زنیرا نے چونک کر اس کی جانب دیکھا جو چیک کاٹ کر مسکراتے ہوئے اس کے ہاتھ میں تھما رہا تھا۔

''زینی، میری زندگی، میں مانتا ہوں کہ اس چیک کی ویلیو تمہارے اس دکھ کے برابر تو نہیں جو آج سارا دن تم نے سہا ہے لیکن پھر بھی میری جانب سے ایک چھوٹا سا تحفہ ہے۔ پلیز کل تم جا کر میری طرف سے سونے کی چوڑیاں خرید لینا۔'' فاران کے محبت بھرے لہجے نے زنیرا کے دل میں کوئی ہلچل نہیں مچائی اس نے دو لاکھ کے اس چیک پر ایک نظر ڈالتے ہوئے اسے واپس فاران کے ہاتھ میں دے دیا۔

''فاران مانا کہ آپ ماشاء اللہ لاکھوں میں کھیل رہے ہیں لیکن آج مجھے سونے کی چوڑیوں کی نہیں، ان سبز کانچ کی چوڑیوں کی شدت سے خواہش ہو رہی ہے جو آپ میری ہر برتھ ڈے پر مجھے دیا کرتے تھے۔ یہ دو لاکھ ان کی برابری نہیں کر سکتے۔'' فاران کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ کتنے پیار سے اس نے زنیرا کو وہ چیک دیا تھا۔ اس احساس کے ساتھ کہ زنیرا نے اپنے اس اسپیشل دن پر اس کے بھول جانے کے باوجود بنا کسی شکوے کے اسی طرح تیار ہو کر اتنی رات گئے تک اس کا انتظار کیا تھا تاکہ وہ اس کے ساتھ اپنی برتھ ڈے سلیبریٹ کرے۔ فاران کو کتنی خوشی ہوئی تھی اس کے اس رویے پر لیکن پھر وہ اچانک دوبارہ اسی موڈ میں واپس آ گئی تھی جس سے وہ چڑنے لگا تھا۔ شیرازی صاحب والا ڈراما بھی بس کچھ ہی عرصے کام آیا تھا۔

''زینی تمہارا موڈ ابھی کچھ دیر پہلے مجھے ایک ایسی ٹھنڈی چھاؤں کے مانند لگا تھا جس کے سائے میں آ کر میری روح کو سکون سا مل رہا تھا لیکن اب جیسے تمہاری باتوں نے مجھے اندر تک جھلسانے میں کوئی

کسر نہیں چھوڑی ہے۔ میری محبت اگر ان سبز چوڑیوں میں چھپی ہوئی تھی تو ان سونے کی چوڑیوں میں بھی میری ویسی ہی چاہت تم محسوس کر سکتی تھیں اگر تمہیں میری محبت کی سچائی پر اعتبار ہوتا لیکن تمہارے دل میں تو اب میرے لیے سوائے غصے، طنز اور شک کے کچھ باقی بچا ہی نہیں ہے۔ کاش تمہیں ذرا سا بھی احساس ہوا ہوتا کہ آج میں کتنا تھکا ہوا گھر واپس لوٹا تھا۔''

آخری جملہ کہتے ہوئے فاران نے ایک دم غصے سے چیک پھاڑ کر پرزے پرزے کر دیا اور پاس پڑی ہوئی میز کو زور سے ٹھوکر مارتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گیا۔ زنیرا نے گھبرا کر فاران کو روکنا چاہا لیکن وہ بہت تیزی سے وہاں سے جا چکا تھا۔ زنیرا نے پچھتاوے کے شدید احساس کے ساتھ قالین پر الٹی ہوئی میز اور چیک کے بکھرے ہوئے ٹکڑوں کو دیکھا۔ اجالا کی باتوں نے اس کی زندگی کے اداس راستے میں جو روشنی بکھیری تھی جذبات میں آ کر اس نے خود ہی اسے اندھیرے میں بدل دیا تھا لیکن وہ کیا کرتی اپنے حساب سے اس نے پوری کوشش کی تھی لیکن فاران کے اس جملے نے اسے ایک دم سے بہت ہرٹ کر دیا تھا کہ کل وہ جا کر اس چیک سے سونے کی چوڑیاں خرید لے۔ کیا وہ یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ خود اس کے ساتھ جا کر چوڑیاں دلوا دے گا۔ فاران کے نزدیک اس کی محبت کا اظہار بس پیسے کی صورت میں ہی تھا۔ زنیرا کو بے ساختہ وہ دن یاد آ گئے تھے جب وہ اس کے لیے کانچ کی چوڑیاں اور سونے کے چھوٹے سے گفٹ خود خرید کر لاتا تھا۔ صبح سے ویسے ہی دل بھرا ہوا تھا سو ضبط کے بندھن آخر اس چیک نے توڑ دیے لیکن فاران کے یوں خفا ہو کر چلے جانے سے اسے اپنے رویے پر ندامت سی محسوس ہونے لگی۔

''سچ ہی تو کہہ رہے تھے وہ کتنے پیار سے بناتے ہوئے یہ چیک انہوں نے دیا تھا۔ اگر میں تھوڑا سا برداشت کر لیتی اور اس چیک کو سنبھال کر رکھ دیتی پھر جس دن فاران کو فرصت ہوتی ان کے ساتھ جا کر چوڑیاں خرید لیتی۔ پتا نہیں کیوں میں ایسی حماقتیں کر جاتی ہوں جو میرے ساتھ ساتھ فاران کا بھی سکون ختم کر دیتی ہیں۔'' اس نے بہت تاسف سے سوچا۔ آج کتنے دنوں بعد وہ دل سے تیار ہوئی تھی۔ فاران کے لیے سجی بنی تھی اور آئینے نے بھی اس کے حسین لگنے کی گواہی دی تھی لیکن اس نے اپنی حماقت سے سب ملیامیٹ کر دیا تھا اور اب

سن تو سہی

ہر شب کو اپنا احتساب کرنا
گزرے لمحوں کا شمار کرنا
کہ جب کالے بھیانک اندھیرے تھے
تو کتنے سہانے سویرے بھی تھے
سنو!
صحرا جب پیاسا تھا
ابر بھی تو ٹوٹ کے برسا تھا
اداسی جب تھی پھولوں میں
تب کلیاں بھی تو چنچل تھیں
سنو!
میں ہارا نہیں ہوں
بس تھک گیا ہوں
میں نیا جنم لے کر پھر آؤں گا
ہاں!
میں پھر آؤں گا
سنو!
مجھے بھول نہ جانا
مجھے بھول نہ جانا

شاعرہ: آشا کرلاتی، گولارچی

WWW.PAKSOCIETY.COM

فاران کو منانا اسے دنیا کا مشکل ترین کام لگ رہا تھا۔ تبھی کار اسٹارٹ ہونے کی آواز پر وہ بے حد گھبرا کر اٹھی اور تقریباً دوڑتی ہوئی دروازہ کھول کر باہر نکل آئی جہاں سے اسے گیٹ سے باہر نکلتی فاران کی کار نظر آ گئی تھی اور اب چوکیدار گیٹ بند کر رہا تھا۔

”اس وقت آدھی رات کو فاران اتنے غصے میں کہاں چلے گئے ہیں۔ یقیناً وہ علیشاہ کے پاس اپنے دل کی بھڑاس نکالنے گئے ہوں گے اور اب اس کی محبت، اس کی دل جوئی اور اس کی اداؤں میں کھو کر وہ اپنا غصہ، اپنی الجھن سب کچھ بھلا دیں گے اور میں یہاں تنہا بلکہ بہت تنہا اس جان لیوا اداسی کو سہتی رہوں گی۔ کاش وہ تھوڑا سا میرے احساسات سمجھنے کی کوشش تو کرتے۔ میری باتیں اگر انہیں ناگوار بھی گزری تھیں تو کم از کم آج کے دن تو انہیں اگنور کر دیتے، مجھے منانے کا ایک موقع تو دیتے میں ہاتھ جوڑ کر اُن سے معافی مانگ لیتی۔“ زنیرا کا چہرہ آنسوؤں سے تر ہو رہا تھا اور یہ ظالم سوچیں اس کے دل کو مزید کرچی کرچی کر رہی تھیں۔ دوریاں مزید طویل ہوتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ پتا نہیں کیسا اندھیرا سا چھا رہا تھا اس کی زندگی پر۔

☆☆☆

فقیر محمد کی بھی پُرشوق نگاہیں شہزادی کی جانب اٹھی تھیں جو گلابی کپڑوں میں اسے گلاب کے پھول سے بھی زیادہ حسین لگ رہی تھی لیکن اس بے چارے کو تو علم ہی نہیں تھا کہ اس گلاب کے ساتھ اتنے..... بے شمار کانٹے ہیں جن کی چبھن لمحے بھر میں اس کے دل کو لہولہان کر دے گی۔

”فقیر صاحب آپ کو کوئی اور گھر نہیں ملا تھا جو آپ بھیک مانگنے ہمارے در پر چلے آئے اور بھیک بھی ایک حسین بیوی کی۔ ارے یہ منہ اور مسور کی دال۔ اپنی شکل بھی دیکھی ہے کبھی آئینے میں۔“ وہ تمتماتے ہوئے چہرے کے ساتھ کمر پر ہاتھ رکھے اسے سناتی چلی گئی۔ انیسہ بہت حواس باختہ ہو کر اسے روکنے کی کوشش کر رہی تھیں جبکہ فقیر محمد آنکھیں پھاڑے سکتے کے عالم میں اس کی یہ تلخ باتیں ایک برچھی کے مانند اپنے دل میں اترتے ہوئے محسوس کر رہا تھا۔

”اماں پلیز، آپ درمیان میں مت آئیں۔ زندگی میں نے گزارنی ہے آپ نے نہیں۔ خدا کی قسم میں ان صاحب کو پوری زندگی تو کیا ایک منٹ بھی برداشت نہیں کر سکتی۔ سن لیں فقیر صاحب میں ہرگز، ہرگز آپ سے شادی نہیں کر سکتی۔ سب فقرے کسیں گے آپ پر کہ حور کے پہلو میں لنگور بیٹھا ہے۔“ وہ بدتمیزی کی ہر حد کراس کر رہی تھی۔ انیسہ نے... بےاختیار اس کے منہ پر ایک طمانچہ مارا تو وہ رخسار پر ہاتھ رکھ کر ایک لمحے کے لیے خاموش ہو گئی اور پھر بپھرے ہوئے انداز میں فقیر محمد کی طرف دیکھا جس کا چہرہ ذلت اور ہتک کے احساس سے مزید سانولا ہو رہا تھا۔

”آپ بارات لانے کی زحمت ہرگز مت کیجیے گا ورنہ خالی ہاتھ واپس جاتے ہوئے آپ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔“ وہ تنتناتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔ کمرے میں گہرا سناٹا چھا گیا تھا۔ انیسہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائیں۔ انہوں نے بہت بے بسی سے فقیر محمد کی طرف دیکھا جس کے چہرے پر بکھری خفت اب غصے میں بدل رہی تھی۔

”آپ کی بیٹی کو اپنے حسن پر بہت ناز ہے لیکن میں ایسے حسن پر سو لعنت بھیجتا ہوں اور اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں جس نے ایسی مکروہ دل والی لڑکی سے مجھے بچا لیا، جسے نہ بات کرنے کی تمیز ہے اور نہ ہی کوئی تہذیب اسے چھو کر گزری ہے۔ انشاء اللہ مجھے اس سے بھی حسین بیوی ملے گی اور وہ بھی بھیک میں نہیں بلکہ بہت عزت اور چاہ کے ساتھ۔“ فقیر محمد کی آواز

شدید غصے میں بہت اونچی ہو گئی تھی اور بہ خوبی شہزادی کے کانوں تک آ رہی تھی۔ رانی جو ایک کونے میں سہمی ہوئی سی کھڑی یہ تماشا دیکھ رہی تھی بے اختیار تیزی سے باہر آ گئی جہاں فقیر محمد کھڑا خفگی کا اظہار کر رہا تھا اور انیسہ ہاتھ ملتے ہوئے خاموش سر جھکائے نڈھال سی کرسی پر بیٹھی ہوئی تھیں۔

”فقیر محمد صاحب میں آپ سے شہزادی کی طرف سے معافی مانگتی ہوں۔ ہم شریف لوگ ہیں ابا کو جب شہزادی کی اس بدتمیزی کا پتا چلے گا تو وہ اسے قتل کر دیں گے، پلیز آپ ہم پر رحم کریں۔“ رانی نے اپنے دونوں ہاتھ اس کے سامنے جوڑتے ہوئے بہت رقت سے التجا کی تو انیسہ بھی ہمت کر کے اس کے نزدیک آ گئیں جو غصے سے اکھڑا جا رہا تھا۔

”آپ کا ان باتوں سے کیا مطلب...... میں آپ کی شہزادی کی اتنی بدتمیزی اس لیے برداشت کر لوں کہ آپ شریفوں میں شمار ہوتے ہیں۔ ارے ایسی لڑکی کو اس کا باپ قتل کر دے تو اسے سو نفلوں کا ثواب ملنا چاہیے۔“ وہ مسکین سا فقیر محمد اب شیر کی طرح دہاڑ رہا تھا۔ اپنی اتنی توہین اس سے سہی نہیں جا رہی تھی۔ کتنے پیار اور ارمان سے وہ شہزادی کی چپل کا ناپ لینے آیا تھا لیکن وہ تو جیسے وہی چپل اس کے سر پر برسا کر چلی گئی تھی۔

”بیٹا خدا کے لیے اپنا غصہ تھوک دو۔ وہ نادان ہے، بے وقوف ہے میں اس کا دماغ درست کر دوں گی لیکن خدارا ہمیں اجمل صاحب کے قہر سے بچا لو، وہ شہزادی کے ساتھ ساتھ ہم سب کا بھی گلا گھونٹ دیں گے اگر تم نے اس رشتے سے انکار کر دیا تو ہم بے موت مر جائیں گے۔“ انیسہ زار و قطار رونے لگیں۔ شہزادی اندر غصے سے بل کھا رہی تھی لیکن اب وہ باہر نکلنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی جانتی تھی کہ اس بار اماں اسے ہرگز نہیں بخشیں گی اور فقیر محمد کے سامنے اسے اپنی بے عزتی منظور نہیں تھی ویسے بھی اس نے جو کہنا تھا وہ کہہ چکی تھی۔

”خالہ ایسے مت روئیں مجھے تو خود آپ پر ترس آ رہا ہے جو ایسی ناہنجار اولاد کو سہہ رہی ہیں لیکن میں مجبور ہوں۔ ایسی لڑکی کو اپنی زندگی میں لانے سے بہتر ہے کہ بندہ کنویں میں کود جائے۔“ اس بار فقیر محمد کا لہجہ کچھ دھیما ہو گیا تھا جبکہ اندر بیٹھی شہزادی اس جملے پر مزید پیچ و تاب کھا کر رہ گئی۔ تبھی فقیر محمد کی نظر سامنے سہمی ہوئی سی رانی پر پڑی جو اپنے آنسو پونچھتے ہوئے اسے بہت بے بسی سے دیکھ رہی تھی۔ ان ماں بیٹی کو اتنا پریشان اور خوف زدہ دیکھ کر فقیر محمد کا دل پسیج سا گیا۔ کچھ لمحے سوچنے کے بعد اس نے انیسہ کی جانب دیکھا۔

”خالہ آپ لوگ بہت سیدھے اور شریف ہیں میں تو خود اس گھر میں اپنا رشتہ جوڑنا چاہتا ہوں۔ اگر آپ لوگوں کی لڑکی ناخلف ہے تو اس کی سزا سارے خاندان کو دینا انصاف نہیں ہے۔ خالہ اگر آپ برا نہ مانیں تو میں آپ کی چھوٹی بیٹی سے رشتہ کرنے کے لیے تیار ہوں اگر اسے بھی میری شکل صورت پر اعتراض ہے تو برائے مہربانی مجھے آرام سے بتا دیں میں برا نہیں مانوں گا اور ہاں اجمل صاحب سے بھی میں طریقے سے بات کر لوں گا آپ اس کی بالکل فکر مت کریں۔“ فقیر محمد کی اس اچانک پیشکش نے جہاں انیسہ کو ششدر کر دیا تھا وہاں رانی کو تو اپنے سر پر ایک بم سا پھٹتا ہوا محسوس ہوا تھا جبکہ شہزادی بھی شاکڈ ہو کر بے اختیار دروازے پر آ گئی۔ فقیر محمد نے ایک نظر باری باری ان تینوں پر ڈالی شہزادی کی طرف دیکھتے ہوئے اس کی آنکھوں میں شدید نفرت اُمڈ آئی تھی۔

”ٹھیک ہے خالہ، میں چلتا ہوں کل شام تک میری اماں جواب لینے آئے گی لیکن یاد رہے کہ انہیں بھی حقیقت کا پتا نہیں ہو گا۔ اس لیے آج کے قصے کا کوئی ذکر نہیں کیجیے گا ورنہ یہ بات بھی بگڑ جائے

WWW.PAKSOCIETY.COM

گی۔'' فقیر محمد نے آخری جملہ دروازے کے پاس رک کر کہا اور تیزی سے باہر نکل گیا۔ انیسہ ایک لمحے کے لیے جیسے سکتے میں بیٹھی رہ گئیں جبکہ رانی دونوں ہاتھوں میں منہ چھپائے رو رہی تھی۔ سامنے دروازے پر کھڑی شہزادی کو دیکھ کر جیسے انیسہ کا سکتہ ٹوٹ گیا وہ پاگلوں کی طرح اٹھیں اور دیوانہ وار شہزادی کو مارتی ہی چلی گئیں۔ شہزادی چیخ رہی تھی لیکن انیسہ کو نہ کچھ سنائی دے رہا تھا اور نہ کچھ دکھائی دے رہا تھا۔

☆☆☆

تھکی تھکی سی آس ہے یہ دل بہت اداس ہے
کوئی تو درد راس ہے یہ دل بہت اداس ہے
عجب طرح کے وسوسوں میں گھر گئی ہے زندگی
امید ہے نہ آس ہے یہ دل بہت اداس ہے

زنیرا کو اس غزل کا ایک، ایک شعر اپنے دل میں اترتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ اس کے احساسات کی کتنی مکمل ترجمانی کر رہے تھے یہ اشعار۔ اس نے ٹھنڈی سانس لے کر کتاب بند کر دی۔

عجب طرح کے وسوسوں میں گھر گئی ہے زندگی
امید ہے نہ آس ہے یہ بہت اداس ہے

اس نے زیرلب یہ شعر پڑھا تبھی روشانہ کے پکارنے پر وہ چونک کر کھڑی ہو گئی۔ روشانہ کی واپس کراچی جانے کی ضد روز بروز بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ اس کا چڑچڑا پن زنیرا کو بہت پریشان کر رہا تھا۔ فرحان ابھی چھوٹا تھا لیکن روشانہ کی دیکھا دیکھی وہ بھی کافی ضدی ہوتا جا رہا تھا۔ فاران اس دن کے بعد سے ہنوز زنیرا سے خفا، خفا سا تھا بس ضرورت کی ہی بات کرتا تھا اس سے البتہ بچوں کو اپنے فارغ وقت میں کافی وقت دینے کی کوشش وہ ضرور کر رہا تھا خاص کر روشانہ کے تو وہ کچھ زیادہ ہی لاڈ اٹھانے لگا تھا۔ اسے اپنی اس لاڈلی بیٹی سے لگاؤ بھی تو کچھ زیادہ ہی تھا اور روشانہ کی کراچی جانے کی ضد اور چڑچڑے پن کو محسوس کرتے ہوئے وہ آج کل اس کے لیے کافی فکرمند ہو رہا تھا۔ مشکل یہ تھی کہ اب وہ اپنی فیملی کے ساتھ فری ہو کر باہر گھوم نہیں سکتا تھا کہ لوگ اس کو دیکھتے ہی اس کے اردگرد مجمع لگانا شروع ہو جاتے جن میں لڑکیوں کی تعداد زیادہ ہوتی جو اس سے آٹوگراف لینے اور اس کے ساتھ تصویریں کھنچوانے کے شوق میں اسے ڈسٹرب کرتی رہتیں۔ ایسے میں زنیرا کا موڈ کافی آف ہو جاتا تھا۔ ریسٹورنٹ میں بیٹھ کر کھانا کھانا بھی دشوار ہو جاتا۔ فاران کبھی اس سے کوئی بہت خوب صورت سی بات کہہ رہا ہوتا کہ اچانک کوئی صاحب یا صاحبہ مسکراتے ہوئے اُن کی ٹیبل کے پاس آٹوگراف لینے چلے آتے تب زنیرا کا بس نہیں چلتا تھا کہ آٹوگراف کے بجائے اس کے سر پر سامنے رکھی ہوئی کوئی پلیٹ دے مارے۔ ایک بار تو روشانہ بھی کسی لڑکی سے خفا ہو گئی تھی جو فاران کے ساتھ ایک تصویر کھنچوانا چاہ رہی تھی۔

''آنٹی پلیز، آپ میرے بابا کے بجائے کسی اور کے ساتھ تصویر بنوالیں' یہ صرف میرے بابا ہیں اور مجھے بالکل اچھا نہیں لگ رہا آپ لوگ ہمیں بہت تنگ کر رہے ہیں۔'' اس نے بڑی معصومیت بھری خفگی کا اظہار کرتے ہوئے ان صاحبہ کو جب ٹوکا تو وہ کچھ شرمندہ سی ہو گئی۔

''اوہ سوری گڑیا میں نے آپ لوگوں کو ڈسٹرب کیا لیکن کیا کروں آپ کے بابا کی فین ہوں ناں ان کے ساتھ تصویر کھنچوانے کا موقع گنوانا نہیں چاہ رہی۔'' وہ شرمندہ ہونے کے باوجود تصویر کھنچوانے پر مصر تھی۔ بلیو جینز پر سیاہ چھوٹی سی شرٹ پہنے محترمہ خاصی ایڈوانس لک بھی دے رہی تھیں۔ زنیرا نے آنکھوں ہی آنکھوں میں فاران کو منع بھی کیا لیکن وہ مروتاً اس کے نزدیک جا کر کھڑا ہو گیا اور وہ لڑکی تصویر بنوا کر تھینکس کہتی ہوئی واپس مڑ گئی۔

''فاران کیا ضرورت تھی اس چڑیل کو اتنا لفٹ کروانے کی۔'' زنیرا نے خفگی سے اسے گھورا تو وہ شرارت سے ہنس دیا۔

''ارے چڑیل کہاں اتنی تو پیاری تھی۔ اگر تم پری کا خطاب دیتیں تو مان بھی لیتا۔'' زنیرا نے اس کی آنکھوں میں چمکتی شوخی کو محسوس کیا اور فوراً ہی روشانہ کو بھڑکا دیا تھا۔

''دیکھا روشی تمہارے بابا کو وہ چڑیل بالکل پری جیسی لگ رہی تھی جبکہ تمہیں اور مجھے کتنی بری لگی تھی وہ ٹھیک سے کھانا بھی نہیں کھانے دے رہی تھی، ہے ناں؟'' روشانہ نے بہت برا مان کر فاران کو دیکھا۔

''بابا جائیں میں اور فرحان آپ سے کٹی ہوگئے ہیں۔ آپ ان گندی آنٹی کو فیری کہہ رہے ہیں۔ آپ سے میں' فرحان اور مما بالکل بات نہیں کریں گے، ٹھیک ہے ناں فرحان!'' اس نے فرحان کو بھی اپنے ساتھ ملاتے ہوئے بہت معصومیت سے اپنا فیصلہ سنا دیا۔

''ارے باپ رے... اگر تم سب مجھے اکیلا چھوڑ دو گے تو پھر میں کیا کروں گا۔ ارے میری بلا سے وہ چڑیل ہو یا بھوتنی۔ بس میری پری تو میری لاڈلی بیٹی ہے۔'' فاران نے بڑی مسکین سی شکل بنا کر روشانہ کو دیکھا تو زنیرا کھلکھلا کر ہنس پڑی لیکن اب وہ دن نہ جانے کہاں کھو گئے تھے۔ زنیرا کو یوں... بلا مقصد کسی سے ہنسے نہ جانے کتنا وقت گزر چکا تھا۔ اب بھی وہ اداس نظروں سے باہر لان میں کھیلتے ہوئے بچوں کو دیکھ رہی تھی اور بچوں کے ساتھ بچہ بنا ہوا فاران بالنگ کرواتے ہوئے کیسے شور مچا رہا تھا۔ فرحان آؤٹ ہو کر بھی نہیں مان رہا تھا جبکہ فاران اور روشانہ اسے آؤٹ قرار دے رہے تھے۔ تبھی روشانہ کی نظر اس پر پڑی۔

''مما آپ بھی آئیں ناں۔ دیکھیں فرحان چیٹنگ کر رہا ہے۔'' اس نے فوراً ہی اسے پکارا تو وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی ہوئی لان میں آگئی۔

''روشانہ اب کرکٹ ختم کرو تمہارا فیورٹ کارٹون ابھی ابھی شروع ہوا ہے جلدی جاؤ ورنہ مس ہو جانے پر پھر ہنگامہ کرو گی۔'' زنیرا کی اطلاع پر روشانہ اور فرحان بیٹ چھوڑ کر بھاگتے ہوئے اندر چلے گئے۔ فاران نے بھی اندر جانے کے لیے قدم بڑھائے تو زنیرا نے بے اختیار اسے پکارا۔

''فاران پلیز میری بات سنیں۔'' فاران کے جاتے ہوئے قدم اس کی آواز پر رک گئے۔

''کہو کیا بات ہے پھر کچھ اخبار میں پڑھ لیا یا تمہاری دوست نے میرے کسی افیئر کی خبر دی ہے یا پھر کوئی طنزیہ جملہ کہنے کو دل چاہ رہا ہے۔'' فاران نے بہت سرد لہجے میں آگ کی طرح دہکتے ہوئے جملے کہے تھے۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے پلیز اب اپنی خفگی ختم کر دیجیے۔ میں تھک گئی ہوں آپ کی بے رخی سہتے، سہتے۔ فاران میں گھٹ، گھٹ کر مر رہی ہوں۔'' وہ بے اختیار اس کے بہت نزدیک آگئی۔ اس کے لہجے میں جیسے صدیوں کی تھکن چھپی تھی۔

''زنیرا تھک تو میں گیا ہوں۔ اب تو گھر واپس آتے ہوئے دل گھبراتا ہے۔ یہ سوچ کر وحشت ہوتی ہے کہ میں ایسے گھر میں جا رہا ہوں جہاں ایک روتی ہوئی ڈپریسڈ عورت اپنے شک کی آگ میں مجھے جھلسانے کو تیار بیٹھی ہے۔ میری زینی تو اس روز مر گئی تھی جب میں نے فلم سائن کی تھی۔ تمہارے ساتھ اب ایک پل بھی جینے کو دل نہیں چاہتا اگر بچے نہ ہوتے تو شاید ہم کب کے الگ ہو چکے ہوتے۔ بس روشی اور فرحان کی خاطر میں تمہیں برداشت کر رہا ہوں۔'' کتنے سفاک جملے تھے جو تیر بن کر اس کے دل میں اتر رہے تھے۔ سنسناتے ہوئے دماغ کے ساتھ وہ ششدر سی کھڑی اس کی باتوں کا زہر اپنے رگ وپے میں اترتا ہوا محسوس کر رہی تھی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

اُف...... اس نے تو کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا کہ فاران اس سے اتنی نفرت بھی کرسکتا ہے، اس سے اتنا بیزار بھی ہوسکتا ہے لیکن وہ ہوچکا تھا۔ اگر فاران کے لیے اس کی زینی مرچکی تھی تو زنیرا کے لیے بھی آج اس کا محبوب اس سے ہمیشہ کے لیے بچھڑ گیا تھا۔ وہ تو ابھی تک اس زعم میں تھی کہ فاران اس کی اداسی، اس کی خفگی کی وجہ سے پریشان رہتا ہے اور اس کی خواہش پر کبھی نہ کبھی اپنی پرانی زندگی میں واپس لوٹ آئے گا۔ جہاں صرف مسکراہٹیں تھیں، خوشیاں تھیں اور ان کے گھر چار سو محبت کی خوشبو مہکا کرتی تھی۔ اسے علم ہی نہیں تھا کہ اس کی محبت، اس کے عشق پر خوش گمانیوں کا ایسا رنگین پردہ پڑا ہوا ہے جو کبھی اچانک ہٹے گا تو وہ اندر سے بالکل چور چور ہوجائے گی۔ کسی شاعر نے کتنی سچی بات کہی تھی۔

وہ اپنے زعم میں تھا بے خبر رہا مجھ سے
اسے گماں بھی نہیں، میں نہیں رہا اس کا

فاران کا ایک، ایک لفظ جیسے اس شعر کی عکاسی کررہا تھا۔ اس کی ساری خوش فہمیاں منہ چھپا کر کہیں اندھیرے میں گم ہوگئی تھیں۔

''فاران میں نہیں جانتی کہ موت کی تکلیف کیسی ہوتی ہوگی لیکن اتنا ضرور یقین ہے کہ وہ اذیت اس اذیت سے ضرور کم ہوگی جو اس وقت میرے دل، میری روح کو پہنچ رہی ہے۔ آپ کے جملوں نے مجھے میری اوقات، میری حیثیت جو آپ کی نظروں میں ہے اسے اچھی طرح سے سمجھا دیا ہے۔ مجھے سمجھ میں نہیں آرہا کہ میں اپنے قدموں پر اب تک کھڑی کیوں اور کیسے ہوں؟'' زنیرا کے منہ سے الفاظ بھی ٹوٹ ٹوٹ کر نکل رہے تھے اور چہرہ آنسوؤں سے بالکل بھیگ چکا تھا۔

''اور تمہاری باتیں جو مجھے شدید ٹینشن سے دوچار کرتی رہتی ہیں اس کا بھی کوئی حساب ہے تمہارے پاس؟ شیرازی صاحب سچ کہتے ہیں ایسی شکی اور تلخ عورت کے ساتھ زندگی گزارنا ایک مرد کے لیے بہت بڑا امتحان ہوتا ہے۔'' آج فاران بھی جیسے سفاکی کی انتہا کو پہنچا ہوا تھا۔ جب کسی کی محبت دل سے رخصت ہوجاتی ہے تو پھر اس کے لیے شاید کوئی بھی جذبہ باقی نہیں بچتا تبھی تو اس وقت اپنے دل کی بھڑاس نکالتے ہوئے اسے اپنے جملوں کی سنگینی کا احساس ہی نہیں ہورہا تھا۔ اس کے الفاظ کے کوڑے کیسے زنیرا کی روح تک کو اذیت پہنچا رہے ہیں فاران کو پروا ہی نہیں تھی۔ زنیرا صدمے سے ساکت کھڑی اس کا یہ جان لیوا روپ دیکھ رہی تھی۔

''زنیرا تم نے خود مجھے اپنے آپ سے دور کیا ہے۔ یہ فاصلے تمہارے پیدا کردہ ہیں اور میں ان دوریوں کا اتنا عادی ہوگیا ہوں کہ اب تمہاری محبت کے قفس میں آنے کے تصور سے ہی میرا دم گھٹنے لگتا ہے۔ اب تم صرف میرے بچوں کی ماں ہو اور کچھ بھی نہیں اور بس یہی تعلق ہمارے درمیان رہے گا۔ اس سے زیادہ اور کچھ نہیں ہو تم۔'' فاران کے ان جملوں نے زنیرا کی عزتِ نفس پر اتنی کاری ضرب لگائی تھی کہ وہ جیسے اپنے ہوش وحواس ہی کھو بیٹھی۔

''نہیں فاران، اب میں آپ کے بچوں کی ماں ہونے کے تعلق کے ساتھ بھی آپ کے ساتھ ہرگز رہنا نہیں چاہتی۔ جائیں، میں نے خود آپ کو اپنی محبت کے قفس سے ہمیشہ کے لیے آزاد کیا۔ آپ مجھے بچوں کے ناتے برداشت کرنا چاہ رہے ہیں لیکن میں آپ کے شوہر ہونے کا حق بھی واپس لینا چاہتی ہوں مجھے ابھی اور اسی وقت طلاق چاہیے۔ میرے لیے اب اس گھر میں ایک منٹ گزارنا بھی حرام ہے۔'' اس کا لہجہ بہت حتمی تھا۔

زنیرا اور فاران کی زندگی میں آیا ایک جان لیوا لمحہ...... اس لمحے کا شکار کون ہوا......؟ یہ سب کچھ جاننے کے لیے اگلے موڑ کا انتظار کیجیے

''آج تو پوچھ کر ہی دم لوں گی۔'' سائرہ نے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے حتمی لہجے میں کہا۔

''ڈاکٹرز نہیں بتاتے۔'' اس کے شوہر فرقان نے مسکرا کر کہا۔

''عجیب اصول ہیں...... بھلا اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ پچھلے الٹرا ساؤنڈ پر میں نے کہا کہ بھئی اگر معلوم ہوجائے کہ بیٹا ہے یا بیٹی تو شاپنگ کرنے میں آسانی ہوتی ہے کلرز وغیرہ تو کہنے لگیں

بیٹی

ثمینہ عظمت علی

WWW.PAKSOCIETY.COM

کہ بچوں کا کیا نیلا، کیا گلابی سب چلتا ہے۔'' سائرہ خفگی سے بولی۔

''ہاں، ٹھیک ہی تو کہا۔'' فرقان ہنس پڑا۔ ''یہ تو آج کل کے نخرے ہیں، ہماری امی تو ہمیں فراکیں تک پہناتی تھیں۔''

''پھر میں نے فرنیچر کا بہانہ بنایا تب بھی نہیں بتایا کہ کوئی فرق نہیں پڑتا کہ آپ الماری پر ڈورا کی پینٹنگ بنوائیں یا مکی ماؤس کی...... بچوں کے لیے سارے کارٹونز ایک جیسے ہوتے ہیں۔''

''دیکھو، الٹرا ساؤنڈ کی رپورٹ بھی کوئی حتمی نہیں ہوتی بعض اوقات اس کے برعکس بھی ہو جاتا ہے پھر لوگ پریشان کرتے ہیں انہیں...... فائنل بات صرف اللہ تعالیٰ کو ہی معلوم ہوتی ہے۔'' فرقان نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔ ''اور تم کیوں اس قدر پریشان ہو کیا فرق پڑتا ہے۔ ہمارے لیے بیٹا اور بیٹی برابر ہیں۔''

''ہاں، یہ تو ہے لیکن آپ جانتے ہیں......''

''جانتا ہوں۔'' فرقان نے اس کی بات کاٹی۔ ''کہ ہماری بیگم انوکھی ہیں۔ جہاں عورتوں کی اکثریت کو ایک راج دُلارے کی ماں بننے کا شوق ہوتا ہے ان صاحبہ کو ایک گڑیا رانی چاہیے۔''

''ہاں۔'' سائرہ نے محبت سے کہا۔ ''میرے اصرار پر سو تو لوجسٹ سمجھتی ہیں کہ میں بیٹے کے لیے کہہ رہی ہوں اور مجھ پر سسرال کا کوئی پریشر ہے لیکن میری بڑی خواہش ہے کہ میری بیٹی ہو۔''

''بس اللہ سے دعا کرو۔''

☆☆☆

سائرہ اسپتال کے لاؤنج میں بیٹھی تھی۔ آج فرقان کا آف ڈے تھا۔ وہ اس کی سلپ بنوا کر قریبی سپر اسٹور سے گھر کا سامان لینے چلا گیا تھا۔ سائرہ نے اِدھر اُدھر نظریں دوڑائیں بہت کم لوگ نظر آرہے تھے۔ پچھلے تجربات کے پیشِ نظر آج وہ بہت جلدی آگئے تھے۔ مارننگ سیشن میں نسبتاً کم رش تھا ورنہ دوپہر کے بعد تو بیٹھنے کی جگہ نہ ملتی، انتظار الگ، لمبی لائن...... ایسے میں سائرہ کا برا حال ہو جاتا تھا۔ وہیں اسٹاف میں کسی نے مشورہ دیا کہ صبح جلدی آجائیں تو اتنا مسئلہ نہیں ہوگا کیونکہ یہ شہر جاگتے، جاگتے ہی جاگتا ہے۔

اس کا دوسرا نمبر تھا۔ اس سے قدرے فاصلے پر ایک اور خاتون بیٹھی تھیں شاید ان کا پہلا نمبر تھا اور فی الحال کوئی تیسرا نظر نہیں آرہا تھا۔

''اُف توبہ!'' سائرہ نے کوفت سے ٹی وی اسکرین کو دیکھا۔ ''یہاں بھی نیوز چینل...... کچھ تو مریضوں کا خیال کر کے کوئی ہلکا پھلکا سا چینل لگا دیں۔ لوگ بے چارے پہلے ہی اتنے پریشان ہیں۔''

سلام کی آواز پر سائرہ چونک پڑی۔ گردن موڑ کر دیکھا تو وہی خاتون اس کے قریب آکر بیٹھ گئی تھیں۔ سائرہ نے مسکرا کر سلام کا جواب دیا۔

''لگتا ہے کہ ہم بہت جلدی آگئے ہیں۔ شاید ابھی ڈاکٹر نہیں آئیں۔'' خاتون نے کہا۔

''جی شاید۔'' سائرہ نے مبہم سے لہجے میں کہا۔

''پہلا بچہ ہے؟'' خاتون سائرہ سے عمر میں خاصی بڑی تھیں۔

''جی۔'' سائرہ ذرا شرما گئی۔

''اللہ کرے بیٹا ہو۔'' انہوں نے دعا دی۔

''لیکن مجھے تو بیٹی کی خواہش ہے۔'' سائرہ نے بے ساختہ کہا۔

''اچھا لیکن ہمارے معاشرے میں بیٹے کی پیدائش کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔'' وہ بولیں۔

''جی، میں بھی ایسا ہی سنتی آئی ہوں لیکن اتفاق سے میرا واسطہ ایسے معاشرے سے پڑا نہیں۔ خود میرے ابو بھائیوں سے زیادہ مجھ سے محبت کرتے تھے۔'' وہ خاتون بس مسکرا کر رہ گئیں۔

''لیکن آج کل الٹرا ساؤنڈ کرواؤ تو gender نہیں بتاتے۔'' سائرہ نے شکایتی لہجے میں کہا۔

''ہاں، کہا جاتا ہے کہ اکثر لوگ بیٹی کا سن کر ابارشن کروا لیتے ہیں۔ انڈیا میں تو شاید پابندی ہی لگ گئی ہے۔'' انہوں نے کہا۔

اتفاق سے جب خاتون یہ بات کر رہی تھیں تو سائرہ کی نظر ٹی وی اسکرین پر پڑ گئی جہاں انڈیا کی کوئی خبر بڑی اہمیت کے ساتھ بیان کی جارہی تھی۔ سائرہ کی تو گویا کسی نے دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا۔

''پتا نہیں کیوں، ہم نے انڈیا کو اتنا سر پر سوار کر لیا ہے یہاں تک کہ جو مسائل اُن کے ہیں ہم سمجھتے ہیں کہ ہمارے بھی وہی مسائل ہیں۔ میں نہیں مانتی کہ ہمارے ہاں ایسے لوگ موجود ہیں جو بیٹی کا سن کر ابارشن ہی کروا لیں ...... توبہ ...... یا ماں کو نقصان پہنچائیں۔'' سائرہ تقریری انداز میں بولی۔ ''جبکہ میں سمجھتی ہوں کہ ہمارے معاشرے میں تو بیٹی کی بہت اہمیت ہے۔ جو ایلیٹ کلاس ہے وہ پڑھی لکھی اور خوش حال ہے۔ اُن کو اس چیز سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ مڈل کلاس تو ہے ہی مذہب، معاشرت اور روایات کی امین جہاں بیٹی کو رحمت اور نبی پاکؐ کا سلام کہا جاتا ہے اور رہ گئی غریب عوام تو اُن کے تو کام کی اولاد ہوتی ہی بے چاری بیٹی ہے۔'' سائرہ جذبات میں آکر کہتی چلی گئی۔

''یہ تو تم نے ٹھیک کہا۔ میری کام والی ابھی دو دن پہلے یہی کہہ رہی تھی کہ ہماری جتنی بیٹیاں ہوں کم ہوں۔ ہمارے ہاں تو بیٹے زیادہ تر کام کرنے کے بجائے گھر میں آرام کرتے ہیں۔ بیٹیاں ہی ہمارے ساتھ گھروں میں کام کرواتی ہیں...... بس وہی بات کہ پھر بیٹیوں کے نصیب سے ڈر لگتا ہے۔'' انہوں نے کہا تو سائرہ مسکرا پڑی۔

''دیکھیے جی، اچھے برے نصیب تو کسی بھی

دعا

نئے سال کی ابتدا ہے میرے لبوں پر دعا ہے
ہر ایک چہرہ کِھلا کِھلا رہے، خوشیوں سے دُھلا دُھلا رہے
آنکھ نہ ہو کسی کی پُر نم کسی کے دل میں نہ ہو غم
نہ کوئی پُر ملال ہو کہیں پر نہ غم سے ہو نڈھال کہیں پر
رحمان خطاؤں کو معاف کرے بہار وطن کا طواف کرے
توبہ ہماری قبول ہو رحمتوں کا نزول ہو
حیات کے بوجھ سے گھبرا کر کوئی چہرہ نہ اب ملول ہو
جو خطائیں کیں وہ دُہرانی نہیں، ملی ہے مہلت گنوانی نہیں

کوثر اعجاز چوہدری، للیانی ضلع قصور

سالِ نو پہ دعا،
اپنے تمام ہم وطنوں کے لیے

خدا کرے تیرے پھول رنگ چہرے پر
کبھی وہ عکس نہ اترے کہ ملال آجائے
سماعتیں تیری وہ حرف نہ سنیں جس سے
تیری نظر کے جلو میں کوئی گھٹا آجائے
خدا کرے تیرے چشمِ خوش میں ہر منظر
نئی بہاروں کا سندیس بن کے چھا جائے
مسکراتا رہے یونہی ہر گھڑی ہر پل
رُخِ روشن پہ کبھی نہ اداسی آئے
خدا کرے ستاروں بھرے افق کے تلے
سدا یوں چمکو کہ شمس و قمر بھی شرمائیں
تیری جبیں پہ کوئی نقش نہ ایسا ابھرے
جو تیرے بڑھتے سفر میں کوئی کمی لائے
میری دعا ہے اے جانِ گل کہ ہر لمحہ
تو مسکرائے، کھلکھلائے، تا ابد ہو جائے

کاوش: مسز اقصیٰ عمران، لاہور

WWW.PAKSOCIETY.COM

انسان کے ہوسکتے ہیں۔ اس میں مرد و عورت کی تخصیص کیوں۔ مرد کو بھی اچھے نصیب کی دعا دینی چاہیے۔" سائرہ کی بات پر وہ خاتون ہنس دیں۔

"اوہ سوری، میں نے آپ سے تو پوچھا ہی نہیں، کیا تکلیف ہے آپ کو؟"

"مجھے گردے کا مسئلہ ہے شاید پتھری وغیرہ ہو۔" انہوں نے اتنا بتایا اور اسی وقت ان کی کال آگئی تو وہ اسے دیکھ کر مسکرائیں اور چلی گئیں۔ سائرہ بھی فرقان کو صورتِ حال بتانے کے لیے میسج کرنے لگی۔

☆☆☆

سائرہ نے ٹھٹک کر سونو لوجسٹ کو دیکھا وہ بھی بے تحاشا چونک پڑی اور اگلے ہی لمحے دونوں ہنستے ہوئے گلے مل رہی تھیں۔

"ردا! یقین نہیں آرہا کہ یہ تم ہو...... کیسی ہو؟" سائرہ نے خوشی سے بھرپور لہجے میں کہا۔

"بالکل ٹھیک، تم سناؤ کیا حال چال ہیں؟ خیر حال تو نظر آرہا ہے، مبارک ہو۔" ردا نے شوخی سے کہا۔

"تم اپنی سناؤ...... شادی وغیرہ......؟"

"ابھی نہیں، بس پڑھائی میں مصروف ہوں...... پروفیشنل تعلیم کا تو جانتی ہو تم پھر لمبا سلسلہ ہی چل نکلتا ہے۔" ردا نے بتایا۔

"ہاں بھئی تم تو شروع سے ہی پڑھنے کی بہت شوقین تھیں اور شادی کی ایسی کون سی عمر چلی گئی ہے۔ میری شادی کو بھی ڈیڑھ سال ہی ہوا ہے۔" سائرہ نے بتایا۔

ردا باتیں کرنے کے ساتھ ساتھ اسکین کی بھی تیاری کرنے لگی۔

"ردا، مجھے تمہیں دیکھ کر ایک اور وجہ سے بھی خوشی ہو رہی ہے۔" سائرہ نے کہا۔

"وہ کیا؟" ردا نے پوچھا۔

"یار مجھے بچے کا gender ضرور بتانا۔" اس نے التجا کی۔

"کیوں...... بیٹا چاہیے؟"

"افوہ، آخر سب یہ ہی کیوں سمجھتے ہیں۔ بھئی مجھے تو بیٹی چاہیے۔"

"تمہارے جیسے لوگ کم ہی ہوتے ہیں۔ ورنہ ہر ایک کو بیٹا ہی چاہیے ہوتا ہے۔"

"نہیں بھئی۔" سائرہ بحث پر اتر آئی۔ "اب یہ تو قدرتی بات ہے کہ جس کی تین یا چار بیٹیاں ہوں اسے ایک بیٹے کی خواہش تو ضرور ہوگی۔ اب شاید لڑکیوں کی پیدائش زیادہ ہوتی ہے تو یوں لگتا ہے کہ ہر کسی کو بیٹا ہی چاہیے۔"

"ہاں یوں بھی ہے...... میرے ایک کزن کے ابھی چھٹا بیٹا ہوا ہے۔ تین بیٹوں کے بعد اُن کی خواہش تھی کہ ایک بیٹی بھی ہو جائے۔" ردا نے اعتراف کیا۔

"ہاں وہی تو...... اب جس کے ہاں صرف بیٹے ہوں گے تو انہیں بیٹی کی خواہش ہوگی۔" سائرہ نے پُرجوش لہجے میں کہا۔

"لیکن پہلے بچے پر سب کی خواہش بیٹے کی ہوتی ہے۔" ردا نے پھر کہا۔

"ہاں لیکن مجھے......"

"اچھا اب تھوڑی دیر چپ کرو۔ مجھے اپنا کام کرنے دو۔" ردا نے ڈانٹا پھر ردا نے اس سے چند سوالات کیے لیکن سائرہ کو بے چینی پڑی رہی کہ ردا .... اس کے حسبِ منشا جواب دے۔

"دیکھو سائرہ واقعی ہمارا اصول نہیں ہے ...... لیکن......" وہ ذرا تذبذب کا شکار تھی۔ "اور ابھی بچے کی پوزیشن بھی ایسی نہیں کہ واضح پتا چل سکے لیکن زیادہ امکان یہی ہے کہ بیٹی ہوگی۔" سائرہ کا چہرہ خوشی سے تمتما اٹھا۔

اسی وقت اس کا موبائل بجنے لگا۔ اس کی امی کا

فون تھا۔ اس نے امی کو اپنی خیریت اور واپسی کا بتایا۔

"امی کے گھر جاؤ گی اب؟" ردا نے پوچھا تو سائرہ ذرا دیر کو چپ ہو گئی پھر بولی۔

"امی میرے ساتھ ہی رہتی ہیں۔ دونوں بھائی باہر سیٹ ہو گئے۔ امی راضی نہیں ہوئیں۔ دراصل میرے ساس سسر کا انتقال ہو چکا ہے۔ میں بھی اکیلی ہوتی ہوں تو امی کو اپنے پاس رکھ لیا۔" گو کہ سائرہ، ردا سے خاصی بے تکلف تھی لیکن وہ اسے یہ نہیں بتا سکی کہ اس کا ایک بھائی اسی شہر میں رہتا ہے لیکن وہاں امی کے لیے جگہ نہیں ہے۔

اسی وقت ردا کی امی کا بھی فون آگیا وہ اسے جلدی گھر آنے کی تاکید کر رہی تھیں۔

"امی اور میں بھی یہیں نزدیک رہتے ہیں۔ میرے بھائی بھی مختلف شہروں میں سیٹلڈ ہیں۔ ایک بھائی یہاں ہے لیکن اس کا گھر اسپتال سے بہت دور پڑتا ہے تو امی میرے ساتھ......" ردا ذرا چپ سی ہو گئی۔

وہ بھی سائرہ کو یہ نہیں بتا سکی کہ اس کے بھائی اور بھابیاں بھی ایک بوڑھی ماں اور بڑھتی ہوئی عمر کی غیر شادی شدہ بہن کی ذمّے داری اٹھانے سے گریزاں ہیں۔ اسی لیے تو وہ ایسے شخص کے انتظار میں ہے کہ وہ شادی کے بعد امی کو اپنے پاس رکھ سکے۔ دونوں چپ سی ہو گئیں۔ گویا بن کہے ایک دوسرے کی بات سمجھ گئی ہوں۔

سائرہ نے اپنی فائل اور پرس اٹھایا اور ردا کو خدا حافظ کہہ کر باہر جانے لگی پھر دروازے پر لمحے بھر کو رک کر وہ ردا کی طرف پلٹ آئی اور اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر دھیمی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

"اب تو تم سمجھ گئی ہو گی ناں کہ مجھے بیٹی کی اتنی خواہش کیوں ہے۔"

☆☆☆

سینے نسوانی حسن کا راز
بلوسم بریسٹ ڈولپنگ اینڈ ٹائیٹنگ کریم (ہربل)
چھوٹی بریسٹ میں اضافہ کرکے بریسٹ کی نشوونما کو مکمل کرتی ہے
بریسٹ کی نرمی کو دور کرکے سختی لاتی ہے۔ بریسٹ کو سڈول اور خوبصورت بناتی ہے۔
Rs.250/=
قیمت =/150
چہرے کے فاضل بالوں کو ہمیشہ کیلئے ختم کرتی ہے۔
یونانی کریم
گلیسی
قیمتی جڑی بوٹیوں کے اجزاء اور عرقیات سے تیار کردہ۔ بدنما داغ دھبوں، مہاسوں کو بھی صاف کرکے رنگ گورا کرتی ہے۔
نوٹ
آپ اگر اپنا علاج کروانا چاہتے ہیں تو انٹرنیٹ پر SKYPE آن لائن آکر اپنا مسئلہ بتا کر دوا منگوالیں۔
اپنی صحت کے بارے میں مفت کتابچہ منگوالیں۔ 0345-7000088
کریم گھر منگوانے کیلئے رقم ایزی لوڈ کروا کر اپنا ایڈریس SMS کریں۔
بادشاہ دی ہٹی یوہڑ بازار راولپنڈی 051-5502903-5533528
فون 2433682 ۔۔۔ فون 042-7666264
Cell: 0333-5203553, Website: wwwdevapk.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

مکمل ناول

پارس

نمرہ احمد

آخری حصہ

"کیا آپ کو نہیں معلوم یہ فیضان صاحب ہیں؟" احسان صاحب اپنی حیرت کا اظہار کیے بنا نہ رہ سکے۔ پارس بدقت مسکرا پائی۔

"اگر مجھے نہیں معلوم تو اس کا واضح مطلب ہے کہ فیضان صاحب مجھے نہیں بتانا چاہتے۔ اس لیے میری آپ سے ایک درخواست ہے اگر وہ نہیں خود کو ظاہر کرنا چاہتے تو آپ ان کو نہیں بتائیں گے ہماری اس گفتگو کے بارے میں۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM

''مگر...... وہ ایسا کیوں کر رہے ہیں؟'' وہ حق دق تھے۔

''وجہ وہ خود بہتر جانتے ہوں گے مگر مجھے امید ہے کہ آپ میرے کہے کا مان رکھیں گے۔'' وہ خود کو مکمل طور پر کمپوزڈ کر چکی تھی، متانت سے کہہ کر پلٹ گئی۔ جاتے وقت اس نے فائز کو دوبارہ ضرور دیکھا تھا۔

اپنے آفس میں آکر اس نے پرس میز پر قریباً پھینکا اور کرسی پر گر کر کنپٹیوں کو انگلیوں سے دبایا۔ اندر باہر طوفان سے چل رہے تھے۔ شاک، بے یقینی، دھوکا، توہین...... اس کے چہرے پر ہر احساس رقم تھا۔

پچھلے کچھ دنوں کے مناظر اس کے سامنے چلنے لگے۔ فائز کا اس کا سوپ گرانا۔ اپنی بہنوں اور ماں کی محبت کے قصے دُہرانا، اس سے رضوان حیات کے رشتے داروں کے بارے میں سوال کرنا، اس سے شجاع کا ذکر چھیڑنا...... کچھ اتفاق نہ تھا۔ سب پلاننگ تھی۔

پارس نے سر سیٹ کی پشت سے ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔ اس کو عجیب تھکن سی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ فائز کو پہچان نہیں سکی۔ وہ دھوکا کھا گئی۔ وہ فیل ہو گئی۔ مگر...... مگر کیا وہ اب بھی فیضان کو ٹھیک پہچان رہی ہے یا ابھی تک اس کی آمد کے اصل مقصد سے ناواقف ہے؟

پارس ہولے ہولے کنپٹیوں کو مسلنے لگی۔ اسے خود کو پُرسکون کرنے کے ساتھ ساتھ آنے والے دنوں کا لائحہ عمل بھی طے کرنا تھا۔ اسے کیا کرنا چاہیے؟ پہلا اسٹیپ وہ کیا اٹھائے؟

دروازہ ذرا سی آہٹ کے ساتھ کھلا اور تنویر صاحب اندر داخل ہوئے۔ پارس نے گردن اٹھا کر انہیں دیکھا۔ مسکرائی نہیں بس خالی، خالی نگاہوں سے دیکھتی رہی۔

''بیٹھیے۔'' کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ وہ شکریہ کہتے ہوئے بیٹھے۔

''سویرا قانونی کارروائی کا کہہ رہی تھی، غالباً وہ لاش کا پوسٹ مارٹم کروانا چاہتی ہے۔''

پارس جوابی تبصرہ کیے بغیر اُن کو دیکھتی رہی۔

''مگر فی الحال ایسا ہوتا نظر نہیں آ رہا۔ فیضان شاید ایسا نہیں چاہتا۔''

''فیضان واپس کب آ رہا ہے؟'' بنا پلک جھپکے انہیں دیکھتے ہوئے اس نے پوچھا۔

تنویر صاحب نے ہلکے سے شانے اچکائے۔

''میں کچھ کہہ نہیں سکتا، شاید وہ ابھی کچھ عرصے تک واپسی کے بارے میں نہیں سوچ رہا۔ خیر، اس سے فرق نہیں پڑتا۔ مجھے ایک اور بات بھی کرنی تھی۔'' ذرا سے توقف کے بعد وہ بولے۔ ''آپ کے بھائی، شکیل صاحب مجھے وہ کچھ ٹھیک آدمی نہیں لگتے۔''

''مجھے تو اب یہاں بہت سے لوگ ٹھیک نہیں لگتے تنویر صاحب!'' وہ ان پر نگاہیں جمائے چبھتے ہوئے لہجے میں بولی۔

''مگر ہم شکیل کی بات کر رہے ہیں، آپ ان سے تھوڑی سی احتیاط کریں وہ......''

''تنویر صاحب! آپ کو یاد ہوگا کچھ ماہ قبل آپ کو میں نے جو رقم ٹرانسفر کی تھی، اس کا ایک ہی مقصد تھا۔ رضوان کی موت اور آس پاس کے واقعات کو اچھے سے کور اپ کرنا اور ہمارے من پسند نتائج سامنے لانا۔ ہماری اس ڈیلنگ میں ذاتیات پر بات کرنا شامل نہیں تھا، اس لیے آپ مجھے شکیل یا کسی دوسرے کی اصلیت مت بتائیں کیونکہ ایک بات میں نے آپ پر پہلے دن سے واضح کی تھی کہ نہ آپ میرے ساتھ وفادار ہیں، نہ مجھے آپ پر اعتبار ہے۔''

''کچھ ہوا ہے، میم؟'' تنویر صاحب اب غور

سے پارس کو دیکھ رہے تھے۔

''جی اور وہ یہ ہے کہ آپ میرے آفس آکر مجھ سے میرے بھائی کا ذکر کر رہے ہیں اور یہ بات مجھے پسند نہیں آئی۔'' اس کا لہجہ خطرناک حد تک سنجیدہ تھا۔

''میں معذرت خواہ ہوں، آپ جانتی ہیں میں صرف آپ کی خیرخواہی عزیز رکھتا ہوں۔'' وہ متاسف نظر آنے لگے۔

''آپ جا سکتے ہیں، مجھے کچھ کام کرنے ہیں۔'' وہ رخ ذرا پھیر کر کمپیوٹر کی طرف متوجہ ہو گئی۔ تنویر صاحب خاموشی سے اٹھ کھڑے ہوئے، البتہ وہ کچھ کھٹکے ہوئے لگ رہے تھے۔

☆☆☆

فائز چند فائلز اٹھائے کاریڈور میں چلتا جا رہا تھا جب کسی نے اسے پکارا۔ ''فیضان صاحب!''

وہ اپنے قدموں پر منجمد ہوا مگر اگلے ہی لمحے جیسے آگ کی حدت سے پگھل کر پلٹا۔

سامنے احسان صاحب کھڑے تھے۔ خوشگوار حیرت سے اسے دیکھتے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھائے۔

''اوہ...... احسان صاحب...... السلام علیکم!'' اس نے بدقت مسکراتے ہوئے ہاتھ ملایا۔

''آپ اِدھر ہوتے ہیں؟ حیرت ہے، مسز پارس سے میں نے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ آپ امریکا سے نہیں آئے۔'' وہ بہت حیرت سے کہہ رہے تھے۔

فیضان کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑ گیا۔ پیشانی کی رگیں تن گئیں۔ اس نے گہری سانس لے کر سر جھٹکا۔

''میں کسی وجہ سے اِدھر ہوں مگر مسز پارس کو اس بات کا علم نہیں ہونا چاہیے کہ میں رضوان حیات کا بھائی ہوں اور مجھے امید ہے کہ آپ ایسا نہیں ہونے دیں گے۔'' وہ جلدی، جلدی کہنے لگا۔

''مگر...... سر...... وہ کیا آپ کو پہچانتی نہیں ہیں؟''

''احسان صاحب! کیا آپ میرے راز کو راز رکھ سکتے ہیں؟'' اس نے جواب دیے بنا دوٹوک لہجے میں پوچھا۔ احسان صاحب نے پریشانی بھرے چہرے کے ساتھ سر اثبات میں ہلا دیا۔

''آپ بالکل بے فکر ہو جائیں، میں پہلے آپ سے کبھی ملا ہی نہیں۔''

''گڈ!'' وہ اپنی پریشانی چھپاتا، سنجیدگی سے یہ کہتا پلٹ گیا۔

کاریڈور خالی ہو گیا تو احسان صاحب نے موبائل سے ایک نمبر ملا کر اسے کان سے لگایا۔

''جی مسز پارس! ان کو یقین ہے کہ میں ان کے بارے میں آپ کو خبر نہیں دوں گا۔ اب بتائیں، میرے لیے کیا حکم ہے؟''

''مجھے فیضان حیات کے بارے میں ہر وہ معلومات چاہیے جو آپ اکٹھی کر سکیں اور یہ کام آج ہی ہونا چاہیے۔''

''شیور میم۔'' انہوں نے پختہ لہجے میں کہہ کر کال کاٹ دی۔

☆☆☆

پارس تھکے تھکے انداز میں سیڑھیاں چڑھ رہی تھی۔ لاؤنج میں بیٹھے شکیل اور فیروزہ نے یہ محسوس ضرور کیا تھا مگر بولے کچھ نہیں، بس خاموشی سے میوے کھاتے رہے۔ وہ اتنی ہی خاموشی سے اوپر چلی گئی۔ کمرے کا دروازہ کھولا تو اندر سب ویران سا نظر آیا۔ دھوکا دہی کا احساس انسان کو اندر باہر سے ویران کر دیتا ہے۔ خود پر سے اعتبار اٹھنے لگتا ہے۔

''میں؟ کیا میں اتنی بے وقوف تھی؟ کیا میں اتنی بے وقوف ہو سکتی تھی؟'' وہ وہیں چوکھٹ میں کھڑی رہی۔ کہنی پر ٹنگا بیگ جانے کب پھسل کر فرش پر آن گرا۔ کاریڈور میں روشنی تھی، اندر

WWW.PAKSOCIETY.COM

اندھیرا تھا۔ وہ روشنی میں کھڑی اندھیرے کا منظر دیکھنے لگی۔ وہ اندھیرے میں کھڑی روشنی کی امید تلاش کرنے لگی۔ امید کا وہ دیا جو سامنے نظر آتے کمرے کو روشنی میں نہلا دے، ایسی بے کراں روشنی جس میں اس کمرے کی ہر شے پر ثبت ہر یاد کا عکس زندہ مجسم ہو کر سامنے آجائے۔

ایسی روشنی جو کہانی سنانے لگے...... ماضی کے ایک دن کی کہانی......

رضوان حیات نے دروازہ دھکیلا تو وہ کھلتا چلا گیا، اندر بیڈ روم چکا چوند روشنی میں نہایا ہوا تھا۔

"یہ ہے تمہارے پسندیدہ گھر کا سب سے خوب صورت کمرا...... ہمارا کمرا......" انہوں نے اندر قدم رکھتے ہوئے جیسے تعارف کروایا۔ اس کا کمرے سے یا کمرے کا اس سے، وہ فیصلہ نہ کر سکی، بس دائیں سے بائیں دیکھتے ہوئے چوکھٹ پار کی۔

وہ سلک کی گہری نیلی ساڑی میں ملبوس تھی۔ گھر سینٹرلی ہیٹڈ تھا۔ اس لیے شال اور کوٹ نیچے اسٹینڈ پر چھوڑ آئی تھی۔ سیدھے بال کمر پر، ذرا سا میک اپ، گردن میں ہیروں کا ایک نازک ہار جو آج کے موقع کے لیے رضوان نے دو روز قبل دلوایا تھا۔ اس کا چہرہ پُرسکون تھا مگر اداس بھی، آنکھوں میں احساسِ تشکر اور طمانیت تھی مگر ایک چبھن بھی، ہلکی سی تکلیف جو بائیں پہلو میں اکثر ان لوگوں کو اٹھتی ہے جو کبھی کسی کو ادھر بسا لیتے ہیں...... اور جو پھر ہمیشہ ان سے بچھڑ جاتے ہیں۔

رضوان ایک آرام دہ آرم چیئر پر بیٹھ گئے تھے اور اب ٹانگ پر ٹانگ رکھے بہت غور سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"کیا تم خوش ہو؟"

پارس ذرا سا مسکرائی۔ اس کی آنکھوں میں ملال جھلکا۔ شجاع سے بچھڑنے کا غم نہیں بلکہ اسے کبھی دل میں اتنی سی جگہ بھی دینے کا پچھتاوا جس کے وہ قابل نہ تھا۔

"میں جانتی ہوں میں آپ کے ساتھ خوش رہوں گی۔ پندرہ دن پہلے میں آپ کے نام کے علاوہ کسی چیز سے واقف نہ تھی مگر پندرہ دن بعد کی اس تبدیلی پر مجھے نہ پچھتاوا ہے، نہ افسوس...... اور نہ ہی یہ احساس کہ ہم نے عجلت سے کام لیا۔ میں خوش ہوں، مطمئن ہوں۔" بہت اعتماد سے کہتی وہ بیڈ کے کنارے پر آبیٹھی۔ وہ اس کی بات پر مسکرائے۔ ان کا چہرہ اتنا مہربان اور نرم تھا کہ وہ دس سال اسی پائنتی پر بیٹھی، ان کو یونہی دیکھ سکتی تھی۔ وہ نقوش کے وجیہ نہیں تھے مگر دل کے ضرور تھے۔

"مگر مجھے احساس ہے کہ ہم نے عجلت سے کام لیا۔ یقیناً سویرا اور فیضان اس رشتے کے لیے تیار نہیں ہوں گے۔ اس کے باوجود میں خوش ہوں۔"

دوسرے فقرے کے دوسرے نام تک ہی وہ پہنچے تھے کہ پارس کے حلق میں کوئی کڑوی گولی آپھنسی۔ اس کے تاثرات میں سوگواریت در آئی۔

"آپ ان کو بتا دیں۔"

"ابھی نہیں پارس! ابھی میں کچھ دن سکون سے گزارنا چاہتا ہوں۔ اس کے بعد بتا دوں گا۔ سب کو بتا دوں گا۔ مجھے اپنی زندگی کا بھروسا نہیں رہا۔" ان کی مسکراہٹ میں اداسی در آئی۔ "مجھے لگتا ہے میری موت قریب ہے۔ ایسے میں، میں کچھ دن اپنے لیے جینا چاہتا ہوں۔"

"میں سمجھتی تھی امی اور شکیل جیسے صرف ایک ہیں دنیا میں اور وہ، وہ خود ہی ہیں۔ مگر جب سے میں آپ کے توسط سے مسز سویرا اور فیضان کو جاننے لگی ہوں، میں...... میں بہت دکھ محسوس کرتی ہوں۔" وہ خود کو کہنے سے روک نہیں پائی۔ "مگر اس سب کے باوجود مجھے لگتا ہے کہ آپ ان کی کمی محسوس کر رہے ہیں۔ آپ کہہ نہیں رہے مگر آپ کی خواہش تھی کہ فیضان اس وقت آپ کے ساتھ ہوتا۔"

"آخر وہ میرا بھائی ہے، میرے پاس کوئی دوسرا آپشن نہیں ہے۔" وہ آزردگی سے مسکرائے۔ پارس نے اچنبھے سے انہیں دیکھا۔

"میں شکیل اور امی سے کبھی محبت نہیں کر سکی۔ میں بزدلی کی وجہ سے ایکسپلائٹ ہوتی رہی۔ آپ فیضان اور سویرا سے محبت کرتے رہے اور محبت کے ہاتھوں ایکسپلائٹ ہوئے۔ کیا اس آگہی کے بعد بھی آپ کی محبت میں فرق نہیں آیا؟" وہ نہیں جانتی تھی کہ اپنی شادی کی رات وہ ان دو ناپسندیدہ ہستیوں کا ذکر کیوں کر رہی ہے؟

"فیضان اور سویرا میں فرق ہے پارس! فیضان مجھے قتل کر دے میں تب بھی اس کے بارے میں برا نہیں سوچ سکتا۔"

کمرے کی روشنی مدھم ہوئی یہاں تک کہ اندر اندھیرا چھا گیا۔ وہ روشن کاریڈور میں کھڑی رہ گئی۔ اندھیرے سے روشنی تک کا سفر لمحوں میں طے ہو گیا اور صدیوں کی تھکن چھوڑ گیا۔

اس نے جھک کر پرس زمین سے اٹھایا اور اندر آئی۔ بیڈ کی پائنتی پر ٹھیک اسی جگہ بیٹھی جہاں آٹھ، نو ماہ قبل اس رات بیٹھی تھی۔

سامنے والی آرم چیئر خالی تھی۔ اسے ابھی خالی ہی رہنا تھا۔

موبائل کی بیپ بجی تو اس نے اسے پرس سے نکالا۔ احسان صاحب کی ای میل آئی تھی۔ پارس ماضی اور مستقبل کے منجدھار سے خود کو نکال کر پوری یکسوئی سے ای میل کی طرف متوجہ ہوئی۔

فیضان حیات...... شناختی کارڈ کی تصویر...... ڈگریوں کی اسناد...... سی وی کی کاپی...... تعلیمی ریکارڈ...... تمام جابز کا ریکارڈ...... یہاں تک کہ ایک بینک اسٹیٹ منٹ بھی...... رائل ہوٹل کی لاہور برانچ کی ایک تقریب کی تصاویر میں بھی وہ کھڑا تھا۔ گرے سوٹ میں سنجیدہ اور نمایاں...... وہی جو آج کل اس کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑا ہوتا تھا۔ اس کے سامنے اس تصویر میں بیسیوں لوگ ہاتھ باندھے کھڑے تھے۔

فائز اور فیضان ایک ہی تھے اسے کیوں علم نہ ہو سکا؟

"مجھے وہ اتنا سخت ناپسند تھا کہ میں نے کبھی اس کے بارے میں کچھ جاننے کی کوشش ہی نہیں کی۔" وہ خود سے بڑبڑائی۔ ایک تلخ مسکراہٹ چہرے پر ابھر کر معدوم ہوئی۔ دروازے پر مانوس سی دستک سنائی دی۔ پارس نے پلٹ کر دیکھا۔

چوکھٹ میں افضل بابا کھڑے تھے۔

"بی بی! کھانا لاؤں؟" مؤدب، ہاتھ باندھے، سر جھکائے۔ اس نے ایک نظر انہیں دیکھا اور دوسری نظر موبائل پر فیضان کی تصاویر پر ڈالی۔ تیسری نظر جب افضل بابا کی طرف اٹھائی تو وہ غور سے، باریک بینی سے انہیں دیکھتی، پرکھتی ہوئی نظر تھی۔

"گھنٹے تک لگایئے گا کھانا، بابا۔" الفاظ ادا کرتے ہوئے اس نے لمحے بھر کے لیے بھی آنکھیں ان سے نہ ہٹائیں۔ وہ جانتے تھے، وہ سب جانتے تھے، بس اس کو بے خبر رکھا۔

"بہت بہتر۔" وہ تعظیماً سر جھکائے باہر چلے گئے۔ پارس خاموش نظروں سے خالی چوکھٹ دیکھتی آنے والے دنوں کے بارے میں سوچنے لگی۔

☆☆☆

رضوان، فیضان اور سویرا کے مری والے بڑے گھر کا ڈرائنگ روم خاصا شاندار تھا۔ شاہانہ انداز کی سجاوٹ اور زرد روشنی۔ شکیل ٹانگ پر ٹانگ رکھے بیٹھا، چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے ہر شے کو نگاہوں سے سراہ رہا تھا۔ سامنے بیٹھی سویرا جیسے بہت دیر سے ضبط کر رہی تھیں، بالآخر چبا چبا کر بولیں۔

"تم یہاں اس طرح سرِعام آنے کا مقصد

WWW.PAKSOCIETY.COM

چائے کے کتنے کپ پینے کے بعد بتاؤ گے؟"

"آپ کو میرے آنے پر اعتراض ہے یا یوں چائے پینے پر؟" شکیل نے ہنس کر سر جھٹکا اور ایک طویل گھونٹ بھرا۔

"مجھے ہر چیز پر اعتراض ہے۔" وہ پھٹ پڑنے کو بے تاب تھیں۔ "جب میں نے کہا تھا کہ تم سے رابطہ میں خود کروں گی تو تم یوں کیوں منہ اٹھا کر آ گئے؟"

"بس...... بھئی ہم تو پارٹنرز ہیں، اب اتنا بھی کیا کہ مل نہ سکیں؟"

"پارٹنرشپ کی آفر میں کسی بھی وقت ختم کر سکتی ہوں شکیل، یاد رکھو میں یہ کام کسی سے بھی کروا سکتی ہوں۔" وہ خطرناک لہجے میں بولیں تو شکیل پھر سے ہنسا۔

"پارس تو آپ کی دشمنی سے واقف ہے مگر سوچ لیں، اگر اسے کسی اور نے قتل کیا تو کیا میں پولیس کے پاس جا کر نہیں کہوں گا کہ اس کام کی آفر سویرا صاحبہ نے پہلے مجھے کی تھی؟ یاد رکھیں، میرے پاس میری ماں کی گواہی بھی ہوگی۔"

سویرا لب بھینچ کر رہ گئیں۔ شکیل اس دفعہ پوری تیاری کے ساتھ آیا تھا۔

"کیا چاہتے ہو؟" وہ غصہ دبا کر بولیں۔

"یہ...... اس طرح پیار سے بات کیا کریں ناں۔" وہ جیسے "یہ چیز" کہنے والے انداز میں خوشی سے مسکرایا۔ "پرسوں رات ہوٹل کی پارٹی ہے۔ اس میں مجھے یہ کام کرنا ہے مگر ظاہر ہے اس کے لیے مجھے لاجسٹکس کی ضرورت......"

"لمبی بات کٹ کرو، اور بتاؤ کتنے پیسے چاہئیں تمہیں؟" انہوں نے تُرشی سے کہتے ہوئے پرس اٹھایا۔ شکیل کی آنکھوں میں چمک در آئی۔

"اتنا تو ہو کہ میں اپنی تیاری مکمل کر سکوں۔"

سویرا خاموشی سے چیک بک پر کچھ لکھتی رہیں۔ پھر ایک چیک پھاڑ کر اس کی طرف بڑھایا۔

"یہ لو، اور اسی پر اکتفا کرو۔" شکیل نے چیک پکڑا، پڑھا اور مسکرایا۔ پھر تہ کر کے جیب میں رکھا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

"اب مزید زحمت نہیں دوں گا آپ کو۔ جلد ہی آپ کو اچھی خبر سناؤں گا۔"

"یہی تمہارے حق میں بہتر ہوگا۔" وہ تند و تیز نگاہوں سے اسے گھورتیں بہ مشکل ضبط کر رہی تھیں۔

وہ جیسے ہی باہر نکلا، فیضان کی گاڑی گیٹ کے قریب آئی۔ شکیل کی اس طرف پشت تھی۔ فیضان پھر بھی جھک کر کچھ تلاش کرنے لگا۔ شکیل نگاہوں سے اوجھل ہوا تو فیضی کار اندر لایا۔ برآمدے کے دروازے کو عبور کر کے وہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوا تو سویرا ابھی وہیں بیٹھی تھیں۔ اسے دیکھ کر بری طرح چونک گئیں۔

"تم...... کب آئے؟" رنگت ذرا سی فق ہوئی، بے اختیار فیضی کی پشت پر دیکھا جیسے تسلی کرنا چاہ رہی ہوں کہ شکیل چلا گیا ہے یا نہیں۔

"یہ پارس کا بھائی اِدھر کیا کر رہا تھا؟" وہ گہری چبھتی ہوئی نگاہوں سے انہیں دیکھتا اسی جگہ آ کر بیٹھا جہاں ابھی شکیل بیٹھا تھا۔ فیضان کو وہ جگہ گرم لگی۔ سویرا نے یقیناً بہت دیر شکیل کو وہاں بٹھایا تھا۔ سامنے پڑے چائے کے برتن بھی ابھی اٹھائے نہیں گئے تھے۔

"وہ...... مجھ سے بات کرنے آیا تھا۔ یہ کہنے کہ اس جائداد پر اس کا اور اس کی بہن کا حق ہے لہٰذا میں اس معاملے میں بھی ٹانگ اڑانے کی کوشش نہ کروں تو بہتر ہے۔"

فیضان آنکھیں سکیڑے آپا کو دیکھتا رہا۔ اسے جیسے یقین نہیں آیا تھا۔

"آپ نے کیا کہا؟"

"میں نے ٹھیک، ٹھیک اسے اس کی اوقات یاد

کرائی۔ خوب بے عزت کر کے نکالا۔"

"وہ تو لگ ہی رہا ہے۔" اس نے ایک نظر چائے کے لوازمات پر ڈالی۔

سویرا نے نظر انداز کیا۔ جیسے یہ اہم بات نہ ہو۔

"تم سناؤ، خیر سے آئے ہو؟"

"ہوں...... آج احسان صاحب مل گئے، احسان ملک۔ لاہور والی برانچ میں کام کرتے ہیں۔" وہ صوفے پر پیچھے ہو کر بیٹھتے ہوئے بتانے لگا۔

"اوہ...... کیا انہوں نے تمہیں پہچان لیا؟"

"ظاہر ہے اور مجھے یقین دہانی بھی کروائی ہے کہ پارس کو نہیں خبر ہونے دیں گے۔ مگر بہرحال، جلد یا بدیر یہ راز کھل ہی جائے گا۔"

"اسی لیے کہتی ہوں اہم ڈاکومنٹس اپنے قبضے میں کرو، جائداد کی منتقلی کے کاغذات صفحۂ ہستی سے ہی مٹا دو اور......" وہ رک گئیں۔

"اور پارس کو قتل کر دوں۔ یہی چاہتی ہیں ناں آپ؟" وہ تلخی سے مسکرایا۔

"یہاں آنے سے قبل تم بھی یہی چاہتے تھے۔"

"تب میں پارس کو قاتل سمجھتا تھا۔"

"اب کیا سمجھتے ہو؟" وہ چمک کر بولیں۔ فیضی چند لمحے کے لیے بالکل خاموش رہ گیا۔

"کم از کم قاتل نہیں۔" وہ بولا تو اس کی آواز میں زمانوں کی تھکن تھی۔

"تو پھر قاتل کون ہے؟ یا تم اس بات پر ایمان لے آئے کہ "وہ...... سیڑھیوں...... سے...... گر گئے...... تھے؟" انہوں نے توڑ توڑ کر فقرہ ادا کیا گویا پارس کی نقل کی۔

"وہ قتل ہوئے ہیں، مجھے یقین ہے مگر پارس...... نہیں...... یہ کوئی اور ہے۔"

"یا تو تم قاتل کو جانتے ہو اور اسے چھپا رہے ہو یا تم پارس کو پروٹیکٹ کر رہے ہو......" وہ بھی اس کی طرف سے مشکوک تھیں۔

"آپ کیا چاہتی ہیں، میں پارس کو قتل کر دوں؟" وہ زچ ہو گیا۔

"نہیں، اب اس کی ضرورت نہیں ہے۔" ان کے منہ سے بے اختیار پھسلا۔ فوراً زبان دانتوں تلے دبائی۔ فیضان چونکا۔

"کیوں؟ کیا اس کام کے لیے کوئی اور مل گیا ہے؟"

"اونہوں، جب تم ہی کونفرنس نہیں ہو کہ وہ قاتل ہے تو ہم اس کو سزا کیسے دے سکتے ہیں؟ تمہارے اپروول کے بغیر تو کچھ نہیں ہوگا فیضی۔"

"اور ہونا بھی نہیں چاہیے۔" وہ سختی سے بولا۔ سویرا آپا نے سر کو خم دیا جیسے فرمانبرداری و تعاون کی یقین دہانی کی۔

فیضان اپنی سوچوں میں گم تھا۔

☆☆☆

آفس میں حُزن بھری خاموشی پھیلی تھی۔ پارس سیٹ کی پشت پر سر ٹکائے، انگلیوں میں قلم گھماتی، چھت کو دیکھ رہی تھی۔ سامنے فائلز، کاغذات بکھرے پڑے توجہ کے منتظر تھے۔ مگر اس کے پاس سوچنے کو بہت کچھ تھا۔

اسی طرح سر رکھے، اس نے انٹرکام کا بٹن دبایا اور بولی۔

"فائز صاحب کو بھیجیں۔" اور بٹن بند کر دیا۔

باہر بیٹھی سیکریٹری مستعدی سے ریسیور اٹھا کر فائز کو کال کرنے لگی۔ چند منٹ بعد وہ دروازہ کھول کر اندر آتا دکھائی دیا۔

پارس سیدھی نہیں ہوئی، سر اسی طرح پیچھے لگائے رکھا۔ بس نگاہوں سے فائز کے چہرے کا احاطہ کیا۔

"جی میم؟" وہ مؤدب سا کھڑا پوچھ رہا تھا۔ انداز میں متانت تھی، ادب تھا مگر پارس اس کی

WWW.PAKSOCIETY.COM

آنکھیں دیکھ رہی تھی۔ وہ گہری تھیں۔ معائنہ ومشاہدہ کرتی، پرکھتی، جانچتی آنکھیں......

”آپ سے ایک بات کرنی تھی۔“ اس نے اسے بیٹھنے کو نہیں کہا۔ وہ منتظر سا کھڑا رہا۔

”جی کہیے۔“

”آپ کے پرانے باس...... فیضان صاحب...... رضوان کے بھائی، اُن کے بارے میں کچھ بات کرنا تھی۔“

”جی بتائیں۔“ فائز کے چہرے کے تاثرات تبدیل نہیں ہوئے، وہ سنجیدگی سے اور دھیان سے سننے لگا مگر اس کی آنکھوں کے microexpressions ضرور بدلے تھے، وہ ذرا چونکا ہوا تھا۔ آگہی کا عدسہ لگائے بغیر پارس کو شاید کبھی یہ expressions نظر نہ آتے۔

”آپ نے کہا تھا کہ آپ ان سے رابطہ کر سکتے ہیں۔ کیا آپ کر سکتے ہیں؟“

”جی، میرے پاس ان کا نمبر اور ای میل ایڈریس ہے مگر میں نہیں جانتا کہ میرے پیغام کو وہ سنجیدگی سے لیں گے یا نہیں۔“

”ضرور لیں گے اگر وہ پیغام پارس رضوان حیات کی طرف سے ہو۔“ وہ تلخی سے مسکرائی۔ نگاہیں ایک پل کے لیے بھی فائز کے چہرے سے نہیں ہٹائی تھیں۔

”میں اپنی پوری کوشش کروں گا، البتہ آپ پراپر چینل کے تھرو، مطلب ان کی سیکریٹری کے ذریعے بھی پیغام پہنچا سکتی ہیں تو پھر میں کیوں؟“ وہ ذرا سا الجھ کر بولا۔ یہ فائز حسن کی الجھن تھی، ایک ادنیٰ ملازم کی مالک کے اس اہمیت دینے پر ظاہر کی جانے والی الجھن...... البتہ فیضان حیات کی آنکھوں میں کوئی الجھن نہ تھی، بس وہ غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔

”کیونکہ مجھے آپ پر بھروسا ہے۔“

”تھینکس میم! کیا کہنا ہے اُن سے؟“

”کل رات ہمارے ہوٹل کی اینور سری ہے، ان سے کہیے کہ وہ انوائٹڈ ہیں، مسز سویرا کے ساتھ ان کی شرکت بھی میرے لیے ضروری ہے اور میں امید کرتی ہوں کہ کل کی پارٹی میں وہ ضرور آئیں گے۔“

”شیور میم! میں کہہ دوں گا۔ کیا آپ ان کو انوی ٹیشن کارڈ بھی بھجوائیں گی؟“

”یہ میرا مسئلہ ہے فائز صاحب، آپ اس کی فکر نہ کریں۔ جو میں نے کہا ہے بس وہ کریں۔“ پارس ذرا سا مسکرائی۔

فائز خاموش ہو گیا پھر سر کو خم دیا اور واپس پلٹ گیا۔

پارس نے نگاہیں واپس چھت پر مرکوز کر دیں۔ سفید فالس سیلنگ کی اسپاٹ لائٹس جگمگا رہی تھیں۔ اس کی نظریں روشنی کے ایک گولے سے دوسرے پر پھسلتی گئیں، آنکھیں چندھیانے لگیں... جیسے بہت سے چاند سفید چادر میں پھیلا دیے گئے ہوں۔ چاندنی ہی چاندنی ہر سو بکھرنے لگی...... جب وہ چھٹی تو سیاہ آسمان پر بس ایک ہی چاند نظر آ رہا تھا۔ گول ٹکیا کی طرح کا چاند......

وہ ٹیرس کی ریلنگ پر ہاتھ رکھے کھڑی، گردن اٹھا کر چاند کو دیکھ رہی تھی۔ شال کندھوں کے گرد سختی سے لپیٹے، نیچے اوور کوٹ، بند بوٹ، البتہ بال کھلے تھے۔ رضوان کو اس کے کھلے بال اچھے لگتے تھے اور اسے رضوان ہی بہت اچھے لگتے تھے۔

آہٹ پر بے اختیار پارس نے گردن موڑی۔ رضوان خاموشی سے آ کر کرسی پر بیٹھ گئے تھے۔ یہ ان کے بیڈ روم کے سامنے کا ٹیرس تھا جہاں دور دور تک پھیلے مری کے پہاڑ نظر آتے تھے۔

”کیا ہوا؟“ اس نے تشویش سے اُن کا چہرہ دیکھا۔ وہ فکر مند نظر آ رہے تھے۔

”کچھ نہیں۔“ انہوں نے زبردستی مسکرا کر نفی میں سر ہلایا۔ پارس ان کے ساتھ کرسی پر آ بیٹھی۔

”چھپانا چاہیں تو میں آپ کی پرائیویسی کا احترام کروں گی لیکن اگر بتانا چاہیں تو میں آپ کے اعتبار پر اچھا محسوس کروں گی۔“

رضوان نے گہری سانس لے کر کہنا شروع کیا۔

”میں نے فیضی اور سویرا کو اپنی شادی کا بتا دیا ہے۔“

ٹیرس پر خاموشی چھا گئی۔ صرف چاند کی چاندنی بولتی رہی۔

”تو انہوں نے کیا کہا؟“

”سویرا بہت غصہ ہوئی، ناراض ہوئی، رونے بھی لگ گئی۔ اور فون ٹھک سے بند کر دیا۔“

”مگر آپ کو اس بات نے پریشان نہیں کیا، آپ وہ بتائیں جس پر آپ اپ سیٹ ہیں۔“ وہ غور سے ان کو دیکھ رہی تھی۔ اتنے دنوں میں اتنا تو سمجھنے لگ گئی تھی وہ انہیں۔

”تم ٹھیک کہہ رہی ہو، میں سویرا کی عادت کا عادی ہوں۔“

”مگر...... فیضی...... اس کی وجہ سے اپ سیٹ ہیں ناں آپ؟“ وہ ان کے ایک، ایک تاثر کو نوٹ کر رہی تھی۔

”ہاں۔“ انہوں نے تسلیم کر لیا۔ وہ اس کو دیکھ بھی نہیں رہے تھے، بس ٹیرس کی ریلنگ سے اوپر دیکھ رہے تھے۔

”کیا کہا اس نے؟ اونچا بولا، غصہ کیا، ناراضی کی دھمکی، مجھے چھوڑنے کا حکم...... کیا کہا اس نے؟“ وہ تنی سے بولی۔

”کچھ بھی نہیں...... بس ہلکا سا گلہ کیا جو بجا بھی تھا اور کچھ نہیں کہا اس نے... جیسے وہ بہت ہرٹ ہوا ہے۔“

”آپ کیوں دل پہ لے رہے ہیں؟ اگر وہ اس سب میں شامل نہ ہوتا تو آپ کی شادی کب کی ندا سے ہو گئی ہوتی۔ اگر آپ کا گھر نہیں بسا تو اس کی وجہ وہ لوگ ہیں۔ اب اگر بس گیا ہے تو بھی وہ ناراض ہیں۔“ وہ دبے دبے غصے سے کہنے لگی۔

”وہ ناراض نہیں ہے، وہ ہرٹ ہوا ہے۔ مجھے اسے بتا دینا چاہیے تھا۔“ وہ پشیمان نظر آ رہے تھے۔

”تاکہ وہ فوراً یہاں آ جاتا اور ہر ممکن طور پر آپ کو مجھ سے دور کرنے کی کوشش کرتا۔ نتیجتاً آپ پھر اکیلے ہوتے۔ کیا یہ ٹھیک ہوتا؟“

”پارس، وہ میرا بھائی ہے، میرے بیٹوں جیسا ہے۔ میں اسے جانتا ہوں وہ مجھ سے محبت کرتا ہے تبھی ہرٹ ہوا ہے۔“

”وہ آپ کا بھائی ہے، بیٹوں جیسا ہے اور میں اسے نہیں جانتی۔ مگر مجھے نہیں لگتا کہ اسے بھی آپ سے اتنی محبت ہو گی جتنی آپ کو اس سے ہے۔ اسے آپ کی ضرورت ہے اور وہ زیادہ عرصے آپ سے ناراض نہیں رہ سکے گا۔“

وہ تھکاوٹ سے مسکرائے اور پہلی بار اسے دیکھا۔

”تم اسے نہیں جانتیں۔ وہ سویرا جیسا نہیں ہے۔ اس میں اور سویرا میں بہت فرق ہے۔“

”وہ دونوں ایک ہی جیسے ہیں۔ شکیل اور امی جیسے۔ ہمارے رشتے آپس میں جڑواں ہیں رضوان۔“

”پارس اگر میں تمہیں کہوں کہ تمہارا کزن شجاع بھی تمہاری ماں اور بھائی جیسا ہی ہے، اسے بھی تمہاری ضرورت تھی اور وہ اس لیے دور چلا گیا کہ اسے تم سے بہتر ضرورت پوری کرنے والا مل گیا ہو گا تو تمہیں کیسا لگے گا؟“

پارس بالکل چپ ہو گئی۔ اسے واضح برا لگا تھا۔

”آپ کو لگتا ہے میرے دل میں اس کے لیے جگہ ہے؟“

”ہرگز نہیں، مگر تمہارا perception اس کے بارے میں اچھا ہے، تم اسے کبھی مفاد پرست نہیں سمجھ سکتیں لیکن اگر تم مجھ سے پوچھو تو وہ فیضی سے

WWW.PAKSOCIETY.COM

زیادہ مفاد پرست ہے۔ اب تمہیں برا لگ رہا ہے۔ مجھے بھی ایسے ہی برا لگتا ہے۔ جب تم فیضی کو برا کہتی ہو۔" وہ غصہ نہیں ہو رہے تھے، بس دھیمے، تھکے ہوئے لہجے میں سمجھا رہے تھے۔

"آپ شجاع کا فیضان سے مقابلہ کیوں کر رہے ہیں؟ میرا شجاع سے کوئی رشتہ نہیں ہے مگر فیضان آپ کا بھائی ہے، ٹھیک ہے میں اسے برا نہیں کہوں۔ مگر میں یاد رکھوں گی کہ ہماری پہلی تلخ کلامی کی وجہ فیضان ہی تھا۔" وہ خفگی سے بولتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ "اور آپ اسے یہ بھی بتا دیں کہ آپ نے ہوٹل میرے نام کر دیا ہے اور جب وہ بھڑکے تو فوراً سے ہوٹل ..... واپس لے لیں کیونکہ مجھے آپ بھائیوں کے درمیان کی دیوار نہیں بننا۔ مجھے ہوٹل نہیں چاہیے۔" وہ تیزی سے اندر کی طرف مڑ گئی۔

"پارس!" رضوان نے پژمردگی سے اسے پکارا۔ شاید چاند نے بھی پکارا مگر اس نے نہیں سنا۔ چاند کی گول ٹکی تنہا رہ گئی اور پھر اس کی چاندنی پھیلتی گئی۔ یہاں تک کہ سیاہ آسمان سفید ہو گیا اور بہت سے چاند اس پر بکھرتے گئے، اسپاٹ لائٹس ہنوز جگمگا رہی تھیں۔

پارس نے آنکھیں بند کر لیں۔ اس کے چہرے پر بے پناہ حزن بکھرا تھا۔ دفعتاً اس کے موبائل کی بیپ بجی...... وہ کسلمندی سے سیدھی ہوئی اور فون دیکھا۔ آنے والا پیغام...... پڑھ کر وہ چونکی۔

"میں آپ کے اوپن ائر کیفے میں آپ کا انتظار کر رہا ہوں اور یہ پیغام بھیج کر فون بند کر رہا ہوں۔ فوراً مجھ سے ملیں، مجھے کچھ بات کرنی ہے شجاع۔"

اس کی بھویں پُرسوچ انداز میں بھنچ گئیں۔ چند لمحے جیسے اس نے غور کیا پھر سامنے اسٹینڈ میں رکھے دعوت ناموں میں سے ایک اٹھایا۔ اس پر شجاع کا نام تحریر کیا اور پرس سنبھال کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ ایک بات اسے بھی کرنی تھی۔

☆☆☆

رائل ہوٹل کے صلہ ریسٹورنٹ کے سامنے کھلا ٹیرس تھا جس میں اوپن ائر کیفے بنا تھا۔ ریلنگ کے ساتھ رکھی میز کرسیاں اور چند ایک ٹہلتے لوگ......

وہاں کھڑے ہو کر دیکھو تو دور دور تک پہاڑیاں دکھائی دیتی تھیں...... سرما میں یہاں سب برف سے ڈھکا ہوتا تھا اور گرما میں سبزے سے ان پہاڑوں کے لیے زندگی کے دو ہی رنگ تھے۔ سفید اور سبز اور دونوں مبارک تھے۔

شجاع ایک کرسی میز کے ساتھ ریلنگ پہ ہاتھ رکھے، جھکا کھڑا دور پھیلے مناظر کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی گلاسز سے جھلکتی آنکھوں میں گہری سوچ کی پرچھائیاں تھیں۔ فیصلہ کُن سوچ قطعی انداز......

آہٹ پہ اس نے گردن موڑی، پارس کرسی پر بیٹھ رہی تھی۔ وہی شاہانہ انداز، ٹانگ پہ ٹانگ رکھی، پرس نزاکت سے میز پر رکھا اور ایک کارڈ دونوں ہاتھوں میں پکڑے ہوئے آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھنے لگی۔

"میں جانتا تھا تم ضرور آؤ گی؟" شجاع مسکرا کر سیدھا ہوا۔

"مجھے آنا تھا کیونکہ مجھے بھی تم سے کچھ بات کرنی تھی۔ اگر نہ کرنی ہوتی تو شاید اس وقت تم مجھے یہاں نہ دیکھتے۔" وہ ذرا سا مسکرا کر بولی اس کی آنکھیں البتہ نہیں مسکرائی تھیں۔

"پہلے تم کہو......" وہ سامنے کرسی کھینچ کر بیٹھا۔

"شیور......" پارس نے ذرا سے شانے اچکائے۔ جیسے اسے واقعی صرف اپنی کہنے سے غرض ہو۔ "کل رات ہمارے ہوٹل کی اینورسری کا فنکشن ہے۔ مجھے لگا مجھے تمہیں بھی انوائٹ کرنا چاہیے۔" ساتھ ہی کارڈ میز کے عین وسط میں رکھا۔

"مجھے خوشی ہے کہ تم نے مجھے بلایا۔" شجاع نے مسکرا کر سر کو خم دیا۔

چند لمحے خاموشی چھائی رہی پھر پارس بولی۔

"اگر تم نے کچھ کہنا ہے تو کہو کیونکہ میرا شیڈول آج بہت ٹائٹ ہے۔"

"تم مجھ سے کیوں بھاگتی ہو پارس؟"

"بھاگنے کا رواج تمہارے یہاں ہے، میرے ہاں نہیں۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر پورے اعتماد سے بولی۔

"مگر تم مجھے avoid کر رہی ہو، جب سے میں آیا ہوں تم مجھ سے ٹھیک سے ملی تک نہیں ہو، ہم نے ایک دفعہ بھی ساتھ بیٹھ کر اچھے ماحول میں بات نہیں کی۔"

"اور ہم ساتھ بیٹھ کر اچھے ماحول میں باتیں کیوں کریں؟ مثلاً تم میرے کیا ہو جو اتنا کچھ ایکسپیکٹ کر رہے ہو؟"

"میں تمہارا کزن ہوں، تمہارا منگیتر تھا اور ہمیشہ تمہاری زندگی میں ایک نہ بھولے جانے والے شخص کی طرح رہوں گا۔" وہ جیسے غصے میں آ گیا۔ اپنی ناقدری کا غصہ یا شاید اس کی بے اعتنائی کا۔

"کزن کا تعلق قسمت نے بنایا، منگیتر کا مبہم اور غیر یقینی رشتہ...... چند ایک بار کے کہے گئے تمہارے اور میرے والدین کے الفاظ کی وجہ سے کچھ عرصہ قائم رہا اور رہی یہ بات کہ میں کبھی تمہیں بھول نہیں پاؤں گی تو یہ بھی درست ہے، میں تمہیں بھلانا ہی نہیں چاہتی شجاع کیونکہ تم میری زندگی میں اتنے اہم نہیں ہو کہ مجھے تمہاری یاد اتنی ستائے کہ میں تمہیں بھولنے کی خواہش کروں۔"

"ٹھیک ہے، تمہاری ساری باتیں درست، میں ہمیشہ سے غلط تھا، میں نے تمہاری پروا نہیں کی، تمہیں ڈھونڈ نہیں سکا یا پھر یوں کہنا چاہیے کہ میں نے بہت دیر کر دی لیکن کیا تم اس بات سے انکار کر سکتی ہو کہ میں نے جو بھی کیا اپنے اور تمہارے لیے کیا؟"

پارس خاموش تھی، وہ سنجیدگی سے اسے دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"کیا تم اس بات کو جھٹلا سکتی ہو کہ جب تک ہم ساتھ تھے، میں نے تمہارے ساتھ کبھی دھوکا نہیں کیا، تمہیں استعمال نہیں کیا، تمہارا استحصال نہیں کیا، کیا تم مجھے بھی شکیل یا تائی کی طرح کا لالچی سمجھتی ہو؟ کیا تم ایسا سمجھ سکتی ہو؟"

چند ساعتیں اس میز پر اتنی خاموشی چھائی رہی کہ پارس کے سانس لینے کی آواز بھی شجاع کو سنائی دی پھر وہ دھیرے سے بولی۔

"میں جانتی ہوں کہ تم ایسے نہیں ہو۔"

شجاع کی آنکھوں میں مدھم سا تاثر جاگا حیرانی، خوشی، تشکر۔

"مجھے خوشی ہے کہ تم نے ایسے سمجھا۔"

"مگر ہمارے راستے الگ ہیں شجاع اور میں نہیں چاہتی کہ تم مزید میرا راستہ کاٹو۔"

"میں تمہارا راستہ کاٹنے والا نہیں، اس پہ تمہارے ساتھ چلنے والا بننا چاہتا ہوں۔" وہ آہستہ سے بولا، نگاہ پارس کی آنکھوں سے نہ ہٹائی۔ ان میں ... بلا اختیار اضطراب در آیا۔ اس نے ساتھ ہی پہلو بدلا۔ وہ غیر آرام دہ ہوئی تھی۔

"شجاع......"

"پلیز بات مت بدلنا۔ مجھے کہنے دو جو میں کہنا چاہتا ہوں۔" اس نے ہاتھ اٹھا کر پارس کو روکا۔ "مجھے بتانے دو کہ میں تمہارے لیے واپس آیا ہوں، قدرت کو ہمارا ملنا منظور تھا۔ اس لیے اس نے ہمیں ملوا دیا۔ رضوان حیات بہت اچھے سہی مگر وہ تمہارے لیے وہ نہیں ہو سکتے جو میں تمہارے لیے تھا اور اب وہ نہیں ہیں، تمہیں ان کے دکھ سے باہر آنے میں وقت لگے گا، جتنا چاہے وقت لے لو مگر مجھے اجازت دو کہ میں تمہارا انتظار کر سکوں۔ میں آج بھی تمہارے لیے وہی ہوں پارو...... جبکہ صرف تم نے بدلی ہے۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM

پارس کی آنکھوں میں گلابی پن جھلکنے لگا۔ اس نے اضطراب سے پہلو بدلا۔ مٹھی بھینچی، گہری سانس اندر کو اتاری، شجاع اس کی ایک، ایک حرکت کو غور سے دیکھ رہا تھا۔

''تم کیا چاہتے ہو؟''

''وہی جو ہمیشہ سے چاہتا تھا، تمہاری اور میری شادی۔''

''اگر تم حقیقت جان لو تو کبھی اس کی خواہش نہ کرو۔'' وہ مدھم سا بولی، اتنا مدھم کہ بہ مشکل آواز نے لبوں سے خود کو آزاد کیا۔

''کس کی حقیقت......؟''

''میری...... اور وہ جو میں کر چکی ہوں کیا تم نے نہیں سنا کہ میں بیوہ ہو چکی ہوں؟'' وہ مضطرب سی کہہ رہی تھی جیسے بس کہنے کو بے تاب ہو...... جب وہ اس کرسی پر بیٹھی تھی تو یکسر مختلف اور پُراعتماد لگی تھی مگر اب وہ اعتماد پھسل رہا تھا۔

''ہاں میں جانتا ہوں رضوان صاحب کے بارے میں کہ وہ سیڑھیوں سے گر کر......''

''وہ حادثہ نہیں تھا۔'' وہ میز پر ہاتھ رکھ کر آگے ہو کر اتنی تکلیف سے شجاع کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی کہ وہ اپنی بات بھول گیا۔

''اگر میں تمہیں کہوں کہ اُن کو میں نے...... میں نے دھکا دیا تھا، تب......؟ تم تب بھی مجھ سے شادی کرو گے؟''

شجاع نے اچنبھے سے اسے دیکھا۔

''میں جانتا ہوں کہ تم ایسا نہیں کر سکتیں اور تم ایسا کیوں کرو گی؟''

''کیونکہ وہ اپنا یہ ہوٹل اپنے بھائی کے نام کر رہے تھے اور میرے پاس ان کو اس کام سے روکنے کا کوئی طریقہ نہیں تھا سوائے اس کے کہ میں ان کی...... ان کی جان لے لوں......'' وہ دبے دبے لفظوں میں جیسے غرائی۔ ''میں نے ان سے شادی روپے، پیسے کے لیے نہیں کی تھی مگر تم نہیں سمجھ سکتے کہ ان کے بہن، بھائی ان کو کس طرح لوٹ رہے تھے، میرے پاس ہوٹل کو بچانے کے لیے یہ واحد راستہ تھا، کیا میں نے غلط کیا؟''

شجاع دم بخود بیٹھا رہا...... دھماکوں کی زد میں یا زلزلوں کا شکار...... بہ مشکل بڑی دیر بعد اس نے ذرا سا سر جھٹکا۔

''میں نہیں یقین کر سکتا کہ تم ایسا...... کر سکتی ہو۔''

''مگر میں نے کیا، میں نے خود ان کے ساتھ یہ سب کیا مگر مجھے افسوس ہے، ندامت ہے، پچھتاوا ہے، میں ایسا نہیں کرنا چاہتی تھی، بس مجھ سے ہو گیا۔'' وہ بے بسی سے لب کاٹتی، مٹھیاں بھینچی کہہ رہی تھی۔

''پارس...... پارس تم...... تم نے جان بوجھ کر کچھ بھی نہیں کیا، تم اتنے اچھے دل کی ہو کہ یوں کسی کی جان سرد مہری سے نہیں لے سکتیں۔ مجھے یقین ہے کہ اس وقت حالات ایسے بن گئے ہوں کہ تم سے سب ہو گیا۔'' وہ آگے کو ہوا جیسے تسلی دینے لگا۔ جیسے اسے خود بھی سمجھ نہ آ رہی ہو کہ وہ اس لڑکی کو اذیت سے کیسے نکالے۔

پارس نے اضطراری کیفیت میں لبوں کو چھوا پھر بال پیچھے کیے، اس کے ہاتھ ہولے، ہولے کپکپا رہے تھے۔ آنکھوں کا گلابی پن اب نمی سے لبریز ہو رہا تھا۔

''وہ بہت اچھے تھے شجاع، بہت مہربان، بہت نرم دل، میں انہیں مارنا نہیں چاہتی تھی مجھ سے...... بس یہ ہو گیا......'' دو آنسو ٹوٹ کر اس کے گالوں پر بہنے لگے۔ اس نے بے دردی سے رخسار رگڑے۔

''پلیز تم...... کسی کو مت کہنا کہ میں نے...... پلیز......'' اس کی آنکھوں میں التجا در آئی۔ شجاع نے بے اختیار نفی میں سر ہلایا۔

''کبھی نہیں...... جو ہو گیا اسے بھول جاؤ اور دوبارہ یہ بات خود سے بھی نہ کرنا، ٹھیک؟'' اس نے نرمی سے کہتے ہوئے ٹشو اس کی جانب بڑھایا۔ پارس نے ٹشو لے کر آنکھوں کے کنارے صاف کیے پھر گہری، گہری سانس لے کر خود کو کمپوز کرنے کی کوشش کی۔

''اس دن...... کیا ہوا تھا کہ تم نے یہ سب......؟'' شجاع نے دھیرے سے یہ الفاظ ادا کیے۔ پارس نے اس کے چہرے کو دیکھا پھر اس کے لبوں کو جہاں سے یہ الفاظ نکلے تھے، آواز کی لہریں جو ہونٹوں سے ٹوٹ کر ہوا میں بکھریں اور ہر حرف الگ سمت کو اڑنے لگا، یوں نرمی سے جیسے پانی پہ بہتا پتا...... دھیرے دھیرے...... نرم نرم سا...... اس نے ان اُڑتے حروف کو پکڑنا چاہا تو وہ دور بھاگتے گئے، دور اتنی دور کہ موسم کے رنگ پرانے ہونے لگے۔ سبزہ بدل کر سفید برف بنتا گیا۔ بہار جیسی ہوا سرد خنکی میں بدل گئی۔

پارس نے خاموش نظروں سے سامنے کھڑے رضوان حیات کو دیکھا جو کچھ کہنے کے لیے الفاظ تلاش کر رہے تھے۔

''کیا آپ فیضان سے بات کر رہے تھے؟'' اس نے گفتگو کا آغاز کیا گویا اُن کی مشکل آسان کی۔

''ہوں...... میں اسے ہوٹل کا بتا رہا تھا۔''

''پھر ہوٹل؟'' وہ چڑ گئی مگر ظاہر نہیں کیا۔

''کیا کہہ رہا تھا؟''

''اسے اچھا نہیں لگا۔'' کہتے ہوئے وہ سامنے صوفے پر بیٹھے، ٹانگ پر ٹانگ رکھی، کہنی آرم ریسٹ پہ، گردن سیدھی تنی ہوئی۔ پارس نے لاشعوری طور پر کمر سیدھی کی، گردن تنی، کہنی صوفے کے ہتھے پر براجمان کی۔

''تو پھر آپ یہ فیصلہ واپس لے لیں۔''

''پارس......، مجھے پتا ہے مجھے ہوٹل کس کو دینا

گلابوں اور جاڑوں کا موسم
سالِ نو کے پہلے شمارے کی نکہتیں

ماہنامہ جاسوسی ڈائجسٹ
جنوری 2014ء

پہلی سوغات ● خواب دیکھنا...... خوابوں کو سوچنا اور خوابوں سے کنارہ کشی موت ہے
ایک پُراسرار کہانی کی انہونیاں کاشف زبیر کی جاودانیاں

گرداب ● واقعات کے نئے گرداب میں گرفتار کرداروں کا آغاز و انجام اسما قادری کا سلسلہ

جواری ● احمد اقبال کے شربار قلم سے ایک جواری کے کھیل کے نت نئے انداز

مغرب کے نرالے انداز ● مغرب کی تہذیب اور ماحول کی عکاس جرم اور محبت کی ناقابلِ فراموش کہانیاں

سرورق کی کہانیاں

پہلی کہانی ● زروزمین کے پرانے نشاخسانے کی نذر ہو جانے والی زن گزیدہ داستان

دوسری کہانی ● صبح دم کے اجالوں میں کھو جانے والے قانون شکن اور خواب شکن جانبازوں کا احوال

چینی نکتہ چینی

...کے تبصرے...
...محبتیں... شکایتیں...
...دلچسپ باتیں ... کتھائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہے، اس لیے ہم دوبارہ اس ٹاپک پہ بات نہیں کریں گے۔"

"مجھے لگتا ہے آپ کے بہن، بھائی مجھ سے نفرت کرنے لگیں گے۔ اس طرح تو ہماری شادی کبھی قبول نہیں کی جائے گی۔"

"پارس...... زندگی کبھی شہد اور مکھن نہیں ہوتی، حالات ہر روز نئے ہوتے ہیں، قطار میں ایک جیسے دن رات کبھی نہیں آتے۔" وہ اسے سمجھا رہے تھے۔

"میں گھبرا نہیں رہی، نہ ہی میں آپ سے شادی کر کے پچھتا رہی ہوں کیونکہ مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ آپ مجھے غلط سمجھ رہے ہیں۔" اس نے جیسے بے بسی سے بتانا چاہا۔ "میں صرف آپ کے اور آپ کے بہن، بھائی کے درمیان نہیں آنا چاہتی۔ جب میں ان کے خلاف بات کرتی ہوں تو آپ کو برا لگتا ہے، اس لیے میں اُنہیں اپنے اور آپ کے بیچ کی دیوار نہیں بنانا چاہتی۔"

"اور میں چاہتا ہوں کہ تم ان کی طرف سے اپنا دل صاف کرلو۔ کم سے کم فیضان کی طرف سے۔"

"رضوان، میرا دل اگر میلا ہوا ہے تو انہی باتوں کی وجہ سے ہوا ہے جو آپ مجھے بتایا کرتے تھے...... مجھے لگا وہ لوگ بے حس ہیں مگر آپ کو اس سب کے باوجود وہ بے حس نہیں لگتے اور فیضان تو بالکل بھی نہیں، رضوان میری اور آپ کی ایک ہی حالت تھی۔ ہم دونوں کو ہمارے رشتے ایکسپلائٹ کرتے تھے۔ میں ان کی حقیقت جانتی تھی مگر میرے اندر ان سے مقابلہ کرنے کا حوصلہ نہیں تھا۔ آپ کے پاس حوصلہ، اعتماد، سب ہے مگر آپ ان کی حقیقت ماننے کو تیار نہیں ہیں۔" وہ جیسے ایک ہی بات کہہ، کہہ کر تھک گئی تھی۔

"وہ میرے خون کے رشتے ہیں، میرے پاس اس کے علاوہ کوئی دوسرا آپشن بھی نہیں ہے کہ...... درگزر کردوں پھر فیضان اور سویرا میں فرق ہے۔ فیضان مجھ سے واقعی محبت کرتا ہے۔"

"کرتا ہوگا مگر وہ موقع ملنے پر آپ کو betray ضرور کرے گا۔ اس میں اور تحلیل میں کوئی فرق نہیں ہے رضوان۔"

"کیا ہم کوئی اور بات نہیں کرسکتے؟" وہ جیسے تھک کر بولے۔ پارس نے ذرا سے شانے اچکائے۔

"آپ ٹھوکر کھا کر سنبھلیں گے، اس لیے میرا کہنا بیکار ہے، بس اب ہم اس ٹاپک پر کوئی بات نہیں کریں گے۔" ذرا سے توقف کے بعد وہ مسکرائی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ "کافی پئیں گے؟"

"ضرور......" وہ تھکان سے مسکرائے اور سر ہلایا۔ ان کے ہونٹوں سے نکلنے والے لفظ کے چاروں حروف کمپاس کی چاروں سمتوں کو اُڑنے لگے۔ یہاں تک کہ انہوں نے کرۂ ارض کا احاطہ کرلیا اور پھر اس سے بھی دور نکلتے گئے۔ روشنی کی رفتار سے بھی تیز... کہ لمحوں میں مہینوں کا فاصلہ طے کرلیا...... سفید چادر کھنچ گئی اور پہاڑوں پہ سبزہ لہلہانے لگا۔

"میں یاد نہیں کرنا چاہتی۔" پارس نے ٹشو سے آنکھ کا کونا رگڑا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میرا راز رکھ لینا شجاع...... اس سے زیادہ میں تم سے کچھ توقع نہیں کرتی۔" کہہ کر وہ پلٹی اور تیز قدموں سے اندر چلی گئی۔

شجاع تنہا بیٹھا رہ گیا۔

ملاقات ختم ہوئے پورا منٹ بھی نہیں گزرا تھا جب اس نے اپنے لباس کی اندرونی جیب سے ایک چھوٹا سا موبائل نکالا اور اسٹاپ کا بٹن دبا کر ریکارڈنگ بند کی۔ پھر ایک ایم ایم ایس تیار کیا، ریکارڈنگ اس میں ڈالی اور سویرا امجد کے نام سے محفوظ کردہ نمبر پر بھیج دی۔

میسج کا مضمون یہ تھا۔

"آپ کے بھائی کے قتل کا معمّا بالآخر حل ہوا۔ فقط آپ کا ایک خیر خواہ......"

دس سیکنڈ بعد پیغام کی ڈلیوری رپورٹ موصول ہوگئی۔ اس کے چہرے پر بے اختیار مسکراہٹ در آئی۔

☆☆☆

میسج ٹون پہ سویرا نے ٹی وی پر سے نظر ہٹا کر میز پر رکھے موبائل کو دیکھا۔ اس میں ان کی پاکستانی سم تھی۔ جس کا نمبر پچھلے کئی سال سے ایک ہی تھا اور جو زیادہ لوگوں کے پاس نہیں تھا۔

انہوں نے ریموٹ رکھا اور موبائل اٹھایا۔ ایم ایم ایس موصول ہوا تھا، سویرا نے اسے کھولا، آڈیو فائل۔ انہوں نے اسے پلے کیا۔

دو لوگوں کی گفتگو...... ایک پارس، دوسرا کوئی نامعلوم مرد...... شادی کی آفر کے جواب میں پارس کا کیا گیا اعترافِ جرم...... سویرا جیسے سنتی گئیں، حق دق بیٹھی رہ گئیں۔

ریکارڈنگ ختم ہوئی تو انہوں نے بے اختیار اسے ری پلے کیا...... ایک، دو، تین، پورے چار بار انہوں نے گفتگو سنی گو کہ ان کو ہمیشہ سے پارس پر شک تھا مگر شک کی تصدیق ہمیشہ نئے سرے سے حیران کیا کرتی ہے، وہ دم بخود رہ گئی تھیں۔

ریکارڈنگ کے اثر سے وہ نکلیں تو بے اختیار ایک فون ملایا۔

"فیضی...... فوراً میرے پاس آؤ، میرے پاس تمہیں دکھانے بلکہ سنانے کے لیے کچھ ہے۔" فون اٹھتے ہی انہوں نے کہا تھا۔

☆☆☆

پارس کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھی تو ڈرائیور نے بے حد احترام سے دروازہ بند کیا اور خود آگے جا کر اسٹیئرنگ وہیل سنبھالا۔ گاڑی کے انجن کی حرارت کے ساتھ ہی پارس نے فون پر ایک نمبر ملایا اور موبائل کان سے لگایا۔

"احسان صاحب...... مجھے کل کی پارٹی کے حوالے سے بات کرنی تھی۔"

"جی کہیے میم......"

"مجھے کچھ تبدیلی کرنی ہے فارمیٹ میں۔"

"میں سن رہا ہوں بتائیں۔"

پارس نے کہنا شروع کیا۔ اس نے ابھی تین فقرے ہی بولے تھے کہ ڈرائیور نے بے اختیار ریک ویو مرر میں اسے دیکھا۔ حیرانی اور اچنبھے سے۔ وہ بولتی گئی اور ڈرائیور بار بار اسے دیکھتا گیا۔

"آر یو شیور میڈم کہ یہ ایک اچھا آئیڈیا ہے؟" اس کی بات ختم ہوئی تو بہت دیر بعد احسان صاحب بول پائے۔

"مجھے نہیں یاد اگر میں نے اظہارِ رائے کی درخواست کی تھی۔ میں نے صرف عمل درآمد کا کہا تھا۔ خدا حافظ۔" اس نے موبائل رکھا اور کھڑکی کے پار دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں سوچ کی گہری پرچھائیاں تھیں۔

☆☆☆

سویرا نے اسٹاپ کا بٹن دبا کر ریکارڈنگ بند کی۔ پھر سامنے بیٹھے فیضان کو دیکھا...... وہ بالکل چپ ہوگیا تھا۔

"یہ بھیجی کس نے ہے؟" وہ آنکھیں سکیڑ کر آپا کو دیکھتا پوچھنے لگا۔

"جس نے بھی بھیجی ہو، ہمیں کیا...... تم یہ تو دیکھو کہ ہمارے ہاتھ پارس کے خلاف اتنا بڑا ثبوت لگ گیا ہے۔" آپا جیسے اس کے سوال پر بدمزہ ہوئیں۔

"اونہوں......! سب سے اہم بات ہے کہ یہ کس نے بھیجی ہے؟ مجھے یہ ٹیلی فون کال نہیں لگ رہی ہے، سامنے بیٹھ کر بات کی گئی ہے مگر ان دونوں کے اتنے قریب کون ہوسکتا ہے جو ان کی گفتگو ریکارڈ کرے؟" وہ پُرسوچ انداز میں کہہ رہا تھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

"فیضی، جو بھی ہو، ہمیں کیا......؟"

"نہیں، یہ کون ہے جو ہمارا اتنا ہمدرد ہے کہ ہماری یوں مدد کرے؟ اس کا کیا مقصد ہے؟"

"وہ صرف ہماری مدد کرنا چاہ رہا ہوگا۔"

"مگر کیوں......؟ اس کا اس میں کیا فائدہ؟ یہاں بِنا مفاد کے کوئی کچھ نہیں کرتا۔"

سویرا آپا کو اب غصہ آنے لگا۔ وہ کچھ اور بات کر رہی تھیں اور فیضان کچھ اور کہہ رہا تھا۔

"فیضی، تمہیں اس سے فرق نہیں پڑتا کہ پارس کیا کہہ رہی ہے تم بھیجنے والے کے پیچھے پڑ گئے ہو؟"

"فرق تب پڑے گا جب مجھے یقین ہو جائے گا کہ یہ اصلی ریکارڈنگ ہے۔" وہ بے پروا انداز میں کہتا صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھا جیسے اسے واقعی فرق نہ پڑتا ہو۔

"کیا؟ تمہیں یہ جعلی لگتی ہے؟" سویرا آپا کو شاک لگا۔

"میرا نہیں خیال کہ پارس نے بھائی جی کو قتل کیا ہے مگر بالفرض یہ آڈیو اصلی ہے، تب بھی کوئی اتنی آسانی سے ان کی گفتگو کیسے ریکارڈ کر سکتا ہے؟ سوائے اس کے کہ......" وہ جیسے خود بھی چونکا......

"یہ......شاید شجاع نے کی ہو۔"

"کون شجاع......؟" سویرا آپا بے اختیار آگے کو ہوئیں۔

"یہی جو اس میں بول رہا ہے، پارس کا کزن......لیکن اس کو یہ ہمیں دے کر کیا فائدہ ہوگا؟ اسے تو پارس کو پروٹیکٹ کرنا چاہیے کیونکہ وہ اس سے شادی کرنا چاہتا ہے، اس صورت میں وہ ساری دولت کا مالک بن جائے گا۔ وہ اپنے ہاتھ...آیا پارس یوں کیوں گنوائے گا؟"

"بس فیضی......!" سویرا آپا کا ضبط جواب دے گیا۔ "تم یہ بتاؤ کہ ہمیں اس آڈیو کا کیا کرنا ہے؟"

"ہوں......" اس نے جیسے سنا ہی نہیں۔ "یہ شجاع ہی ہے، یہ بھی یقیناً ہم سے کچھ چاہتا ہے......بہرحال، اس آڈیو کو ہم ابھی سنبھال کر رکھیں گے تاکہ وقت آنے پر استعمال کر سکیں۔"

سویرا آپا کے چہرے پر بدمزگی پھیلی۔ یہ ان کی توقع کے برخلاف تھا۔

"کیا ہم اس کو پارس کے حوالے نہ کریں۔ میرا مطلب ہے، ایک کاپی اس کو بھجوا نہ دیں تاکہ وہ جان لے کہ ہم اس کی حقیقت سے باخبر ہیں۔ اور......"

"آپا جو میں کہہ رہا ہوں، وہ کریں، بس۔" اس نے ہاتھ اٹھا کر انہیں بولنے سے روک دیا۔ وہ بے بسی سے اسے دیکھتی رہ گئیں۔

"کم از کم کل رات کی پارٹی تک آپ کچھ نہ کریں۔"

"کیوں، کل کی پارٹی میں اہم کیا ہے؟"

"بظاہر کچھ بھی نہیں مگر میری gut feeling کہتی ہیں کہ کچھ ہونے والا ہے۔ آخر پارس نے فیضان حیات کو مدعو کیا ہے، اس کی کوئی وجہ ضرور ہے۔"

وہ اٹھا تو سویرا نے بے اختیار اسے سر اٹھا کر دیکھا۔

"تم کہاں چلے؟ کھانا کھا کر جاؤ۔"

"اونہوں! مجھے پارس کو کال کرنی ہے۔" وہ موبائل پر نمبر ملاتا باہر نکل گیا۔ اس کے جاتے ہی سویرا نے اپنا فون اٹھایا اور ایک نمبر ڈائل کیا۔

"حکم کیجیے میڈم جی!" شکیل کا معنی خیز لہجہ......وہ سلگ گئیں مگر ضبط کر لیا۔

"تمہاری تیاری مکمل ہے؟"

"جی......ایک دم مکمل......! مگر......کیا کوئی نئی بات ہوئی ہے؟" ان کے لہجے سے جھلکتی پریشانی اسے پریشان کر گئی۔

"ہاں، ہمیں پارس کے خلاف کچھ ملا ہے۔"

"ہمیں......؟"

"مطلب مجھے......"

"تو پھر؟ اسے نہیں مارنا؟"

سویرا نے ایک لمحہ، بس ایک لمحہ لیا سوچنے میں پھر بولیں۔

"ہمارا پلان نہیں بدلے گا، ویسے ہی آگے چلے گا جیسے ہم نے سوچا تھا۔" ان کا لہجہ فیصلہ کُن تھا۔ شکیل جیسے شانت ہو گیا۔

باہر لان میں کھڑا فیضان موبائل کان سے لگائے ٹہلتا ہوا کہہ رہا تھا۔

"جی میم! میری ان سے بات ہو گئی تھی، آپ کا پیغام دے دیا ہے۔"

"گڈ...... انہوں نے آگے سے کیا کہا؟" پارس نے چند لمحوں کے توقف کے بعد پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں......خاموش ہو گئے، مزید کچھ، میم؟" وہ تابعداری سے پوچھنے لگا۔

"مجھے اُن کا جواب مل گیا ہے، مزید کچھ نہیں فائز تھینکس!" پارس نے کال کاٹ دی۔

فیضان نے آہستہ سے فون کان سے ہٹایا۔ وہ جیسے گہرے مخمصے میں الجھا تھا۔

☆☆☆

فیروزہ مائی نے کمرے کے ادھ کھلے دروازے سے اندر جھانکا۔ بستر کی پائنتی پہ بیٹھا شکیل نوٹ گن رہا تھا۔ ماں کو آتے دیکھ کر جلدی، جلدی نوٹ سمیٹے اور والٹ میں ڈالے۔ فیروزہ مشکوک نظروں سے اسے دیکھتی اندر آئی۔

"اور تو کہتا ہے تیرے پاس پھوٹی کوڑی نہیں ہے۔"

"جھوٹ نہیں کہتا۔" اس نے بدمزہ ہو کر کہتے ہوئے والٹ جیب میں ڈالا۔

"پھر یہ پیسے کہاں سے آئے؟"

"سویرا میڈم نے دیے ہیں۔"

کمرے میں بوجھل سی خاموشی چھا گئی۔ فیروزہ مائی کے چہرے پر مجرمانہ اضطراب پھیل گیا۔

"تو......واقعی پارو......کو مارنے جا رہا ہے؟"

اور کچھ فقرے فیروزہ مائی بھی ایک دفعہ میں ادا نہیں کر سکتی تھی۔

"میں نہیں، ہم......" شکیل نے بغور اسے دیکھتے ہوئے پُرعزم انداز میں دُہرایا۔ "اور یاد رکھنا امی، اگر پھنسے تو دونوں پھنسیں گے۔"

"اللہ نہ کرے......" وہ دہل کر بولی۔

"تو بس فکر نہ کر اور دیکھتی جا کہ میں کیا کرتا ہوں۔" اس نے بے نیازی سے کہتے ہوئے بازوؤں کا تکیہ بنا کر بیڈ کراؤن سے سر ٹکایا۔

"وہ سویرا......وہ مکر تو نہیں جائے گی کہیں؟"

"اس کی ایسی ہمت نہیں ہوگی۔ میں نے احتیاطاً اپنی اور اس کی ساری گفتگو ٹیپ کر رکھی ہے اگر اس نے مجھے ڈبل کراس کرنے کی کوشش کی تو ساری عمر بھگتے گی۔"

"مگر......تُو کیسے کرے گا...... یہ سب؟" وہ ابھی تک فکرمند تھی۔

"شش...... دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں؟" اس نے ماں کو تنبیہ کی......فیروزہ نے اِدھر اُدھر دیکھا اور خاموش ہو گئی۔

"بس تو کل شام کی پارٹی کا انتظار کر امی۔" وہ ٹیک لگائے چھت کو دیکھتا مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

فیروزہ مائی نے مسکرانے کی کوشش کی مگر اس کا چہرہ اندیشوں سے بھرا تھا۔

☆☆☆

رات آئی، گزر گئی......سویرا آیا، اتر گیا اور پھر اگلی شام ڈوبنے لگی۔

اپنے چھوٹے سے بنگلے کے بالائی منزل کے کمرے میں کھڑے فائز نے آئینے کو دیکھتے ہوئے

WWW.PAKSOCIETY.COM

سیاہ سوٹ کا آخری بٹن بند کیا، ٹائی کی ناٹ درست کی، بالوں کو آخری دفعہ برش کیا اور پرفیوم اٹھا کر گردن پر اسپرے کیا۔ محلول کے قطرے اڑے اور فضا میں بکھر گئے۔

اس نے چابی، موبائل اور والٹ اٹھایا، ایک نظر کھڑکی سے دکھائی دیتے پارس کے گھر پر ڈالی اور پھر کمرے سے باہر نکل گیا۔

چند میل دور، شہر سے ذرا فاصلے پر واقع رضوان حیات کے بڑے سے گھر کے ڈرائیو وے میں سویرا گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ رہی تھیں۔ انہوں نے براؤن سلک کا نفیس لباس زیب تن کیا ہوا تھا۔ بال جوڑے میں باندھ رکھے تھے۔ چہرے پر عمر کے حساب سے میک اپ اور آنکھوں میں اعمال کے حساب سے اتری پریشانی واضح تھی۔

ڈرائیور نے کار کا دروازہ بند کیا اور اپنی جگہ سنبھالی۔

''ہوٹل جانا ہے۔'' کروفر سے کہہ کر وہ کھڑکی کے باہر دیکھنے لگیں۔ ڈرائیور سر ہلا کر کار ریورس کرنے لگا۔

''میں اس پارٹی میں جا کر کیا کروں گی؟'' پارس کے گھر میں کھڑی تیار ہوتی فیروزہ مائی نے... بددلی سے کہتے ہوئے شکیل کو دیکھا جو کوئی پانچویں بار ڈریسنگ مرر کے سامنے کھڑے ہو کر پیلی شرٹ کا کالر گہرے نیلے کوٹ کے اوپر ٹھیک کر رہا تھا۔

''کیوں امی......؟ تو پڑھے لکھے لوگوں کی کمپنی میں خود کو غیر آرام دہ محسوس کرتی ہے؟'' وہ ہنسا۔

''بکواس نہ کر، جلدی کر...... ٹائم ہونے والا ہے۔'' اس نے گھڑی کو دیکھتے ہوئے کانوں کے پیچھے اُڑسا دوپٹا مزید سختی سے اُڑسا۔ ''وہ میڈم صاحبہ بھی ہمارے ساتھ چلے گی یا ہم اکیلے جائیں گے؟'' ساتھ ہی کھلے دروازے سے نظر آتی سیڑھیوں کو دیکھا۔

''ہمیں پہلے جانا چاہیے۔'' شکیل کہتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ پہاڑ کی دوسری جانب سڑک پر ایک نیلی کار دوڑ رہی تھی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا شجاع خاموش سا اسٹیئرنگ وہیل پر ہاتھ رکھے کار چلا رہا تھا۔ اس کی کار کا رخ رائل ہوٹل کی جانب تھا۔ وہ خاموش تھا مگر طمانیت کے احساس سے لبریز...... پارس کی باتیں اب بھی اس کے دماغ میں گھوم رہی تھیں۔

☆☆☆

ڈرائیور شکیل اور فیروزہ کو ہوٹل چھوڑ کر واپس آ چکا تھا۔ جب وہ اپنے گھر کی سیڑھیاں اترتی دکھائی دی...... سیاہ ساڑی اور سیدھی مانگ نکال کر جوڑے میں بندھے بال، کانوں میں سلور کی بالیاں، گردن میں ہیروں کا نازک ہار...... وہ اونچی ہیل سے... پُراعتماد قدم اٹھاتی لمبی گردن تنے، کار میں آ کر بیٹھی۔

''رائل ہوٹل، میم؟'' ڈرائیور نے کنفرم کرنے کو پوچھا۔

''نہیں...... تنویر صاحب کے گھر چلو۔'' عجیب انداز میں کہہ کر اس نے رخ پھیر لیا۔ ڈرائیور نے حیرانی سے بیک ویو مرر میں اسے دیکھا پھر کار اسٹارٹ کی۔

وہ خاموش تھی، سارا راستہ خاموش ہی رہی، تنویر صاحب کا گھر بھی آبادی سے الگ تھلگ ایک سبز پہاڑی کے پُرپیچ راستوں کے اندر واقع تھا۔ یہ وہی گھر تھا جہاں چند روز قبل افضل بابا نے آ کر شکیل کے عزائم کی خبر دی تھی۔

آج ان کا برآمدہ خالی تھا۔

''میں دس منٹ میں آ رہی ہوں۔'' کار رکتے ہی وہ تیزی سے نکلی اور اسی تیزی سے اندر داخل ہوئی۔ بنا رکے، بنا جھجکے اس کے انداز میں مانوسیت تھی جیسے وہ اکثر یہاں یونہی بے دھڑک داخل ہو جاتی ہو۔ البتہ اس کی آنکھوں میں جارحیت تھی، دبا

دبا غصہ تھا وہ جیسے ان کو کنفرنٹ کرنے آئی تھی۔

وہ اسٹڈی میں آرم چیئر پر بیٹھے کوئی کتاب پڑھ رہے تھے، ان کی دروازے کی سمت پشت تھی، جب وہ اندر داخل ہوئی، چند لمحے چوکھٹ میں کھڑے ہو کر ابلتے غصے پر قابو پایا پھر تیز آواز میں بولی۔

''آپ جانتے تھے وہ میرا فنانشل ایڈوائزر...... فیضان ہے مگر آپ نے مجھے نہیں بتایا؟''

انہوں نے جواب نہیں دیا۔ جیسے سنا ہی نہ ہو۔

''آپ کو معلوم تھا کہ وہ فیضی ہے مگر سب کی طرح آپ نے بھی مجھ سے چھپایا۔ یہ مت کہیے گا کہ آپ کو علم نہیں تھا۔ میں مان ہی نہیں سکتی کہ وہ ایک مہینہ میرے ساتھ، میرے اردگرد رہا ہو اور آپ جانتے نہ ہوں کہ وہ کون ہے؟''

انہوں نے ہنوز خاموشی برقرار رکھی۔ جیسے اس وقت اس کتاب سے زیادہ اہم کچھ نہ ہو۔ پارس کا غصہ تیز ہونے لگا۔

''میں کچھ پوچھ رہی ہوں......! آپ نے مجھے کیوں نہیں بتایا کہ وہ فائز دراصل آپ کا بھائی ہے، رضوان؟'' وہ اونچی آواز میں بولی تو... آرم چیئر پر بیٹھے رضوان حیات نے کتاب بند کی، عینک اتاری اور کرسی کا رخ پارس کی جانب موڑا... پھر اسے دیکھتے ہوئے دھیمے سے مسکرائے۔

''کیا ان سات ماہ میں تم یہ سمجھتی رہیں کہ میں فیضی کا امتحان لے رہا ہوں، پارس؟ اونہوں!'' انہوں نے نفی میں سر کو جنبش دی۔

''میں تمہارا امتحان لے رہا تھا پارس۔''

پارس کے چہرے پر۔ شاک ابھرا۔ بے یقینی، دھوکا دیا جانے کا احساس۔ اس نے بے اختیار چوکھٹ کو ہاتھ سے تھاما۔

''میرا...... میرا امتحان؟'' وہ بنا پلک جھپکے ان کو دیکھ رہی تھی۔

''مگر...... آپ نے کہا تھا کہ آپ یہ سب اس لیے کر رہے ہیں کہ...... کہ......'' وہ رک گئی۔ ادھوری باتیں سمجھ آنے لگی تھیں۔ اس کی آنکھوں میں اتری بے یقینی، صدمے میں بدلنے لگی۔

''فیضان...... فیضان یہاں کیوں آیا ہے، رضوان؟''

وہ اپنی جگہ سے اٹھے اور چھوٹے، چھوٹے قدم اٹھاتے اس کے عین سامنے آ کھڑے ہوئے۔ اسٹڈی میں صرف ایک بتی اور ایک ٹیبل لیمپ کی روشنی پھیلی تھی۔ ان دونوں کے چہرے اسی روشنی میں آدھے تاریک، آدھے روشن تھے۔

''وہ تمہاری جان لینے آیا ہے۔''

پارس کی آنکھوں کی پتلیاں بے یقینی سے پھیل گئیں۔

''میں جانتی تھی۔ وہ کسی کی بھی جان لے سکتا ہے۔ میں نے اس رات بھی آپ سے یہی کہا تھا۔''

اس کے لبوں سے نکلے الفاظ ٹوٹ کر فضا میں بکھرتے گئے۔ ہر حرف کے ساتھ رنگ تھے۔ صوتی قوسِ قزح اور...... رنگین کمان دھیرے، دھیرے اسٹڈی کی ہر بتی پہ چھانے لگی۔ بلیک اینڈ وائٹ اسٹڈی میں رنگ بھرنے لگے۔ گہرے سے ہلکے تک کا سفر اور ہلکے سے گہرے تک کی مسافت، سب آپس میں گڈمڈ ہونے لگے، یہاں تک کہ حال، ماضی بن گیا اور...... ماضی، حال میں تبدیل ہوتا گیا۔

☆☆☆

وہ دوپہر سفید تھی۔ سرما کے مری کی پہلی سفید دوپہر اسے یاد نہیں تھا کہ اس سے قبل اس سرما برف پڑی تھی کہ نہیں مگر اسے اتنا یقین تھا کہ اس سے زیادہ حسین برف ملکۂ کوہسار میں کبھی نہیں پڑی ہوگی۔

وہ ہوٹل کے ریسٹورنٹ کے باہر اوپن ائر کیفے میں ایک کرسی پر بیٹھی تھی۔ اس کی آنکھیں دور دکھائی

WWW.PAKSOCIETY.COM

دیتے... سفید پہاڑوں پہ جمی تھیں۔ ایک رات کی برفباری نے ان کو بوڑھا کر دیا تھا۔ اس نے سوچا اور لبوں پہ مسکراہٹ بکھر گئی۔ کھلے بال شانوں پر ڈالے وہ بہت وقار سے ایک بازو کرسی کے ہتھے پر جمائے بیٹھی تھی۔ اس کا ہر انداز اندرونی خوشی کا غماز تھا یا شاید خوشی سے زیادہ یہ اطمینان تھا جو اس کے رگ و پے سے جھلک رہا تھا۔

"مسز رضوان!" باوردی ویٹر اس کے قریب آ کر جھکا، وہ ذرا سی چونکی۔ پھر رسمی سا مسکرائی اور استفسار سے ابرو اٹھائی۔

"آپ کے لیے ایک کال ہے۔" ساتھ ہی کارڈلیس فون اس کی جانب بڑھایا۔

"رضوان ہیں؟ وہ فارغ ہوگئے؟" فون پکڑتے ہوئے اس نے گردن اونچی کر کے دور نظر آتے ایڈمن بلاک کو دیکھا جہاں رضوان میٹنگ میں مصروف تھے۔

"نہیں، کوئی خاتون ہیں۔" وہ ہلکا سا چونکی، پھر اچنبھے سے ہیلو کہتے ہوئے فون کان سے لگایا۔ ویٹر جھک کر کورنش بجالاتا رخصت ہوگیا۔

"پارس میڈم؟" کوئی عورت تیز لہجے میں طنزیہ بولی تھی۔

"جی فرمائیں...!"

"مجھے پہچانا تم نے؟"

"نہیں سوری...... میں......"

"بلکہ مجھے تم پہچان بھی کیسے سکتی ہو؟ مجھے تو اپنی دانست میں تم نے مکھن سے بال کی طرح بھائی جی کی زندگی سے نکال باہر کیا ہے، بہت مہارت سے تم نے پتے کھیلے اور بالآخر تم جیت گئیں۔ اپنی فتح کا جشن کیسے منا رہی ہو پھر......؟"

"جی؟ کیا مطلب......؟" وہ حق دق سن رہی تھی۔ ذہن جیسے سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔

"میں سویرا امجد ہوں۔ رضوان حیات کی بہن مگر تم مجھے کیسے جان سکتی ہو؟ بھائی جی کو کبھی تم نے اجازت جو نہیں دی کہ وہ تمہیں ہم سے ملواتے۔" وہ زہر اگل رہی تھیں اور پارس، وہ زہر نہ چاہتے ہوئے بھی اندر اتارنے پر مجبور تھی اور اب وہی زہر اس کو نیلا کر رہا تھا۔

"مسز امجد، آپ کو کوئی غلط فہمی......"

"میری بات مت کاٹو...... میری بات کاٹنے کی ہمت آج تک بھائی جی کو نہیں ہوئی...... تو تم کون ہو؟" وہ حلق کے بل چلائی تھیں۔ "دو ٹکے کی نوکرانی جس کو اس کی ماں نے ہوٹل کے عوض بیچ دیا۔ تم کون ہو، کیا اوقات ہے تمہاری؟ ہمارے بھائی کو ہم سے چھین لیا، ہوٹل چھین لیا اب اور کتنا چھیننا چاہتی ہو؟ تمہاری وجہ سے، تمہاری وجہ سے آج بھائی جی نے مجھ سے ایسے بات کی جیسے میں...... میں ان کی کوئی دشمن ہوں۔" وہ بلند آواز سے رو رہی تھیں۔

پارس صدمے سے گنگ رہ گئی تھی۔ اسے پتا ہی نہیں چلا کہ کب احساسِ توہین نے اس کے گال دہکائے، کب آنکھوں کو بہایا اور کب پانی کے دانے گردن تک لڑھکا دیے۔

"تم ہر چیز کی ذمے دار ہو، میں نہیں جانتی کہ تم نے ان کو کیسے مجبور کیا کہ وہ ہماری شکل دیکھنے سے بھی جائیں، وہ بھائی جو ہم پہ جان چھڑکتا تھا، آج اتنی سی خواہش پہ بھڑک اٹھا جب میں نے کہا کہ مری والا ہوٹل امجد کو سنبھالنے دیں۔ تم نے ان کو ہمارے خلاف بھڑکا کر ہم سے انہیں اتنا دور لا کھڑا کیا ہے کہ آج...... آج وہ مجھ پہ غصہ ہوئے، جو کبھی نہیں ہوا وہ آج ہوا اور اس کی وجہ تم ہو، صرف اور صرف تم......" وہ غصے سے چلاتی، اب ہانپنے لگی تھیں۔

دم بخود، بے آواز آنسو بہاتی پارس پل بھر میں ڈھائی ماہ پہلے کی پارو بن گئی تھی۔ ڈری، سہمی، بزدل، پارو...... اس کا دماغ ہر جواب، ہر دلیل سے

خالی ہو گیا تھا۔ اس کا تو سارا دل ہی خالی ہو گیا تھا۔

"مجھے نہیں معلوم کہ ہوٹل تمہارے نام کرنے والی بات انہوں نے مجھ سے جان چھڑانے کے لیے کی ہے یا واقعی تمہارے جادو نے ان کو اندھا کر دیا ہے مگر میں تمہیں ایک بات بتائے دے رہی ہوں پارس...... یا جو بھی نام ہے تمہارا۔" وہ اب رو نہیں رہی تھیں، خطرناک لہجے میں وارن کر رہی تھیں۔

پارس کے جسم پہ چیونٹیاں رینگنے لگیں یا شاید وہ بچھو تھے جو ڈنک مار مار کر اسے نیلا کر رہے تھے۔

"میرے شوہر کو یہ ہوٹل چاہیے اور میں اپنی بات بدلنے والوں میں سے نہیں ہوں، میری ضد ہے اب یہ ہوٹل...... مجھے یہ چاہیے اور تم...... ہاں تم مجبور کرو گی بھائی جی کو یہ کرنے پر...... اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو یاد رکھنا، میں تمہارے ساتھ وہ کروں گی کہ تمہاری سات نسلیں پناہ مانگیں گی بلکہ نسل تو تب چلے گی جب بھائی جی تمہارے ساتھ ہوں گے اور ان کو میں تمہارے ساتھ رہنے ہی نہیں دوں گی۔ کسی قیمت پر نہیں پارس میڈم...... تم مجھے ابھی جانتی نہیں ہو۔ ندا، ان کی جوانی کی محبت جب میرے سامنے نہ ٹک سکی، تم تو پھر بڑھاپے کی بے وقوفی ہو۔" وہ غصے میں تیز، تیز بول رہی تھیں۔

"وہ تم سے ایسے دور رہوں گے کہ تم ان کی شکل دیکھنے کو بھی ترسو گی، اس لیے یا تو وہ کرو جو میں نے کہا ہے یا پھر اپنی ماں سے کہو تمہارے لیے کوئی اور بڈھا ڈھونڈ لے، جس کے ہاتھ وہ تمہیں بیچ آئے کیونکہ اگر تم میری بات مان جاؤ تو شاید میں تم پہ رحم کھا لوں اور تمہیں بھائی جی کے ساتھ رہنے دوں لیکن دوسری صورت میں مجھ سے کسی رعایت کی امید مت رکھنا۔"

فون کھٹ سے بند ہوا، ایسے جیسے کھٹ سے آری کسی کی گردن پر چل جاتی ہے۔ وہ سُن سی وہاں بیٹھی تھی۔ بوڑھے پہاڑوں نے آواز دی مگر اس

شاعروں کی برتھ کنٹرول

شاعر پیدائشی ہوتے ہیں اور یہی مسئلہ ہے۔ شاعروں کی افزائشِ نسل کے لیے مشاعرے کھاد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان پر پابندی دراصل شاعروں کی برتھ کنٹرول ہے۔

نثار اکبر آبادی کہتے ہیں مشاعروں میں شعر پڑھنے کی نسبت کتابی شکل میں چھپوانے کا یہ فائدہ ہوتا ہے کہ اس طرح چوٹ لگنے کا اندیشہ نہیں ہوتا۔ حالانکہ وہ ایسے شاعر ہیں کہ ایک مشاعرے میں اسٹیج پر آئے تو لوگ واہ واہ کرنے لگے۔ انہوں نے کہا۔ "میں نے تو ابھی شعر سنایا ہی نہیں اور آپ داد دے رہے ہیں۔" تو حاضرین نے کہا۔ "اسی لیے تو داد دے رہے ہیں۔" ایک ایسے ہی شاعر کے دوست کی مشاعرے میں جوتی گم ہوگئی۔ شاعر نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ "میرے اسٹیج پر جا کر شعر سنانے کی دیر ہے، خود ہی مل جائے گی۔" ویسے مشاعروں میں شعر سنانا اتنا مشکل نہیں جتنا شعر نہ سنانا پھر مشاعرہ دراصل شاعروں کے آپس میں مل بیٹھنے کا بہانہ ہوتا ہے۔ پنڈت ہری چند اختر اور عبدالحمید عدم مشاعرے نہ ہونے کی وجہ سے بڑی دیر تک ایک دوسرے سے نہ مل سکے۔ اس دوران عدم صاحب موٹے ہوگئے۔ ایک مشاعرے میں ملاقات ہوئی تو اختر انہیں پہچان نہ سکے۔ انہوں نے پنڈت جی سے کہا۔ "پہچانا نہیں؟ عدم ہوں۔" پنڈت جی نے انہیں دیکھا اور بولے۔ "اگر تم واقعی عدم ہو تو وجود کیا ہوگا؟" جتنے زیادہ مشاعرے ہوں گے، شاعروں کی اتنی ہی پہچان ہوگی۔ اب تو میلہ مویشیاں پر بھی مشاعرے ہونے لگے ہیں۔ شاعر تاریخ میں ہو تو ہم اسے اوتار سمجھتے ہیں اور اگر ساتھ والے کمرے میں ہوں تو مذاق اور وہ جس گھر میں ہوتا، وہاں اسے کوئی نہیں سمجھتا۔ بہرحال وہ جس گھر میں ہو، وہاں چوری نہیں ہوتی۔ جس کی ایک وجہ یہ ہے کہ اس گھر میں چرانے کے لیے کچھ ہوتا ہی نہیں۔ مشاعرہ شاعروں کے لیے مشاہرہ ہوتا ہے۔ یوں مشاعروں پر پابندی دراصل ان کے روزگار پر لات مارنا ہے۔

انتخاب: مزاحیات، ڈاکٹر یونس بٹ
پسند: نگہت آصف، اسلام آباد

WWW.PAKSOCIETY.COM

نے نہیں سنی۔ پھر پانی کے دانے گریبان بھگونے لگے تو وہ چونکی اور ایک دم کھڑی ہوگئی۔

کانفرنس روم میں رضوان تنہا بیٹھے تھے، سامنے ایک فائل کھلی رکھی تھی اور وہ اسے بے توجہی سے دیکھ رہے تھے جب پارس مُردہ قدموں سے چلتی اندر داخل ہوئی۔

انہوں نے استقبالیہ مسکراہٹ اس کی طرف اچھالی مگر وہ سرخ، متورم آنکھیں لیے ان کے مقابل بیٹھی۔ جیسے کوئی مرا ہوا آدمی کھڑے سے بٹھادو، رضوان نے تشویش سے اسے دیکھا۔

"پارس، تم ٹھیک تو ہو؟" ساتھ ہی اس کا ہاتھ چھوا۔

"آپ ہوٹل امجد صاحب کے نام کردیں۔ یہ میرا آخری فیصلہ ہے اور آج کا سورج غروب ہونے سے قبل یہ ہوجانا چاہیے۔" اس کی آواز آنسوؤں سے بھاری تھی۔ رضوان بری طرح چونکے۔

"کون امجد؟" انہوں نے پرکھنا چاہا۔

"آپ جانتے ہیں، میں کیا بات کررہی ہوں رضوان، مجھے نہیں پتا کہ آپ کی اور مسز سویرا کی کیا بات ہوئی ہے مگر میری اُن سے جو بات ہوئی ہے اس کے بعد مجھے کسی ہوٹل کی خواہش نہیں رہی۔"

"پارس، مجھے پوری بات بتاؤ، کیا ہوا ہے؟" انہوں نے سنجیدگی سے اسے دیکھتے ہوئے اس کے دونوں ہاتھ تھامے وہ دونوں اب بالکل آمنے سامنے بیٹھے تھے۔

"کیا آپ نہیں جانتے کہ کیا ہوا ہوگا؟ بلکہ نہیں، مجھے ایسے نہیں کہنا چاہیے کیونکہ وہ غلط نہیں ہیں، میں واقعی آپ کو ان کے خلاف بھڑکاتی ہوں، مجھے کبھی بھی ان کے بارے میں اپنی رائے نہیں دینی چاہیے تھی۔" وہ تلخی سے کہتے کہتے رو پڑی تھی۔ رضوان نے تشویش سے اسے دیکھا۔

"تم غلط نہیں کہتیں، میں ان کا غلط دفاع کرتا ہوں، میں جانتا ہوں... مگر میری بات سنو پارس، میں تم سے ان کی طرف سے معافی مانگتا ہوں، بھول جاؤ ان کی باتوں کو۔"

"بھول جاؤں؟" اس نے تڑپ کر انہیں دیکھا۔ "کیسے بھول جاؤں اپنی ذات کی بکھرتی دھجیاں؟ انہوں نے دو منٹ میں مجھے یوں بے مول کردیا جیسے...... جیسے میں......" آنسوؤں نے اس کا گلا بند کردیا تھا۔ وہ زاروقطار رونے لگی تھی۔

"کسی کے ہمیں برا کہہ دینے سے نہ ہم برے ہوجاتے ہیں، نہ وہ اچھے۔ اپنی زبان سے ہر شخص اپنا ظرف دکھاتا ہے، دوسرے کا عکس نہیں، تم اس کی بات کو دل پر مت......" رضوان کے موبائل کی گھنٹی نے انہیں بات مکمل کرنے سے روک دیا۔ انہوں نے عجلت میں فون کان سے لگایا۔

"فیضی میں تم سے بعد میں بات کرتا ہوں۔" پارس ایک دم ہاتھ چھڑا کر کھڑی ہوئی۔

"میں نے کہا ناں میں بعد میں بات کرتا ہوں۔" اپنی بات دُہرا کر انہوں نے بیزاری سے فون رکھا۔

"آپ کرلیں اس سے بات، ورنہ ایک دفعہ پھر مجھ پر الزام آئے گا۔" تلخی سے کہتی وہ جانا چاہتی تھی مگر انہوں نے زبردستی اسے ہاتھ سے پکڑ کر واپس بٹھایا۔

"تم ہرٹ ہوئی ہو میں جانتا ہوں مگر اس بات کو دل......" وہ کہتے، کہتے ایک دم رکے۔ فون بند کرنے اور پارس کو دوبارہ بٹھانے کے بعد ان کا رخ ذرا بدلا تھا اور ان کی نگاہ شیشے کی دیوار گیر کھڑکی کے پار تک گئی تھی۔

"فیضی......؟" ان کی آنکھوں کی پتلیاں حیرت سے سکڑیں۔

پارس نے چونک کر ان کی نگاہوں کے تعاقب میں دیکھا۔ رضوان کھڑے ہوئے تو وہ بھی کھڑی ہوئی۔ نیچے سڑک ویران تھی، سوائے ایک ریورس ہوتی کار کے جس کے ڈرائیور نے کار چلاتے ہوئے تیزی سے دروازہ بند کیا تھا۔ رضوان نے غالباً اسے کار میں بیٹھتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔

پارس کے چہرے پر آنسو ایسے ہی ٹھہرے تھے، اس نے بے اختیار رضوان کو دیکھا۔ وہ حیرت سے نیچے دیکھ رہے تھے پھر ایک دم وہ مڑے اور تیز قدموں سے باہر کو لپکے۔

وہ کھڑکی میں آن کھڑی ہوئی، آنسو بے دردی سے رگڑے اور نیچے دیکھا۔

وہ کار اب دور جارہی تھی۔ وہ ڈرائیور کو نہیں دیکھ سکی تھی۔ بس کپڑوں کے رنگ کی جھلک دیکھی تھی۔ بوڑھے پہاڑوں کا رنگ...... چند ساعتوں بعد رضوان گیٹ پر بھاگتے ہوئے آئے اور سڑک پر دائیں بائیں دیکھا کار اب وہاں نہیں تھی۔ وہ اب عجلت بھرے انداز میں گارڈ سے کچھ پوچھ رہے تھے پھر وہ فون ملانے لگے۔ بار بار فون نیچے کرتے اور پھر سے ملاتے جیسے اُن کی کال مسلسل کاٹی جارہی تھی۔ وہ پلکیں سکیڑ کر سارا منظر دیکھتی رہی۔ کچھ منٹ لگے رضوان کو واپس آنے میں۔ اور وہ تھکے، تھکے لگ رہے تھے۔

"وہ فیضی تھا، وہ نیچے آیا تھا، میں سمجھا وہ امریکا میں ہے، اس کا نمبر رومنگ پر تھا۔ اب ناراض ہے شاید۔" بات کرتے ہوئے وہ اسے نہیں دیکھ رہے تھے، مسلسل کال ملائے جارہے تھے...... پھر شاید اس نے فون ہی بند کردیا کہ انہوں نے کوشش ترک کردی تھی۔

پارس خاموش ہوگئی، بالکل خاموش...... وہ ساری شام ساتھ رہے، حتیٰ کہ رات اترنے لگی۔ رضوان اس دوران ہر دس منٹ کے وقفے سے فیضی کا موبائل ٹرائی کرتے پھر مایوسی سے سر ہلا کر فون رکھ دیتے۔ پارس نے ان سے کوئی بات نہیں کی، وہ چپ رہی، واپسی پر وہ گھر اترنے کے بجائے پارک کی سیڑھیوں کے پاس اتر گئے۔

زینوں پہ برف جمی تھی۔ رضوان نے اپنی ہُڈ والی جیکٹ پہن لی تھی اور اس نے اپنا اوورکوٹ...... ہلکی ہلکی برف پھر سے گرنے لگی تھی۔

"سردی ہے، گھر چلیں؟" وہ بالآخر بولی تو بس اتنا...... انہوں نے نہیں سنا، اوپر چڑھتے رہے۔

"وہ مجھ سے ناراض ہے، مجھے اس کی بات سننی چاہیے تھی۔" وہ خود سے کہہ رہے تھے۔

"ہُنہہ!" اس نے گہری سانس لی، فیضان کے خلاف کدورت مزید بڑھی۔

"وہ فون کیوں نہیں اٹھا رہا؟ تنویر، خواجہ صاحب، اس کے دوست سب سے پوچھ لیا مگر کسی کو نہیں معلوم کہ وہ اِدھر ہے، وہ بنا بتائے آیا ہے، اس جگہ کے راستے بھی نہیں جانتا، ریش ڈرائیو کرتا ہے، میں اس سے کیسے رابطہ کروں؟" وہ اب بھی اس سے بات نہیں کررہے تھے تیز ہوا کے جھونکے سے ہُڈ گر کر ان کی گردن کی پشت پر آگیا تھا۔

"آپ کو یقین ہے کہ وہ وہی تھا؟"

"میں نے اسے انگلی پکڑ کر چلنا سکھایا ہے، کیا میں ہی نہیں جانوں گا کہ وہ وہی تھا یا نہیں؟" وہ خفا ہوئے۔ پارس نے ہلکے سے شانے اچکائے...... وہ دونوں اوپر پارک میں پہنچ چکے تھے۔

کیٹر فیگر گلاس کی دیوار کے اندر کمرے میں بیٹھا نظر آرہا تھا، اس نے ان دونوں کو دیکھ کر ذرا حیرت، ذرا شناسائی سے ہاتھ ہلایا کہ موسم خراب تھا مگر دونوں نے جواب نہیں دیا۔ وہ خود میں الجھے تھے اور الجھتے ہی رہے۔

"میں اس سے کیسے رابطہ کروں؟" وہ ایک دفعہ پھر اس کا نمبر ٹرائی کررہے تھے۔ پارس اکتا کر دوسری جانب دیکھنے لگی۔

"وہ مجھ سے بہت خفا ہے۔" وہ افسوس سے نفی میں سر ہلاتے ہوئے چل رہے تھے، ایک دم جھٹکے

WWW.PAKSOCIETY.COM

سے رکے۔ جیسے ان کو کسی نے پیچھے کھینچا ہو، پارس کے لبوں سے دبی، دبی چیخ نکلی۔

رضوان کی ہڈ باڑ کی نوکیلی سلاخ سے الجھی تھی اور قدم آگے بڑھانے کے باعث وہ چر گئی تھی شکر کہ وہ بروقت سنبھل گئے تھے۔ پارس نے جلدی سے ان کی ہُڈ سلاخ کی نوک سے چھڑائی...... وہ درمیان سے یوں پھٹی تھی کہ سوراخ ہو گیا تھا۔

''آپ کو چوٹ تو نہیں آئی؟''

''پتا نہیں......'' وہ پھر سے الجھے ہوئے آگے بڑھنے لگے۔ پارس کے ابرو تن گئے، آنکھوں میں غصہ پھر عود آیا۔

''آپ اس کی پروا کیوں کر رہے ہیں جو آپ کی نہیں کرتا؟''

''وہ میرا بھائی ہے۔'' انہوں نے ناگواری سے اسے دیکھا۔

''میں آپ کو اس کے خلاف نہیں کر رہی مگر آپ اتنے پریشان کیوں ہیں جیسے وہ کوئی چھوٹا بچہ ہو جو یوں گم جائے گا؟'' وہ غصے میں ہاتھ ہلا کر تیز، تیز بول رہی تھی۔

''سب ٹھیک ہے سر؟'' کیئر ٹیکر ان کے ہڈ کے اُڑنے کا منظر دیکھ کر بھاگا چلا آیا مگر پارس نے ہاتھ جھلا کر اس کو جانے کا اشارہ کیا۔

''مجھے اس کی فکر ہے پارس......''

''اور میں کدھر ہوں؟ سویرا ٹھیک کہہ رہی تھیں، وہ دونوں آپ کو مجھ سے چھین سکتے ہیں اور آج میں نے دیکھ بھی لیا کہ ان دونوں کی ناراضی میں اتنی طاقت ہے کہ وہ مجھے آپ سے دور کر سکیں۔''

رضوان نے سنا نہیں، وہ پھر سے نمبر ملانے لگے۔ کان پہ لگاتے ہی ان کے چہرے پر امید جاگی۔ گھنٹی جا رہی تھی۔ وہ بے تاب سنتے رہے۔ پارس بھی رک کر ان کو بغور دیکھنے لگی۔ وہ جو بھی کہے گا، اس کا transcription...... اُسے رضوان کے چہرے پہ نظر آ جانا تھا۔

مگر ابھی اس سے کچھ کہا بھی نہیں تھا فون بھی نہیں اٹھایا تھا کہ رضوان کی آنکھیں بے یقینی سے بھر گئیں۔ وہ سیڑھیوں کے دہانے پر کھڑے تھے اور یہاں سے پوری سڑک دکھائی دیتی تھی۔ دور سفید سڑک کے اس طرف ایک سفید کار کھڑی تھی۔ وہاں کوئی کار سے ٹیک لگائے سر جھکائے کھڑا تھا۔

برف کے گالے گر رہے تھے، ہوا تیز ہو رہی تھی۔ پارس نے سوالیہ نظروں سے رضوان کو دیکھا۔ اسی پل وہ تیزی سے ہیلو بولے۔

''کیوں فون کر رہے ہیں آپ مجھے؟ میں کون ہوں آپ کا؟'' پارس نے نہیں سنا مگر فیضی کہہ رہا تھا۔

''فیضی، تم اِدھر آئے ہو، مجھے نہیں پتا تھا بیٹے، تم......''

''میں کہاں ہوں، اس سے فرق نہیں پڑتا، میں کون ہوں اس سے بھی نہیں کیونکہ میں آپ کا کچھ نہیں لگتا، مجھے آج آپا کی ساری باتیں سچی معلوم ہو رہی ہیں۔ وہ ٹھیک تھیں آپ نے اس گھٹیا عورت کی وجہ سے ہمیں بھلا دیا ہے آج اس کی وجہ سے اپنے دروازے پر آئے کھڑے بھائی کو آپ نے دھتکارا ہے۔''

''فیضی...... میری بات سنو، میں تمہارا بھائی ہوں، ساری زندگی تمہارے سر پر سائے کی طرح رہا ہوں۔'' وہ بے یقینی سے کچھ بولنے کی سعی کر رہے تھے۔

''تو نہ رہتے، بے شک تب نہ رہتے مگر اب یوں نہ کرتے، آپ نے مجھے اکیلا چھوڑ دیا ہے، اب آج سے آپ میرے کچھ نہیں لگتے۔ آپ اور میں ایک دوسرے کے لیے مر گئے ہیں، میں نے سنا تھا شادی کے بعد لوگ بدل جاتے ہیں مگر اتنے بدل جاتے ہیں یہ نہیں جانتا تھا۔ بھائی جی اب مجھے فون مت کیجیے گا اور اگر میں مر جاؤں تو میرے جنازے

پر بھی نہیں آیئے گا کیونکہ میں جتنا آج اکیلا ہوا ہوں، پہلے کبھی نہیں ہوا، سنا آپ نے؟ میرے جنازے پر بھی مت آیئے گا۔'' ساتھ ہی فیضان نے کار کی کھڑکی پہ زور سے مکا مارا۔ وہ غصے میں ایسے ہی کیا کرتا تھا۔ چھناکے کی ذرا سی آواز تیز ہواؤں کے شور میں دب گئی تھی۔ رضوان نے وہ سنا بھی تھا اور دیکھا بھی...... پارس صرف رضوان کو دیکھ رہی تھی۔

''فیضی، تم ایسے نہیں کر سکتے۔'' وہ بالکل بے یقین تھے۔

''میرا نام بھی مت لیں، مجھے آج آپ سے نفرت محسوس ہوئی ہے بھائی جی...... آپ بھی وہی جوان بیوی کے غلام مرد نکلے...... کم از کم آپ کا جو امیج میں نے ذہن میں بنا رکھا تھا وہ ایسا نہیں تھا۔'' اس نے دروازہ کھولا، شیشے کے چند ٹکڑے سڑک پر گرے، چند اندر وہ پروا کیے بنا بیٹھا اور کار اسٹارٹ کی۔

وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ کس سڑک پر ہے، وہ دوپہر سے ہوٹل کے اطراف کی سڑکوں پر پھر رہا تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ رضوان کا گھر یہیں ہے اور یہ تو... ہرگز نہیں کہ اس اونچے پارک سے اطراف کی چاروں سڑکیں دکھائی دیتی ہیں۔

''فیضان، سنو، میری بات سنو......'' فون بند ہو چکا تھا۔ وہ ایک دم سیڑھیوں کی جانب لپکے پارس ان کے پیچھے بھاگی۔

''رضوان آرام سے، برف ہے۔''

مگر وہ تیز تیز، بدحواس سے زینے اترنے لگے۔ برف سلیپری تھی اور تیسرے زینے پر اس کی پھسلن نے رضوان کا پاؤں لڑکھڑا دیا۔ وہ ایک دم پھسلے اور پھر لڑھکنے لگے۔ سفید کار اب سڑک کا موڑ کاٹ کر دور جا چکی تھی۔ وہ چیختی ہوئی ان کے پیچھے بھاگی، اوپر سے کیئر ٹیکر بھی انہیں پکارتا، دوڑتا چلا آ رہا تھا۔ رضوان سیڑھیوں کے دہانے پر جا گرے۔

خون کی بوندیں ان کے سر سے نکلیں اور ارد گرد تالاب بنانے لگیں۔ اس نے بدحواسی سے چلاتے ہوئے ان کا سر اپنے ہاتھوں پر اٹھایا۔ وہ خون میں نہا رہے تھے مگر ان کی آنکھوں میں وہی بے یقینی تھی۔

''فیضی...... ایسے نہیں کر سکتا......'' وہ اب بھی وہیں تھے۔

''میں گاڑی کا انتظام کرتا ہوں۔'' کیئر ٹیکر واپس اوپر کو بھاگا۔ پارس کو صرف لفظ گاڑی سمجھ آیا۔

''میں...... بابا کو بلاتی ہوں۔ رضوان آپ کو کچھ نہیں ہوگا۔ میں......'' وہ اسی بدحواسی سے سامنے گھر کی سمت دوڑی۔

افضل بابا چند منٹ بعد ان کو اسپتال لے جا رہے تھے۔ پارس نے اپنا کوٹ اتار کر رضوان کے زخم پر رکھ دیا تھا۔ مگر خون بہے جا رہا تھا۔ ان کا سر پھٹا تھا۔ اور اس سے آگے وہ سوچنا نہیں چاہتی تھی۔

''رضوان......'' آنکھیں کھولیں، مجھ سے بات کریں۔'' وہ روتے ہوئے بار بار ان کو پکار رہی تھی۔ وہ ہوش کھو رہے تھے مگر ان ابھرتی ڈوبتی سانسوں میں یہی ایک فقرہ ان کے لبوں پر تھا۔

''فیضی سے کہنا...... میرے جنازے پر آ جائے۔''

''بابا جلدی چلاؤ، تیز!''

وہ بالکل بدحواس ہو چکی تھی۔ گھبراہٹ، بوکھلاہٹ، ڈر...... اس نے اسپتال پہنچتے ہی تنویر صاحب کو فون کیا اور وہ فوراً بھاگے چلے آئے۔ رضوان کو آئی سی یو میں لے جایا گیا تھا۔ اسپتال ان کے ہوٹل سے ذرا دور تھا۔ اس لیے پہنچنے میں دیر لگی۔ آدھے راستے بعد ہی رضوان بے ہوش ہو گئے تھے۔ افضل بابا اور پارس وہیں باہر بیٹھ گئے۔ بابا پریشان تھے اور وہ شاکڈ تھی۔ بس بینچ پر بیٹھی رہی۔ جیسے ہوش و حواس کھو دیے ہوں۔ لٹی لٹی سی پارس......

تنویر صاحب کے آنے سے قدرے ڈھارس ملی۔ وہ ان کو دیکھ کر رونے لگی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

"رضوان ٹھیک تو ہو جائیں گے ناں؟" وہ بار بار ان سے پوچھتی، وہ کوئی جواب نہ دے پاتے۔ افضل بابا کو انہوں نے گھر بھیج دیا تاکہ وہ جا کر فیروزہ مائی کو بتادیں اور لے آئیں۔

اسی اثنا میں رضوان کو بالآخر ہوش آیا۔ وہ مزید صبر نہیں کر سکتی تھی۔ بلانے پر اندر چلی آئی۔ ان کا سر پٹیوں میں جکڑا تھا۔ بایاں بازو فریکچر ہوا تھا، کمر پر شدید چوٹیں آئی تھیں۔ ڈاکٹر نے کہا تھا کہ ان کو کمر کے آپریشن کی ضرورت ہے جس کے لیے انہیں باہر لے جانا ہوگا۔ فی الوقت وہ خیریت سے تھے خاموش تھے اور کچھ سوچ رہے تھے۔

"میں بہت ڈر گئی تھی۔" ان کو اپنی جانب دیکھتے پا کر اس کے آنسو پھر سے گرنے لگے۔

"فیضان نے کہا تھا کہ وہ میرے جنازے پر نہیں آئے گا۔" ان کے ہونٹوں سے نکلنے والے پہلے الفاظ یہ تھے۔ پارس کو جیسے صدمہ لگا۔

"آپ کو اب بھی اس کا خیال ہے؟ رضوان وہ...... وہ آپ کو چھوڑ کر جا چکا ہے...... آپ مت سوچیں اس کے بارے میں۔"

"وہ فیضی تھا...... وہاں سڑک پر...... اس نے مجھے نہیں دیکھا......" وہ رک رک کر بول رہے تھے چھت کو دیکھتے ہوئے جیسے وہ وہاں تھی ہی نہیں...... "میں اسے روکنے جا رہا تھا...... اس نے مجھے نہیں دیکھا۔"

"اگر وہ وہی تھا تو آپ کی اس حالت کا وہی ذمے دار ہے اگر آپ کو کچھ ہو جاتا تو میں اسے جان سے مار دیتی۔" وہ پھٹ پڑی تھی۔

"پارس!" انہوں نے تھکی، جھکی نگاہوں سے اسے دیکھا۔ وہ ان کے بستر کے ذرا قریب آئی۔

"کیا تم میری ایک بات مانو گی؟"

"جی بتائیں۔" اس نے آنسو رگڑے۔

"تنویر کو اندر بھیج دو اور پھر وہ جیسے کہے ویسے کرنا۔"

"مگر...... اچھا......" اس نے زیادہ تردد نہیں کیا۔ ان کو اندر بھیج کر خود باہر آگئی۔ کافی دیر بعد تنویر صاحب باہر نکلے۔

"کیا ہوا......؟" وہ ان کو دیکھتے ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ بہت سنجیدہ لگ رہے تھے۔

"رضوان بھائی کی جان کو خطرہ ہے۔"

"مگر...... ابھی تو ڈاکٹر کہہ رہا تھا کہ وہ stable ہیں۔" اسے حیرت کا جھٹکا لگا۔

"اونہوں...... اس چوٹ سے نہیں...... بلکہ سویرا اور اسجد سے۔"

"کیا مطلب؟"

"سویرا اور اسجد کچھ دن تک پاکستان آرہے ہیں اور ان کے ارادے درست نہیں ہیں، انہوں نے رضوان بھائی کے پرانے وکیل سے بھی رابطہ کیا ہے، وہ ساز باز کرنا چاہتے ہیں۔ ان کے انداز سے لگتا ہے جیسے وہ رضوان بھائی کی موت کی جلد توقع کر رہے ہیں۔ ان حالات میں ان کے لیے رضوان بھائی کو مارنا اور بھی آسان ہوگا۔"

"میں...... میں ہوٹل ان کے نام کر دوں گی۔ پلیز، ان سے ہماری جان چھڑا دیں۔" وہ پھر سے رونے کو آگئی۔

"نہیں مسز پارس، آپ کو یہ نہیں کرنا بلکہ آپ کو وہ کرنا ہے جو میں نے اور رضوان بھائی نے طے کیا ہے ہمیں کچھ عرصے کے لیے رضوان بھائی کو علاج کے لیے باہر بھیجنا ہے، تب تک ہمیں، ان کی سیفٹی کے لیے یہ ظاہر کرنا ہے کہ......" وہ ذرا دیر کو رکے پارس بے قرار نظروں سے ان کو دیکھتی رہی تھی۔

"کہ...... ان کا انتقال ہو چکا ہے۔"

"کیا......؟" وہ ششدر رہ گئی۔

"میں جانتا ہوں کہ ہم ان کی سیکیورٹی سخت کر سکتے ہیں، ان کے لیے اور بھی اقدامات کر سکتے ہیں مگر وجہ صرف یہ نہیں ہے، رضوان بھائی کچھ عرصے کے لیے منظرِ عام سے غائب ہونا چاہتے ہیں۔ آج کے واقعے کا ان کے ذہن پر گہرا اثر ہے...... وہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ اگر وہ مر جاتے تو...... آپ کے ساتھ ان کے رشتے دار کیا کرتے، وہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ وہ اپنی جائداد کس کے لیے چھوڑ کر جائیں۔ وہ یہ بھی دیکھنا چاہتے ہیں کہ ان کے مرنے کے بعد کون ان کے لیے کیا کرتا ہے۔"

پارس کے لبوں پر تلخ مسکراہٹ ابھری۔

"وہ فیضی کو آزمانا چاہتے ہیں۔ وہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ فیضی ان کے لیے آتا ہے یا نہیں...... مگر یہ کھیل وہ کب تک کھیلنا چاہتے ہیں؟"

"بس یہ چند ماہ جب تک کہ ان کا علاج مکمل نہ ہو جائے۔ تب تک میں سویرا اور اسجد کے پیپرز میں امیگریشن والوں کے لیے کچھ سوالات چھوڑنے کی کوشش کروں گا۔ آپ فون پر رضوان بھائی سے رابطے میں رہیں گی۔ وہ جتنی رقم بتائیں آپ کو میرے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کرنی ہوگی تاکہ ان کا علاج ہو سکے۔"

"اور...... اور کیا لوگ سوال نہیں کریں گے؟" اس کا ذہن بالکل ماؤف ہو رہا تھا۔ وہ وہیں بینچ پر ڈھے سی گئی۔

"آپ یا تو اپنے شوہر کی فکر کرلیں یا لوگوں کی، مسز پارس۔" تنویر صاحب نے جذبات سے عاری انداز میں کہا۔ "لاش کا انتظام میں کروں گا، تابوت، تالا بند ہوگا آپ کہیں گی کہ لاش کی حالت خراب ہے اس لیے وہ پٹیوں میں جکڑی ہے، دھندلے شیشے سے آدھا چہرہ کوئی نہیں پہچانے گا۔ آپ نے سب کو کہنا ہے کہ وہ سیڑھیوں سے گرے تھے۔ البتہ میں اپنے طور پر فیضان کو یہ بتانے کی کوشش کروں گا کہ ان کے سر کی پچھلی طرف کسی نوکیلی چیز کا نشان تھا۔"

"وہ کیوں......؟" وہ چونکی۔

"تاکہ فیضان اور سویرا یہ خیال کریں کہ میں ان کا وفادار ہوں اور ان کو رضوان بھائی کے سو کالڈ قتل کی سازش سے آگاہ کر رہا ہوں۔"

"تو آپ کس کے وفادار ہیں؟" اس نے غور سے ان کا چہرہ دیکھا۔

"میں صرف رضوان بھائی کا وفادار ہوں۔" وہ پہلی بار ذرا سے مسکرائے۔

"اور یہ سب کچھ انہوں نے مجھے خود کیوں نہیں کہا؟" بہت دیر بعد وہ بولی۔

"کیونکہ آپ بحث بہت کرتی ہیں۔" پارس نے تلملا کر انہیں دیکھا مگر ضبط کر گئی۔

"کیا میں ایک دفعہ ان سے مل سکتی ہوں؟"

"نہیں...... ان کو شفٹ کیا جا رہا ہے، مکمل راز داری کے لیے ضروری ہے کہ آپ یہ فرض کرلیں کہ وہ واقعی......" انہوں نے فقرہ ادھورا چھوڑ دیا۔ اسی اثنا میں افضل بابا آتے دکھائی دیے ساتھ میں فیروزہ مائی بھی تھی۔

"کیا ہوا بڑے صاحب کو؟"

"وہ سیڑھیوں سے گر گئے تھے، ہم اسپتال لائے ڈاکٹرز نے بہت کوشش کی مگر ان کا دراصل آدھے راستے میں ہی انتقال ہو گیا تھا۔" تنویر صاحب بتا رہے تھے وہ جانتی تھی کہ اگلے چند ماہ اب تنویر صاحب ہی تمام نشانات کو مٹانے میں لگے رہیں گے۔

وہ بالکل ماؤف ذہن کے ساتھ واپس آئی تھی۔ فیروزہ مائی رو رہی تھی۔ بہت اونچی آواز میں اور اسے بھی رلانے کی سعی کر رہی تھی مگر اس کی سرخ آنکھیں خشک تھیں۔ وہ ابھی تک ششدر تھی۔

گھر سے قریب وہ اسی جگہ اتری جہاں گزشتہ رات وہ سفید کار کھڑی تھی۔ وہاں برف پر اب بھی شیشے کے ٹکڑے پڑے تھے۔ اس نے ایک بڑا ٹکڑا اٹھا لیا اور اپنے پرس میں اسی طرح محفوظ کر لیا جیسے

WWW.PAKSOCIETY.COM

فیضان کے لیے نفرت اندر مقید تھی۔
برف نے اسے یہ کرتے ہوئے دیکھا مگر خاموش رہی...... بہت عرصے بعد وہ اس بیوہ پہ روئی جس کا شوہر مرا نہیں تھا اور جب وہ روئی تو پگھل کر جھرنوں میں بہہ گئی۔ یہاں تک کہ پہاڑوں کا بڑھاپا ڈھل گیا اور جوانی پھر سے اپنے جوبن پر آپہنچی۔ سات رنگوں کی کمان نے روشنی کی رفتار سے اپنا سفر طے کیا، یہاں تک کہ وہ دو آدھے روشن اور آدھے تاریک چہروں کے ساتھ آن ٹھہری جو اس اسٹڈی روم میں آمنے سامنے کھڑے تھے۔

"میں نے اس رات بھی کہا تھا، اگر آپ کو کچھ ہوجاتا تو آپ کی موت کا ذمّے دار فیضان ہوتا...... وقت نے ثابت کر دیا کہ میں ٹھیک تھی۔"

"کیا واقعی......؟" انہوں نے ابرو اٹھائی۔

"آپ اب بھی اس کی حمایت کرنا چاہتے ہیں؟ تو ٹھیک ہے، آپ آج دیکھیے گا سویرا وہ تھیں جو آپ کو مارنے آرہی تھیں، فیضی وہ ہے جو مجھے مارنے آیا ہے، دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے، آج میں آپ کو دکھاؤں گی کہ فیضی کیا ہے۔"

رضوان نے دھیرے سے شانوں کو اچکایا۔

"میں تیار ہوں، تم جو کرنا چاہو کرسکتی ہو، میں تمہیں اتنا ہی مضبوط دیکھنا چاہتا تھا اور وہ میں دیکھ رہا ہوں۔ آگے، تم اپنے فیصلوں میں آزاد ہو۔"

پارس نے گہری سانس لے کر خود کو جیسے کمپوز کیا اور مسکرائی۔

"ٹھیک ہے...... پھر میں پارٹی میں جارہی ہوں اور مجھے معلوم ہے کہ وہاں فائز نہیں، فیضان آیا ہوگا۔ آپ نے بھی مجھ سے چھپایا، حالانکہ سویرا کی آمد کا آپ نے تنویر صاحب سے سنتے ہی مجھے بتایا تھا مگر فیضان کو آپ نے ہمیشہ پروٹیکٹ کیا...... لیکن آج دیکھیے گا کہ میں اس کے بارے میں صحیح کہتی تھی...... سارے بہن، بھائی ایک جیسے ہوتے ہیں۔" کہہ کر وہ پلٹ گئی۔ رضوان مسکراتے ہوئے اس کو جاتا دیکھتے رہے۔

☆☆☆

ہال کمرے کی سجاوٹ نہایت خوب صورتی سے کی گئی تھی۔ پھولوں کی مہک اور روشنیوں کی چکا چوند...... عموماً اس پارٹی کے لیے دوسرے ہال مختص کیے جاتے تھے مگر پارس کی آخری منٹ کی تبدیلی کا ایک حصہ پارٹی کے دعوت نامے کینسل کر کے، اس چھوٹے ہال میں تمام ارینج منٹ کروانا تھا۔

اور نشستیں بھی اتنی لگائی گئی تھیں جتنی کی اس نے تاکید کی تھی۔

دو، دو کرسیوں کی چار میزیں...... کسی کے نام نہیں لکھے تھے، پھر بھی فیروزہ مائی، شکیل کے ہمراہ بیٹھی تھی اور سویرا تنہا۔

ایک میز پر تنویر صاحب اور فائز بیٹھے تھے جبکہ آخری میز کی دونوں کرسیاں خالی تھیں۔ شکیل کافی دیر سے باہر تھا، ابھی واپس آیا تھا اور ساتھ ہی اس نے سویرا کو آنکھوں سے کچھ اشارہ کیا تھا، جسے انہوں نے سمجھ کر سر ہلا دیا تھا۔ فائز نے کن انکھیوں سے اس اشارے کو دیکھا تھا اور اس کے متعلق سوچا بھی تھا۔ فیروزہ مائی البتہ ٹکر ٹکر خالی ہال دیکھ رہی تھی۔

"یہ ہے پارٹی؟ صرف ہم لوگ ہیں؟ باقی کوئی نہیں آیا؟"

"وہ آگیا ناں تمہارا رشتے دار!" شکیل نے تمسخر سے اندر آتے شجاع کی طرف اشارہ کیا جو ہال کا سناٹا دیکھ کر متعجب سا رہ گیا تھا۔ اسے اس سب کی توقع نہیں تھی۔ وہ پارس کی خالی میز کی طرف بڑھا تو اس پر "ریزروڈ" لکھا پا کر ٹھہر گیا۔ پھر سویرا کے ہمراہ خالی کرسی پر قدرے ہچکچاتے ہوئے بیٹھ گیا۔

کمرے میں خاموشی چھائی رہی۔ سب چپ تھے۔ ان کو انتظار تھا...... کس کا؟ وہ جانتے تھے...... کیوں؟ وہ جاننے کی کوشش کررہے تھے۔

باریک ہیل کی ٹک ٹک نے فضا میں ارتعاش پیدا کیا...... سیاہ ساڑی میں ملبوس پارس، تنی ہوئی گردن کے ساتھ چلتی اندر آرہی تھی۔ اس کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔ وہی مسکراہٹ جو گزرے سات ماہ غائب رہی تھی۔

"گڈ ایوننگ ایوری ون!" اسے آتے دیکھ کر فائز اور تنویر صاحب کھڑے ہوگئے۔ وہ مسکرا کر سب کو مخاطب کر کے بولی اور اشارے سے فائز کو اپنے ساتھ آکر کھڑے ہونے کو کہا۔ اس نے سر کو خم دیا اور پارس کے بائیں جانب آکھڑا ہوا۔ البتہ اس کے چہرے پر اضطراب تھا۔ کیا ہونے جارہا تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا۔

"میرا خیال ہے سب مہمان آچکے ہیں۔ اس لیے مجھے آپ سب کا تعارف کروا دینا چاہیے۔" وہ مسکرا کر کہہ رہی تھی۔ "یہ تنویر صاحب ہیں، ہمارے بہت وفادار ساتھی......"

"یہ سویرا ہیں، رضوان کی عزیز بہن۔"

"یہ میرے والد کی وائف مسز فیروزہ ہیں۔"

"یہ ان کے بیٹے شکیل...... اور یہ میرے تایا کے بیٹے شجاع۔" وہ سب کی طرف ہاتھ سے اشارہ کرتی مسکرا، مسکرا کر کہہ رہی تھی، جواب میں کوئی اچھے اور کوئی برے منہ کے ساتھ سر کو خم دے کر تعارف قبول کرتا۔ آخر میں وہ فائز کی طرف گھومی، مسکرا کر اس کی آنکھوں میں دیکھا اور... بآواز بلند بولی۔

"اور یہ فیضان حیات ہیں، رضوان کے بھائی! مجھے خوشی ہے کہ آپ نے ہماری دعوت قبول کی، فیضان!" ایک، ایک لفظ پر زور دے کر اس نے کہا۔ فیضان اس جذباتی کیفیت سے نکل چکا تھا جب وہ بوکھلا یا گھبرا جاتا، پارس کے انداز و اطوار اسے پہلے ہی کسی انہونی کی خبر دے چکے تھے، اس لیے وہ اندرونی جھٹکے اور شاک پہ قابو پا کر پھیکا سا مسکرایا۔

"مجھے خوشی ہے کہ آپ نے مجھے بلایا، پارس!" اس کا لہجہ، نگاہیں... سب مختلف تھا۔ اس کے سامنے کوئی سر جھکاتا، موؤب امپلائی نہیں بلکہ اس کے شوہر کا بھائی کھڑا تھا۔

یہ پارس کی امید سے کم ردِّعمل تھا مگر وہ مایوس نہیں ہوئی۔ شکیل اور فیروزہ مائی بری طرح چونکے تھے۔ مگر کسی نے کچھ نہیں کہا۔

"بہت دیر کردی آپ نے آنے میں، فیضان!"

"میں تو ہمیشہ سے آپ کے قریب تھا، آپ نے پہچاننے میں دیر کردی۔" وہ بھی مسکرا رہا تھا البتہ اس کی نگاہیں سخت پتھریلی تھیں۔ وہ جواب میں کچھ کہنا چاہتی تھی کہ فون بجنے لگا۔ اس نے بات لبوں پہ روک کر ہاتھ میں پکڑا موبائل دیکھا۔ کوئی غیر شناسا نمبر۔

"ہیلو!" پارس نے فون کان سے لگایا۔ وہ رضوان کی آواز سننے کی توقع کررہی تھی مگر یہ کوئی نسوانی آواز تھی۔

"مسز پارس، جلدی سے نیچے آئیں، ریسپشن پہ کوئی عورت آئی ہے آپ سے ملنے، اس کے پاس ایک پیکٹ ہے جو اسے رضوان صاحب نے کسی زمانے میں دیا تھا وہ یہی بتارہی ہے۔ کسی کو وہ پیکٹ نہیں دے رہی۔ پلیز آپ نیچے آجائیں۔"

فون کٹ گیا۔ وہ ذرا سی الجھی۔ فیضان اسی طرح سے دیکھ رہا تھا۔

"ایکسکیوز می!" وہ سب کو دیکھ کر بولی اور باہر کی جانب بڑھی۔ فیضان نے آنکھیں سکیڑے اس کو جاتے دیکھا۔ پھر گردن موڑی تو شکیل کے لبوں پہ ذرا سی مسکان تھی۔ ساتھ ہی اس نے سویرا کو دیکھا اور سویرا نے اس کو...... فیضان نے بغور ان دونوں کی نگاہوں کے تبادلے دیکھے اور پھر باہر جاتی پارس کو......

وہ تیز قدموں سے چلتی باہر آئی۔ دو کاریڈور مڑ

WWW.PAKSOCIETY.COM

کر وہ اس راہداری میں آگئی جہاں لفٹ تھی۔ لفٹ کے باہر سگنل بتا رہا تھا کہ وہ اسی فلور پہ ہے۔ پارس نے موبائل پہ رضوان کا نمبر ملایا اور لفٹ کے دروازے کا بٹن دبایا۔

سس کی آواز کے ساتھ دونوں دروازے کھلے۔ پارس کو اپنے پیچھے دوڑتے قدموں کی آواز آئی اور سامنے نیم روشن لفٹ، اس نے موبائل کان سے لگاتے ہوئے اندر قدم رکھا۔

اس کا پاؤں ابھی زمین پہ پڑا ہی نہیں تھا کہ کسی نے اس کا بازو دبوچ کر اس کو پیچھے کھینچا۔ اس کے لبوں سے دبی، دبی سی کراہ نکلی۔ وہ لڑکھڑا کر کاریڈور کی دیوار سے ٹکرائی اور گرتی چلی گئی۔ اس کا سر گول، گول گھوم رہا تھا۔ موبائل زمین پہ جا گرا تھا...... بہ مشکل اپنے چکراتے سر کو سنبھالتے اس نے آنکھیں اٹھائیں۔ سامنے فیضان کھڑا، سختی سے لب بھینچے اسے دیکھ رہا تھا اور لفٹ کا دروازہ ہنوز کھلا تھا۔

پارس نے اب دیکھا......لفٹ اندر نہیں تھی۔ اندر خلا تھا۔ وہ دیوار کا سہارا لے کر اٹھی...اور دروازے سے اندر دیکھا۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹ پڑیں۔

لفٹ کئی منزلیں نیچے گری پڑی تھی۔ ”اگر وہ اندر قدم رکھ دیتی تو......؟“ اس نے بے یقینی سے پلٹ کر فیضان کو دیکھا۔

”میری بہن اور تمہارا بھائی...... میں جانتا تھا وہ یہ سب کر رہے ہیں...... یہ مت سمجھنا کہ مجھے تمہاری فکر تھی، صرف اس لیے بچایا ہے کہ تم میرے بھائی کی بیوی رہی ہو!“ وہ اسے سپاٹ نظروں سے گھورتا پلٹ گیا۔ پارس گہری، گہری سانس لیتی..... بے یقین سی اس کی پشت کو دیکھتی دیوار سے لگی کھڑی رہی۔ اس کا ہاتھ ابھی تک اس کے دل پہ تھا۔

موت، موت کھیلنا بہت آسان تھا، جھیلنا بہت مشکل۔

اس نے ذرا سی گردن پھیر کر دوبارہ اس کھائی کو دیکھا۔ بے اختیار جھرجھری آئی۔ جسم پہ چیونٹیاں رینگنے لگیں۔ اس نے آنکھیں بند کیں، چند گہری سانسیں لے کر خود کو کمپوزڈ کیا اور جھک کر موبائل اٹھایا۔ رضوان کی کال ملی نہیں تھی یا بند ہوگئی تھی، اسے معلوم نہ تھا۔

وہ جب دوبارہ ہال میں داخل ہوئی تو باوجود کوشش کے اس کے چہرے کی اُڑی رنگت، ہاتھوں کی نامحسوس لرزش اور قدموں کی بے ثباتی چھپی نہ رہ سکی۔ اس کو اندر آتے دیکھ کر شکیل بے اختیار سیدھا ہوا پھر سویرا کو دیکھا۔ ان کے لب بھنچ گئے۔ آنکھوں میں غصہ عود آیا۔

”لفٹ کے ساتھ ایک حادثہ پیش آیا ہے، میں نے ریسپشن پہ اطلاع دے دی ہے، وہ لفٹ بند کروا رہے ہیں۔“ فیضان نے سرسری سے انداز میں اطلاع دی۔ سویرا نے جیسے ضبط کرتے ہوئے پہلو بدلا۔ پارس کا رنگ ابھی تک سفید تھا۔ وہ بہ مشکل پھیکا سا مسکراتی اسی مرکزی جگہ آ کھڑی ہوئی جہاں فیضان اور وہ پہلے کھڑے تھے اور جہاں فیضان ابھی تک کھڑا تھا۔ سارا پلان، سارا لائحہ عمل چوپٹ ہوگیا تھا۔ حالات کی ذرا سی بچکی نے سب ڈسٹرب کر دیا تھا۔

”آپ کچھ کہہ رہی تھیں، مسز پارس!“ فیضان نے سلسلۂ کلام وہیں سے جوڑنا چاہا۔

”اپنے بھائی کے ساتھ ہونے والی ٹریجڈی کا علم تو ہوگا آپ کو!“ وہ اپنے سوچے گئے الفاظ دُہرانے لگی مگر ان میں وہ جان نہیں تھی جو دس منٹ پہلے کیے جانے پہ ہوتی تھی۔

”مجھے معلوم ہے اور میں یہی معلوم کرنے آیا ہوں کہ اس سب میں کس کا ہاتھ ہے؟“

شجاع نے بے اختیار مضطرب سا ہو کر پہلو بدلا۔ وہ پریشان ہو رہا تھا۔

”آپ کا فیضان حیات! اس سب کے ذمے

دار آپ ہیں، کیا آپ کو وہ شیشے کا ٹکڑا کچھ یاد نہیں دلاتا؟“ وہ باوجود کوشش کے اپنے الفاظ کو اتنا زہر خند نہ کر سکی جتنا اس کے خیال میں اسے کرنا چاہیے تھا۔

”میں کسی چیز کا ذمے دار نہیں ہوں۔“

”آپ اس وقت وہیں تھے جہاں رضوان اور میں تھے۔ ہم نے آپ کو دیکھا تھا۔ رضوان نے آپ کو پہچان لیا تھا۔ وہ آپ کے پیچھے بھاگے تھے جس کی وجہ سے ان کا پاؤں پھسلا اور وہ......“

”آپ نے ان کو دھکا دیا تھا، مسز پارس!“ سویرا مزید برداشت نہ کر سکیں اور اونچی آواز میں بولیں۔

ہال میں ایک دم سناٹا چھا گیا۔ شجاع نے بے یقینی سے سویرا کو دیکھا۔ پارس کے چہرے پر وہی اضطراب تھا۔ فیضان..... غور سے پارس کو دیکھ رہا تھا۔

”کیا ثبوت ہے آپ کے پاس اس بے بنیاد الزام کا؟“ وہ بولی تو اس کی آواز میں شکستگی تھی اور یہ سویرا کے الزام کی وجہ سے نہیں بلکہ اس واقعے کے باعث تھی۔

”آپ کی اپنی ریکارڈنگ، کیا میں سنواؤں؟“ سویرا فاتحانہ سا مسکرائیں، شکیل کا موڈ آف تھا اور فیروزہ مائی پریشان تھی۔

”میری ایسی کوئی ریکارڈنگ نہیں ہے۔“

”تو پھر سنیے......!“ سویرا نے موبائل پہ چند بٹن دبائے اور فائل کھول لی، پارس اور شجاع کی آواز ہر سُو گونجنے لگی۔ شجاع کے بس چند فقرے تھے اور پارس ہی زیادہ بول رہی تھی۔

”آڈیو عدالت میں قبول نہیں ہوتی۔“ ریکارڈنگ ختم ہوئی تو پارس گہری سانس لے کر بولی۔ فیضان چونکا۔

”کیا آپ جھٹلا نہیں رہیں......؟“ وہ واقعتاً حیران ہوا تھا۔

”میں جھٹلاؤں یا نہ جھٹلاؤں، آپ لوگ میرا

خطا معاف کرنا

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ”قیامت کے دن ایک پکارنے والا پکار کر کہے گا۔ وہ لوگ کہاں ہیں جو لوگوں کی خطائیں معاف کر دیا کرتے تھے وہ اپنے پروردگار کے حضور میں آئیں اور اپنا انعام لے جائیں کیونکہ ہر مسلمان جس کی یہ عادت تھی بہشت میں داخل ہونے کا حقدار ہے۔“

ذرا سی بات

ایک لباس ہے جو دنیا کے ہر خطے میں رہنے والے انسان پر جچتا ہے اور وہ ہے مسکراہٹ۔

از: ارم کمال......فیصل آباد

اپنے آپ کو پہچانیں

کسی نکتہ دان نے انسانی ذہن کا بڑا خوب صورت تجزیہ کیا تھا۔ وہ یہ کہ...

☆ چھوٹے ذہن کے لوگ شخصیات پر بحث کرتے ہیں۔

☆ اوسط درجے کے ذہن رکھنے والے لوگ واقعات پر بحث کرتے ہیں۔

☆ بڑے ذہن کے مالک، نظریات پر بحث کرتے ہیں۔

☆ عظیم ذہن رکھنے والے خاموشی سے عمل پیرا رہتے ہیں اور وہ لوگ عظیم تر ہوتے ہیں۔ جن کے پاس مثال دینے کے لیے اقوال نہیں بلکہ ان کے اعمال ہوتے ہیں۔

مرسلہ: ظلِ شاہین، رحیم یار خان

WWW.PAKSOCIETY.COM

کچھ نہیں بگاڑ سکتے، یہ آڈیو کوئی ثبوت نہیں ہے۔'' وہ پُرسکون تھی اور نہیں بھی تھی۔ وہ ایک وقت میں دو لوگ تھی۔

''پارس...... تو نے...... تُو نے مارا تھا اسے؟'' فیروزہ مائی بے یقین تھی۔

پارس چند لمحے خاموش رہی، سب اسی کو دیکھ رہے تھے۔

''ہاں میں نے ہی ان کو دھکا دیا تھا مگر آپ لوگ میرا کیا بگاڑ سکتے ہیں؟''

فیضان کے جبڑے اتنی سختی سے بھنچے کہ گردن کی نسیں ابھرنے لگیں۔ اس کی آنکھوں میں غصہ عود کر آنے لگا۔

''میں سمجھتا تھا، آپ بے قصور ہیں مگر نہیں، آپ ہی اس سب کی ذمے دار تھیں اگر یہ بات آپ پہلے کہتیں تو میں آپ کو ہرگز، ہرگز نہ بچاتا۔'' وہ شدید صدمے میں تھا، دکھ میں تھا، غصے میں تھا۔

''میں اس آڈیو کو میڈیا پہ دے سکتی ہوں، ہر جگہ تمہاری بدنامی ہوگی اور بالآخر اتھارٹیز کو یہ کیس کھولنا ہی پڑے گا پارس۔'' سویرا کے پاس پورا منصوبہ تھا۔ پارس بالکل چپ ہوگئی۔

''مگر آپ ایسا نہیں کریں گی۔'' وہ پہلی دفعہ پریشان نظر آنے لگی۔

''ہم ایسا ضرور کریں گے۔'' فیضان کہتے ہوئے واپس اپنی کرسی کی طرف چلا گیا۔ وہ جیسے اس کے ساتھ کھڑا بھی نہیں ہونا چاہتا تھا۔

''نہیں، آپ ایسا نہیں کریں گے، ہم اس بارے میں بات کرسکتے ہیں۔ کوئی ایگریمنٹ کرسکتے ہیں۔'' وہ بے قرار ہوئی۔

''مثلاً ...... ہماری زبان بندی کی قیمت کے طور پر تم ہمیں کیا دے سکتی ہو؟'' سویرا کی آنکھیں چمکیں۔

''آپ ...... کیا لینا چاہتی ہیں؟'' وہ واضح شکست خوردہ نظر آرہی تھی۔

''بھائی جی کے تمام ہوٹلز...... ورنہ تم جیل میں ساری عمر سڑو گی اور اسی جوانی میں اوپر چلی جاؤ گی۔ فیصلہ تمہارا ہے۔''

''تمام نہیں، صرف باقی کے دو ہوٹلز۔'' وہ جیسے جمع تفریق کرنے لگی تھی۔

''میں اس ہوٹل سے نیچے کسی شے پر راضی نہیں ہوں گی پارس۔''

''مگر...... میں نے آپ کو ہوٹل دے دیے تو میں کہاں جاؤں گی؟''

''بھائی جی کی دلائی ہوئی جیولری تم رکھ سکتی ہو، گھر رکھ سکتی ہو، پھر دوبارہ پھنسا لینا کسی بڈھے کو، اسے بھی مار دینا مگر ہمیں اپنے ہوٹلز چاہئیں۔''

''آپ اس کی یوں توہین نہیں کرسکتیں۔'' شجاع تلملا کر بولا۔

''چپ رہو......'' سویرا نے ناگواری سے اسے گھورا۔

''ٹھیک ہے! میں آپ کو ہوٹلز دے دوں گی۔'' اس نے جیسے بہت تکلیف سے فیصلہ کیا تھا۔

''پارس، بے وقوف مت بنو، یہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔'' شجاع نے بے اختیار اسے روکنا چاہا۔

''آپ ہوٹلز کے کاغذات لے لیں اور مجھے یہ ریکارڈنگ دے دیں۔ بس بات ختم۔''

''بات ختم نہیں ہوئی، مسز پارس اور مسز سویرا۔'' فیضان نے موبائل فون نکالتے ہوئے کہا۔ ''کیونکہ میں آپ کو پولیس کے حوالے کرنے جارہا ہوں۔''

''فیضی...... رکو......!'' سویرا نے بے اختیار اس کا بازو تھاما، اسے آنکھوں میں کوئی اشارہ کیا۔ پارس نے بے بسی سے فیضان کو دیکھا۔

''آپ کو ہوٹلز چاہیے ہیں، میں دے رہی ہوں، اب آپ کیا چاہتے ہیں؟''

''مجھے ہوٹل نہیں چاہیے۔ مجھے میرے بھائی جی

کے خون کا بدلہ چاہیے۔'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا ایک، ایک لفظ چبا کر بولا۔

''تم جانتی ہو میں یہاں کیوں آیا تھا؟ میں سمجھتا تھا میں ہوٹلز کے لیے آیا ہوں، میں سمجھتا تھا کہ میں خود کو صرف مطمئن کر رہا ہوں یہ سوچ کر کہ میں بھائی جی کے لیے آیا ہوں مگر جانتی ہو میں بھائی جی کے لیے آیا تھا کیونکہ میں سویرا آپا کی طرح بے حس نہیں ہوں، وہ میرا باپ جیسا بھائی تھا، اس نے مجھے ہر اُس وقت میں سہارا دیا جب میں گرنے والا تھا، وہ میرے لیے ایک مضبوط دیوار تھے، جس پہ میں نے ساری عمر ٹیک لگائی مگر کبھی اس کو گرنے سے بچانے کی کوشش نہ کی۔ پارس، میرے بھائی جی کو مجھ سے ہمیشہ تکالیف ہی ملی ہیں۔ آج تم مجھے شہر کے سارے ہوٹلز بھی دے دو، تب بھی تم مجھے میری تمام غلطیوں کا مداوا کرنے سے نہیں روک سکتیں۔''

پارس نے سوچا تھا، وہ اسے جتائے گی، وہ اسے برا بھلا کہے گی مگر سارے الفاظ ختم ہوگئے تھے، آنسوؤں کا پھندا اس کے گلے میں پڑ گیا تھا۔

''فیضی، پاگل مت بنو......!'' سویرا جھنجلا رہی تھیں۔

''کیا تم اپنے بھائی کے خون کی قیمت نہیں لینا چاہتے؟'' پارس بولی تو بس اتنا۔

''میں بہت کچھ ہو سکتا ہوں مگر کسی کی گردن پہ سودے کرنے والا نہیں، تم نے مجھے غلط سمجھا۔'' اس نے کہتے ہوئے فون پر ایک نمبر ملایا اور ابھی یس کا بٹن دبانے لگا تھا کہ خاموش بیٹھے تنویر صاحب کھڑے ہوئے۔

''تمہارے بھائی جی زندہ ہیں فیضی......''

پارس کی آنکھوں سے آنسو ٹوٹ کر گال پر لڑھک گئے، وہ صرف فیضان کو دیکھ رہی تھی۔ جس کا نمبر ملاتا ہاتھ رکا تھا اس نے سر اٹھا کر خالی، خالی نظروں سے تنویر صاحب کو دیکھا۔

''وہ زخمی ہوئے تھے مگر بچ گئے تھے، ہم نے یہ سب صرف اس لیے کیا تاکہ اُن کو محفوظ رکھ کر ان کا علاج کرواسکیں۔ مسز سویرا اور امجد صاحب سے ان کی جان کو شدید خطرہ تھا۔''

فیضان نے ماؤف ہوتے دماغ کے ساتھ مڑ کر سویرا کو دیکھا۔ وہ فق ہوتی رنگت لیے کھڑی تھیں۔

''اور کیا تم یہ جانتے ہو کہ یہ تمہیں پارس کو مارنے کے لیے کیوں اکسا رہی ہیں؟ تاکہ تم اسے مار کر خود جیل چلے جاؤ اور انہیں ہوٹلز میں سے تمہارا حصہ نہ دینا پڑے۔''

''یہ...... جھوٹ......'' سویرا فقرہ بھی مکمل نہ کرسکیں۔

''بھائی جی...... وہ......''

''وہ ایڈمن بلاک میں اپنے آفس میں ہیں، تم جا کر اُن سے مل سکتے ہو......'' فیضان نے بے اختیار پارس کو دیکھا۔ ناسمجھی، حیرانی، بے یقینی۔ وہ اس وقت کئی کیفیات میں گھرا تھا۔ پھر ایک دم وہ باہر کو بھاگا، پارس نے جھلملاتی آنکھوں سے اسے جاتے دیکھا۔ وہ چند منٹ میں ان کے آفس کے گلاس ڈور کے باہر پہنچ چکا تھا۔

اندر وہ اپنی گھومنے والی کرسی...... پہ رخ موڑے نظر آرہے تھے۔ وہ ان کی پیٹھ کو پہچانتا تھا، وہ ان کی خوشبو پہچانتا تھا۔ اس نے مردہ ہاتھوں سے دروازہ کھولا۔ رضوان مڑے اور اسے دیکھ کر مسکرائے۔ وہ پہلے سے کمزور اور بوڑھے ہوگئے تھے مگر وہ زندہ تھے۔

''میں جانتا تھا، تم میرے خون کی قیمت نہیں لوگے۔ میں تمہیں جانتا ہوں فیضی...... میں تمہیں ہمیشہ سے جانتا تھا۔''

''بھائی جی......'' وہ رونا چاہتا تھا مگر رو نہیں سکا۔ بس ان کے سامنے آکر کھڑا ہوگیا۔ وہ ابھی تک بے یقین تھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

وہ مسکراتے ہوئے گردن اٹھا کر اسے دیکھ رہے تھے۔

”میں نے...... میں ہمیشہ زیادتی کر جاتا تھا مگر کیا...... کیا ہم پہلے جیسے ہو سکتے ہیں بھائی جی؟ جیسے میرے بچپن میں آپ اور میں ہوا کرتے تھے؟“

”بہن، بھائیوں کی یہ مجبوری ہوتی ہے کہ ان کو پہلے جیسا ہونا ہی پڑتا ہے۔ ہمیں بھی ہونا پڑے گا۔ شاید کچھ وقت لگے مگر وقت تو ہر چیز میں لگتا ہے فیضی۔“ وہ اٹھے اور اسے گلے سے لگا لیا۔ وہ ان کی کمر پر ہاتھ رکھنے کے لیے ہاتھ بھی نہ اٹھا سکا۔ ابھی ان کے قریب آنے، ان کا اعتبار بحال کرنے کے لیے، اسے بہت سا وقت چاہیے تھا۔

☆☆☆☆

ہال کمرے میں وہ اکیلی تھی۔ سوائے شجاع کے سب جا چکے تھے۔ تنویر صاحب، شکیل کو وہاں سے لے گئے تھے۔ پارس کو یقین نہیں تھا کہ وہ شکیل کو سیکیورٹی کے حوالے کر بھی سکیں گے یا نہیں کیونکہ وہ ہر ممکن طور پر بھاگنے کی کوشش کرے گا۔ سویرا کہاں گئی تھیں، اسے نہیں معلوم...... بس وہ خاموش کھڑی تھی اور شجاع ملامت کردہ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

”اگر تمہارا شوہر زندہ تھا تو تم نے کل میری بات کیوں سنی؟ میرے جذبات کی توہین کیوں کی؟“

پارس نے ہتھیلی کی پشت سے آنکھیں رگڑیں، ذرا سا مسکرائی اور اس کے قریب آئی پھر ہتھیلی اس کے سامنے پھیلائی۔

”میرے بیس روپے، شجاع......؟“

”کیا......؟“ وہ حیران ہوا۔

”میرے بیس روپے تم پہ ادھار ہیں شجاع...... یاد ہے تم میرے لیے یہ بالیاں لائے تھے؟ میں نے صدر میں دیکھی تھیں، وہاں سو روپے کی تھیں مگر تم ستر کی لائے تھے۔ میں نے اگلے ہی دن محلے کی دکان سے چیک کر لیا تھا۔ وہ تم اسی دکان سے لائے تھے، اور وہ پچاس روپے کی تھیں...... مجھ سے دکاندار نے جھوٹ بولا یا تم نے بھی سب کی طرح میرا استعمال کیا، میں اس مخمصے میں برسوں سے الجھی تھی اسی لیے میں نے کبھی ان بالیوں کو نہیں اتارا مگر آج میرے دل سے وہ پھانس بھی نکل گئی ہے۔ ہوٹل ان کو دینے پہ تمہاری بے سکونی مجھے بتا گئی کہ تم ہوٹلز کے لیے میرے پاس واپس آئے تھے۔“ اس نے کانوں سے ایک، ایک کر کے بالیاں اتاریں اور ان کو فرش پر پھینک دیا۔

”چلے جاؤ یہاں سے شجاع! تم بھی ہمیشہ سے میرا استعمال کرنا چاہتے تھے، چلے جاؤ۔“

وہ واقعی ایک پل وہاں نہ ٹھہرا بس ویران نظروں سے کبھی اسے دیکھتا، کبھی زمین پر گری بالیوں کو دیکھتا باہر نکل گیا۔

پارس کی آنکھ سے ایک قطرہ بھی نہ گرا۔ ایک قطرے کی بارش اب سوکھ چکی تھی۔

”رضوان ٹھیک کہتے تھے، یہ فیضان کا امتحان نہیں تھا، میں اپنا اور شجاع کا امتحان لے رہی تھی۔“ دل میں لگا آخری کانٹا بھی آج نکل گیا۔ اس نے چہرے کو ہاتھوں سے تھپتھپا کر خود کو کمپوز کیا اور ذرا سا مسکرائی۔

اب اسے رضوان کے پاس جانا تھا۔ فیضان بھی وہیں ہوگا، اسے برداشت کرنا اور اس سے نارمل طریقے سے بات کرنا مشکل ضرور ہوگا مگر آہستہ آہستہ چیزیں نارمل ہو ہی جائیں گی۔

اسے یقین تھا۔

وہ باہر چلی گئی۔ ہیل کی ٹک ٹک مدھم ہوتی گئی۔ فرش پر گری بالیاں، اپنے اندر کی ان مٹ کہانیاں سموئے وہیں پڑی رہیں۔

ان کی چمک ماند پڑ چکی تھی۔

(ختم شد)

مات

قانتہ رابعہ

”ہم...... ی...... ی......“ دھڑ سے دروازہ کھلا اور صبوحہ اندر داخل ہوئی۔

”لو...... کر لو گل......“ امی نے بے ساختہ کہا۔

”آج نئی کہانی لے کر آئی ہوگی۔“ اور ایسے ہی ہوا...... بیگ رکھتے ہی وہ دھم سے صوفے پر گر گئی۔

”امی آپ کو پتا ہے ہماری کلاس میں ایک نئی لڑکی آئی ہے اتنی اچھی، اتنی اچھی کہ میں بتا نہیں سکتی۔“ امی کو مسکراتا دیکھ کر وہ ٹھٹکی۔

”ہاں جی آپ کو میری بات کا کیونکہ یقین آئے گا۔ وہ ہے ہی بہت اچھی۔“ اب کے امی کھل کے مسکرائیں۔

”اڑا لیں میرا مذاق۔“ صبوحہ کی آنکھوں میں

WWW.PAKSOCIETY.COM

ایک دم پانی آگیا اور بہنے کو بے تاب......

"افوہ......" امی نے سر پکڑ لیا۔ "یہ تمہیں کس نے کہا ہے کہ میں تمہارا مذاق اڑا رہی ہوں؟ یہ تو تمہاری اچھائی ہے کہ تمہیں ہر بندہ بشر اچھا لگتا ہے۔" انہوں نے کہا...... لیکن یہ آدھا سچ تھا...... باقی آدھا سچ مصلحت کے تحت ابھی نہیں بولا جاسکتا تھا کہ اُن کی بیٹی آٹھ گھنٹے اسکول میں لگا کے اب واپس آئی تھی۔ سخت گرمی اور حبس کے موسم میں باقی آدھا سچ فتنہ فساد کا باعث بن سکتا تھا...... اس لیے وہ چپ رہیں...... انہیں چپ دیکھ کر صبوحہ کو پتنگے لگ گئے۔

"ہاں، اب آپ کہہ لیں منہ سے نہ سہی، دل میں ہی کہہ لیں۔ بے چاری صبوحہ ہر کسی پر اندھا اعتماد کر کے اسے فوراً دوست بنا لیتی ہے۔"

ایک لمحے کے لیے امی کی آنکھیں حیرت سے پھیلیں، اُن کی صبوحہ اتنی بڑی ہوگئی کہ دل کی سوچ پڑھ سکتی ہے اور ساتھ ہی اطمینان بھی...... وہ اتنی بھی بچی نہیں جتنا وہ سمجھ رہی تھیں۔ بہر حال یہ بات تو طے تھی کہ وہ ہر کسی پر اندھا اعتماد کر لیتی، اسے دوست بنا کر سب کچھ اس پر قربان کر دیتی اور جواب میں جب ویسا محبت بھرا مظاہرہ نہ ہوتا یا پھر کوئی چالاکی، ہوشیاری نظر آتی تو وہ اتنی ہی خلاف ہو جاتی...... گھر والے اعتدال، اعتدال...... سمجھا، سمجھا کے تھک گئے سوائے امی کے...... اس سے پہلے کہ وہ دھواں دار رونا شروع کرتی، امی نے موضوع بدلا۔

"یہ بچی کلاس میں پہلے دن آئی ہے؟"

"جی......" صبوحہ نے جھٹ سے آنسو پونچھے۔

"پہلے کہاں پڑھتی تھی؟ یعنی کس اسکول میں؟"

"نہیں، کسی گاؤں سے آئی ہے، آج پہلا دن تھا......"

"تمہیں کیسے پتا چلا؟"

"امی میں نے اسے سلام کیا تھا پہلی دفعہ آئی تھی ناں......!"

"اچھا...... نام کیا ہے اس کا......؟" امی اس کے ہر راز میں برابر کی شریک تھیں۔

"مستبشرہ نذر وڑائچ......"

"ک...... کیا......؟" امی کو سمجھ میں نہیں آیا۔

"مس، تب، شرہ، نذر، وڑائچ۔" صبوحہ نے نام کے ہجے کیے۔

"اُف یہ تو مستنصر حسین تارڑ سے بھی مشکل نام ہے......" امی نے زیرِ لب کہا... لیکن صبوحہ نے سن لیا۔ بلاشبہ وہ کم عمری کی بنا پر قانون کی کچی تھی لیکن سماعت کی پکی......

"امی نام تو اس کا مشکل ہے لیکن اسے گھر والے سب ہی گوینا کہتے ہیں۔" اس نے وضاحت کی۔

"ک...... کیا... گوینا یہ کیا نام ہوا بھلا؟"

"پیار کا نام ہے جو کچھ بھی ہو سکتا ہے۔" صبوحہ نے کہا۔

"ٹھیک ہے...... بھئی ٹھیک ہے اب تم یہ بتاؤ وہ تمہیں بہت اچھی کیوں لگی؟"

"امی وہ شاید بیمار تھی جب کلاس روم میں داخل ہوئی...... بہت تھکی ہوئی نڈھال......"

"تو اچھا ہونے کے لیے بیمار یا نڈھال ہونا شرط ہے، صبوحہ بی بی!" فصیحہ اندر آ کر بولی...... "واہ...... یعنی جو صحت مند نہیں اسے اچھا ہونے کا کوئی حق نہیں۔"

"یہ میں نے کب کہا؟" اس نے تیز لہجے میں کہا۔ دونوں میں بحث و مباحثے کی نئی جنگ چھڑ گئی حالانکہ امی جانتی تھیں کہ صبوحہ کا مطلب صرف اور صرف یہ تھا کہ بیماری کے باوجود جو اسکول سے چھٹی نہیں کرتا وہ اچھا ہی ہوتا ناں......

☆☆☆

"امی آج پتا ہے کیا ہوا......؟" صبوحہ نے اگلے دن اسکول سے واپسی پر ماں کو رپورٹ دی...... اور جہاندیدہ ماؤں کی طرح امی کو سارے

دن کی... رپوٹ چاہیے بھی ہوتی تھی...... جس بچے کو ہر چھوٹی بڑی بات ماں سے ڈسکس کرنے کی عادت ہو جائے اس کے لیے کچھ چھپانا مشکل ہو جاتا ہے۔

"ہاں بیٹے تمہاری اس دوست کا کیا حال ہے؟ کیا نام تھا اس کا...... گوینا...... ہاں گوینا کا......"

"امی آپ کو پتا ہے گوینا یتیم ہے...... اس کے ابو کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔" صبوحہ کی آنکھوں کے پیالوں میں پھر سے پانی جمع ہو گیا صبوحہ دل کی بہت اچھی تھی لیکن دل کے اچھوں کے ساتھ یہ معاملہ ہوتا ہے کہ ذرا سی ٹھیس لگی اور ٹھس ہو گئے۔

"اوہو...... کتنے بہن بھائی ہیں؟" امی کو واقعی افسوس ہوا۔

"امی دو بھائی اور دو بہنیں...... صبوحہ سب سے بڑی ہے...... بہت تعریف کرتی ہے اپنی امی کی .... بےچاری بچوں کی پڑھائی کی خاطر یہاں شفٹ ہوئی ہیں، مجھے لگتا ہے امی ان کے مالی حالات اچھے نہیں اس نے روزانہ ہی اچار اور پراٹھا نکالا ہوتا ہے اپنے ٹفن سے۔" صبوحہ کی داستان گوئی جاری رہی۔

"امی میں اُن کے گھر چلی جاؤں کسی دن؟ کوئی اچھا سا تحفہ لے جاؤں گی۔"

"نہیں بیٹا پہلے اس کو بلانا پھر بے شک چلی جانا۔" امی نے تجویز پیش کی۔

"جی کل ہی بلا لوں گی، ویک اینڈ ہے، مجھے امید ہے ضرور مان جائے گی وہ۔" صبوحہ بہت پُرجوش ہو گئی۔

☆☆☆

رکشا رکنے کی آواز آئی...... دروازہ کھلنے کی آواز ہی نہ آئی...... اپنے مخصوص دھم دھم قدموں سے چلنے کے بجائے دھیمی سی آواز میں صبوحہ نے کہا۔

"السلام علیکم...... امی جان۔" اور بیگ صوفے پر ہی رکھ کے لیٹ گئی۔ نڈھال اور مضطرب سی صبوحہ کو دیکھ کر امی نے پوچھا۔

"کیا ہوا صبوحہ...... خیریت تو ہے؟"

"جی امی...... تھک گئی ہوں۔" صبوحہ آہستہ سے بولی۔

"اور...... وہ تمہاری دوست گوینا آج آئے گی ہمارے ہاں؟" انہوں نے اس کے پسندیدہ موضوع کو چھیڑا۔

"پتا نہیں......" صبوحہ نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔

"یہ پتا نہیں کا کیا مطلب ہے؟" انہوں نے حیرانی سے پوچھا اور اس کے ساتھ ہی صبوحہ کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔

"امی...... اس نے پتا ہے کیا کہا؟ وہ کہنے لگی ہمارے گھر کے حالات ایسے نہیں کہ میں آسکوں، میری امی اجازت نہیں دیں گی۔"

"یہ کیا بات ہوئی بھلا؟" امی خفا ہوئیں...... "گھر کے حالات کا یہاں آنے یا نہ آنے سے کیا تعلق ہے؟"

"امی وہ کہہ رہی تھی کہ میری امی بہت سخت ہیں۔" وہ آہستہ سے بولی۔

"کوئی بات نہیں، ایسے ہوتا ہے اور آج کے دور میں ماؤں کو سخت ہونا ہی چاہیے۔" انہوں نے بات ختم کی۔

☆☆☆

چند دنوں کے بعد اسکول میں بورڈ کلاسز کے بچوں کی ماؤں کو بلایا گیا تھا۔ صبوحہ جاتے، جاتے بھی پندرہ دفعہ امی کو تاکید کر کے گئی، آپ نے ضرور آنا ہے، ضرور آنا ہے۔ جب وہ اسکول پہنچیں تو وقتی طور پر گوینا نام کی بچی یا اس کی والدہ کا بھول گئیں۔ وہ تو اسکول سے واپسی پر گیٹ سے نکلتے، نکلتے ایک خاتون ان کے قریب آئیں اور سلام دعا کے بعد بولیں۔

"آپ صبوحہ کی امی ہیں؟ گوینا اس کی بہت تعریف کرتی ہے۔"

"اوہ...... وعلیکم السلام......! آپ گوینا کی امی

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہیں! صبوحہ بھی..... بہت ذکر کرتی ہے اس کا۔ آپ شاید کسی گاؤں سے آئی ہیں؟"

"ہاں، وہاں مڈل اسکول تھا۔ بچوں کی تعلیم کے لیے آنا پڑا۔" انہوں نے جواب دیا۔

"آپ ہماری طرف آئیں کبھی......" امی نے انہیں گھر آنے کی دعوت دی۔

"ضرور آؤں گی لیکن گھر کے کام کاج کا سلسلہ ایسا ہے کہ میرا شام میں نکلنا ناممکن ہے اور گوینا۔۔ سہ پہر کے بعد گھر پہنچتی ہے......آپ آئیں ناں کسی دن ہمارے غریب خانے پر......" انہوں نے جواب الجواب دعوت ان کو دی۔

"ضرور......انشاءاللہ......" اسکول والی لمبی گلی ختم ہونے پر دونوں کے راستے الگ ہو گئے لیکن گھر پہنچنے تک وہ یہی سوچتی رہیں کہ اللہ جانے شام کو کیا ایسے حالات ہیں جو گھر سے نکلنے نہیں دیتے۔

☆☆☆

"امی آج گوینا کے ہاں چلیں؟" آج اسکول والوں کی طرف سے ایکسٹرا ٹائم ختم ہو چکا تھا لہٰذا صبوحہ دو بجے ہی گھر آ چکی تھی۔

"کیوں، آج کیا خاص بات ہے؟" امی نے کہا۔

"ویک اینڈ پر وہ لوگ گاؤں چلے جاتے ہیں ناں......اس لیے......اور......اور امی آپ کو پتا ہے وہ پیدل آتی ہے اپنے گھر سے اسکول......" حیرانی سے صبوحہ نے بتایا۔

"پیدل......؟" امی کو بھی حیرانی ہوئی۔ "ان کا گھر تو ماڈل ٹاؤن کے قریب ہے ناں......وہ تو بہت دور ہے۔"

"ہاں دور ہے، شاید ان کے مالی حالات اچھے نہ ہوں۔" صبوحہ نے اندازہ لگایا......" وہ لوگ دودھ بیچتے ہیں، باتوں باتوں میں گوینا نے بتایا تھا مجھے۔" صبوحہ نے کہا۔

"ہائیں...... باپ تو مر چکا ہے۔ دودھ کون بیچتا ہے؟" امی کو جھٹکا سا لگا۔

"پتا نہیں......" صبوحہ نے شانے اچکائے۔

"امی پلیز چلیں ناں......" اس نے منت سماجت کی۔

"چلو پھر چلتے ہیں" انہوں نے زکوٰۃ کی مد سے دو نیلے نوٹ بھی پرس میں ڈال لیے۔ یتیم بچے ہیں اللہ جانے کیسے گزر بسر ہوتی ہوگی۔ راستے سے پھل خرید کر جب وہ رکشے پر بیٹھیں اور ایڈریس سمجھانے لگیں تو رکشے والا جو پندرہ بیس سال سے ان کے بچوں کو لانے لے جانے کا کام کر رہا تھا۔ ایڈریس سن کر وہ حیرت سے بولا۔

"باجی جی، یہ تو کرایے کا گھر ہے چھوٹا سا ڈیڑھ دو مرلے کا، میری بھانجی اسی گلی میں رہتی ہے...... بہت دور ہے یہاں سے۔"

"جو بھی ہے جانا تو ہے ناں۔" امی نے مختصر جواب دیا۔ بیس پچیس منٹ کے بعد جب وہ اس گلی میں پہنچیں تو گوینا کی چار سالہ بہن گلی میں ہی کھیل رہی تھی چونکہ اسکول میں اپنی امی کے ساتھ وہ بھی گئی تھی اس لیے امی نے فوراً پہچان لیا اور اس کے پیچھے، پیچھے ان کے گھر میں داخل ہو گئیں۔

گوینا سے زیادہ ان کی امی خوش ہوئیں بڑی محبت سے اندر کمرے میں لے گئیں۔ ایک کمرا تھا چاہے ڈرائنگ روم کہہ لو یا بیڈ روم یا ڈائننگ روم...... چند ہی لمحوں میں اسکواش اور ٹھنڈے ٹھنڈے آم کاٹ کر پلیٹ میں لے آئیں۔ گھر واقعی چھوٹا تھا...... بہت مختصر سا سامان تھا......امی نے گاؤن اتار کر ایک طرف لٹکایا...... چند لمحوں میں بڑے بڑے آم، آلو بخارے اور جامنوں سے بھری فروٹ باسکٹ بھی ان کے سامنے کی۔

"آپ لیں ناں...... ہماری اپنی زمینوں کے آم ہیں...... بہت دور دور تک مانگ ہے ان کی۔" بڑے مان سے انہوں نے اپنی پروڈکٹ کا تعارف پیش کیا۔

"ہماری اپنی زمینیں......؟ ارے یہ تو صاحب جائداد ہوئیں۔" امی چونکیں۔ دل میں کھُد بُد ہو رہی تھی۔ لہجے کو نارمل رکھتے ہوئے سرسری سے انداز میں انہوں نے پوچھا۔

"کتنی زمینیں ہیں آپ کی؟"

"پہلے تو چھ مربع تھیں اب مزید خریدنے کا ارادہ ہے۔" گوینا کی ماں نے کہا۔

"آپ کے میاں تو غالباً حیات نہیں ہیں، کون دیکھ بھال کرتا ہے۔" امی کو اپنے اندازے غلط ثابت ہونے پر جھنجلاہٹ سی ہو رہی تھی۔

"جی......! میرے میاں جب بیمار ہوئے تھے انہوں نے سب زمینیں فش فارم اور کاروبار بھائیوں میں تقسیم کر دیا تھا۔" سادہ سے لہجے میں انہوں نے کہا۔

"ہمارا حصہ گھر بیٹھے مل جاتا ہے الحمد للہ...... لاکھوں کروڑوں سے خوشحال ہیں۔" امی منہ اٹھائے انہیں دیکھ رہی تھیں...... چھ مربعوں کی مالک اور بچی رکشے پر دھکے کھائے......؟ ان سے رہا نہ گیا اور سوال نوکِ زبان پر آ گیا۔

"ارے تو پیدل چلنا صحت کے لیے اچھا ہوتا ہے......" ہنس کر انہوں نے کہا۔

"اور...... یہ اتنا چھوٹا سا گھر......؟" زبان میں پھر کھجلی ہوئی۔

"اوہ......" وہ مسکرائیں۔ "اصل میں ہمارا فارم ہاؤس بن رہا ہے سال ایک تو کم از کم لگے گا مکمل ہونے میں...... میں نے بچوں کو سمجھا دیا تھا کہ سہولتوں سے بھرا کھلا گھر چاہیے تو گنتی کے چند ماہ ہیں یہ صبر شکر سے گزار لو۔"

"اُف......" امی نے خیالوں ہی خیالوں میں اپنی عقل کا ماتم کیا وہ کیا سمجھی تھیں اور کیا ظاہر ہوا۔

"امی، امی، چاچو دودھ والے برتن مانگ رہے ہیں۔" گوینا کی چھوٹی بہن اچھلتی کودتی اندر آئی۔ دروازے کے ساتھ ہی چمکتے دمکتے تین چار بڑے بڑے دودھ کے ڈبے اُن کی ماں نے صحن سے اٹھا کر باہر کھڑے دیور کو پکڑا دیے پھر اندر آ کر بولیں۔

"ہمارا دودھ گاؤں سے آتا تھا تو پڑوسیوں کو بہت اچھا لگا انہوں نے کہا ہمیں بھی پانچ کلو منگوا دیا کریں...... پھر گل صاحب، چیمہ صاحب، میاں صاحب کی طرف سے بھی فرمائش آ گئی......ثواب کا ثواب، کاروبار کا کاروبار......اسی مصروفیت کی وجہ سے میرا شام میں باہر نکلنا نہیں ہوتا۔" گوینا اسی دوران چھوٹی ٹیبل پر دہی بھلے، شامی کباب اور بسکٹ کے ساتھ چائے رکھ چکی تھی۔

وہ خاتون بہت اچھی میزبان ثابت ہوئیں گھر واپس آتے آتے دس پندرہ کلو آموں کی پیٹی اور ٹھنڈے خربوزے بھی ہمراہ بھجوا دیے......خوب گلے مل ملا کے وہ رخصت ہوئیں...... لیکن چند نکات پر امی کا ذہن اٹکا ہوا تھا...... بیگ میں موجود زکوٰۃ کے نوٹ اپنی جگہ پر لیکن وہ سوچ رہی تھیں۔

"انسان جس شخص کے متعلق جس سوچ اور نظریے کی عینک لگاتا ہے وہی کچھ دیکھتا ہے...... انہیں صبوحہ نے جو سوچ گوینا کے گھر والوں کے متعلق دی انہوں نے اسی عینک سے سب کو دیکھا۔ اسی طرح ہم کسی کو بد مزاج...... سخت، تند خو یا جو سوچتے ہیں وہ شخص ہمیں ویسا ہی نظر آتا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہوتا......اگر بڑے فارم ہاؤس میں شفٹ ہونے تک کے عرصے کے لیے گھر...... سہولتوں کی کمی اور تنگی برداشت کی جا سکتی ہے، دو مرلے کے کرایے کے گھر میں رہا جا سکتا ہے، رکشے کے دھکے کھائے جا سکتے ہیں تو کیا...... جنت کے محل اس قابل نہیں کہ اس کے لیے چند روزہ زندگی میں مسافرت کا سا انداز اپنایا جا سکے...... دنیا کی چند روزہ زندگی کو عارضی اور دنیا کو کرایے کا گھر کیوں نہ سمجھا جا سکے...... یہاں پر ہم کیوں مات کھا جاتے ہیں؟"

☆☆☆

WWW.PAKSOCIETY.COM

سنگار

رفعت سراج

26 اکتوبر کی ایک بے حد حسین شام نے ایک خیال پر مرتکز کردیا...... ایک بات ہوئی اور بات سے بات بن گئی۔ جی چاہا زندگی کے شب وروز ہر انسان کو کچھ نہ کچھ سکھاتے ہیں۔ قلمکار اسے کہانیوں کی صورت پیش کردیتے ہیں مگر کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ کہانی کے لوازمات میں بے محل محسوس ہوتی ہیں ان پر تو الگ سے کوئی مختصر مضمون لکھا جانا چاہیے۔

میں نے 26 اکتوبر 2013ء کا ذکر محترمہ عذرا رسول کی جانب سے دی جانے والی عید ملن پارٹی کے حوالے سے کیا ہے۔

مہمانوں میں سب سے آخر میں پہنچنے والی راقم الحروف ہی ہیں۔ کوشش تو بہت کی تھی کہ وقت پر پہنچ جائیں کچھ عزت بن جائے مگر...... ایک تو راستہ طویل پھر ٹریفک، سب سے بڑھ کر یہ سوچ... کہ ساڑھے پانچ بجے اکیلی میں ہی تو نہیں ہوں گی۔

مگر یہ کیا...... ماشاء اللہ تمام مدعوئین ہائی ٹی انجوائے کررہے تھے بلکہ چائے کے کپ خالی ہوچکے تھے۔

میں نے سوچا...... یہ تقریب تو بہرِ ملاقات ہے چائے تو پیتے ہی رہتے ہیں۔ جو ساتھی قلمکار یہاں موجود ہیں ہم تو بس ان سے باتیں شروع کرتے ہیں مگر عذرا رسول نے پُرتپاک استقبال کے ساتھ پیار بھری سرزنش بھی کی کہ یہ سولہ سنگار کرکے آنے کی کیا ضرورت تھی؟ سنگار کم کرلیتیں وقت پر تو پہنچ جاتیں۔ ہم نے کہا کہ آپ سے سامنا ہونا تھا سوچا ۱۶ تو کرلیں کہیں کم نہ ہوں۔

اس کے ساتھ ہی انہوں نے آدابِ میزبانی بجالانا شروع کردیے۔ یہ لیں وہ کھائیں، یہ بھی ٹرائی کریں۔ حلیم ضرور کھائیں مزے کی ہے وغیرہ، وغیرہ...... تمام قلمکار اور تبصرہ نگار ساتھی یوں بے نیازی سے آپس میں بات چیت میں مصروف ہوگئیں کہ جیسے میں تقریب میں موجود ہی نہیں ہوں...... شاید تمام رائٹرز کی کوشش تھی کہ میں اور میرے شوہر اور بچے سکون سے چائے پئیں۔ میں اس صبر وضبط کی داد دیتی ہوں۔ کچھ رائٹرز کو جلدی جانا تھا مگر وہ بھی بڑی وضع داری نبھاتی رہیں۔ کیا مہذب قوم ہے یہ رائٹرز بھی...... جو شائستگی، وضع داری، احتیاط، آدابِ محفل یہاں دیکھنے کو ملتے ہیں، اس سے ذہن کو بڑی تازگی وجلا ملتی ہے۔ خوب صورت رویّے زندگی بڑھاتے ہیں اور خوب صورت محفلیں زندگی کو تحریک دیتی ہیں۔

عذرا رسول کے اس اولین جملے نے ایک عجیب سی تحریک پیدا کی۔ لفظ سنگار حواس پر چھا گیا۔ سوچا اس پر کچھ لکھنا چاہیے۔ جو نئی نسل کو سکون اور رہنمائی دے اور... ہم عصروں کو کمی بیشی وجانچ کی تحریک دے۔ سجنا سنورنا عورت کا پیدائشی حق سمجھا جاتا ہے۔ ہمارے مذہب میں تو شادی شدہ عورت کو بننے سنورنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ یعنی اپنے شوہر کے لیے بننا سنورنا بھی نیک عمل میں شامل ہے۔ مگر میں دیکھ رہی ہوں کہ ہماری نئی نسل (ٹین ایجرز) اس کو کسی مشن کی طرح اہمیت دیتی ہیں۔ جبکہ کہا جاتا ہے کہ سب سے خوب صورت عورت وہ ہے جس کے ہاتھ ہمیشہ کام میں مصروف رہتے ہیں۔ آج کل الٹ معاملہ ہے گھر اوندھے پڑے رہیں مگر پارلر میں وقت لگانا بہت ضروری خیال کیا جاتا ہے۔

پہلے طے تو کرلیں کہ خوب صورتی اصل میں ہے کیا......؟ چمکتی ہوئی روشن جلد...... مسکراتی ہوئی خیر خواہی کی ترجمان آنکھیں، خوش اخلاق اپنائیت بھری مسکراہٹ...... مومن کا چہرہ ہمیشہ تروتازہ دکھائی دیتا ہے۔ (حدیث قدسی) مومن یا صاحبِ ایمان اسے کہتے ہیں جس کے دل میں پوری انسانیت کے لیے خیر خواہی کے نیک جذبات ہوتے ہیں اور چہرہ خیالات کا عکاس ہوتا ہے۔

روشن جلد کے لیے اچھی صحت اور اچھی صحت کے

لیے اچھے خیالات کی بہت اہمیت ہے۔ اللہ پاک سب کو بڑی آزمائشی بیماریوں سے اپنی پناہ میں رکھے۔ (آمین ثم آمین) میں نے 1976ء میں ماہنامہ زیب النسا لاہور میں ایک حکیم صاحب کے مضمون میں پڑھا تھا کہ 18 سال کی عمر تک جلد کو ہر قسم کے کیمیکل سے پاک رکھیں بڑی عمر تک چہرے پر جھریاں نمودار نہیں ہوں گی۔ جانے کون سی گھڑی تھی کہ حکیم صاحب کی سب سے فرمانبردار قاری شاید میں ہی تھی۔ اس وقت میری عمر 14 سال ہوگی میں نے ان کی نصیحت پر عمل کیا ہر قسم کی کریم اور پاؤڈر کا استعمال ہنڈرڈ پرسنٹ ترک کردیا۔ حکیم صاحب نے لپ اسٹک کے لیے کچھ لکھا ہی نہیں تھا۔ میں نے زندگی بھر جی بھر کر استعمال کی۔ لپ اسٹک کا شوق مجھے جنون کی حد تک ہے۔ شادی سے پہلے بھی میں گھر میں لپ اسٹک لگا کر گھومتی سارے کام کرتی تھی۔ گروسری کے لیے نکلتی تو لپ اسٹک صاف کرلیتی۔ اب تو شادی کا سرٹیفکیٹ بھی ملا ہوا ہے۔ صبح فجر کے وقت ہی کوئی خوش رنگ لپ اسٹک ہونٹوں پر لگ جاتی ہے، پھر کام شروع ہوتے ہیں۔

کوئی یقین نہیں کرے گا اپنے ولیمے پر میں خود تیار ہوئی تھی۔ نہ مصنوعی پلکیں لگائیں نہ آئی پینسل آئی برو پر پھیری...... جبکہ شادی والے دن پارلر میں تیار ہوئی تھی۔

میری ولیمے کی تصویریں زیادہ اچھی ہیں...... بہت لائٹ میک اپ تھا اور اصلی جیولری، موتیا کی کلیاں...... بس...... وجہ یہ تھی کہ میں نے خود کو آئینے میں دیکھا تو بہت فریش نظر آرہی تھی۔ سوچا...... اتنی فریش نیس پر تھوپا تھاپی کی کیا ضرورت ہے؟ لڑکیوں کو یہ سب اس لیے بتا رہی ہوں کہ اکثر لوگ مجھے خاصا کم عمر سمجھتے ہیں، منیر صاحب کے دوست تو یہ سمجھتے ہیں پتا نہیں اس نے کہاں سے "کڑی" پکڑلی...... حقیقت یہ ہے کہ میں کم عمر نہیں ہوں کم عمر نظر آتی ہوں۔ بقول ریکھا...... ۴۲ سال کا ہونے اور ۲۲ سال کا نظر آنے میں بہت فرق ہے۔ کم عمری کی معصومیت ہی اصل میں حسن ہے۔ چیختا، پکارتا میک اپ حسین نہیں ہے۔ دیکھنا اور ہے دل میں اترنا اور......

اگر ظاہری حسن ہی سب کچھ ہوتا تو کوئی مرد کبھی اپنی حسین بیوی کو طلاق نہ دیتا...... اور نہ کسی حسین جوڑے کی لومیرج کے بعد علیٰحدگی ہوتی۔

اپنی فطری خوب صورتی کی حفاظت کیجیے۔ احساسِ ذمّے داری، فائدہ مند کاموں میں مصروفیت، زندگی کی بھاگ دوڑ میں فلاح وخیر خواہی کا کوئی ایک کام لازمی جس کا صلہ صرف آخرت میں ملنے کی امید ہے۔ روزانہ یا ہفتہ میں ایک یا کم از کم مہینے میں ایک ضرور کیا جائے۔ اپنے ذاتی ضروری کام کی طرح...... اپنی کسی ذمّے داری کو بوجھ نہ سمجھیں۔ نماز کی پابندی، قرآن میں غور وفکر، درود شریف کی کثرت، صفائی پاکیزگی پر عمل، حسد، بغض سے دوری یہ آپ کے سولہ نہیں اٹھارہ، بیس سنگار ہیں۔ مشق کیجیے...... پندرہ دن میں ہی آئینہ گواہی دے گا کہ آپ کتنی خوب صورت ہیں۔ خوب صورت وہ نہیں جو خوب صورت نظر آتا ہے۔ خوب صورت وہ ہے جو دل میں اترتا ہے۔

میں آپ کو بننے سنورنے کے حق سے دست بردار ہونے کے لیے نہیں کہہ رہی ہوں، میں تو یہ کہہ رہی ہوں پارٹی میک اپ نالی میں بہانے کے بعد بھی خوب صورت نظر آئیں۔

شمع حسین کینیڈا کی شکر گزار ہوں جنہوں نے مجھے دنیا کی بہترین کریمیں گفٹ کیں جو اَب میری عمر کی ضرورت بھی ہیں کیونکہ وقت گزرنے کے ساتھ ہمارے جسم میں ہارمونز اور دیگر کیمیائی عمل سست پڑتے جاتے ہیں اور اس کا عکس ہمارے چہرے اور آنکھوں سے ظاہر ہوتا ہے۔ شمع بہت ہی قیمتی تحائف دیتی ہیں۔ بہت حوصلہ بہت بڑا دل ہے اللہ ہمیشہ انہیں سرسبز وشاداب رکھے آمین۔

خصوصی نوٹ:

عزیز قارئین میں نے تقریب میں شریک قلمکار خواتین کی تزئین وآرائش وملبوس پر جان بوجھ کر تبصرے سے گریز کیا ہے۔ یہ شعبہ انجم انصار کا ہے۔ کسی کا ڈریس کسی کو پہنا دیا تو آئندہ ہر تقریب میں میرا داخلہ ممنوع قرار دینے کی قرارداد پاس ہوجائے گی۔ (رفعت بہن میں کسی کا داخلہ ممنوع نہیں کیا کرتی، آپ جو دل چاہے لکھیے)

☆☆☆

WWW.PAKSOCIETY.COM

2013ء کی ادھوری خواہشات

خواب، کام اور 2014ء میں ان کی تکمیل

شائستہ زریں

ریل گاڑی میں مسافر کی نظر سے جیسے
رات کے وقت کوئی شہر گزر جاتا ہے
اس طرح وقت کے دریائے رواں سے ایک سال
جیسے گزری ہے کوئی لہر گزر جاتا ہے

ادھر گزشتہ چند برسوں سے وقت ایسی برق رفتاری سے آگے بڑھ رہا ہے کہ مہینے بھی ہفتوں کا سفر طے کرتے معلوم ہوتے ہیں۔ جانے والا سال جاتے، جاتے اپنے کچھ ان مٹ نقوش چھوڑ جاتا ہے ہم نئے سال کا استقبال ان کی ہمراہی میں کرتے ہیں۔ اس کی بھی کئی صورتیں ہوتی ہیں جو ہمارے حوصلوں کو جواں، امنگوں کو شاداب اور ولولوں کو مزید زور آور بناتی ہیں۔ ہماری خواہشات اور خوابوں کے تمام سلسلے ان سے جڑ جاتے ہیں، خواہش اور خواب میں بڑا عجب رشتہ ہے۔ پتا بھی نہیں چلتا اور خواہشیں، خوابوں میں اور خواب، خواہشوں میں ڈھل جاتے ہیں اور جب نیا سال ہمارے سر پر کھڑا ہوتا ہے تب رواں سال میں ادھورے رہ جانے والے خواب، خواہشیں اور کام ہمیں مضمحل کر دیتے ہیں۔ ملال اور پچھتاوے اپنے حصار میں لینے لگتے ہیں لیکن ہمارا مثبت اندازِ فکر روشنی دکھاتا ہے تو ہم ان باقی رہ جانے والے امور کی تکمیل کے لیے خود کو تازہ دم محسوس کرتے ہیں ایک نئے ولولے اور جستجو کے ساتھ تب کامیابیاں ہمارا مقدر بن جاتی ہیں۔

ہمارا آج کا موضوع اور سوال بھی 2013ء میں ادھوری رہ جانے والی خواہشات، خوابوں اور کام کی 2014ء میں تکمیل ہے۔ لیکن وہ کونسی خواہشات، خواب اور کام ہیں آئیے پڑھتے ہیں۔

مہناز رحمٰن
ریذیڈنٹ ڈائریکٹر عورت فاؤنڈیشن

خواہش اور خواب کی عمر تو گزر گئی اب تو بس

مہناز رحمٰن

ایک جہدِ مسلسل ہے سو یہ مسافت جاری ہے۔ اللہ سے دعا یہی ہے کہ ساری عمر کام کرتے گزری ہے تو عمر تمام بھی کام کرتے ہوئے ہو۔ ہاں، یہ اللہ کا

بڑا کرم ہے کہ ہمارے شوق اور کام ہمیشہ سے ایک ہی رہے ہیں۔ یعنی ہم معاشرے کو بہتر بنانے کی کوشش میں لگے رہے اور اب یہ عالم ہے کہ یہ کام ہی خواہش ہے اور کام ہی خواب ہے۔ 2013ء میں بھی معاشرے کی فلاح میں اپنے حصے کا کردار ادا کیا ہے اور 2014ء میں بھی مزید بہتری کے یقین کے ساتھ یہ سفر جاری رہے گا انشاء اللہ۔

ڈاکٹر فوزیہ خان
ڈین فیکلٹی آف مینیجمنٹ
سائنسز SMI یونیورسٹی

انسانی خواہشات عمر کے ساتھ ساتھ بڑھتی

ڈاکٹر فوزیہ خان

جاتی ہیں۔ کچھ نامکمل اور ناقابلِ تکمیل خواہشات، خواب بن جاتی ہیں اور ان کے حصول کے لیے کام جنون بن جاتا ہے کچھ یہی حال ہمارا بھی ہے اس شعر کے مصداق کہ

اس کاروبارِ شوق کا انجام کچھ نہیں
مصروفیت بہت ہے مگر کام کچھ نہیں

اب تو یوں لگتا ہے جیسے ایک جہدِ مسلسل بن گئی ہے زندگی۔ کوشش کے باوجود کمائی کی دوڑ میں مہنگائی آگے نکل گئی ہے ہمیشہ کی طرح ترقی آہستہ، آہستہ خرچ پیچیدہ، پیچیدہ اس عالم میں کہ گھر، بچوں اور خود اپنی ضروریات کے بعد مہینے کے آخری ہفتے میں ہاتھ خالی اور کچھ بھی مجھے درکار نہیں ہے لیکن میری چادر میرے پیروں کے برابر کر دے 2014ء میں ہو جائے تو بہت اچھا ہو، آمین۔

دردانہ شہاب
چیف ایڈیٹر ماہنامہ سطور
انٹرنیشنل، ویکلی بزنس ورلڈ وائیڈ

2013ء میں نامکمل رہ جانے والے میرے دو اہم کام جن کی تکمیل میری اولین خواہش بھی ہے اور خواب بھی جنہیں انشاء اللہ 2014ء میں ضرور مکمل کر لوں گی۔ چونکہ میں صحافی ہوں تو میرے وہ اہم کام بھی میرے پیشے سے مناسبت رکھتے ہیں۔ اول یہ کہ میں نے اپنے میگزین کے لیے لیڈنگ سیاسی شخصیات کے جو انٹرویوز کیے

دردانہ شہاب

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہیں، انہیں کتابی صورت میں لانا چاہتی ہوں دیگر یہ کہ صحافی خواتین کے لیے ایک ایسی تنظیم کا قیام عمل میں لانا چاہتی ہوں جو ہم صحافی خواتین کو اپنے کام میں مزید طاقتور بنادے۔ دعا کریں کہ 2014ء میں، میں اپنی خواہش، خواب اور کام کے اس سفر میں کامیابی سے ہمکنار ہوجاؤں، آمین۔

عصمت زیدی

ٹی وی آرٹسٹ

2013ء میں سفر کی خواہش تھی کہ اپنے بیٹے کے پاس لندن جاؤں سرِ دست تو یہ خواہش خواب

عصمت زیدی

بن گئی ہے، اللہ سے امید یہی ہے کہ اس کی روشن تعبیر 2014ء میں ضرور دیکھوں گی۔

مثل مشہور ہے تندرستی ہزار نعمت ہے اور 2013ء میں میری صحت کے معاملات گڑ بڑ رہے، سال بھر میں بہت فعال رہی لیکن عدم فرصت کی وجہ سے ایکسر سائز کے ذریعے کی جانے والی حرکت کی برکت سے محروم رہی سو 2013ء میں ادھورا رہ جانے والا یہ کام 2014ء میں ضرور مکمل کروں گی۔

سیما رضا

ریڈیو پروڈیوسر۔ مصنفہ

کبھی میں سوچتی ہوں کہ ناول کا آخری باب اسی ماہ مکمل ہو جائے گا لیکن ناول کا کلائمکس اور اینٹی کلائمکس کے درمیان کا سفر اس قدر مشکل لگتا ہے کہ ناول کے کردار بھی بے وفائی پر آمادہ ہیں مگر مجھے یقین ہے کہ 2014ء میں انہیں ضرور منالوں گی۔ آج سے 6 برس قبل ہاکس بے کے قریب ایک گاؤں سے کام والا بڑا خوب صورت ایک گلا بنوایا تھا مگر وائے ناکامیِ قسمت وہ گلا آج بھی اپنی جگہ سسک رہا ہے کہ کب سیما رضا اچھی سی کلر فل قمیص لے کر گلے کو اس پر لگانے کا شرف حاصل کرے اور جب سیما رضا اسے زیب تن

سیما رضا

کرے گی تو دنیا رشک کرے گی، امید ہے کہ 2014ء میں یہ ادھورا کام بھی پورا ہو جائے گا۔ رہی بات خواہش کی تو ایک نہیں کئی خواہشات اپنا

آپ منوانے کے لیے ہمہ وقت میرے سر پر سوار رہتی ہیں اور میں انہیں یہ کہہ کر تسلی دیتی ہوں کہ فکر نہ کرو ابھی سیما زندہ ہے اس کے جذبے سلامت ہیں۔ دیکھنا انشاء اللہ کسی دن تمہارا مان بھی رکھ لیں گے۔ پریشان نہ ہو سیما ہے ناں۔

ڈاکٹر سائرہ بانو

مینجر ایڈمن & پی آر کالیا گروپ

انفارمیشن ٹیکنالوجی کے اس دور میں جہاں کمیونیکیشن میں کوئی گیپ نہیں ہو سکتا وہاں خط و کتابت اور ریکارڈ رکھنا اتنا آسان ہے کہ اس کا سب سے بڑا فائدہ کاغذ کی بچت ہے اور اسی بچت پر ہم اپنے ماحول کو صاف رکھ سکتے ہیں اور 2013ء میں جو میرا خواب مکمل نہ ہو سکا وہ بغیر

ڈاکٹر سائرہ بانو

کاغذ کے دفتر اور گھر ہے۔ میں نے اپنے آفس اور گھر کو 65% بغیر کاغذ کر دیا مگر ابھی 35% کام باقی ہے۔ جو انشاء اللہ 2014ء میں اگر زندگی رہی تو ضرور مکمل کرلوں گی۔ سوال یہ ہے کہ اس سے ماحول کی صفائی کو کیا فائدہ ہے؟ تو جناب ہم ریکارڈ

سچی باتاں

☆شمشاد: ''لگتا ہے تم کنوارے ہو؟''

☆اجمل: ''مگر تمہیں کیسے پتا چلا؟''

☆شمشاد: ''تمہاری جیب میں پیسے دیکھ کر۔''

☆☆☆

☆اسلم خان: ''سنا ہے تمہاری بیوی بہت خوب صورت ہے۔''

☆احمد محمود: ''پتا نہیں۔''

☆اسلم خان: ''کیا مطلب؟''

☆احمد محمود: ''میں نے اسے میک اپ کے بغیر کبھی دیکھا جو نہیں۔''

☆☆☆

رانجھا: ''میں تمہارے پیار میں برباد ہوگیا، رسوا ہوگیا، ذلیل و خوار ہوگیا۔''

ہیر: ''وے پاگلا...... میں کیٹری سافٹ ویئر انجینئر بن گئی آں۔''

از: پروین افضل شاہین، بہاول نگر

نظم

اے شامِ الم ذرا ٹھہر......
مجھے یادوں کے دریچوں سے لپٹ کر رو لینے دے
مجھے ماضی کے درِ وا کر لینے دے
مجھے نینوں سے برستی رم جھم کو برسانے دے
مجھے صبر کا دامن تھام لینے دے
مجھے بیتے ہوئے حسین لمحات کو
اپنے دامنِ حیات میں سمیٹ لینے دے
اور پھر تو
دھیرے دھیرے گزر جانا......
ہاں پھر کبھی لوٹ کر نہ آنا......

تخلیق: مسز نگہت غفار، کراچی

WWW.PAKSOCIETY.COM

رکھنے کے لیے کاغذ کا استعمال بے دریغ کرتے ہیں۔ اور کاغذ آتا ہے درخت کی بدولت اور ہم کاغذ بنانے کے چکر میں درختوں کو کاٹ دیتے ہیں جو کہ ایک بہترین اور مکمل قدرتی ذریعہ ہے۔ اللہ کریم کا ایسا نایاب تحفہ جس کا کوئی متبادل نہیں ہم اپنی خودغرضی سے ان کو ختم کر رہے ہیں، بہتر نہ ہوگا کہ ہم زیادہ سے زیادہ کاغذ کی بچت کریں اور اپنے دوست درختوں کی حفاظت کریں۔ یہ جب ہی ممکن ہوگا جب ہم انفارمیشن ٹیکنالوجی کا استعمال کرتے ہوئے خط و کتابت اور ریکارڈ رکھنے کا سوفٹ ڈیٹا رکھیں، ای میلز، اسکین فائلز وغیرہ اس کی بہترین مثالیں ہیں۔ اس کے ساتھ ہی 2013ء میں جو خواہش پوری نہ ہو سکی اس کے لیے دعا یہی ہے کہ اللہ پاکستان بالخصوص کراچی کو امن کا گہوارہ بنادے۔ آمین۔ پاکستان زندہ باد۔

سائرہ مرغوب

نعت خواں، مقررہ

اللہ رب العزت اپنے بندوں کو غور و فکر کرنے کی دعوت دیتا ہے اور ہم اللہ کی عطا کردہ حکمتِ عملی اور دانائی سے غور و فکر کے بعد حاصل ہونے والی اچھی باتوں سے خود بھی عملاً سیکھ سکتے ہیں اور اوروں کو بھی اس کی تعلیم دے سکتے ہیں 2013ء میں یہی خواہش رہی اور اللہ کے کرم سے کسی حد تک اپنے مقصد میں کامیاب بھی رہی لیکن اس سطح پر نہیں جس کی مجھے خواہش تھی سو دلی دعا اور لگن یہی ہے کہ 2014ء میں اپنی خواہش کی تکمیل کرلوں، آمین۔ مختلف محافل اور مقامات پر خواتین سے گفتگو کرنے اور ان کی باتیں سننے کے بعد یہ تکلیف دہ انکشاف ہوا کہ ہماری بیشتر خواتین خواہ وہ گھریلو ہوں یا ملازمت پیشہ، کم تعلیم یافتہ ہوں یا اعلیٰ تعلیم یافتہ معاشرے کی وضع کردہ روایات، رسومات اور

سائرہ مرغوب

اصولوں پر خود بھی عمل کرتی ہیں اور دوسروں کو بھی یہ راستہ دکھاتی ہیں جس پر وہ بنا سوچے سمجھے سفر کرتی ہیں۔ میری اولین خواہش یہی ہے کہ ایسی تمام خواتین کی رہنمائی دین اسلام کی روشنی میں کر کے ان کی منفی سوچوں کو مثبت فکر و عمل کا تحفہ دوں۔ اللہ مجھے میرے اس مقصد میں کامیاب فرمائے، آمین!

قارئین!

خلیل جبران نے کہا تھا کہ ”فتح صرف مستقل مزاج لوگوں کو حاصل ہوتی ہے“ اور ہمارے سروے کی شرکا تمام خواتین اپنی مستقل مزاجی اور مثبت سوچ کے تحت 2013ء میں ادھورے رہ جانے والے خوابوں، خواہشوں اور کام کی 2014ء میں تکمیل کے لیے پرعزم اور کوشاں ہیں۔ انشاء اللہ ان کا جذبۂ عمل 2014ء میں انہیں کامیابی سے ہمکنار بھی کرے گا، آمین۔ شگفتہ شفیق کا یہ مصرع تمام شرکا کے جذبات کی ترجمانی کرتا ہے کہ

مجھے یقیں ہے سب ہی خواب پورے ہوں گے میرے

☆☆☆

بہنوں کی محفل

مدیرہ

★ عزیز از جان بہنو! السلام علیکم رحمتہ اللہ و برکاتہ!

★ حمد و ستائش اس ذات کے لیے جس نے کارخانۂ عالم کو وجود بخشا اور درود و سلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جنہوں نے دنیا میں حق کا بول بالا کیا۔

★ مستقبل کے لیے منصوبے بنانا انسان کی سرشت میں شامل ہے۔ نئے سال میں یہ خریدنا ہے، وہ لانا ہے، وہ خریدنا ہے، وہ بیچنا ہے جیسے کام ہم سب ہی کیا کرتے ہیں مگر اس نئے سال کے لیے آج میں آپ کو ایسے کام کے لیے کہہ رہی ہوں جو بے حد چھوٹا اور آسان ہے مگر اس کے کرنے کا اجر دین اور دنیا دونوں جہانوں میں ملے گا۔ وہ یہ کہ اس نئے سال میں ہم سب نے (جی ہاں، میں بھی آپ کے ساتھ شامل ہوں) روزانہ کم از کم ایک صفحہ قرآن پاک کا ترجمے کے ساتھ ضرور پڑھنا ہے۔ اگر کہیں ایمرجنسی میں جانا آنا ہو، طبیعت خراب ہو تو صرف ایک آیت ہی پڑھ کر اس کا ترجمہ ضرور پڑھیں (ماسوائے ناپاکی کے دنوں کے) کہ ہم جیسے لوگ دنیاوی علوم پڑھنے کے لیے تو سرگرداں و پریشان رہتے ہیں۔ ٹی وی دیکھنے کے لیے ہمارے پاس بہت وقت ہے۔ فون پر باتیں بناتے ہوئے ہم کبھی نہیں تھکتے، تقاریب میں تو اڑ کر پہنچا کرتے ہیں اور اپنی وہ کتاب جس کا پڑھنا، سننا بھی ثواب ہے۔ اسی کو پڑھنے اور سمجھنے میں ہمیں آلکس محسوس ہوتا ہے۔ دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن پاک پڑھنے اور سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین ثم آمین۔

★ پیاری بہنو! اس سے پہلے کہ آپ نئے سال کے خوب صورت مہکتے ہوئے خطوط کے گلدستے سے مسحور ہوں آیئے پہلے ایک بار درود ابراہیمی پڑھتے ہیں جو نماز میں پڑھا جاتا ہے اور اس کے بعد صرف تین بار آیتِ کریمہ پڑھ کر اپنے لیے، اپنے ملک کے لیے اور عالم اسلام کی پریشانیوں کو رفع کرنے کے لیے ضرور دعا مانگیں، آیت کریمہ یہ ہے۔

لا الٰہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین

ترجمہ: تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور تو ہر عیب اور کمزوری سے پاک ہے، میں قصورواروں میں سے ہوں۔

نوٹ: یہ حضرت یونسؑ کی مشہور دعا ہے۔ جو انہوں نے مچھلی کے پیٹ میں اللہ سے کی تھی۔ یہ آیت، آیت کریمہ کہلاتی ہے اور اس کے پڑھنے کے فوائد کثرت سے ہیں اور اب آپ اپنی مصنفات، شاعرات اور قارئینِ پاکیزہ بہنوں کی سرگرمیوں پر ایک نظر تو ڈالیں کہ کیا کچھ ہو رہا ہے۔

★★★

مصنفات، شاعرات اور قارئین پاکیزہ بہنوں کی تازہ بہ تازہ سرگرمیاں

★ بڑے لوگوں کی بڑی باتیں مایہ ناز ٹی وی رائٹر عمیرہ احمد نے ایک نئی رائٹر عتیقہ محمد بیگ کے ساتھ مل کر ایک ٹیلی فلم نین تارہ لکھی جسے گزشتہ دنوں ایک نجی ٹی وی چینل سے دکھایا گیا۔ (بے حد مبارکاں)

★ ہماری پیاری مصنفہ رخ چوہدری بھی ان دنوں ایک ٹی وی سوپ لکھنے میں مصروف ہیں جو بہت جلد آن ائر ہونے والا ہے۔ (پیشگی مبارک باد)

★ ہماری بے حد پیاری ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی اب تک سترہ قرآن پاک کی کتابت کر چکی ہیں۔ گزشتہ ماہ غلطی سے چودہ لکھا گیا اس سہو کے لیے معذرت خواہ ہوں۔

★ گزشتہ دنوں ہماری پیاری مصنفہ عطیہ عمر نے ڈنر پر اپنی مصنفات کو بلایا جس میں محترمہ عذرا رسول کے ساتھ

WWW.PAKSOCIETY.COM

بہت سی مصنفات نے بھی شرکت کی۔ (ماشاءاللہ)

* پاکیزہ کی مستقل تبصرہ نگار رابیل شاہ، کراچی کی شادی ہوگئی ہے۔ اب وہ امریکا چلی جائیں گی کہ ان کے شوہر وہاں رہتے ہیں۔ ان دنوں وہ اپنے شوہر کے ساتھ گھومنے پھرنے کے لیے ملائشیا گئی ہوئی ہیں۔ (مبارکاں)

* پاکیزہ کی تبصرہ نگار مسز نزہت اشفاق، کراچی کے بیٹے اویس اور بہو کومل ان دنوں امریکا سے کراچی آئے ہوئے ہیں۔ (ماشاءاللہ)

* شمائلہ سہیل جاوید کے بھائی کی شادی گزشتہ دنوں بڑے دھوم دھام سے انجام پائی۔ (دلی مبارک باد)

* معروف مصنفہ بشریٰ مسرور، اسلام آباد کے بیٹے طلحہ مسرور کی منگنی ہوگئی ہے۔ (بے حد مبارک باد)

* ہماری بے حد پیاری شاعرہ اور مستقل تبصرہ نگار شگفتہ شفیق امریکا میں تین ہفتے رہنے کے بعد کراچی واپس آگئی ہیں۔ ان کا یہ دورہ نجی نوعیت کا تھا۔

* پاکیزہ کی مستقل تبصرہ نگار ذکیہ ایوب ایک شادی میں شرکت کرنے کے لیے لاہور گئی ہوئی ہیں۔

* پاکیزہ کی مستقل تبصرہ نگار صفیہ بیگم، لالہ موسیٰ کے ہاں بھتیجا ہوا ہے جس کا نام محمد ارتضیٰ بیگ رکھا گیا ہے۔ (مبارکاں)

* پاکیزہ کی مستقل قاری روحی صبا، کراچی کی بیٹی فائزہ کے بیٹا ہوا ہے۔ جس کا نام ثمامہ حیان رکھا گیا ہے (مبارک باد) بیٹی فائزہ ہیپاٹائٹس کی مریضہ بھی ہیں۔ ان کی کلی صحت کے لیے دعا بھی کریں۔

* پاکیزہ کی مستقل تبصرہ نگار انیلا ناہید، لیہ ان دنوں بے حد پریشان ہیں ان کے لیے دعا کے لیے التماس ہے۔

* معروف شاعرہ اور ناول نگار فریدہ جاوید فری تاحال بستر علالت پر ہیں ان کی کلی صحت کے لیے دعا کریں۔

* پاکیزہ کی مستقل تبصرہ نگار اور مصنفہ شمیم ناز صدیقی، کراچی کے بہنوئی اور پاکیزہ کی مستقل قاری شاہین کے شوہر جناب شیر افگن کو منہ کا کینسر ہوگیا ہے۔ ان کی صحت اور زندگی کے لیے دعا کریں۔

* پاکیزہ کی مستقل تبصرہ نگار مصباح رضا سعید، فیصل آباد کا بھائی بیمار ہے اس کی صحت اور زندگی کے لیے دعا کریں۔

* پاکیزہ کی مستقل قاری ستارہ، کراچی عمر پچاس سال کے جگر پرسٹس ہوگئی ہیں کسی کے پاس اس کا روحانی علاج ہو تو ضرور بتائیں۔

* معروف شاعرہ فریدہ خانم، لاہور کی آنکھوں میں شدید تکلیف ہے ان کے لیے دعائے صحت کے لیے التماس ہے۔

* ہماری پیاری مصنفہ غزالہ جلیل راؤ، اوکاڑہ کا بہت خوب صورت اور رومانی ناول پیاسی آنکھوں کے گلاب خزینہ علم و ادب اردو بازار لاہور سے شائع ہوگیا ہے۔ (مبارک باد)

انتقالِ پُرملال

* پاکیزہ کی مستقل قاری عصمت، اوکاڑہ کا اکلوتا بھانجا محمد عامر فوت ہوگیا ہے۔

* پاکیزہ کی مستقل تبصرہ نگار اور شاعرہ امینہ عندلیب، سلانوالی کا لاڈلا بھانجا پروفیسر محمد سہیل صدیقی، ڈی جی خان دس محرم کو اللہ کو پیارا ہوگیا۔

* پاکیزہ کی مستقل قاری مسز انجم افضل سعید، کراچی انتقال کر گئیں۔

نوٹ: تمام مرحومین کے لیے تین بار سورۂ اخلاص پڑھ کر ان کی مغفرت کے لیے دعا کریں اور اللہ تعالیٰ ان سب کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، آمین۔

* * *

محترمہ عذرا رسول۔ ”پیاری بہنوں صد شکر 2013ء بخیر و خوبی گزرا اللہ تعالیٰ نئے سال میں بھی بخیر و عافیت رکھے، آمین۔ جو بہنیں بیمار ہیں ان کی کلی صحت یابی کے لیے دعا گو ہوں اور جنہیں خوشیاں ملی ہیں ان سب کو میری جانب سے مبارک باد۔ الحمدللہ پاکیزہ میں شائع ہونے والے ناول ہر طرف اپنی دھوم مچا دیا کرتے ہیں اور اسی طرح انجم انصار کے ناول

محبت ہم سفر میری نے بھی اپنی دھوم مچادی تھی اور اس کو سب نے بے حد پسند کیا تھا اور اب مجھے دلی خوشی ہو رہی ہے کہ یہ ناول سوپ کی صورت میں ٹی وی ون سے ہر جمعرات سے اتوار تک روزانہ ساڑھے سات بجے دکھایا جا رہا ہے۔ مجھے خوشی ہوگی کہ اسے آپ سب دیکھ کر اپنی رائے سے بھی آگاہ کریں کہ یہ محبت کرنے والوں کے نام ہے اور اسے آپ کی باجی انجم انصار نے ٹی وی کے لیے بڑے دل کے ساتھ لکھا ہے۔“ (شکریہ)

سیما مناف، کراچی سے۔ ”میں بے شک ٹی وی کے لیے لکھنے میں بے حد مصروف ہوں۔ پاکیزہ اور رائٹرز کی جانب سے بلائی جانے والی تقاریب میں بھی شرکت نہیں کر سکی مگر میں پاکیزہ کی جانب سے کبھی غافل نہیں رہی اور ہر ماہ پاکیزہ باقاعدگی سے پڑھتی ہوں اور خاص طور پر بہنوں کی محفل پڑھ کر سب کی خیر و عافیت سے باخبر ہو جاتی ہوں۔ اس ماہ اختر شجاعت کا انٹرویو پڑھ کر بہت مزہ آیا...... اختر جب افسانے لکھا کرتی تھیں، وہ بھی بہت اعلیٰ پائے کے ہوا کرتے تھے...... اس ماہ میں اس لیے اس بزم میں شامل ہوئی ہوں کہ آپ سب کو نئے سال کی مبارک باد دے دوں۔“ (آپ کو بھی نیا عیسوی سال مبارک ہو)

پروفیسر شیریں سلیم، لاہور سے۔ ”سب سے پہلے اداریہ پڑھا جو بہترین تھا پھر بہنوں کی محفل میں گئی اور بہت مزہ آیا۔ بہنوں کے خطوط میں ایک عجیب طرح کی اپنائیت سی ہوتی ہے۔ اختر شجاعت کا انٹرویو اچھا تھا بلکہ بھرپور تھا مگر مجھے اس میں کمی صرف دو باتوں کی لگی پہلی یہ کہ ان کی کتاب کے بارے میں کوئی سوال نہیں تھے اور دوسری یہ کہ انہوں نے اپنی ہم عصر مصنفات کا کوئی ذکر نہیں کیا بلکہ اکثر مصنفات اس جانب کوئی بات کرنا پسند نہیں کرتیں سوائے عطیہ عمر کے جنہوں نے بڑے بھرپور انداز میں اپنی سینئر مصنفات کو خراج تحسین پیش کیا تھا اور ہم عصر مصنفات کا بھی ذکر کیا تھا۔ بہرحال اس ماہ نمرہ احمد، قیصرہ حیات، رفعت سراج اور رضوانہ پرنس کی تحریریں بے حد پسند آئیں۔ عنیقہ محمد بیگ کا ناولٹ کا موضوع پرانا ضرور تھا مگر انہوں نے اسے دلفریب انداز میں لکھا۔ خالدہ نسیم اور سکینہ فرخ تو بہت اچھا لکھتی ہیں۔ دیگر تحریریں بھی ٹھیک تھیں۔ جلترنگ کی تو میں ہمیشہ تعریف کرتی ہوں مگر اس ماہ زیادہ کروں گی۔“ (نوازش)

سیما یاسمین مجتبیٰ، کراچی سے۔ ”سب سے پہلے اداریہ پڑھا، اچھا لگا۔ اختر شجاعت کا انٹرویو ہر لحاظ سے بھرپور رہا اور ان کی باتیں مجھے بے حد اچھی لگیں۔ نزہت نوازش تم نے میری پسندیدہ رائٹر کا انٹرویو لیا۔ میں بہنوں کی محفل کو بے حد شوق سے پڑھتی ہوں۔ امینہ عندلیب کے لیے بے شمار دعائیں ہیں میری انشاءاللہ وہ جلد صحت مند ہو جائیں گی۔ انجم جی میں ٹی وی نہیں دیکھتی تھی مگر آپ کے سوپ محبت ہم سفر میری کی وجہ سے آپ کا ٹی وی سوپ دیکھ رہی ہوں اور بے حد پسند آ رہا ہے۔“ (بے حد نوازش، اختر شجاعت کا انٹرویو پسند کرنے کا شکریہ نزہت بھی شکریہ ادا کر رہی ہیں۔)

ذکیہ ایوب، کراچی سے۔ ”اداریہ پڑھ کر اصلاح کی طرف ایک اور قدم۔ امانت میں ڈاکٹر مہر جان پر ترس آ رہا ہے۔ قیصرہ حیات کا ناول بخوبی انجام تک پہنچا۔ شمیلہ نے جو بویا وہی کاٹا، مکافاتِ عمل اسی کو کہتے ہیں۔ شامِ شہر یاراں میں وڈیروں کے کرداروں کو بہت واضح کیا جا رہا ہے۔ عنیقہ محمد بیگ کا منحوس ایک چونکا دینے والا ناولٹ رہا۔ رضوانہ پرنس کے منی ناول کے بارے میں کہنا ہے کہ زنیرہ اتنی بھی معصوم نہیں کہ جسے معلوم نہ ہو کہ جو فلمی دنیا کا ہو جاتا ہے وہ کسی کا نہیں رہتا۔ بہرحال اچھا لگ رہا ہے۔ خالدہ نسیم کی تحریر پڑھ کر دل دکھ سے بھر گیا۔ ویسے حیدرآباد سے کراچی اتنی دور تو نہیں ہے جو ایک دوسرے کی خبر نہ رکھی جائے۔ نمرہ احمد کا پارس جاسوسی انداز میں دلچسپی برقرار ہے۔ اختر شجاعت سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔ سوال و جواب دونوں ہی اچھے لگے۔ ضیا کے ولیمے میں مجھے اختر شجاعت سے مل کر بہت اچھا لگا تھا۔ بہنوں کی محفل کے آغاز میں انجم تم نے زادِ راہ کے لیے بہت اچھے طریقے سے سمجھانے کی کوشش کی ہے اور اس کا ثواب تمہیں ضرور ملے گا۔ پتے کی باتاں بہت مزے کی تھیں۔ ہم اس وقت کا انتظار کر رہے ہیں جب عظمیٰ آفاق کے قلم سے ذیشان کی شادی کا احوال پڑھیں گے اور انجم تم بھی ضرور لکھنا کہ ہم اسے پڑھ سکیں۔ انجم تم کو اس ادارے سے وابستہ ہوئے پچیس سال ہو گئے ہیں تو تم اس ادارے کے ساتھ مل کر منالو سلور جوبلی تاکہ اس بہانے ہم بہت سے پیارے پیارے لوگوں سے ملاقات

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہو جائے۔" (تبصرے کا شکریہ اور رہی بات سلور جوبلی کی تو آپ نے کہی اور ہم نے منالی، نوازش)

بھ شائستہ زریں، کراچی سے۔ "میں سب سے پہلے اداریہ پڑھتی ہوں جو آج کے وقت کی آواز ہے۔ اس ماہ میری پیاری دوست اختر شجاعت کا انٹرویو شائع ہوا ہے۔ یہ انٹرویو بے حد اچھے طریقے سے لیا گیا اور جوابات انتہائی عمدگی سے دیے گئے جسے پڑھ کر بہت لطف آیا ہے۔ تمام افسانے اور ناول اچھے رہے مگر مجھے اس ماہ کا جلترنگ مزاح کے اعلیٰ پائے کا نمونہ لگا۔ پتے کی باتاں میں پتا پتا بوٹا بوٹا اور پتا اور پتے کو مختلف معنی کے ساتھ استعمال کیا گیا ہے مگر ایک شکایت کہ جلترنگ مختصر رہا۔ مزید خاکے ہونے چاہیے تھے۔" (انٹرویو پسند کرنے کا شکریہ، صفحات کی تنگی کے باعث جلترنگ کے دیگر خاکے لگائے نہیں جاسکے تھے)

بھ فیروزہ بیگم، کراچی سے۔ "قیصرہ حیات کے ناول کے اختتام سے میں اتفاق نہیں کرتی۔ نمرہ احمد کا انداز جاسوسی جیسا ہے مگر اچھا لگ رہا ہے۔ عنیزہ سید اور رضوانہ پرنس کے ناولوں کی اقساط اچھی لگیں۔ اس ماہ بھی روحانی مشورے نمبر ون رہے ہیں۔ بہنوں کی محفل میں آپ کے سمجھانے کا انداز بہت شفیق ہوتا ہے اور آپ کی باتیں دل پر اثر بھی کرتی ہیں۔ ہاں اس دفعہ کا جلترنگ اے ون رہا۔" (شکریہ)

بھ غزل ہاشمی، اٹک سے۔ "پاکیزہ کی محفل میں شامل ہو کر مجھے دلی خوشی ہوئی ہے۔ وہ تمام بہنیں جو بیمار ہیں ان سب کے لیے دعا کرتی ہوں اور جن جن بہنوں کو خوشیاں ملی ہیں ان سب کو دلی مبارک باد، قیصرہ حیات کو اپنا شاندار ناول ختم کرنے پر میری دلی مبارک باد پہنچا دیں۔ وہ بہت بڑی اور اچھی رائٹر ہیں۔ اس ماہ تمام سلسلوں میں سب سے آگے ہماری بہنوں کی محفل رہی۔ امینہ عندلیب کو خصوصی سلام پہنچا دیں۔" (آپ کے تمام پیغامات کے ساتھ ساتھ ہم بھی قیصرہ حیات کو دلی مبارک باد دے رہے ہیں کہ یہ رائٹر تو اچھی ہے ہی مگر یہ لڑکی بھی بہت پیاری عادتوں کی ہے اور جب بولتی ہے تو دل چاہتا ہے کہ اس کی خوب صورت آواز سنتی ہی رہوں)

✉ زائدہ، کراچی سے۔ منظور بی بی، جہلم۔ اس محفل میں خوش آمدید۔ آپ بہنیں میٹرک کا امتحان پرائیویٹ دینا چاہتی ہیں۔ ایک بہن ثریا اور ایک بہن انعم حامد نے چند سال پہلے نویں کا امتحان پاس کر لیا تھا کراچی بورڈ سے تو اب وہ میٹرک کا امتحان دونوں سالوں کا دوبارہ دیں یا صرف دسویں کے ہی پیپرز دینے ہوں گے؟ اس سلسلے میں کوئی بہن ہمیں تمام معلومات ارسال کر دے تاکہ ہم اپنی ان تمام بہنوں کو بتا سکیں جو گھر میں بیٹھ کر پڑھنا چاہتی ہیں اور سب کو پڑھنا چاہیے۔ ویسے ہماری اطلاع کے مطابق کراچی والی، کراچی میٹرک بورڈ اور جہلم والی راول پنڈی میٹرک بورڈ سے معلومات لے سکتی ہیں۔

بھ مسز عظمیٰ خورشید، لاہور سے۔ "کافی عرصے کے بعد اس محفل میں شامل صرف اس وجہ سے ہو رہی ہوں کہ گزشتہ ماہ بہنوں کی محفل کا ابتدائیہ جو تم نے لکھا ہے وہ پورے سال کی جان ہے۔ انجم تم یقین کرو بہنوں کی محفل کے اس پہلے صفحے کی میں نے ہزاروں کاپیاں فوٹو اسٹیٹ کروا کر بانٹی ہیں تاکہ لوگوں کو پتا چلے کہ جہاں ہم نے ہمیشہ کے لیے جانا ہے اس کی تیاری کرنی بے حد ضروری ہے۔ ہاں تمہاری ایک اور بات مجھے بے حد پسند آئی تھی جب تم نے مہینہ یاد نہیں کسی ایک بہن کو خط کے جواب میں لکھا تھا کہ اب سونے چاندی اور ہیرے جواہرات کا کوئی فیشن نہیں ہے اب صرف میچنگ جیولری پہنی جاتی ہے جو بے حد سستی بھی مل جاتی ہے اس سادہ سے جواب نے کتنی بہنوں کی سونے، چاندی کی حسرتوں کو ختم کیا ہوگا۔ دسمبر کا شمارہ اچھا تھا۔ اللہ کا شکر ہے ہماری شگفتہ شفیق اب ٹھیک ہیں۔ جب وہ لاہور آ کر مجھ سے ملی تھیں تو مجھے بے حد اچھا لگا تھا۔ امینہ عندلیب کے لیے بھی میری بہت سی دعائیں ہیں۔ اس ماہ عنیزہ سید، رفعت سراج، نمرہ احمد، رضوانہ پرنس اور سکینہ فرخ کی تحریریں خصوصی طور پر پسند آئیں۔ عتیقہ محمد بیگ، خالدہ تسیم اور صائمہ حیدر نے بھی اچھا لکھا اور اب مجھے بہت زیادہ تعریف کرنے دیجیے جلترنگ کی اور خصوصی طور پر اس ماہ پتے کی باتاں بہترین تھا۔" (نوازش)

بھ لاریب، ماہ زیب، قصور سے۔ "ہم تقریباً چار سال سے پاکیزہ ڈائجسٹ پڑھ رہے ہیں لیکن خط لکھنے کا کبھی نہیں

سوچا تھا پر انجم آنٹی کا مشفقانہ برتاؤ اور مہربان انداز دیکھ کر ہمیں حوصلہ ہوا اور ہم نے بھی ہمت کر ہی لی۔ پاکیزہ بہت اچھا ڈائجسٹ ہے جس میں سے ہر طرح کا مواد ملتا ہے۔ ہماری دعا ہے کہ خدا تعالیٰ پاکیزہ کو ترقیوں سے ہمکنار کرے، آمین۔ اب کچھ کہانیوں پر تبصرہ رفعت سراج اپنے سابقہ انداز سے بالکل ہٹ کر لکھ رہی ہیں۔ لگتا ہی نہیں کہ یہ رفعت سراج ہی ہیں لیکن ہوسکتا ہے آگے جا کر ہمیں شکایت نہ رہے، بہر حال حقیقت سے کسی حد تک دور لگ رہا ہے ناول خاص طور پر مہر جان والا قصہ۔ گل جان کا بات بات پر ساکت و بے جان ہو جانا کچھ سمجھ میں نہیں آتا اور قیصرہ حیات کا ناولٹ تو بالکل کسی فلم کا اسکرپٹ لگ رہا ہے کہاں روا کے اتنے جان چھڑکنے والے بھائی اور کہاں اب اس کی شکل سے بیزار، اس کی جان کے دشمن بنے ہوئے تھے اور ہمارا پسندیدہ ترین ناول شام شہر یاراں عنیزہ سید بالکل ویسا ہی لکھ رہی ہیں جیسا ان جیسی عظیم مصنفہ کو لکھنا چاہیے۔ بہت ہی زبردست۔ زوئی حسین کی سوچ اور خیالات کے ذریعے پاکستانی قوم کو بیان کرنا نہایت شاندار ہے۔ آنٹی انجم انصار آپ ہر ماہ اپنا ناولٹ پاکیزہ میں لگایا کریں یا پھر سلسلے وار ناول شروع کر دیں۔ آپ کا رواں، سادہ اور پُراثر انداز بیاں سب سے ہٹ کر ہے اور متاعِ جاں تو ہمیشہ یاد رکھے جانے کے قابل ہے۔ مجموعی طور پر بھی باقی سب مصنفین اچھا لکھ رہی ہیں۔ نزہت اصغر سے درخواست ہے کہ وہ آئے بزم میں جلد ہی نگہت سیما سے تفصیلی ملاقات کروائیں اور یہ سلسلہ ہر ماہ شامل ہونا چاہیے۔ تمام لکھاری بہنوں سے ملنے کی خواہش ہے۔ آنٹی انجم روحانی مشوروں میں بے اولاد اور اولادِ نرینہ کی خواہش مند بہنوں کے لیے کوئی دعا اور وظیفہ شائع کیجیے۔" (اس محفل میں خوش آمدید آپ کی فرمائش نوٹ کر لی گئی ہے)

بھ رابعہ وقار، راول پنڈی سے۔ "دسمبر کا شمارہ پسند آیا۔ ناولوں اور افسانوں سے پہلے میں آپ کی بہنوں کی محفل پڑھتی ہوں اور اس کے بعد روحانی مشورے۔ اس محفل کے توسط سے میں اپنی بہنوں کو ایک کارآمد آزمودہ طریقہ علاج بتانا چاہتی ہوں۔ اگر کچن میں کام کرتے ہوئے بھاپ سے یا آگ سے ہاتھ جل جائے تو فوراً آئل میں نمک ملا کر لگالیں۔ جلنے کا نشان تک نہیں رہے گا (جزاک اللہ) ہاں اس دفعہ رضوانہ پرنس اور نمرہ احمد کی اقساط پڑھ کر بے اختیار منہ سے واہ نکلا۔" (گڑیا تمام تحریروں پر رائے دیا کرو)

بھ مصباح رضا، فیصل آباد سے۔ "قیصرہ حیات میری فیورٹ رائٹر ہیں مگر مجھے ان کے ناول کے اختتام سے اختلاف ہے۔ ایک اتنی اچھی لڑکی کو انہیں نہیں مارنا چاہیے تھا۔ عنیزہ سید، رضوانہ پرنس اور نمرہ احمد کی تحریریں خصوصی طور پر پسند آئی ہیں۔ بہنوں کی محفل کی تو کیا ہی بات ہے۔ آپ کی باتوں پر ہم دل سے عمل کرتے ہیں۔" (اور ہم اپنی بہنوں کو اچھی بہت سی باتیں دل سے ہی تو بتاتے ہیں)

بھ مسز رضا، لاہور سے۔ "ایک پرانی قاری ہونے کے باوجود کبھی آپ کے رسائل کے مدیران کو خطوط تعریفی، تنقیدی نہ لکھ سکی آپ کے رسائل کا معیار روزِ اول سے بہتری کی طرف رواں دواں ہے اس سلسلے میں آپ کی کاوشوں کو نہ سراہنا ناانصافی ہوگی۔ مس صاحبہ آپ کی توجہ چند باتوں کی طرف دلانا چاہتی ہوں جن پر آپ کی توجہ کی اشد ضرورت ہے۔ یہ گزارشات اس ماہ کے پاکیزہ کے مطالعے کے بعد لکھی گئی ہیں۔ کہانی بابو اور میں، صائمہ حیدر معذرت کے ساتھ یہ کہانی سرقہ ہے اور برصغیر پاک و ہند کے ایک بڑے نام راجندر سنگھ بیدی کے افسانوں جو تقسیم ہند سے پہلے لکھے گئے تھے سے لی گئی ہے۔ ہماری فاضل مصنفہ نے سوچا ہوگا کہ تقسیمِ ہند سے پہلے کے لوگ مر کھپ گئے ہوں گے اور ہماری تو جوان نسل کو اب بھلا ان دیمک زدہ کتابوں سے شغف کہاں۔ عذرا صاحبہ ان دلیر مصنفہ نے نہ صرف پلاٹ بلکہ مکمل پیراگراف اتنی مہارت سے شامل کیے ہیں کہ راجندر سنگھ بیدی کی روح بھی تڑپ اٹھی ہوگی۔ شکر کا مقام کہ مصنفہ نے کیریکٹر دادا کی جگہ دادی، منی کی جگہ فیری، گاؤں کی جگہ کراچی دکھایا ہے۔ میں ایک دردمند قاری ہونے کے ناتے سوال کرنا چاہتی ہوں کہ یہ آپ جیسے باوقار ادارے کی توہین نہیں یا دوسرے لفظوں میں آنکھوں میں دھول جھونکنا نہیں تو کیا ہے یا پھر ادارے کا کوالٹی کنٹرول سسٹم اتنا کمزور ہے۔ محترمہ عذرا رسول صاحبہ ایک نام تواتر سے آپ کے رسالے میں چھپ رہا ہے۔ یہ محترمہ صائمہ اکرم چوہدری کا ہے آپ کی یہ ایک باقاعدہ قاری اب ایک باقاعدہ لکھاری کا درجہ پا چکی ہیں۔ یقیناً پسند کرنے والے کم نہیں ہیں۔ آپ ان

WWW.PAKSOCIETY.COM

کے افسانوں کے پرنسپل، ڈاکٹر، مصور یا کوئی کردار دیکھ لیں۔ دنیا کے نہ جانے کن ملکوں کا ذکر ہے جو افسانوں میں ہے مگر کہانیوں کے کردار جب بھی بات کرتے ہیں تو جوتی سے شروع ہو کر جوتی پر ختم ہوتی ہے۔ میری جوتی کو پروا نہیں۔ میری جوتی جلتی ہے، دفع کرو جیسے الفاظ ان کے ہر افسانے میں دُہرائے جاتے ہیں۔ قیصرہ حیات صاحبہ سے کیا گلہ کہ ان کے افسانوں نے پرانی ہندی اور پاکستانی فلموں کو مات دے دی ہے۔ معذرت کے ساتھ کیا ہم اپنی مصنفہ سے پوچھ سکتے ہیں کہ آج کل کے ماحول کی پروردہ لڑکی کالج، یونیورسٹی میں پڑھ رہی ہے یا تو اس قدر لاڈلی ہے کہ ہر شخص اس کے پیروں تلے بچھا جا رہا ہے یا پھر دھوبی کے کتے کی طرح دھتکاری جا رہی ہے یا تو ہیروئن نے تمام اقساط میں زبان تک نہ کھولی اور مرنے سے پہلے عاشق کے نام خط لکھ کر دنیا سے سدھار یں پھر ایک حرام موت کو اس قدر گلیمرائز کر کے دکھایا کہ ہمارے کچے ذہن کی لڑکیاں کیا اس موت کو زندگی سے بہتر نہ سمجھیں گی۔ محترمہ قیصرہ حیات صاحبہ زیادہ بہتر یہ ہوتا کہ آپ اپنے افسانوں کے ذریعے بچیوں میں شعور اجاگر کرنے کی کوشش کرتیں کیا ہم اپنی بچیوں کو اچھا برا نہیں سمجھا سکتے۔ ہزاروں ایسی مثالیں موجود ہیں کہ جہاں شوہر میں کوئی کمی ہو یا بیوی میں۔ کیا وہ سب ذہنی مریض ہیں اگر ہوں بھی تو کیا ہم اپنے افسانوں کے ذریعے اپنی بچیوں کو مسائل کا حل ڈھونڈنے کے بجائے خودکشی کی ترغیب دے کر آخر میں خواتین کو رومال سے آنسو پونچھ کر ٹریجک اینڈ کے ذریعے اپنے ناول کو کامیاب کروا کر مطمئن ہو جائیں گے۔ دوسری طرف لکھنے والوں میں عمیرہ سید بھی ہیں جو...... قرۃ العین سے متاثر ہیں اور انہوں نے اپنی پہچان بنائی ہے ان کی تحریر ہر روز ترقی کر رہی ہے کیا وہ کسی اور دنیا کی باسی ہیں جو لکھنے والے ان کی تقلید کیوں نہیں کر سکتے؟ ہم بات اگر کالمز کی کریں تو کیا مزاحیہ کالم صرف نند بھاوج اور مہمان کی آمد و رفت، ناٹا قد، نقلی چٹیا کے گرد گھومتے نظر آتے ہیں؟ آپ لیٹرز تو ایڈیٹر کی مثال لے لیں ٹھیک ہے کہ آپ کا یہ کالم قارئین کو ایک گھریلو محفل کی طرح لگتا ہے مگر کیا یہ زبیدہ آپا کا دسترخوان نہیں بنتا جا رہا ہے۔ رسائل پر تبصرہ کم اور افسانوں پر نہ ہونے کے برابر مگر شادی کا احوال ایک ماورائی داستان جو ختم ہونے میں نہیں آ رہا۔ دلہن کی مسکراہٹ ہے جو جادواں، دانت انار کے دانے کیا ہم مقصد سے ہٹ کر شخصیت کو پروموٹ نہیں کر رہے۔ ہماری کہانیوں اور زندگی کے درمیان ربط کا شدید فقدان ہے۔ آپ ایک بڑے ادارے کا بڑا نام ہیں ہم اس بڑے نام سے بڑی بات کی توقع کرتے ہیں عظمیٰ آفاق سعید اپنی نانی کا ذکر کریں تو سب کی نانی بن جائیں گی لوگ دعا کی التماس کریں گے؟ محترمہ یہ سب عجیب اس لیے نہیں لگتا کہ ہاتھی کے پاؤں میں سب کا پاؤں اور بادشاہِ وقت کی ہاں میں ہاں ملانا ہماری روایت بن گیا ہے محترمہ عظمیٰ کی شاعری کے آگے کسی دوسری کی کیا شے ہے اور افسانہ نگاری تو ان پر ختم ہے۔ یہ سب کیا ہے؟ اس کو اقربا پروری یا پھر ادارے کے ساتھ ناانصافی آخر کچھ تو نام دینا پڑے گا۔ محترمہ عذرا رسول صاحبہ گزارش ہے کہ خدارا ان برسات کی خودرو جڑی بوٹی کی طرح نکلی ہوئی رائٹرز کی حوصلہ افزائی ضرور کریں مگر اپنے رسالے کے معیار پر نہیں۔ دوسری طرف ہماری پرانی رائٹرز کو بھی بڑے حوصلے کے ساتھ اپنی تحریر کو بہتر کرنے کی ضرورت ہے۔ رفعت سراج ایک بڑا نام ہیں کیا وہ امانت کی امین بن پائیں گی۔ ان کا ناول جس میں ایک دماغی امراض کی ڈاکٹر کی ایک انتہا پسند لڑکی کا اپنے حالات سے مقابلہ کرنے کا حوصلہ کہیں دکھائی نہیں دیتا۔ گھر سے فرار، چہرے کا بگاڑ، کیا ہم اعتدال کے راستے پر نہیں چل سکتے۔ کیا ہماری کچے ذہن کی ناتجربے کار لڑکیاں اپنے مسائل سے گھبرا کر گھروں سے بھاگ جائیں یا تیزاب منہ پر مل لیں؟ اپنی ہی ٹیوٹر سے عشق کو عبادت سمجھ کر چلائیں۔ نہ جانے اگلی قسط میں کون سا معجزہ رونما ہو جائے کہ جلی ہوئی لڑکی ملکۂ حسن بن کر واپس آ جائے۔'' (سب سے پہلے اس محفل میں خوش آمدید، آپ کا طویل خط پڑھا شکریہ کہ آپ نے اتنی عرق ریزی سے مطالعہ کر کے اپنی گزارشات تحریر کیں۔ کہانی بابو اور میں رائٹر نے بے شک راجندر سنگھ بیدی کی کہانی سے ہی متاثر ہو کر لکھی ہے صرف آخر میں حوالہ دینا چھپنے سے رہ گیا تھا۔ رہی بات صائمہ اکرم کی تحریر کی تو آپ کی تنقید یقیناً ان تک پہنچا دی گئی ہے مگر ایسا صائمہ کی ہر تحریر میں نہیں ہوتا۔ وہ کیریکٹر کے تقاضوں کے حساب سے ڈائیلاگ لکھتی ہیں گزشتہ کہانی میں ایک پڑھی لکھی جاہل خاتون کو دکھایا گیا تھا جس سے بھی نالاں تھے۔ قیصرہ حیات اور رفعت سراج کے ناولوں کی کہانیوں پر آپ اپنی رائے ضرور دیں کہ یہ ایک

قاری کا حق ہوتا ہے کہ اسے کوئی بھی قسط وار ناول کیسا لگ رہا ہے۔ مگر ان مصنفات کے بارے میں یہ کہہ دینا (قیصرہ حیات کے لیے) کہ ان کے افسانے پرانی ہندی فلموں کو مات دے رہے ہیں وہ زیادتی ہے۔ ہمارے معاشرے میں بھی یہ سب ہو رہا ہے آپ عوام الناس سے مل کر تو دیکھیں۔ آپ کو مزاحیہ کالم جلترنگ پسند نہیں آتا اور آپ کو اس کے خاکے ایک جیسے لگ رہے ہیں تو آپ ٹھیک کہہ رہی ہوں گی۔ میں کوشش تو کرتی ہوں کہ ہر موضوع پر لکھوں لیکن اگر آپ کو مزہ نہیں آ رہا تو معذرت خواہ ہوں مگر آپ بہنوں کی محفل کو زبیدہ آپا کے دسترخوان کا نام دے رہی ہیں تو بالکل غلط کہہ رہی ہیں۔ اس محفل کی رونق ہماری بہنوں کے خطوط سے ہے اور یہ خطوط ہر موضوع پر لکھے جا سکتے ہیں۔ یہ وہ محفل ہے جس میں تبصروں کے ساتھ ساتھ ہر ایک کی خوشی اور دکھ شیئر کیا جاتا ہے۔ آپ کو اندازہ نہیں کہ اس محفل میں شریک ہونے کے لیے ہماری بہنیں کتنی بے چین رہتی ہیں اور ان کا آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ کتنا گہرا تعلق ہوتا جا رہا ہے۔ اب رہی بات میری بیٹی عظمیٰ آفاق کی...... آپ کا یہ کہنا ہے کہ میں عظمیٰ کے افسانے اور رپورٹس پروموٹ کرتی ہوں تو میں آپ کو بتا دوں عظمیٰ اپنے زمانۂ طالب علمی سے پاکیزہ ڈائری کے توسط سے رسالے سے وابستہ ہے اور ان سترہ اٹھارہ سالوں میں اس کے پانچ افسانے بھی شائع نہیں ہوئے ہوں گے اور نہ میں نے کبھی پاکیزہ کے صفحات پر اسے ایک اچھی افسانہ نگار یا ایک اچھی شاعرہ کا ٹائٹل دیا ہے۔ سالِ گزشتہ سالگرہ کے خصوصی نمبرز میں پاکیزہ محل کی لکھنے والی شہزادیوں میں تبصرہ نگار بہنوں کو بھی شہزادی کا ٹائٹل دیا گیا تھا مگر اس میں عظمیٰ کا نام شامل نہیں تھا اور نہ اس سے قبل...... حالانکہ وہ دیگر رسائل میں بھی وقتاً فوقتاً لکھتی رہتی ہے۔ پیاری بہن آپ کا یہ بھی اعتراض ہے کہ عظمیٰ کی نانی کو سب اپنی نانی کہہ رہے ہیں۔ بالکل ٹھیک کہا آپ نے اس محفل میں یہ رشتے ناتے واقعی محبتوں سے جڑے ہوتے ہیں۔ آپ بھی اس محفل میں اپنے دکھ سکھ بانٹ کر یہ خوشی حاصل کر سکتی ہیں۔ اب جیسے امینہ عندلیب...... سب کی بہن بنی ہوئی ہیں اور میرے لیے وہ واقعی بیٹی جیسی ہیں۔ اس سے جب تک روزانہ بات نہ ہو جائے مجھے تسلی نہیں ہوتی۔ شگفتہ شفیق مجھے اپنی ماں جیسی کہا کرتی ہیں، سیما کا ہمیشہ یہ کہنا ہے کہ انجم مجھے اپنی بہن لگتی ہیں۔ صبا نور...... عذرا پروین کی میں ایسی آنٹی ہوں جو رات کے دو بجے بھی فون کر سکتی ہیں اور اختر شجاعت، شائستہ زرین سے اگر فون کرنے میں تعطل آ جائے تو ان کی پریشانی دیدنی ہوتی ہے...... اور ان سب کو یا دیگر کو مجھ سے کسی قسم کا کوئی لالچ نہیں ہے اور نہ ہی انہیں میرے توسط سے پاکیزہ کے پلیٹ فارم کی ضرورت ہے مگر محبت، پیار، اعتبار کا رشتہ سب سے بڑا ہوتا ہے جو ایک دوسرے کو آپس میں جوڑے رکھتا ہے...... ایسے ہی رشتے ناتے، خوشی اور دکھ بہنوں کی محفل کی سطر سطر سے جھلکتا ہے اور میں چاہتی ہوں کہ ایسی ہی محبتیں مزید بڑھیں، رفعت سراج کے ناول کے بارے میں، میں یہ بھی کہوں گی کہ رفعت نے اپنے تمام ناولوں میں مثبت پیغام دیے ہیں اور اس ناول میں بھی بہت سی باتیں ابھی تہ در تہ کھلنی باقی ہیں۔ مسز رضا اگر آپ کے پاس رسالے سے متعلق اچھی تجاویز ہوں تو ہمیں ضرور ارسال کریں آپ کا پورا خط میں نے اس وجہ سے بھی شائع کیا ہے کہ ہم تنقید بھی کھلے دل سے قبول کرتے ہیں جو ہمارے رسالوں کو بہتر سے بہترین بنانے میں معاون ثابت ہوتی ہے۔ جہاں ہمارے پیارے پُرخلوص قارئین ہماری کاوشوں کو سراہتے ہیں وہیں تنقید بھی ضرور کرتے ہیں۔ ہمارے نزدیک قارئین کی آرا کی بہت اہمیت ہوتی ہے۔ اسی کی روشنی میں ہم اپنی کاوشوں میں مزید بہتری لاتے ہیں۔ آپ کی بے حد نوازش کہ آپ نے ہمیں اپنی مصروفیات میں سے وقت نکال کر اپنی رائے سے آگاہ کیا۔ آئندہ بھی آپ کی تعمیری و اصلاحی تنقید کے منتظر رہیں گے)

☆ مسز افضیٰ عمران، لاہور سے۔ ''تقریباً ایک سال سے اوپر ہو گیا ہے کہ میں پاکیزہ میں شرکت نہیں کر سکی تھی اس کے لیے معذرت چاہتی ہوں مگر اب میں واپس آ گئی ہوں اور انشاء اللہ ہر ماہ اس میں حاضری دیا کروں گی (خوش آمدید) تیزی سے ہونے والی تبدیلیوں نے کچھ کرنے کا موقع نہیں دیا۔ اب پلٹ کر سوچوں تو حیران ہوتی ہوں کہ اتنے کم وقت میں زندگی کیا سے کیا ہو گئی۔ میری گورنمنٹ جاب ہو گئی ہے مجھے ایم ایس سی میتھس میں گولڈ میڈل مل گیا اور پھر فروری 2013ء میں شادی...... یہ سب کچھ اتنا اچانک تھا کہ بس انہی میں الجھی رہی اور ہاں ایک بات بھی آپ کو بتاتی چلوں میں پاکیزہ کی

WWW.PAKSOCIETY.COM

مستقل قاری ریحانہ امجد کی بیٹی ہوں چونکہ اب وہ اس دنیا میں نہیں مگر مجھے ان کے شوق کو زندہ رکھنا ہے۔ ان کو پاکیزہ کی طرف سے تین ایوارڈ بھی ملے تھے جن کی طرف دیکھوں تو بس پاکیزہ سے رشتہ اور گہرا محسوس ہوتا ہے۔ امید ہے کہ آپ کو ریحانہ امجد یاد ہوں گی!'' (ہاں گڑیا مجھے تمہاری امی بہت اچھی طرح یاد ہیں۔ وہ ہماری مستقل تبصرہ نگار ہونے کے ساتھ ساتھ شاعرہ بھی تھیں)

٭ زرین ارمان، جہلم سے۔ ''یہ کسی بھی ڈائجسٹ میں میرا پہلا خط ہے۔ آپ کی بہنوں کی محفل نے مجھے خط لکھنے پر مجبور کیا۔ ایسی محفل کسی دوسرے پرچے میں نہیں ہوتی آپ سب کے ساتھ بہت پیار سے بات کرتی ہیں۔ مجھے نہیں پتا کہ آپ کو میرا خط ملے گا بھی یا نہیں کیونکہ میرے پاس آپ کا خط کتابت کا پتا نہیں ہے اندازے سے بھیج رہی ہوں اگر آپ کو مل جائے تو شامل کرلیں تاکہ مجھے پتا چل جائے اور اگر ہوسکے تو پرچے میں واضح کرکے پتا لکھ دیا کریں (آپ اور دیگر بہنوں کے لیے عرض ہے کہ رسالے میں فہرست کے صفحات پر نیچے ہمارا مکمل پتا درج ہوتا ہے۔ دفتر کا پتا بھی اور پوسٹ بکس نمبر بھی) اب کچھ تبصرہ کرلوں رفعت سراج کا ناول امانت بہت اچھا جارہا ہے۔ اس مہینے عطیہ عمر کا بات تو ٹھیک ہے مگر اچھا لگا اس کے علاوہ شیریں حیدر کا تحلی زبردست تھا۔ انجم آپی آپ کی جلترنگ کا بھی جواب نہیں ہوتا۔ آپ کو بیٹے کی شادی کی بھی بہت بہت مبارک۔ جب میں آپ کو اگلا خط لکھوں گی تو اپنی شاعری بھی بھیجوں گی اگر آپ کو پسند آئے تو شامل کیجیے گا۔'' (گڑیا، اس محفل میں خوش آمدید اب آپ کی شاعری کا انتظار رہے گا اور ہر ماہ آپ کے تبصرے کا بھی کہ یہ محفل آپ بہنوں کی وجہ سے ہی خوب صورت ہے اور میں اسے خوب صورت ترین بنانا چاہتی ہوں)

٭ شمسہ رضوان، کراچی سے۔ ''پہلے تو اینہ عندلیب کے لیے بہت سی دعائیں اور جزاک اللہ انہوں نے تو دعاؤں کا ایسا خزانہ سب کو انعام کی شکل میں دیا... جسے کہنا چاہیے کہ چھپر پھاڑ کے دعائیں عنایت کردیں۔ اللہ انہیں جلد مکمل صحت یاب کرے، آمین۔ عظمیٰ آفاق کا تحریر کردہ یہ تو ہونا ہی تھا پڑھ کر ہر تقریب کا پورا پورا مزہ ہر بہن کو آیا ہوگا تصاویر بھی سب شاندار ہیں گروپ فوٹو میں سب ہی اپنی اپنی جگہ بہت پیارے لگ رہے ہیں۔ اکتوبر کے ماہنامے میں سب ہی کچھ اچھا لگا۔ جلترنگ، بہنوں کی محفل، پاکیزہ ڈائری، دین کی باتیں .... افسانہ بات تو ٹھیک ہے عطیہ عمر کا اچھا لگا۔ رفاقت جاوید کا تحریر قرباں بہت اچھا لگا بہت اچھے طریقے سے آج کے گمبھیر مسئلے کو اجاگر کیا ہے اور عیب پڑھ کر واقعی ایسا ہی لگا کبھی یہی صورت حال ہو جاتی ہے کہ رونا بھی آرہا ہوتا ہے اور سمجھ میں نہیں آتا کیسے روئیں واقعی بہت اچھی تحریریں تھیں۔'' (شکریہ)

٭ کوثر پروین، میلسی سے۔ ''نئی نئی قاری ہوں تمام رائٹرز اچھا لکھتی ہیں۔ نمرہ احمد میری پسندیدہ مصنفہ ہیں۔ بہنوں کی محفل مجھے سب سے زیادہ اچھی لگتی ہے کاش نمرہ آپی بھی کسی دن اس محفل میں آن شریک ہوں اچانک تو ہمیں کتنی بڑی، کتنی زیادہ خوشی مل جائے۔ انجم آپی جب آپ نے سالگرہ نمبر میں ان کے متعلق دو تین لائنیں لکھی تھیں اور شہزادی کا خطاب دیا تھا تو مجھے بہت اچھا لگا۔ اس دفعہ عید ملن پارٹی میں شرکت کی۔ واقعی آپ داد کی مستحق ہیں سو شکریہ کہ بغیر ٹکٹ پارٹی انجوائے کروادی۔ ہمیشہ یونہی ہنستی مسکراتی، خوش و خرم رہیں۔ نزہت اصغر آپ بہت اچھی ہیں کہ ہماری رائٹرز سے ملاقات آپ ہی کے توسط سے ہوتی ہے لیکن خوب انتظار کے بعد پلیز اب اپنی بزم کے مہمانوں سے جلد ملاقات کروائیں اور میری فیورٹ نمرہ احمد کب بزم میں تشریف لائیں گی؟ انجم آپی آپ تصویر میں بدلی بدلی سی لگیں۔ اب باری آئی پارس کی زبردست یہ قسط پہلی قسط سے بھی زیادہ گنجلک تھی مگر مزہ آیا.......... نمرہ احمد کے اندازِ تحریر کی تو بات ہی الگ ہے اور یہ فیضان، بھائی کی زندگی میں تو اس کی قدر نہیں کرتا تھا۔ بے حس اور بھائی کی موت کے بعد آگیا ہے تفتیش کرنے۔ نہ جانے کیئر ٹیکر نے کس کی ہدایت پر فیضان کو معلومات دی ہیں۔ پُرتجسس اسٹوری، شجاع طاہر کو انتظار میں لٹکائے رکھنے کا مقصد سمجھ نہ آسکا مگر نمرہ آپی ہیں ناں ہر چیز کی وضاحت کردیتی ہیں مگر کچھ وقت کے بعد اور وہ اونچائی پر بنا باغ بہت بھایا جیسے نظر کے سامنے ایک ایک بیل، بوٹا، پھول لہلہا رہا ہے۔ اینہ عندلیب کا خط پڑھ کر بہت اچھا لگا۔ اللہ ان کو شفا دے۔'' (تبصرے کا شکریہ آپ کی رائے نمرہ احمد تک پہنچادی گئی ہے)

٭ گیتی آرا، کراچی سے۔ ''امانت نے لوگوں کی توجہ بے قراری سے اپنی طرف کھینچ لی ہے۔ رفعت سراج ایک بار پھر میدان مار گئیں۔ افسانے ہمیشہ کی طرح اس بار بھی دلچسپ اور منفرد رہے۔ جلترنگ، روحانی مشورے، پاکیزہ ڈائری، سندیسے، مجھے کچھ کہنا ہے تو پاکیزہ کی جان ہوتے ہی ہیں اور اس بار بھی ہیں۔ باجی آنکھ میں چوٹ آنے کی وجہ سے میری آنکھ میں زخم آگیا ہے جس کا ایک چھوٹا سا آپریشن ہے اگلے ہفتے اس لیے شاید ڈاکٹر کی ایڈوائس کے مطابق مجھے ایک دو ماہ لکھنے پڑھنے سے پرہیز کرنا پڑے گا اس لیے معذرت چاہتی ہوں اور ساتھ ہی آپ سے اور پاکیزہ کے تمام قارئین سے آپریشن کی کامیابی کی دعا کی درخواست ہے۔'' (انشاء اللہ تمہارا آپریشن کامیاب رہے گا۔ ہماری بہنیں یقیناً دعا کریں گی)

☒ انجم احمد، راول پنڈی۔ پاکیزہ کے لیے پسندیدگی کا بے حد شکریہ۔

٭ سکینہ فرخ، کراچی سے۔ ''پاکیزہ بہت پسند ہے اور عید ملن میں نہ آسکنے کا افسوس ہے۔ پاکیزہ میں شامل تمام مصنفات کی تحریریں پسند ہیں اور عذرا رسول صاحبہ کی زبردست فین ہوں۔'' (شکریہ)

٭ سدرۃ المنتہیٰ، ٹنڈو آدم سے۔ ''میری پاکیزہ سے گہری وابستگی ہے اور میری کہانیاں جلد لگائیے۔'' (جی ضرور)

٭ نگہت آصف، اسلام آباد سے۔ ''میں شعبۂ درس و تدریس سے تعلق رکھتی ہوں۔ کہنا یہ ہے کہ استاد، ٹیچر یا لیکچرر اور معلم کی زندگی کے گرد گھومتی مثبت کہانیاں بھی لگایا کریں۔ ان کی کاوشوں اور کردار کا بھی ضرور ذکر ہونا چاہیے۔ آپ کا رسالہ ایک وسیع حلقے میں پسند کیا جاتا ہے حد یہ ہے کہ مرد حضرات بھی بصد شوق پڑھتے ہیں۔ روحانی مشوروں کے سلسلے میں عرض ہے کہ چھوٹے چھوٹے عملیات بتایا کریں۔ عربی بہت زیادہ لکھی ہوئی ہوتی ہے۔ دعا کی اہمیت اور فضیلت پر بھی مضمون ہونا چاہیے کہ لوگ اپنی کامیابی کو تو ہاتھ کی محنت کی قرار دیتے ہیں اور ناکامی کو کسی کی نظر لگنے یا ہائے لگنے سے تعبیر کرتے ہیں جبکہ ایسا بالکل نہیں ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے؟ اداریے میں درج مضمون اچھا ہوتا ہے مگر کوئی ان باتوں پر عمل بھی تو کرے جبھی کامیابی ہوگی۔ اللہ ہم سب کو نیکی کی توفیق دے۔'' (نگہت آصف، روحانی مشوروں میں طویل اور مختصر دونوں کے بارے میں بتایا جاتا ہے۔ آپ کی فرمائش بھی نوٹ کرلی گئی ہے)

٭ ثوبیہ ظہور، اٹک سے۔ ''نومبر کے پاکیزہ کے لیے عرض ہے کہ شکر ہے آپ نے فہرست کا انداز بدلا۔ اس سے سب کچھ واضح نظر آتا ہے۔ سلسلے وار ناولوں میں امانت نے تو اپنی وضع قطع کافی بدلی ہے اور بہت دلچسپی سے رواں ہے جبکہ عنیزہ سید کے ناول میں کہانیاں زیادہ ہیں بہت توجہ سے پڑھنا پڑھتا ہے مگر رائٹر کی سیاست کی سوجھ بوجھ پر داد دینی پڑے گی بہت باریک مسائل نہایت روانی سے بتارہی ہیں۔ اس دفعہ کے افسانے ملے جلے تھے۔ سعدیہ رئیس نے کافی اچھا لکھا۔ شیریں حیدر کی تحریر نے واقعی ڈرادیا۔ آپ نے میرا انتخاب کا سلسلہ کیوں بند کردیا کم از کم اس میں اساتذہ کا کلام تو پڑھنے کو ملتا تھا ورنہ معذرت کے ساتھ نئی شاعری کرنے والیاں تو تک بندی کررہی ہیں اور آپ انہی کی حوصلہ افزائی کررہے ہیں۔ انہیں اصلاح کی شدید ضرورت ہے۔ کوئی برا نہ مانے۔ اب بات کروں گی عید ملن کی کوریج کی جو انجم آنٹی نے بہت دلچسپ انداز میں کی کہ ہم بھی شامل ہوگئے۔'' (تفصیلی تبصرے کا شکریہ۔ انتخاب یکسانیت کا شکار ہوگیا تھا۔ آپ بہنیں کسی نئے مگر دلچسپ سلسلے کے بارے میں بتائیے جسے ہم شروع کرسکیں)

☒ صدف شاہ، کراچی۔ آپ اپنا ناول بھیجنے سے پہلے ہمیں اس کا مختصر خلاصہ بھیج دیجیے تاکہ ہم پڑھ کر یہ بتاسکیں کہ آیا ہمیں اسے آپ سے لکھوانا بھی ہے یا نہیں)

٭ فصیحہ آصف خان، ملتان سے۔ ''سال کا آخری شمارہ اداس سے سرورق کے ساتھ جلوہ گر ہوا۔ دل میں اتر نہ سکا شوخ سا سرورق جی کو بھاتا ہے۔ خیر جی آگے چلیں بقول علامہ اقبال موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں کے مصداق آپ کی پُراثر باتیں دل میں جاگزیں ہوگئیں۔ اللہ تعالیٰ کے نور اور نبی رحمتؐ کی باتوں کے بعد امانت پڑھ کر الفاظ میں خیانت کرنے لگے۔ برہان نے رانی کے دل پر وار کر ہی دیا۔ ستارہ کا پوشیدہ انتقام جلد واضح ہوگا۔ جابر علی کی قوتِ برداشت کا امتحان جاری ہے۔ اصیل خان کی اصلیت کب واضح ہوگی؟ بابو اور میں صائمہ حیدر نے خوب لکھی۔ بابو کی معصومیت پر جی بھر کر

WWW.PAKSOCIETY.COM

پیار آیا۔ کہیں دیپ جلے کہیں دل ردا کا بزدلانہ اقدام پسند نہیں آیا۔ اتنی طویل تحریر کا انجام اگر مثبت ہوتا تو ٹھیک تھا ورنہ معاشرہ تو ہر لمحہ منفی سوچوں اور منفی انجام کا عادی ہو چکا ہے۔ غزالہ عزیز نے مامن اور مائرہ کو ایک کر کے خوش کر دیا۔ شامِ شہر یاراں کی کیا بات ہے۔ ہر کردار اپنے اندر ایک دنیا سموئے ہوئے ہے۔ زوئی کو ٹھکانا مل گیا۔ میرال ٹھیک رہی ہے۔ مہر زاد، میرال کے لیے کوشاں ہے۔ یوں سب اپنا اپنا رول اچھے طریقے سے نبھا رہے ہیں۔ سکینہ فرخ نے ساس کی نفسیات پیش کرنے اور شہریار کے جذبات کو سامنے لانے میں بخل سے کام نہیں لیا۔ جو موجودہ صورتِ حال میں ٹھیک ہی لگا۔ عتیقہ بیگ کا منحوس بس گزارے لائق تھا، خاص تاثر قائم نہ کر سکا۔ رضوانہ پرنس کی تحریر ابھی نہیں پڑھی اس کا تبصرہ محفوظ ہے۔ محبت کا زیاں، جاں کا زیاں بن کر سب کو روگی بنا گیا۔ خالدہ تسیم کی تحریر میں سچی محبت کی عکاسی شاندار طریقے سے کی گئی۔ نشاط خاں کی تحریر نے اپنوں اور بے گانوں کے روپے دکھائے۔ دولت انسان کو بعض اوقات اس قدر خود غرض بنا دیتی ہے کہ اپنے اور ان کے دکھوں کے کرب دکھائی نہیں دیتے۔ صادقہ بیگم کا فیصلہ درست رہا۔ فوزیہ رانا کا جیسے کو تیسا آخر میں ہنسا گیا۔ بی بی فوزیہ آپ نے ڈسٹ بن تو رکھ دیا مگر ہمارے پاکستانی چور، اچکے اور نشئی رات ہی رات میں اسے اڑا لے جائیں گے۔ پارس پر بھی تبصرہ آئندہ۔ ذکرِ صالحین کی مصنفہ محترمہ اختر شجاعت کی دل موہ لینے والی باتیں بے حد اثر انگیز رہیں۔ کاش، ہم سب ان پر عمل پیرا ہو کر دنیا و آخرت سنوار سکیں۔ نزہت اصغر مبارک باد کی مستحق ہیں۔" (شکریہ)

٭ افتخار شوق، میاں چنوں سے۔ "کچھ تبصرہ ہو جائے امانت کی قسطیں پڑھ کر دل کرتا ہے کہ کاش ہم اس قابل ہوتے کہ سب کے دکھ سمیٹ لیتے۔ ہر کردار اپنی جگہ فرسٹریشن کا شکار ہے۔ جابر علی سے تو بہتر جاہل عورتیں ہیں جو اپنی بیٹیوں کا رشتہ کرتے وقت کتنی چھان بین کرتی ہیں۔ شامِ شہر یاراں کی تھیم بہت اچھی ہے۔ کہیں دیپ جلے کہیں دل، قیصرہ حیات سے کہہ دیں کہ کاش شمیلہ ایک استانی ہوتی اور میرے ماتحت ہوتی تو دوسری قسط میں ہی اس کا دماغ ٹھکانے آ جاتا۔ اس کی شرپسندی بڑھتی جا رہی ہے کسی بھی رشتے سے مخلص نہیں ہے وہ خود غرض لڑکی۔ ادھوری تصویر رفاقت جاوید نے اس بات کو ثابت کر دیا کہ انسان ناشکرا ہے کسی بھی حال میں خوش نہیں۔ ریت گھروندا، سعدیہ رئیس نے لڑکی کے خواب کرچی کرچی کر دیے۔ معاشرے اور اسلام کے منافی جو چیز ہے وہ ہماری تباہی کا باعث ہے۔ ورشا، رضا اور انصر یہ تکون کوئی مناسب نہ تھی۔ انجم انصار صاحبہ جلترنگ جو سارے دکھوں کا مداوا ہے اچھا ہے کہ سب سے اینڈ پر ہے۔ افسانوں میں دکھ سکھ اور ٹینشن لینے کے بعد یہ سوئٹ ڈش ہے جو لازم و ملزوم ہے۔" (تبصرے کا شکریہ آپ کی رائے پہنچائی جا رہی ہے)

٭ شاہینہ حبیب، ڈی جی خان سے۔ "بہت دنوں کے بعد اس محفل میں آئی ہوں مجھے کسی بہن نے یاد نہیں کیا۔ یہ شکایت ہے۔ بہنوں کی محفل کی قربت پھر دوبارہ لے آئی۔ میں بیمار رہتی ہوں بہنوں سے استدعا ہے کہ میرے لیے دعا کریں۔ اس محفل میں شریک تمام بہنوں کے لیے دعا گو ہوں۔" (شاہینہ بہن اللہ آپ کو کلی صحت دے۔ اب آئی ہو تو آتی رہنا)

٭ زینت عبدالصمد، میرپور ساکرو سے۔ "امانت کا انتظار بڑی شدت سے تھا کہ دیکھیں آگے کیا رنگ بکھرتے ہیں وگرنہ گزشتہ قسط تو کافی دل دہلا دینے والی تھی۔ رابی کے کردار میں رفعت سراج نے خود اذیتی اور انتہا پسندی کو نہایت خوب صورتی سے پیش کیا۔ ایک قلم کار کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ قاری اس کے کرداروں کو مجسم حالت میں دیکھ کر ان کے شریک حال ہو۔ یقین کریں جب رابی نے شادی سے بچنے کے لیے اپنے چہرے اور بالوں کے ساتھ جو سلوک کیا اسے پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہو گئے مگر زندگی اسی کا نام ہے کہ انسان اگر اپنے ہوش و حواس پر قابو رکھے تو انسانیت کی معراج پر جا پہنچتا ہے ورنہ تو... امانت میں تو دو انتہا پسند جابر علی، مہر جان جو ناول میں پیش آنے والے واقعات کی بُنت کاری بڑی خوبی سے کر رہے ہیں۔ دیکھتے ہیں آگے آگے اور کیا ہوتا ہے کس طرح ایک شخص کا انفرادی عمل اس سے وابستہ دیگر انسانوں پر اثر انداز ہو کر ان سے جینے کا خراج وصول کرتا ہے۔ پارس اپنے سسپنس کی وجہ سے قارئین کی دلچسپی اپنی جانب مرکوز کروا چکی ہے۔ نمرہ احمد اپنے مخصوص انداز میں تجسس اور اسرار میں لپٹی کہانی کو بڑی خوب صورتی سے آگے بڑھا رہی ہیں۔ ہم کچھ اور سمجھے تھے، شبانہ شوکت متاثر کرنے میں ناکام رہیں۔ البتہ سیما بنت عاصم سلو پوائزن کی صورت گھریلو سیاست اور سیاست کے نتیجے میں پیدا

ہونے والی رنجشوں کو بڑی خوبی سے سامنے لے آئیں۔ ادھوری تصویر، رفاقت جاوید صوفیہ کا دکھ لے کر آئیں مگر ہمیں تو یہ کردار تشنہ سے زیادہ ناشکرا لگا۔ عنیزہ سید بڑی خوب صورتی سے واقعات کے تسلسل سے کہانی کو آگے بڑھا رہی ہیں۔ زندگی کے فلسفے کو واضح کرتی ان کی یہ تحریر انسان کے باریِ تعالیٰ پر توکل اور ایمان کی طاقت کے ذریعے ہونے والے معجزے دکھاتی اور انسانوں کی خود غرضی اور بے حسی کو اجاگر کرتی رواں دواں ہے۔ شیریں حیدر نے بہت حساس موضوع پر قلم اٹھایا۔ دھوکا آج کل کے زمانے میں تو انسان اپنی پرچھائی تک سے خائف ہے۔" (طویل تبصرے کا شکریہ)

٭ ارم کمال، فیصل آباد سے۔ "ٹائٹل پر ماڈل خفا خفا سی لگی۔ لگتا ہے گوشت نہیں کھایا۔ سلسلے وار ناولز ایک سے بڑھ کر ایک جا رہے ہیں لیکن امانت تو چھا گیا ہے۔ ادھوری تصویر رفاقت جاوید کی تحریر نے آٹھ آٹھ آنسو رُلا دیے۔ قربانی، شمع سید کی نایاب تحریر قربانی کے عظیم مقصد کو اجاگر کر گئی۔ دراصل یہی قربانی خدا ہم سے چاہتا ہے جس میں سارے شریک ہوں۔ میرا نام حنا ہے، شیریں حیدر کی بہترین تحریروں میں سے ایک تحریر ہے۔ واقعی فی زمانہ نیکی کرنا آ بیل مجھے مار کے زمرے میں آ گیا ہے۔ اک نئے موڑ پر، رضوانہ پرنس کی نئی طرز کی تحریر جس میں دیکھیں فلمی دنیا کے چکاچوند سے فاران گھر کیسے واپس آتا ہے۔ یوٹرن شہناز وسیم کی تحریر کے اختتام سے گو کہ میں متفق ہوں لیکن آخر بچے اور ثریا کا کیا قصور۔ اب بات ہو جائے اس چونکا دینے اور منفرد تحریر کی جو میرے خیال میں پاکیزہ میں پہلی دفعہ چھپی نمرہ احمد نے پارس کو کافی جاسوسی سی طرز دی ہے لیکن لفظوں کا چناؤ، منظر نگاری، جذبات و محسوسات کا اظہار، بہت ہی عمدہ ہے، زبردست نمرہ۔ عید ملن پارٹی میں اپنی فیورٹ رائٹرز سے مل کر بے حد مزہ آیا۔ ذیشان کی شادی کی خبر سن کر دل بہت خوش ہوا۔ میری طرف سے عذرا آپا کو پیشگی مبارک باد۔ آپ نے بلاشبہ بہت اچھی روایت قائم کی ہے نوگفٹ تو منی لیکن میرے خیال میں ایک اضافہ ہونا چاہیے کہ سارے مہمان دولھا، دلہن کے پاس لفافے میں ایک اچھی سی دعا لکھ کر لائیں اور جو دعا دولھا، دلہن کو سب سے زیادہ پسند آئے اس کا نام اناؤنس کیا جائے۔ کیا خیال ہے عذرا آپا؟ بہنوں کی محفل میں سب سے ملاقات بہت زوردار رہی۔ سب کے کھٹے میٹھے اور تیکھے تبصرے پڑھے۔ سب کے خطوط بہت اچھے تھے کیونکہ پیاری پیاری بہنوں نے لکھے تھے لیکن پہلے نمبر پر ڈاکٹر ممتاز ضیا کا خط بہت ہی دلچسپ اور عمدہ تھا۔ دوسرے نمبر پر امینہ عندلیب اور تیسرے نمبر پر تسنیم رضا ذوالفقار کا لگا۔ دین کے صفحات ویسے تو خوب ہیں۔ جلترنگ میں، میں کی کراں پڑھ کر ہنس ہنس کر آنکھوں میں آنسو آ گئے۔" (تبصرے کا شکریہ، ہاں تجویز تو تمہاری بہت شاندار ہے۔ مجھے تو بہت پسند آئی ہے اور یقیناً عذرا رسول کو بھی آئے گی، ہے ناں عذرا؟)

٭ عائشہ نور، گجرات سے۔ "اپنے خط کا جواب پڑھ کر مجھے جتنی خوشی ہوئی آپ سب اندازہ نہیں کر سکتے، بہت بہت شکریہ۔ ہمیشہ کی طرح ٹائٹل بہت اچھا لگا۔ سلسلے وار میں امانت کی یہ قسط بھی اچھی رہی اور رفعت سراج سے میری درخواست ہے کہ یہ ناول اسی طرح مزے دار اور دلچسپ رہنا چاہیے اس کے بعد شامِ شہر یاراں بھی اچھا جا رہا ہے۔ افسانے میں قربانی اچھا لکھا گیا تھا۔ شمع جی مجھے تو بہت پسند آیا ہے ہمیشہ اسی طرح اچھا اچھا لکھتی رہیے۔ اس کے علاوہ جلتے رہے ہم اچھا تھا۔ ہم کچھ اور سمجھے تھے، دوسرا رخ، میرا نام حنا اور اس کے علاوہ کہیں دیپ جلے کہیں دل بہت اچھے تھے۔ ویسے یہ کہنا غلط نہیں کہ لکھنے والوں کی قدر وہی کرتے ہیں جو اردو ادب کو جانتے ہیں اور اس سے منسلک رہتے ہیں۔ ہم جیسے تو صرف پڑھ لیتے ہیں ویسے ذاتی طور پر میں لکھنے والوں سے ملنے کی بہت شوقین ہوں کیونکہ ان لوگوں کی وجہ سے ہی ہمیشہ اردو ادب قائم ہے۔ اس کے بعد میں نظم اے محبت کے بارے میں بات کرنا چاہوں گی جو مجھے بہت، بہت پسند ہے فریدہ خانم نے تو جیسے میرے خیالات چرا لیے ہیں۔ اب کچھ اپنے بارے میں، میں پہلے بھی ایک نظم بھیج چکی اور اب بھی ایک بھیج رہی ہوں پلیز شائع کر دیں ناں۔" (خط لکھنے کا شکریہ، معیاری شاعری ضرور شائع ہو جاتی ہے)

٭ مسز نگہت غفار، کراچی سے۔ "ٹائٹل اچھا لگا۔ مجھے کچھ کہنا ہے پڑھ کر دل سے دعا نکلی کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کا نیا اسلامی سال کامیابی و کامرانی، امن و سکون، خوشیوں اور مسرتوں کے ساتھ بسر ہو۔ ہمارا ملک پاکستان خوشیوں کا گہوارہ بن جائے، آمین۔ دین کی باتوں کو ہم سنجیدگی سے پڑھیں اور اپنی عاقبت سنواریں۔ سلسلے وار ناولز خوب صورتی سے آگے بڑھ

WWW.PAKSOCIETY.COM

رہے ہیں۔ رضوانہ جی آپ کی کہانی اک نئے موڑ پر بہت اچھی لگی اگلی قسط کا انتظار ہے۔ دھند میں لپٹی شام غزالہ عزیز کی کہانی اچھی لگی۔ جیسے کو تیسا مختصر مگر پُراثر کہانی تھی۔ پاکیزہ ڈائری، بنین عباس، صبا نور، تسنیم ذوالفقار، زرین زبیر، پروین افضل ان سب کی تحریریں پسند آئیں۔ جلترنگ ہمیشہ کی طرح بے حد مزاحیہ تحریر تھی۔ میں اکثر گنگناتی ہوں میں ارم کمال، نزہت ضیا، جبیں نیاز، ممتاز خانم، ماہ نور، فصیحہ آصف، نگہت زیدی کے شعر و قطعات اچھے تھے۔ سندیسے میں تمام تحریریں اچھی لگیں لیکن وعدہ چاند کا سرفہرست رہا۔ روحانی مشورے بے حد مفید اور معلوماتی سلسلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان ہستیوں کو سلامت رکھے جو ان مشوروں سے ہمیں نوازتے ہیں، آمین۔ ہومیو کلینک بھی بے حد اچھا سلسلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو بیماریوں سے محفوظ رکھے، آمین۔ اب خط ختم کرتی ہوں اور ہاں ایک اہم بات کہ میں تقریباً ہر ماہ تبصرہ کرتی ہوں۔‘‘ (جب، جب آپ کا خط مجھے ملتا ہے ضرور شامل کیا جاتا ہے۔ ہاں آپ کا ایڈریس لکھنے کا طریقہ درست ہے۔ پسندیدگی کے لیے ممنون ہوں)

☚ ثمینہ بٹ، لاہور سے۔ ’’میں نے پانچ ماہ کے بعد ایک بار پھر حاضری کی جسارت کی ہے اور امید ہے کہ آپ پہلے کی طرح ہی خوش دلی اور مہربانی سے استقبال کریں گی۔ ان پانچ مہینوں میں بالکل بھی فارغ نہیں بیٹھی۔ آپ کے حکم کے مطابق مسلسل محنت اور دیانت کو اپنا شعار بنائے رکھا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آپ کے کہنے کے مطابق ہی کچھ مقامی رسائل میں اپنی جگہ بنانے میں بالآخر کامیاب ہوگئی۔ انجم جی آپ نے بالکل ٹھیک کہا تھا۔ واقعی مسلسل محنت اور دیانت سے ہی کامیابی کی راہ ملتی ہے۔ شروع شروع میں سب کے ساتھ ہی ایسا ہوتا ہے۔ ٹھوکریں لگ لگ کر ہی انسان منزل تک پہنچتا ہے۔ میں بھی ابھی کچھوے کی چال چلتی اپنی منزل کی جانب گامزن ہوں اور اللہ رب العزت کی ذات سے پُرامید ہوں۔ مجھے بھی میری منزل ضرور ملے گی انشاءاللہ۔ انجم جی، میں مانتی ہوں کہ میری پہلی تحریروں میں بہت جھول تھا، بہت کمیاں اور کمزوریاں بھی تھیں اور آپ نے اپنی بے پناہ مصروفیت کے باوجود میری ان تحریروں کو پڑھا اور ان پر اپنی رائے سے بھی نوازا اس کے لیے آپ کا بے حد شکریہ۔ اب ایک بار پھر میں نے ہمت کر کے ایک کہانی لکھی ہے۔‘‘ (گڑیا، اس دفعہ کی کہانی اچھی ہے۔ شائع ہوجائے گی مگر تھوڑا سا انتظار کرنا ہوگا)

☚ کوثر اعجاز، قصور سے۔ ’’آپ اور ہم نئے سال کو خوش آمدید تو کہہ رہے ہیں مگر کوئی امید کوئی ولولہ کوئی ارادہ ہے کہ جو ٹھان کر اس سال کو کہہ دیں کہ گزشتہ غلطیاں نہیں دُہرائیں گے۔ جو رشتے توڑ بیٹھے ہیں اب جوڑیں گے جو نمازیں نہیں پڑھی ہیں وہ قضا پڑھیں گے، جو کامیابی در در سے ڈھونڈ رہے ہیں وہ گھر میں جائے نماز بچھا کر قرآن پاک کھول کر خالقِ حقیقی سے مانگیں گے۔ انجم آپی کیوں ہر کوئی بیمار ہے دولت ہونے کے باوجود سکون نہیں، اولادیں بگڑ گئی ہیں۔ یقین مانیں ہم اپنے رب کے نافرمان ہو چکے ہیں۔‘‘ (بے شک ہم نے اپنے اعمال سے اپنے رب کو راضی کرنا ہے اور اپنی فیملی اور اپنے اطراف اور اپنے عزیز و اقارب کو اپنے حسنِ سلوک سے ضرور سمجھانا بھی ہے)

☚ پیاری بہنو! اس ماہ کے کھٹے میٹھے خطوط آپ کو کیسے لگے؟ ہمیں ضرور بتایئے گا۔ اب آیئے ہم سب مل کر دعا مانگتے ہیں۔ یا اللہ، یا رحمٰن یا رحیم میرے جسم کو شفا، دل کو اپنی ذات کا یقینِ کامل اور آنکھوں کو نورِ بصیرت عطا فرما اور جب تک میں زندہ رہوں اپنے ذکر کو صبح شام میری زبان پر جاری فرما دے اور ایسی جگہ سے مجھے رزق دے جو بلا رکاوٹ ملتا ہی رہے، یارب العالمین تو مجھ سے میری آل اولاد سے ہمیشہ ہمیشہ راضی رہنا اور دونوں جہانوں میں مجھے خیر عطا فرمانا۔ بے شک میرا رب ہر چیز پر قادر ہے اور میرا رب برکت اور بلندی والا ہے، آمین...... ثم آمین۔

یا مجیبُ یا مجیبُ یا مجیب

دعا گو

آپ کی اپنی باجی

انجم انصار

پاکیزہ ڈائری

عظمیٰ آفاق سعید

حمدِ باری تعالیٰ

تیری ثنا کا کیا بیاں اے خالقِ کون و مکاں
یہ طوطیوں کی تو ہی تو یہ نغمہ ہائے سرخو
پکارتی ہیں قمریاں، اے خالقِ کون و مکاں
ستارے آسماں پہ یہ شمس اور یہ قمر
ہیں تیری ہستی کے نشاں اے خالقِ کون و مکاں
یہ پھول، پھل اور شجر یہ لامکاں یہ بحر و بر
یہ چمن، یہ گلستاں، اے خالقِ کون و مکاں
یہ نرم گرم دہکتی ریت، یہ ہنستے گاتے سبز کھیت
خوب ہے تیرا جہاں، اے خالقِ کون و مکاں
یہ بادلوں کی مستیاں یہ کڑکڑاتی بجلیاں
ہر آن اک نیا سماں اے خالقِ کون و مکاں
یہ تیری صبح نور نور، یہ تیری شام پُرسرور
وصف کریں تیرا بیاں اے خالق کون و مکاں
میں ٹھہری اک حقیر ذات کہاں سے لاؤں وہ نکات
جو ہوں تیرے شایانِ شاں اے خالق کون و مکاں
مجھے وہ حرف بخش دے دلوں پہ جو اثر کرے
بس میری یہی ہے فغاں اے خالقِ کون و مکاں

شاعرہ...... عالیہ بشیر، اسلام آباد

نعتِ رسول مقبول ﷺ

محمد مصطفیٰ ہر دن بہت اب یاد آتے ہیں
مدینے میں جو گزرے دن بہت اب یاد آتے ہیں
جہاں پیارے نبیؐ کے نقشِ پا محسوس ہوتے ہیں
وہ گلیاں اور وہی رستے بہت اب یاد آتے ہیں
صبح سے رات تک مسجد میں جانا لوٹ کر آنا
عبادت کے وہی لمحے بہت اب یاد آتے ہیں
زیارت سبز گنبد کی عجب تسکین دیتی تھی
وہ جذبے اور وہی جلوے بہت اب یاد آتے ہیں
جہاں روضے کی جالی تھی وہیں پر ہم بھی ہوتے تھے
بہت سے پھول نعتوں کے نچھاور کر کے روتے تھے
درود ان پر سلام ان پر تو صبح شام کہتے تھے
انہی کی یاد کو دل میں بسا کر سانس لیتے تھے
عبادت میں جو گزرے دن بہت اب یاد آتے ہیں
محمد مصطفیٰؐ ہر دن بہت اب یاد آتے ہیں
عمر تو ختم ہوتی ہے سحر بھی ہو ہی جائے گی
ملیں گے جلد ہم ان سے بہت اب یاد آتے ہیں
مدینے میں جو گزرے دن بہت اب یاد آتے ہیں

کلام: ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی

مرسلہ: نجمہ اصغر، کراچی

احادیثِ مبارکہ ﷺ

☆ اے اللہ! میری کفالت کر اپنے حلال کے ساتھ، اپنے حرام سے بچا اور مجھ کو اپنے فضل سے اپنے سوا ہر کسی سے بے پروا کر دے۔

☆ اے دلوں کو پھیرنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھ۔

(ترمذی شریف)

☆ اے اللہ! ڈال میرے دل میں ہدایت اپنی اور بچا مجھ کو میرے نفس کی برائی سے۔

(ترمذی شریف)

☆ اے اللہ! میں پناہ مانگتا ہوں اس علم سے جو نفع نہ دے اور اس دل سے جو نہ ڈرے اور اس نفس سے جو سیر نہ ہو اور اس دعا سے جو قبول نہ کی جائے۔

(مسلم)

☆ جو شخص اپنے رزق میں ترقی اور لمبی عمر کا

WWW.PAKSOCIETY.COM

خواہش مند ہو اسے اپنے رشتے داروں سے اچھا سلوک کرنا چاہیے۔

(مسلم شریف)

☆تم میں نیک ترین وہ شخص ہے جس کا اخلاق اچھا ہو۔

(بخاری شریف)

☆طاقتور وہ نہیں ہے جو (لوگوں کو) پچھاڑ دے بلکہ طاقتور وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے آپ کو قابو میں رکھے۔

(بخاری شریف)

مرسلہ: لاریب ماہ زیب، چونیاں

بے نمازی کا خوفناک انجام

بے نمازی سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے جو جان بوجھ کر نماز چھوڑ دیتا ہے اس کا نام جہنم کے دروازے پر لکھ دیا جاتا ہے۔ نماز میں سستی کرنے والے کی قبر اس طرح دبائی جائے گی کہ اس کی پسلیاں ٹوٹ کر آپس میں پیوست ہو جائیں گی، اس کی قبر میں آگ بھڑکا دی جائے گی اس کا حساب سختی سے لیا جائے گا۔ جان بوجھ کر نماز چھوڑنے والے کے بارے میں قرآن پاک میں ہے کہ۔

ترجمہ: تو ان نمازیوں کے لیے خرابی ہے جو اپنی نماز بھولے بیٹھے ہیں۔"

الماعون آیت (4,5)

بے نمازی کے لیے سزائیں

دنیا میں چھ سزائیں یہ ہیں۔

1۔ اللہ اس کی عمر سے برکت زائل کر دے گا۔

2۔ اس کے چہرے سے نیک لوگوں جیسی نورانیت چھین لے گا۔

3۔ اس کے کسی عمل کا اجر و ثواب نہیں دے گا۔

4۔ اس کی کوئی دعا آسمان تک بلند نہ ہوگی۔

5۔ لوگوں کے سامنے اسے ذلیل و خوار کرے گا۔

6۔ نیک لوگوں کی دعا میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہوگا۔

مرسلہ: تسنیم رضا ذوالفقار، فیصل آباد

کھانے سے پہلے اور بعد میں ہاتھ دھونا

حضرت محمد ﷺ کا فرمان ہے کھانے سے پہلے ہاتھ دھونا غربت کو ختم کرتا ہے اور کھانے کے بعد ہاتھ دھونا غم و اندوہ اور دل کے خدشوں کو ختم کرتا ہے اور آنکھوں کی بیماریوں سے محفوظ رکھتا ہے۔

مرسلہ: جبیں ہاشمی، بھیرہ

شاید

تارے سارے چمک رہے ہیں
چندا بھی تو چمک رہا ہے
میرے دل کے اندر لیکن
کوئی اندھیرا پنپ رہا ہے
کیسی یہ خاموشی ہے
کیسی یہ تنہائی ہے
چپکے، چپکے خاموشی سے
میرا دل کیوں سسک رہا ہے
شاید پھر وہ واپس آئے
سب کچھ پھر روشن ہو جائے
تنہائی اور تاریکی سے
میں بھی پھر سے باہر نکلوں
جگ مگ کرتے تارے دیکھوں
بادل دیکھوں، چندا دیکھوں
سب سے بڑھ کر اس کو دیکھوں
سب کچھ ایسے ہی ہو جائے
شاید کبھی وہ واپس آئے

شاعرہ: عالیہ ضیا، کراچی

دوستی

دوستی موسم نہیں کہ اپنی مدت پوری کرے اور رخصت ہو جائے دوستی ساون نہیں کہ ٹوٹ کر برسے اور چلا جائے دوستی آگ نہیں جو سلگے بھڑکے اور بجھ جائے۔ دوستی آفتاب نہیں جو چمکے اور ڈوب جائے دوستی پھول نہیں جو کھلے اور مرجھا جائے دوستی سانس کا ایک ایسا رشتہ ہے جو چلے تو سب کچھ اگر ٹوٹ جائے تو کچھ بھی نہیں۔

مرسلہ: فریدہ جاوید فری، لاہور

اس سال

اے وحشت گرد
تو آ کے دیکھ تو سہی
تو نے کیا سے کیا بنا دیا
جہاں پھول ہوا کرتے تھے
وہاں ویرانہ بنا دیا
کھیل کے میدانوں کو
صحرا بنا دیا
اس سال تجھے تم ہے
ایسا کچھ نہ کرنا
کہ ہم خوف کے زمانے
میں جینا نہیں چاہتے

شاعرہ: عظمیٰ آفاق سعید
مرسلہ: شبنم کنول، حافظ آباد

غزل

بات ہوتی ہے گلوں کی منزلوں کا تذکرہ
کیوں کریں ہم آج اُن سے پتھروں کا تذکرہ
بات ہوتی ہے جہاں پر قہقہوں کے درمیاں
کون کرتا ہے وہاں پر دل جلوں کا تذکرہ
فاصلوں کے دوریوں کے اس قدر عادی ہوئے
خواب لگتا ہے ہمیں تو قربتوں کا تذکرہ
یاد آتی ہے مجھے پانی کی وہ منہ زوریاں
سامنے میرے ہو جب بھی بے گھروں کا تذکرہ
چار جانب مہک سی محسوس ہوتی ہے کنول
کر رہا ہے کوئی شاید گل رُخوں کا تذکرہ

شاعرہ: یاسمین کنول، پسرور

پہلا دن

جدائی کی کسک لیے
تیری یاد سے جُڑا آنسو
ہر شب کی طرح
آنکھ سے ٹپکا ہے
گزرے کل کی طرح
آج نئے سال
کا پہلا دن بھی تم بن اداس گزر رہا ہے کل کی طرح

شاعرہ: مسز اقصیٰ عمران، لاہور

پگلو کہیں کی

بحری جہاز کے عرشے پر دو میاں بیوی دوران سفر نظارے کی غرض سے آ بیٹھے۔ سمندر کو دیکھتے ہوئے بیوی نے سوال کیا۔ اگر میں سمندر میں گر کے انتقال کر جاؤں تو آپ کیا کریں گے۔ خاوند نے اخبار پڑھتے ہوئے سرسری سا بیوی کی طرف دیکھا اور جواب دیا۔ میں بھی مر جاؤں گا اور پھر یہی سوال بیوی سے کیا کہ اگر میں مر گیا تو تم کیا کرو گی؟ بیوی نے ایک گہری نظر سے شوہر کی طرف دیکھا اور سمندر میں کود گئی۔ پگلو کہیں کی۔

کوثر اعجاز چوہدری، مصطفیٰ آباد ضلع قصور

یقین

یقین کی چادر اوڑھے
کھڑی ہوں میں کب سے
اس انتظار میں
اس جہاں سے اس جہاں میں
کوئی تو میرا ہو
جو مجھے اپنا لگے جو مجھے اپنا کہے

از: مسز فرح امجد، لاہور

WWW.PAKSOCIETY.COM

فاقہ وتنگدستی اور بیماری کے اسباب

1۔ قرآن پاک کو بے وضو ہاتھ لگانا۔
2۔ مہمان کو حقارت سے دیکھنا۔
3۔ بسم اللہ پڑھے بغیر کھانا کھانا۔
4۔ جوتے پہن کر کھانا کھانا۔
5۔ صبح کے وقت سونا۔
6۔ نماز قضا کرنا۔
7۔ جانماز پر بیٹھ کر زمانے کی باتیں کرنا۔
8۔ کھڑے ہو کر غسل کرنا، گانے بجانے میں دل لگانا۔
9۔ روٹی یا دسترخوان سے ہاتھ صاف کرنا۔

مرسلہ: ظلِ شاہین، رحیم یار خان

سنہرے الفاظ

☆ آنسو کا جاری نہ ہونا دل کی سختی کی وجہ سے ہے۔
☆ دل کی سختی گناہوں کی کثرت کی وجہ سے ہے۔
☆ گناہوں کی کثرت موت کو بھولنے کی وجہ سے ہے۔
☆ موت سے غفلت لمبی امیدوں کی وجہ سے ہے
اور
☆ دنیا سے محبت ہی ہر گناہ کی جڑ ہے۔

مرسلہ: اُمِ ایمان قاضی، کوٹ چھٹہ

ڈرنا مت

بیوی اغوا ہوئی اور اغوا کاروں نے شوہر کو فون کیا اور کہا۔

"آج رات تک رقم نہ دی تو تمہاری بیوی قتل کر دی جائے گی۔"

شوہر جواباً خاموش رہا اور رقم نہیں دی۔

اگلے دن پھر اغوا کاروں نے شوہر کو فون کیا اور کہا۔

"اگر آج رات تک رقم نہ دی تو تمہاری بیوی کو چھوڑ دیا جائے گا۔"

شوہر تیزی سے بولا۔

"پیسے بول پیسے، کمینے ڈراتا کیوں ہے؟"

از: زرین زبیر کوٹھاری، کراچی

نئے سال کی پہلی صبح

دور افق سے پھوٹتی پہلی کرن سے
میں نے التجا کی
خدارا......اب کے برس
تم نکلتے ساتھ ہی
دنیا بھر میں برپا
خونریز ہلاکتوں
اور ظلم وستم کی کہانیاں
مت سنانا
کرن کچھ آگے کو سرک کر بولی
خدارا......اب کے برس
سب سے کہہ دو
مزید ظلم سہنے سے
ظلم ڈھانے سے
خود کو بچالو
بارگاہِ ایزدی میں
سربسجود ہو کر
توبہ کرو!

از: صائمہ یاسر شاہ، کراچی

باتوں سے خوشبو آئے

دوستی کے لیے نظریۂ اضافت

☆ دوست وہ جو بے غرض محبت کرے......تبھی ممکن ہے جب اپنے نفس سے عداوت کرے۔

☆ دوست وہ جو مصیبت میں کام آئے۔ وہ نہیں جو صرف ہاں میں ہاں ملائے۔

☆ سچا دوست ایک بھی مل جائے غنیمت ہے......سچا دوست ڈھونڈنے کی ضرورت کیا ہے؟ خود سچے دوست بن جاؤ۔

مرسلہ: کوثر خالد، جڑانوالہ

جلترنگ

انجم انصار

یہ سال بے وفا لوگوں کے نام رہے گا

سیاست داں ﴾ تو چور میں سپاہی، میں چور تو سپاہی کا کھیل سارا سال جاری رہے گا۔ اس سال بھی یہ وعدے، قسمیں اور قرضے کھائیں گے اور مشروبات میں صرف عوام کا خون پئیں گے۔

فلمی دنیا ﴾ یہ سال بھی ویسا ہی رہے گا جیسے گزشتہ سال رہے ہیں۔ اپنے اسکینڈل خود بنوانے ہوں گے۔ پھٹیچر فلموں کو...... اے ون فلم کہنا ہوگا......اس سال کوئی معروف اداکارہ اپنی شادی کا صرف اعلان کرے گی۔ کسی خاص شخصیت کے ساتھ۔ (سوچیں ذرا کس میں کتنا ہے دم)

مہنگائی ﴾ اس کو پر لگ جائیں گے، ایک چیز کے دام...... ہر شہر میں نہ صرف مختلف بلکہ ایک محلے کی ہر دکان پر الگ، الگ ہوں گے۔ لوگ اس کے عادی ہو جائیں گے۔ تحفے تحائف میں اب پھلوں اور مٹھائی کے ٹوکروں کے بجائے ان کی تصاویر دی جائیں گی۔

بجلی ﴾ کبھی کبھی آیا کرے گی اور جب آیا کرے گی اس دن کو لوگ تقریبات کے لیے مختص کر لیا کریں گے۔ لالٹین اور چراغ عام ہوں گے۔ بجلی کے مہنگے آئٹمز بہت سستے ہو جائیں گے کہ لوگ انہیں خریدیں گے ہی نہیں۔

شادیاں ﴾ ان لڑکیوں کی شادیاں فوراً ہوں گی جو اپنے جہیز میں یو پی ایس اور جنریٹر لائیں گی۔ خوب صورتی کی اہمیت ختم ہو جائے گی۔ اس سال کماؤ بیوی "اِن" رہے گی۔ یہ سال اس لحاظ سے بھی اہمیت کا حامل رہے گا کہ لڑکوں کی شادیاں زیادہ ہوں گی۔ اس سال ایک شخص کم از کم دو شادیاں ضرور کرے گا۔

ٹی وی چینلز ﴾ اس سال بہت ترقی کریں گے۔ کون حکومت کرے گا اور کون نہیں...... اس کا فیصلہ ٹی وی اینکرز کریں گے۔ لڑائی، جھگڑا، بہتان بازی اور گالی گلوچ اور کوسنوں کے لائف پروگرامز بطور ٹرینی دکھائے جائیں گے اور اس میں شمولیت حاصل کرنے والے افراد کو باقاعدہ سند بھی دی جائے گی۔

فیشن ﴾ اس سال بھی علی بابا چالیس چوروں کے ملبوسات "اِن" رہیں گے۔ جنھیں پونچو کہا جاتا ہے۔ فتو فقیرنی جیسی جھولے نما شرٹس جو پاؤں تک میں آجائیں گی وہ اِن رہیں گی۔ اس سال بھی درزی غریب رہیں گے کہ سوٹوں سے وہ کپڑا نہیں بچا پائیں گے۔

میک اپ ﴾ میک اپ میں مرد حضرات بھی آگے، آگے رہیں گے۔ لپ اسٹک، نیل پالش کے ساتھ ساتھ وہ آئی لائنر، مسکارا اور روج کا بھی استعمال کریں گے۔ شوبز سے متعلقہ حضرات بازوؤں پر ٹیٹو بنوانے کے ساتھ ہتھیلیوں میں مہندی بھی لگوائیں گے۔ خواتین کا میک اپ اس قدر شارپ ہوگا کہ لوگ انہیں دیکھ کر دہاڑیں مار مار کر روئیں گے۔

جیولری ﴾ سونے کے زیورات نہ شادیوں میں دیے جائیں گے اور نہ ہی روزمرہ پہننے میں استعمال

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہوں گے۔ آرٹیفیشل جیولری کے دام آسمان تک پہنچ جائیں گے۔ اس کے باوجود یہی جیولری اس سال ''اِن'' رہے گی۔ اس سال لڑکوں میں ٹاپس، چین اور کڑے کے ساتھ بازوبند اور پائل کا رواج بھی زور پکڑے گا۔ سلیبریٹی...... پازیب پہن کر نکلا کریں گے کہ ان کی چھن چھن سن کر ہی سہی کوئی دیکھے تو......

ناول ﴾ اس سال بھی خواتین ہی زیادہ لکھیں گی اور تیرے میرے عشق میں صفحات کے صفحات کالے کردیں گی۔ ناولوں کے ناموں کا مسئلہ اس سال اٹھے گا تو مافوق الفطرت ناموں کی اصطلاح سامنے آئے گی۔

شاعری ﴾ ہر دوسری لڑکی شاعرہ بن جائے گی اور نظم، مکالے کی سرحدوں کو چھو لے گی۔ غزل میں بحران آجائے گا اس میں سکتے اور جھٹکے صاف محسوس ہوں گے۔ میں بہت بڑی شاعرہ ہوں یہ قول ہر شاعرہ کا ہوگا۔ فلیپ اور دیباچے بھاری معاوضوں پر لکھوانے کا رجحان عام ہوگا اور اسی پر برتری جتائی جائے گی کہ میں نے اپنا فلیپ پچاس ہزار میں لکھوایا ہے۔ میری کتاب زیادہ اچھی ہوگی نہ کہ تمہاری کہ تم نے صرف پانچ ہزار میں لکھوایا ہے۔

ملبوسات ﴾ اس سال کپڑے کم پہننے کا رواج اس وجہ سے کم رہے گا کہ بے حیائی عروج پر ہوگی۔ لیڈیز ریڈی میڈ سوٹ خریدتے وقت دوپٹے علیحدہ سے خریدنے ہوں گے۔ جنہیں اس کی ضرورت ہوگی تو...... خواتین اپنی چھوٹی بچیوں کی فراکیں آرام سے پہن کر کسی بھی تقریب میں جاسکیں گی۔ ایسے کپڑے پہننے کے سبب ان کے چہرے پر پاگل پن بھی دکھائی دے گا۔

بچے ﴾ اس سال پیدا ہونے والے بچے دیر سے بولیں گے، دیر سے چلیں گے مگر سب کے کان کاٹیں گے۔ بچے اب بچے نہیں بلکہ جھوٹے اور مکار ہوں گے اور اِدھر کی بات اُدھر کر کے اپنا فائدہ دیکھیں گے اور بے وفائی تو عام ہوگی۔ طلاق اور خلع کسی فیشن کی طرح بڑھیں گے۔ چالاکی اور مکاری کو ذہانت کا نام دے دیا جائے گا۔ مروّت کو شخصی کمزوری سمجھا جائے گا۔ اس سال بیویاں اپنے شوہروں پر اعتماد نہیں کریں گی اور نہ ہی شوہر اپنی بیویوں پر...... یہ سال بے وفا لوگوں کے نام ہوگا۔

بالی عمریا

عمر بھی کوئی زیادہ نہیں تھی شاید سولہ شاید سترہ یا اٹھارہ سے زیادہ تو ہرگز نہیں۔ وہ شاید کوئی نئی دلہن تھی اس کے ہاتھوں میں مہندی ایسے لگی ہوئی تھی جو کلائیوں تک آرہی تھی۔ اس طرح اس کے گہرے سانولے پیر جو اس کی چمکتی دمکتی سینڈل سے جھانک رہے تھے ان پر بھی مہندی تھی۔ گہرا جامنی ستاروں بھرا سوٹ پہنے وہ بائیک پر اپنے شوہر کی کمر سے یوں چمٹی ہوئی تھی جیسے لوگ بندریا کو اپنی پشت پر بٹھا کر چلتے ہیں۔

دولہا جس کی عمر بھی بہ مشکل بائیس یا تیئس سال کی ہوگی۔ وہ بائیک اور سڑک پر کم توجہ دے رہا تھا اس کے کان، اس کا چہرہ پیچھے بیٹھی ہوئی اپنی دلہن کی سمت تھا۔ کس قدر تو اسے ہنسی آرہی تھی یا شاید وہ ہر بات ہی ہنستے ہوئے کہہ رہی تھی سڑک پر ٹریفک جام تھا۔ میری نئی ماڈل کی گاڑی اس ہجوم میں رینگتی ہوئی چل رہی تھی۔ شاید یہ وجہ تھی کہ میری نظریں آگے جاتی ہوئی بائیک پر مسلسل تھیں۔ موسم تبدیل ہو رہا تھا...... شام ہوجانے کے بعد گرمی کی تمازت خاصی تھی۔ اسے لیے وہ بار بار پلّو سے اپنے چہرے کو بھی تھپتھپا رہی تھی۔

اے سی چلنے کی وجہ سے گاڑی یخ ہو رہی تھی، کیسٹ میں محبت بھرا گانا بھی چل رہا تھا ایک چھوٹا سا ٹی وی بھی اس میں آن تھا۔ جس میں کوئی گلوکارہ ہاتھ نچا نچا کر گانے سے زیادہ ناچ رہی تھی۔ میرے

میاں گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے موبائل کان سے لگائے اپنے فیکٹری منیجر کی کوئی روداد سن رہے تھے کہ بیچ میں اسے سخت سست اور کاہل جیسے جوتے بھی لگا رہے تھے۔ سگنل پر اچانک تمام گاڑیاں رک گئیں۔ اب وہ بائیک بالکل میری گاڑی کے برابر کھڑی تھی۔ میں نے گاڑی کا شیشہ نیچے کرلیا۔ اس کا تاروں بھرا دوپٹا اُڑ کر گاڑی پر آرہا تھا۔ میں نے دیکھا اس نے دونوں ہاتھوں میں ایمیٹیشن انگوٹھیاں بھی پہن رکھی ہیں۔ وہ خوب صورت نہیں تھی مگر اس کے چہرے کی سرشاری نے اسے خوب صورت بنا رکھا تھا۔

''سنو...... امی کے ہاں رکو گی تو نہیں ناں......؟''

وہ لڑکا آنکھوں میں نشہ بھر کر پوچھ رہا تھا۔

''اب میرا دل کہاں لگے گا۔'' ہی ہی ہی وہ پھر ہنسنے لگی۔

''آئس کریم کھاؤ گی؟'' لڑکے نے پوچھا۔

''نہیں، دہی بھلے کھاؤں گی۔''

''کہاں سے کھاؤ گی؟''

''چورنگی پر، چوک پر جو ٹھیلے کھڑے ہوتے ہیں وہیں سے...... کتنے مزے کی ہوتی ہے ناں چاٹ......!'' اس نے لہجے میں ذائقہ بھر کر کہا۔

''ہاں......'' وہ بھی بلاوجہ ہنسا۔

ٹریفک میں جان پڑی، وہ آگے بڑھا تو اس کی بائیک بھی بڑھی مگر اپنا دوپٹا سمیٹتے ہوئے اس نے میری طرف اچٹتی نظر سے دیکھا اس کی آنکھوں میں نہ میری خوب صورتی کی اہمیت تھی، نہ میرے جگر جگر کرتے زیورات کی اور نہ ہی میری گاڑی کی......

میں نے اسے پھر دیکھا وہ اپنے دونوں بازو اپنے شوہر کے گلے میں حمائل کیے بیٹھی تھی نہ اسے سڑک نظر آرہی تھی نہ لوگ اور نہ ہی کسی کی ہنسی...... کیا خوشی اور سرشاری میں ایسا بھی ہوتا ہے۔ اس حسین جوڑے کو میں بڑی چاہت سے دیکھ رہی تھی... اور

بے عزتی

گھر گھر جا کر اشیا بیچنے والے ایک سیلز مین کی ملاقات ایک نوعمر سیلز مین سے ہوئی۔ پوچھا۔ ''کام کیسا چل رہا ہے؟''

نوعمر سیلز مین یہ سوال سن کر پھٹ پڑا۔ کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے بولا۔ ''نہیں بھئی، یہ کام اپنے بس کا نہیں جہاں جاتا ہوں لوگ بے عزتی کرتے ہیں۔''

بوڑھا سیلز مین زیرِ لب مسکرایا اور بولا۔ ''بڑی عجیب بات ہے مجھے اس پیشے میں چالیس برس ہوچکے ہیں۔ لوگوں نے میرے سامنے زور سے دروازے بند کیے جو چیزیں فروخت کرنے کے لیے نکلا، انہیں سڑک پر پھینکا گیا۔ مجھے اس طرح ٹھوکریں ماری گئیں کہ سیڑھیوں سے لڑھکتا ہوا نیچے آیا۔ بعض لوگوں نے میری خوب پٹائی کی لیکن بے عزتی...... کسی نے آج تک میری بے عزتی نہیں کی۔''

مرسلہ: تنویر فاطمہ، گوجرانوالہ

ٹاس

شہر کی ایک سنسان سڑک پر ایک راہ گیر نے ایک صاحب کو روکا اور کہا۔ ''کیا آپ ایک روپے کا سکہ عنایت کریں گے؟''

وہ صاحب بولے۔ ''ضرور، ضرور مگر آپ کو اس وقت اس کی کیا ضرورت پیش آگئی ہے؟''

راہ گیر نے جواب دیا۔ ''بات یہ ہے کہ میں اور میرا ساتھی یہ ایک روپے کا سکہ اچھال کر یہ فیصلہ کرنا چاہتے ہیں کہ ہم میں سے کون آپ کا موبائل لے گا اور کون آپ کا بٹوا لے گا۔''

مرسلہ: ماریہ عقیل، لاہور

WWW.PAKSOCIETY.COM

میرے میاں جانی جن سے دس دن قبل میری شادی ہوئی تھی وہ بڑے تمسخر بھرے عجیب لہجے میں مجھ سے کہہ رہے تھے۔

”عجیب پاگل ہو تم بھی......! پتا ہے گاڑی میں اے سی چل رہا ہے پھر بھی شیشہ کھول دیا۔ کتنی ڈسٹ آگئی ہے اندر...... کبھی کچھ دیکھا ہوتا تو خیال ہوتا کہ گاڑی میں بیٹھتے کس طرح ہیں۔“ تب انجانے میں بہت سی گرم ریت میری آنکھوں میں پڑ گئی اور میں سوچنے لگی...... وہ جو خوب صورت نہیں تھی کتنی خوب صورت لگ رہی تھی اور میں جو خوب صورت تھی خود اپنے آپ کو انتہائی بدشکل ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی حقیر بھی سمجھ رہی تھی۔

ھار جیت

ابھی ابھی سلمٰی کا پریشانی میں ڈوبا ہوا فون آیا ہے کہ اس کے میاں کھانا پکاتے ہوئے جل گئے ہیں اور میں نے سلمٰی کا ہر جملہ، پریشانی اور آہیں بلند کرتے ہوئے سنا' اس کے غم زدہ دل کا ساتھ دیا...... دورانِ گفتگو جہاں کہیں اس کے لبوں سے آہ وفغاں بلند ہوئی میں نے سسکیاں تک بھر ڈالی ہیں، اس کے مغموم لہجے کی طرح میرے لہجے میں بھی آنسو ٹپک رہے تھے اور اب جبکہ اس کا فون بند ہو گیا ہے تو شوخ وشنگ گانوں کی سی ڈی لگا کر میں گنگنا رہی ہوں۔ آج میری خوشی عروج پر ہے۔

آئے موسم رنگیلے سہانے
جیا نہیں مانے
تو چھٹی لے کر آجا بالما

ہوہو، ہوہو (میں اپنے آپ کو ہیروئن سمجھ رہی ہوں)

دیکھا نہ تھا کبھی ہم نے یہ سماں
ایسا نشہ تیرے پیار نے دیا سوچا نہ تھا
کھو گئے سپنوں میں ہم

(میرے تصورات کی اُڑانیں اونچی سے اونچی ہو رہی ہیں) ہر گیت کی اڑان میرے لبوں پر آکر مزید شوخ سی بن رہی ہے، آج حد تو یہاں تک ہوگئی ہے کہ بھوتنی کے، بھوتنی کے...... والا گانا تک میں گنگنا چکی ہوں، جس کے بارے میں پہلے یہ خیال تھا کہ اس میں صرف گالیاں ہیں، گیت کا کوئی رنگ نہیں ہے، وقت، وقت کی بات ہے بعض دفعہ گیت بھی برے لگتے ہیں اور بعض دفعہ...... باقی آپ خود سمجھدار ہیں۔

سلمٰی میری فرسٹ کزن صرف میری ہم عمر ہے باقی ہر چیز میں مجھ سے پیچھے...... تعلیم میں کم (میٹرک فیل) شکل صورت میں نہ صرف مجھ سے بلکہ پورے خاندان میں سب کم تر ہے مگر نصیب دیکھیں کہ اس کا شوہر نہ صرف سب سے زیادہ تعلیم یافتہ ہے بلکہ خاندان کے سب لڑکوں اور دامادوں سے آگے ہی آگے ہے۔ اس کی پوسٹ بھی بڑی ہے اور اس کو اپنے دفتر کی جانب سے ڈھیر ساری مراعات تک حاصل ہیں اور سونے پر سہاگا یہ کہ وہ اپنی بیوی سے عشق کرتا ہے۔ اس کی کالی کلوٹی صورت پر مرتا ہے، جانو کہہ کر تو اسے پکارتا ہے ایک ہمارے میاں ہیں جو حنا کو ہمیشہ ہی...... ناں کہہ کر چلاتے ہیں۔ سارے نام کا ستیاناس مار کر رکھ دیا ہے۔ اصغر تو سلمٰی کو پوجتا ہے جیسے وہ کوئی حسن کی دیوی ہے، ظاہر ہے یہ سب باتیں دیکھ کر ہم سب کزنز نہ صرف جلا کرتی تھیں بلکہ کھولا کرتی تھیں، ہمارے میاں کالے ٹھگنے، سوکھے کلرک بادشاہ اور پھر بدمزاج ہونے کے ساتھ ساتھ بدتمیز علیحدہ...... بارہا ہمارے میکے کی تقریبات میں یہ اگل چکے تھے کہ ہم سے شادی کر کے انہوں نے احسان کیا ہے ورنہ کوئی آہی نہیں رہا تھا...... گنجے کہیں کے۔

ایسے میں سلمٰی کا یہ فون میرے تمام زخموں پر مرہم رکھ گیا ہے۔ (کہیں تو اصغر بھائی پیچھے ہوئے ورنہ اصغر ہو کر بھی اکبر بنے ہوئے تھے) فوراً ہی میں نے اپنی دوسری کزن کو فون کر کے یہ صورتِ حال بتائی کہ سلمٰی کے میاں جل گئے ہیں۔

”وہ تو اپنی بیوی کے سوا ہر عورت سے جلتے ہیں مجال ہے کہ کبھی کسی پر نظر بھی ڈال لیں مجھے تو وہ ہمیشہ ہی جل ککڑے سے لگتے ہیں۔“

”نہیں، یہ بات نہیں ہے وہ آگ سے جل گئے ہیں، سلمٰی بتا رہی تھی کہ زیادہ تر چہرہ جلا ہے۔“ میں نے سرشاری سے کہا۔

”ایمان سے......“ عروسہ نے نعرہ لگاتے ہوئے خوش ہو کر پوچھا۔

”واقعی وہ جل گئے ہیں، چلو دیکھنے چلتے ہیں پتا تو چلے، اب وہ کیسا خوف ناک لگ رہا ہے۔“

”تم اگر جلدی آرہی ہو تو چلی چلوں گی ورنہ میرا گنجا آنے والا ہے اسے پتا چل جائے کہ اس کی غیر موجودگی میں، میں کہیں گئی ہوں، اس کا دماغ خراب ہو جاتا ہے۔“

”میں بس ابھی آئی۔“

”عروسہ اب تو ہمارے میاں سلمٰی کے میاں سے زیادہ اچھے لگیں گے۔“ میں نے ہنس کر کہا۔

”ہاں واقعی...... ورنہ یہ سلمٰی بیگم کس قدر اتراتی تھی کہ اس خاندان کو تو میرے میاں کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ کوئی تو گوری چمڑی کا داماد آیا ورنہ اس خاندان میں تو سب حبشی رنگوں کے تھے جیسے افریقہ سے آئے ہوں۔“ عروسہ نے سلمٰی کی بیٹھی ہوئی آواز کی طرح نقل اتاری اور جب وہ دو ڈھائی گھنٹے بعد آئی تو میک اپ میں لت پت تھی۔

”اتنی دیر سے آئی ہو تم......؟“ میں نے اسے ڈانٹا۔

”آخر لوگ چہرہ ہی تو دیکھتے ہیں، اس کو سنوارنے میں کچھ تو وقت لگنا ہی تھا۔“ وہ اترائی۔

”تم سلمٰی کے میاں کا جلا ہوا چہرہ دیکھنے جا رہی ہو یا اپنا میک اپ زدہ چہرہ دکھانے جا رہی ہو۔“

”کچھ بھی کہو، آج کل تو لوگ میت کے گھروں میں بھی تیار ہو کر جاتے ہیں جہاں جا کر انہیں دہاڑیں مار کر رونا بھی ہوتا ہے، میں تو صرف طبیعت ہی پوچھنے جا رہی ہوں۔“ اس نے شانے اچکائے۔

”عروسہ تم پہلے دیکھ آؤ، میں اپنے میاں کے ساتھ چلی جاؤں گی تم آکر بتانا ضرور کہ سلمٰی کا میاں کتنا بھیانک لگ رہا تھا کہ میں اسی حساب سے ہمدردی کے جملے اپنے منہ میں بھر کر لے جاؤں۔“

ایک گھنٹے بعد جب عروسہ آئی تو اس کا منہ اُترا ہوا تھا لہجے کی سرشاری جو جاتے ہوئے عروج پر تھی دم توڑ چکی تھی۔

”کیا ہوا......؟ کیسے جلا ہے وہ، کچھ بتاؤ تو سہی؟“ میں رغبت سے پوچھا۔

”بے حد معمولی سا جلا ہے نہ کوئی آبلہ پڑا، نہ کھال جھلسی نہ کہیں سے چربی نکلی...... اب بھی وہ سب سے زیادہ حسین نظر آرہا ہے۔“

”کیا واقعی......؟“ میں نے بوکھلا کر اسے جھنجوڑا۔

”ہاں، مجال ہے کہ اسے دیکھ کر ذرا جو لطف آیا ہو۔“ وہ غصے اور محرومی سے کہہ رہی تھی۔

اور میں بقائمی ہوش وحواس اپنے بے چلے میاں کا مقابلہ (تصور کی آنکھ سے) سلمٰی کے میاں سے کر رہی تھی۔ سلمٰی کا میاں اب بھی جیت رہا تھا، ٹرافی پر ٹرافیاں لے رہا تھا، وکٹری اسٹینڈ پر کھڑا فاتح نظر آرہا تھا اور خاندان بھر کے داماد بری طرح ہار رہے تھے۔

بدنصیب کہیں کے بغیر جلے ہوئے بھی جلے جلے سے لگتے تھے کہ دل کا جلانا بھی جانتے تھے۔ میرے خاموش آنسو اندر ہی اندر گر رہے تھے اور عروسہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

☆☆☆

WWW.PAKSOCIETY.COM

میرا انتخاب

آمنہ حماد

بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ دل کا موسم بہت شاندار ہوتا ہے لیکن ہمارے گرد بکھرے کردار اور ماحول اس طرح ہم پہ اپنا تاثر ثبت کرتے ہیں کہ دل کا موسم یکا یک اپنا رنگ تبدیل کر لیتا ہے اور ہم اپنے ماحول کے دکھ میں مدغم ہوتے چلے جاتے ہیں کچھ یہی تاثر ہمیں فیض احمد فیضؔ کی غزل میں بھی نظر آتا ہے۔ اس غزل کو صائمہ نے اسلام آباد سے منتخب کیا ہے۔

غزل

یہ موسمِ گل گرچہ طرب خیز بہت ہے
احوالِ گل و لالہ غم انگیز بہت ہے
خوش دعوتِ یاراں بھی ہے یلغارِ عدو بھی
کیا کیجیے دل کا جو کم آمیز بہت ہے
یوں پیرِ مغاں شیخِ حرم سے ہوئے یک جاں
میخانے میں کم ظرفیِ پرہیز بہت ہے
اِک گردنِ مخلوق جو ہر حال میں خم ہے
اِک بازوئے قاتل ہے کہ خوں ریز بہت ہے
کیوں مشعلِ دل فیضؔ چھپاؤ تہ داماں
بجھ جائے گی یوں بھی کہ ہوا تیز بہت ہے

☆☆☆

امید ایک ایسی چھاؤں ہے جو اپنے دامن میں انسان کو پناہ دے کر مایوسی کے اتھاہ سمندر میں ڈوبنے سے بچاتی ہے...... امید کی ایسی ہی کرن ہمیں مشتاق احمد قریشی کی تجدیدِ وفا میں روشن نظر آرہی ہے۔ فصیحہ آصف خان کا انتخاب ملتان سے۔

تجدیدِ وفا

تم اپنے اندر کے لاکھ موسم
چھپالو مجھ سے
میں اپنے جذبوں کی چاندنی سے
نقاب سارے سمیٹ لوں گا
محبتوں کی کتاب کا بھی میرے ہی نام انتساب ہوگا
میں چاہتوں کی مسافتوں سے جو لوٹ آیا
تو دیکھ لینا
ہر ایک دل سے محبتوں کے
نصاب سارے سمیٹ لوں گا
تم اپنی چاہت کے سنگ ایک دن
میری نگاہوں میں تیرنا پھر
میں اپنی آنکھوں میں حجاب سارے سمیٹ لوں گا
وفا کی تجدید کررہا ہوں
میں بن کے بادل تمہاری خاطر
سراب سارے سمیٹ لوں گا
میں چاہتوں کے کٹھن سفر کے
عذاب سارے سمیٹ لوں گا

☆☆☆

کبھی کبھی ایسا ہوتا کہ دکھ کی دراڑیں چہروں سے تو رخصت ہو جاتی ہیں لیکن وہ انسان کے اندر اتر کر اس ایک گوشے کو ویران کر دیتی ہیں جو کسی ایک خاص شخص کے لیے مخصوص ہوتا ہے...... جدائی اور کٹھن فیصلوں کا کچھ ایسا ہی تاثر جونؔ ایلیا کی نظم میں نظر آرہا ہے۔ جس کا انتخاب ثمرینہ نعیم نے کراچی سے کیا ہے۔

تمھارا فیصلہ جاناں

تمہارا فیصلہ جاناں! مجھے بے حد پسند آیا
پسند آنا ہی تھا جاناں
ہمیں اپنے سے اتنی دور تک جانا ہی تھا جاناں
بجا ہے خانماں سوز آرزوؤں، تیرہ امیدوں
سراسر خوں شدہ خوابوں، نوازش گر سرابوں
ہاں سرابوں کی قسم یک سر بجا ہے
اب ہمارا جان و دل کے جاوداں دل جان رشتے کو
اور اس کی زخم خوردہ یاد تک کو بے نیازانہ
بُھلا دینا ہی اچھا ہے
وہ سرمایہ، وہ دل سے بے بہا تر جاں کا سرمایہ
گنوا دینا ہی اچھا ہے
زیانِ جاودانی کے گلہ افروز داغوں کو
بجھا دینا ہی اچھا ہے
تمہارا فیصلہ جاناں مجھے بے حد پسند آیا

☆☆☆

زندگی کے سفر میں یادوں کا ایک ذخیرہ ہوتا ہے لیکن تمام یادوں میں سے کچھ لمحات زندگی کا حاصل قرار پاتے ہیں...... جو اپنی یاد کے نقش دل پر ثبت کر دیتے ہیں ایسے نقش جو وقت کی دھول سے بھی مٹتے نہیں...... ان لمحوں کی یاد میں ایسی طلسماتی کشش ہوتی ہے کہ وہ اپنے سحر سے نکلنے نہیں دیتی...... ایسے ہی کچھ لمحوں کی یاد کے سحر میں سلیم کوثر بھی جکڑے نظر آرہے ہیں۔ اسے سعدیہ نے لاہور سے منتخب کیا ہے۔

ایک بھولی ہوئی یاد

تم بھی مجھ سے سارے رشتے توڑ چکی تھیں
میں نے بھی اِک دوسرا رستہ دیکھ لیا تھا
تم نے مجھ سے عہد لیا تھا
میں نے بھی اِک بات کہی تھی
تم نے میری سب تصویریں واپس دے کر
اپنے خط مجھ سے مانگے تھے
لیکن آج رسالے میں اپنا اِک شعر تمہارے نام سے
دیکھا ہے
تو سوچ رہا ہوں
چہروں کی پہچان ادھوری رہ جائے
تو یادیں آئینہ بن جاتی ہیں

☆☆☆

محبوب کو ایک نظر دیکھ لینے میں جو احساس پوشیدہ ہے اسے لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا...... مگر شاعری میں اس لحۂ نظر کو بیان کرنے میں ہزاروں ورق سیاہ نظر آتے ہیں...... تشبیہات و استعارات کا ایک سمندر ہے جو صرف وسیع ہوتا ہے سمٹتا نہیں...... ایسی ہی ایک ساعت میں احمد فراز گرفتار ہیں۔ جسے شازیہ حمیر نے حیدر آباد سے منتخب کیا ہے۔

خود کلامی

دیکھے ہی نہیں وہ لب و رخسار وہ گیسو
بس ایک کھنکتی ہوئی آواز کا جادو
حیران پریشان لیے پھرتا ہے ہر سو
پابندِ تصور نہیں وہ جلوۂ بے تاب
ہو دور تو جگنو ہے قریب آئے تو خوشبو
لہرائے تو شعلہ ہے چھنک جائے تو گھنگرو
باندھے ہیں نگاہوں نے صداؤں کے بھی منظر
وہ قہقہے جیسے بھری برسات میں کوکو
جیسے کوئی قمری سرِ شمشاد لبِ جُو
اے دل تیری باتوں میں کہاں تک کوئی جائے
جذبات کی دنیا میں کہاں سوچ کے پہلو
کب آئے ہیں فتراک میں وحشت زدہ آہو
مانا کہ وہ لب ہوں گے شفق رنگ و شرر خو
دل کش ہی سہی حلقۂ زلف و خمِ ابرو
یہ کس کو خبر کس کا مقدر ہے یہ سب کچھ
خوابوں کی گھٹا دُور برس جائے گی اور تو
لوٹ آئے گا لے کر فقط آہیں فقط آنسو

☆☆☆

WWW.PAKSOCIETY.COM

میں اکثر گنگناتی ہوں

صغریٰ زیدی

☆مسز نگہت غفار، کراچی

زبانیں جن کے ستم پر خاموش رہتی ہیں
دلوں میں ان کے خلاف احتجاج ہوتے ہیں
برا نہ مان کہ بولے ہیں تلخ لہجے میں
ہم ایسے لوگ ذرا بد مزاج ہوتے ہیں

☆سیما ممتاز عباسی، لاڑکانہ

آج پھر تیری یاد مانگی تھی
آج پھر وقت ہم کو ٹال گیا
تو دسمبر کی بات کرتا ہے
ہاں ہمارا تو سارا سال گیا

☆صبا کمال فیصل آباد

کوئی آفت اترتی ہی نہیں اس واسطے مجھ پر
میری ماں کی دعا نے آسماں کو روک رکھا ہے

☆ارم کمال، فیصل آباد

ہمیں تو امتحاں لینا تھا تیرے ظرف کا ساقی
وگرنہ چھین لینا ہاتھ سے ساغر بھی آتا ہے

☆ناظم شاہین اعوان، واہ کینٹ

بچھڑنا ہے تو روح سے نکل جاؤ
رہی بات دل کی تو اسے دیکھ لیں گے ہم

☆شہلا محمود، واہ کینٹ

چہرے بدل بدل کر مجھے مل رہے ہیں لوگ
اتنا برا سلوک میری سادگی کے ساتھ

☆کاجل شاہ، خانیوال

رسوائیوں کا دور ہے رہنا سنبھل کے تم
دستک بھی دے کوئی تو درِ دل نہ کھولنا

☆ایلیا عباس، لاہور

یہ تناؤ قدرت نے دو دلوں میں کیوں رکھا
مجھ کو کج کلا ہی دی اس کو کج ادائی دی

☆عرشیہ جنید، کراچی

مجھ کو ان سچی باتوں سے، اپنے جھوٹ بہت پیارے ہیں
جن سچی باتوں سے صدیوں، انسانوں کا خون بہا ہے

☆نزہت جبیں ضیا، گلشن جمال کراچی

اس لمحے تو دھڑکن دھڑکن دل سے دعا نکلتی ہے
وقت تو گزرے لیکن یہ موسم نہ گزرنے پائے

☆مسز تسنیم، جہلم

نشاطِ رنج ہو، رنجِ نشاط ہو کچھ ہو
حیاتِ رقص ہے وحشت کا اور دائرہ وار
اسی کا نام محبت ہوا زمانے میں
وہ ایک نشہ کہ سیکھا نہیں ہے جس نے اتار

☆ماہ نور قیصر، راول پنڈی

انہیں دو گھروں کے قریب ہی کہیں آگ لے کے ہوا بھی تھی
نہ کبھی تمہاری نظر گئی، نہ کبھی ہماری نظر گئی
نہ غموں کا میرے حساب لے نہ غموں کا اپنے حساب دے
وہ عجیب رات تھی کیا کہیں، جو گزر گئی سو گزر گئی

☆کائنات عبدالحلیم، میر پور خاص

پت جھڑ کے ٹوٹتے ہوئے پتوں کے ساتھ ساتھ
موسم کبھی تو بدلے گا یہ آسرا بھی ہو
اس کے لیے تو میں نے یہاں تک دعائیں کیں
میری طرح سے کوئی اسے چاہتا بھی ہو

☆نفیسہ آرا، راس الخیمہ

شہر و صحرا کی تقسیم ممکن نہیں، ایک قوت ہے، جس کے بہت روپ ہیں
ان پہاڑوں میں بھی پیار کا ظلم ہے، ان مشینوں میں بھی ظلم کا پیار پن
مرنے والے مصور کے تکیے تلے، ایک کاغذ ملا جس پہ یہ درج تھا
روشنی کے لباسوں سے لپٹا ہوا، آئینہ خانے میں خوشبوؤں کا بدن

☆فرحت احمد، گلشن حدید

جو کاری زخم لگا ہے دل پہ پہلے اس کی فکر کرو
یہ بعد میں دیکھا جائے گا یہ کس کی کارگزاری ہے

☆پروین افضل شاہین، بہاول نگر

لفظ جب تک وضو نہیں کرتے
ہم تیری گفتگو نہیں کرتے
تو ملا ہے کچھ ایسے لوگوں سے
جو تری جستجو نہیں کرتے

☆ ریحانہ باری، کراچی

جو چل سکو تو کوئی ایسی چال چل جانا
مجھے گماں بھی نہ ہو اور تم بدل جانا

☆کوثر اعجاز چوہدری، ضلع قصور

چاند جس آگ میں جلتا ہے اسی شعلے سے
برف کی وادی میں کہرے کا دھواں روشن ہے
جیسے دریاؤں میں خاموش چراغوں کا سفر
ایسا نس نس میں مرے دردِ رواں روشن ہے

☆فاطمہ بلال، کینیڈا

محسوس یہ ہوتا ہے کوئی، ہر لمحہ خلوت وجلوت میں
ہے ساتھ مرے اور پوچھتا ہے، اب حال تمہارا کیسا ہے

☆امینہ مشیر، نئی دہلی

داد دے ظرفِ سماعت تو کرم ہے ورنہ
تشنگی ہے مری آواز کی، نغمہ کیا ہے
بولتا ہے کوئی ہر آن لہو میں میرے
پر دکھائی نہیں دیتا یہ تماشا کیا ہے

☆یاسمین رشید، کراچی

تو ہے وہ رنگ کہ آنکھوں سے نہ اوجھل ہوگا
میں ہوں وہ خواب کہ گزروں گا سحر ہونے تک
لکھتے ہیں پر یہ نہیں جانتے لکھنے والے
نغمہ اندوہِ سماعت ہے اثر ہونے تک

☆لاریب، چونیاں ضلع قصور

ہماری آنکھوں میں یادوں کے زخم رہنے دو
ہمارے ہاتھ سے پھولوں کی ڈال مت چھینو
ابھی بجھاؤ نہ کینڈل، ابھی نہ کاٹو کیک
کچھ اور دیر میرا پچھلا سال مت چھینو

☆ماہ زیب، چونیاں ضلع قصور

جو بھی قاصد تھا وہ غیروں کے گھروں تک پہنچا
کوئی نامہ نہ تیرے در بدروں تک پہنچا
مجھ کو مٹی کیا تو نے تو یہ احسان بھی کر
کہ میری خاک کو اب کوزہ گروں تک پہنچا

☆فصیحہ آصف خان، ملتان

ہمیں تو عمر کرنی ہے بسر رنج و ملال میں
خدا کرے وہ خوش و آباد رہے نئے سال میں

☆لبنیٰ حیات، ضلع جھنگ

میں اسی کھوج میں بڑھتا ہی چلا جاتا ہوں
کس کا آنچل ہے جو کوہساروں پر لہراتا ہے

☆عنبر وسیم، گوجرانوالہ

ہیں عجیب سے واسطے کہ گریز پا سبھی رابطے
وہ تیری نگاہ کے فاصلے یہ میری نظر کی مسافتیں
کبھی راستوں میں قرار تھا کبھی منزلوں سے قرار تھا
کبھی در بدر کی سکونتیں کبھی اپنے گھر کی مسافتیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

خوش ذائقہ

پاکیزہ بہنیں

خوش مزاج پیاری پیاری بہنو! خوش ذائقہ کھانوں سے لطف اندوز ہونے کے ساتھ ساتھ آپ کے لیے کچن سے ہی… چند نسخے حاضر ہیں۔ امید ہے آپ ضرور مستفید ہوں گی۔ آئندہ بھی ہم آپ کی خدمت میں ایسے سادے مگر دلکش نسخے پیش کرتے رہیں گے۔ انشاءاللہ تعالیٰ!

1۔ موسم سرما کا تحفہ خشک جلد ہوتی ہے مگر اسی کو آپ کچن میں موجود اشیا سے نرم اور چمکدار بنا سکتی ہیں۔ ایک چمچ چرونجی کو کچے دودھ میں باریک پیس کر چہرے پر ملنے سے رنگت نکھرتی ہے۔

2۔ رات کو سوتے وقت دودھ کی بالائی میں زعفران ملا کر ہونٹوں پر لگائیں۔

3۔ بادام، سوکھی خوبانی دودھ میں بھگو کر پیس لیں اور رات میں چہرے پر ماسک کی طرح لگائیں اور پندرہ منٹ بعد نیم گرم پانی سے چہرہ دھولیں۔ زیادہ خشک جلد والے اس عمل کے بعد … ہلکی سی بالائی چہرے پر مساج کی صورت لگا سکتے ہیں۔

4۔ سردیوں کے موسم میں گٹھیا اور جوڑوں کے درد میں شدت آجاتی ہے اس کے لیے ایک مجرّب نسخہ نوٹ کرلیں۔۔۔ جائفل کو کوٹ کر تل کے تیل میں اس وقت تک تلیں کہ اس کا رنگ گہرا براؤن ہوجائے۔ پھر اسے چھان کر ٹھنڈا کرلیں اور اس تیل سے ان جوڑوں پر مالش کریں جہاں درد ہے۔ شیاٹیکا (کمر کے آخری حصے اور کولھے کی ہڈی کا درد جو نیچے ٹانگ تک جاتا ہے) میں بہت مفید ہے۔ مقدار: ایک پیالی تیل میں ایک چھوٹا چمچ کُٹا ہوا جائفل تل لیں۔ حساس جلد والے آدھا چمچ جائفل استعمال کریں۔

مزیدار سوپ

اشیا: تازہ سبزیاں مثلاً گاجر، دو عدد۔ شملہ مرچ، ایک عدد۔ شلجم، دو عدد۔ مٹر، آدھی پیالی۔ پھول گوبھی، دو انچ کا ٹکڑا۔ پیاز، درمیانی۔ لہسن، دس سے بارہ جوئے۔ ادرک، ایک انچ کا ٹکڑا۔ آلو، ایک عدد۔ ٹماٹر، دو سے تین عدد۔ مرغی کی گردنیں یا بازو ایک پاؤ، مرغی کے بجائے بکرے کی ہڈیاں بھی ڈال سکتی ہیں۔ نمک، ثابت کالی مرچ۔ حسبِ ذائقہ۔

ترکیب: تمام اجزا دھو کر ایک بڑی دیگچی میں خوب زیادہ پانی ڈال کر چڑھا دیں۔ ہلکی آنچ پر پکائیں۔ جب تمام اجزا اچھی طرح اپنا عرق چھوڑ دیں تو یہ سوپ چھان لیں۔ یہ سبزی اور گوشت کی یخنی… تیار ہوجائے گی۔ بس اس میں حسبِ پسند ایک چمچ پسی کالی مرچ، سویا ساس یا چلی ساس لیمو یا سرکے کے چند قطرے (جو بھی پسند ہو…) وہ ڈال کر گرما گرم پئیں اور سردی سے بچیں۔ یہ نہایت آسان ترکیب ہے جسے نوعمر بچیاں بھی آرام سے بنا سکتی ہیں۔

نوٹ: سبزیوں اور ہڈیوں کا چونکہ سارا جوس نکل آیا ہے اس لیے اسے جانوروں اور پرندوں کو ڈال دیں۔

جمیلہ نیازی، منڈی بہاؤالدین

تلی ہوئی مچھلی

اشیا: بڑی مچھلی کے قتلے، آدھا کلو۔ سرکہ ایک کپ۔ نمک حسب پسند۔ لہسن کا پیسٹ، ایک کھانے کا چمچ۔ ہلدی، ایک چھوٹا ہموار چمچ۔ بیسن، دو چمچ۔ زیرہ پسا ہوا، ایک چھوٹا چمچ۔ پسی سرخ مرچ، کالی مرچ، حسبِ ذائقہ۔ تیل، فرائی کے لیے۔

ترکیب: مچھلی دھو کر سرکہ اور نمک لگا کر آدھے گھنٹے کے لیے فریج میں رکھ دیں۔ ایک برتن میں مسالے کا تھوڑے پانی کے ساتھ پیسٹ تیار کرلیں اور مچھلی پر مل دیں۔ تیل ڈیپ فرائی کے لیے گرم کریں اس میں اگر اجوائن کے چند دانے ڈالیں تو مچھلی کی بو نہیں رہے گی۔ اب مچھلی کے پیسٹ لگے قتلے ایک، ایک کر کے فرائی کریں اور گہرے گولڈن ہونے پر خاکی کاغذ پر پہلے اتار لیں پھر ڈش آؤٹ کر کے پیش کریں۔ اس کے اوپر سلاد کے پتے، پیاز کے لچھے، لیموں کے ٹکڑے سجاوٹ کے لیے ڈال سکتی ہیں۔ اس کے اوپر چاٹ مسالا چھڑکیں اور کسی چٹنی یا کیچپ کے ساتھ کھائیں۔

نفیسہ آرا، راس الخیمہ

گرین چکن

اشیا: مرغی کا گوشت، ایک کلو۔ ہرا دھنیا، ایک گٹھی۔ (صاف کرلیں) پودینے کے پتے، ایک پیالی۔ ہری مرچ، دس سے بارہ۔ (ذائقے کے حساب سے) پالک کے چند پتے۔ ادرک، باریک کٹی ہوئی۔ لیموں کا رس، دو کھانے کے چمچ۔ دہی، ایک پیالی۔ پسی کالی مرچ، حسبِ ذائقہ۔ لہسن کے جوئے، آٹھ سے دس عدد۔ (چوپ کیے ہوئے) نمک، حسبِ ذائقہ۔

ترکیب: ایک دیگچی میں تیل ڈالیں اور اس میں چوپ کیے ہوئے لہسن سنہرے کرلیں۔ (گرائنڈر میں ہرا مسالا پیس کر دہی میں مکس کرلیں) اب چوپ کیے ہوئے لہسن میں مرغی کا گوشت ڈال دیں اور فرائی کریں، نمک اور کالی مرچ بھی شامل کرلیں۔ دس منٹ چمچ چلانے کے بعد ہرا گرائنڈ کیا ہوا مسالا دیگچی میں شامل کرلیں اور ہلکی آنچ پر گوشت گلنے تک پکائیں۔ گوشت گل جائے اور تیل نکل آئے تو چولھا بند کردیں اب اس پر لیموں کا رس چھڑک دیں اور ڈونگے میں نکال لیں اور ہرا دھنیا اور ادرک اوپر سے سجا دیں، گرم گرم نان یا چپاتی کے ساتھ نوش فرمائیں۔

تحسین ناز، لاہور

لکھنوی گلاوٹ کے کباب

اشیا: مشین کا قیمہ، ایک کلو۔ کچا پپیتا، (پسا ہوا) دو چائے کے چمچ۔ ادرک، لہسن پیسٹ، ایک ایک کھانے کا چمچ۔ سرخ مرچ، نمک، حسب ذائقہ۔ سفید زیرہ دو چائے کے چمچ۔ خشخاش (صاف کرلیں) دو چائے کے چمچ۔ پسا گرم مسالا، ایک چائے کا چمچ۔ بیسن بھون کر چھان لیں، چار کھانے کے چمچ۔ پیاز، دو درمیانی۔ دہی، دو کھانے کے چمچ۔ کوکنگ آئل۔

ترکیب: علاوہ پیاز اور دہی سارے مسالے (مع پپیتا) پیس کر قیمے میں ملا دیں اور تقریباً دو یا تین گھنٹے کے لیے فریج میں رکھ دیں۔ اب ایک پتیلی میں پیاز باریک، باریک کاٹ کر تیل میں گولڈن فرائی کریں پھر اس میں یہ قیمہ ڈال لیں، اچھی طرح بھوننے کے بعد دہی خوب پھینٹ کر ڈالیں اور آئل نکلنے تک اسے بھونتی رہیں خیال رہے یہ ہلکی آنچ پر پکے گا۔ جب تیل چھوٹنے لگے تو چولھا بند کردیں۔ ڈش میں نکال کر پیاز کے لچھوں، مولی اور پودینے کی پتیاں سجاوٹ کے لیے ڈال دیں۔

کلثوم عباس، کراچی

WWW.PAKSOCIETY.COM

سندیسے

پاکیزہ

بہنیں

تو ہی بتادے

کون سی رُت تیرے نام لکھوں
جنوری کی صبح روشن
کہ فروری کا اُبھرتا جوبن
مارچ کھلا کھلا سا
کہ اپریل دُھلا دُھلا سا
مئی کی اُگتی ہوئی دھوپ
کہ جون کا چبھتا ہوا سکوت۔
جولائی کا سر چڑھتا سورج
کہ اگست میں غلامی کا ڈھلتا سورج
ستمبر میں جنم لیتی کوئی خواہش
کہ اکتوبر میں پیار کی بارش
نومبر کی ساری رعنائیاں
کہ بھیگتے دسمبر کی تنہائیاں
تو ہی بتا اے دوست
کون سی رُت، تیرے نام لکھوں

کاوش، لاریب، ماہ زیب، چونیاں ضلع قصور

فرخندہ شاہین کے نام

اس کی مسلسل جدو جہد کے باعث

اب کے سال کا روشن سورج اس لیے تجھ پر قرباں ہے
تجھ سا سچا تجھ سا یکتا اس جگ میں کوئی اور کہاں ہے
نبض پہ جس کی تیرا ہات پاجائے وہ رنز کی بات
تو مسیحا صفت ہے خوباں تو ہی درد کا درماں ہے
سرما میں تو جلتی آگ، گرما میں تو میگھا راگ
زیست کے تپتے صحرا میں گہرا سبز خیاباں ہے
کول کتنا تیرا روپ جیسے اندھیارے میں دھوپ
تو ہی حسن کی سندرتا تو ہی ایک چندر ماں ہے
میری سوچ میں تیرا نور، میری کھوج تیرا شعور
میرے شعر سجے ہیں تجھ سے، تو ہی دوست قدرداں ہے

شاعرہ: عالیہ بشیر، اسلام آباد

سرخ رضائی

بڑی پیٹی میں رکھی
سرخ رضائی مجھے
بہت یاد آتی
ہے
جب سردی میں پرانے
لحاف کو اوڑھ کر
دل گھبراتا ہے
اگر رخصتی میں دیر ہے
تو سرخ رضائی مجھے
دے دوناں ماں
جو ہر شب میرے خوابوں
میں آتی ہے
اور مجھے گدگداتی ہے

شاعرہ: عظمیٰ آفاق سعید

مرسلہ: صبا نور، لیہ

اپنا گھر

جب جی چاہے، آجاؤ تم
اس دل کا ایک ہی در ہے
اور
یہ دل تمہارا اپنا گھر ہے

از: کوثر اعجاز چوہدری، ضلع قصور

طوفان

سنا ہے تمہارے ہاں طوفان آیا تھا
اپنے ہمراہ بڑی تباہیاں لایا تھا
تمہیں تو ڈبویا طوفاں نے
اور ہمیں طوفان کے خدشے نے

شاعرہ: افتخار شوق، میاں چنوں

میری طرف سے دعاؤں کے چند موتی

امینہ عندلیب کے نام

تیری آنکھوں میں
زندگی کی رمق
اور خوشبوں کی چمک کا
کچھ اس طرح ملاپ ہو
خزاں پہ جیسے
بہار کا راج ہو
جیسے لبوں پہ
سُروں کا راگ ہو
تیری زندگی سے
درد کے بادل چھٹ جائیں
مایوسی کے اندھیرے
مٹ جائیں
تیرے چہرے پہ
مسکراہٹ کا ہالا رہے
تیری زندگی میں
زندگی کا اجالا رہے
تیرے گرد ہمیشہ
دعاؤں کی مالا رہے
اے خدا!
مجھ گنہگار کی دعا
اس کے حق میں قبول فرما

ایشل شادیان شاد، گولارچی

جاگیر

پہنا کے زنجیری
لڑکی اِک شریری
کتابی چہرہ گورا تن
آنکھوں میں تحریری
گالوں پہ بالوں کی لٹ
چنچل شوخ شریری
روٹھ کے بستر پر لیٹی
ٹیڑھی ترچھی لکیری
جانے کیوں لگتی ہے مجھے
وہ میری جاگیری

از: ارم کمال، فیصل آباد

ہم تم

تم سے کہنی تھی جو بات وہ کہہ نہ سکے
دل میں تھا جو وہ زباں پہ لا نہ سکے
فاصلے اتنے آئے درمیاں کہ پتا ہی نہ چلا
پاس ہوتے ہوئے بھی قریب آنہ سکے
دکھ یہ نہیں کہ بھول گئے ہو ہمیں
غم تو یہ ہے کہ ہم ہی تمہیں پا نہ سکے

از: عینی بٹ، آزاد کشمیر

☆☆☆

WWW.PAKSOCIETY.COM

روحانی مشورے

ادارہ

ہم نئے عیسوی سال 2014ء کا استقبال کیسے کریں؟

☆31 دسمبر کو بعد نمازِ مغرب دو نفل توبہ کے اور دو نفل شکرانے کے ادا کریں۔ سجدے میں جا کر گڑگڑا کر دعا مانگیں کہ اس سال کے ہر پل ہم سے جو گناہ، غلطیاں اور کوتاہیاں سرزد ہوئی ہیں...... اللہ اسے معاف کردے اور آئندہ کے لیے نیک توفیق عطا فرمائے۔

☆31 دسمبر کو رات بارہ بجے کے بعد...... فائرنگ اور شور وغل کرنے کے بجائے پہلے بسم اللہ (پوری) کی دس تسبیح پڑھیں تاکہ نئے عیسوی سال کی ابتدا اللہ کے نام سے ہو پھر پانچ تسبیح پہلے کلمے کی...... ایک تسبیح استغفار کی۔ ایک تسبیح تیسرے کلمے کی پڑھیں۔ اور اپنے گھر کے تمام افراد کا صدقہ اپنی استطاعت کے مطابق دیں۔

☆دو رکعت نفل حاجت کے پڑھیں جس میں یہ دعا مانگیں کہ 2014ء آپ کے لیے اور پوری دنیا کے مسلمانوں کے لیے امن و آشتی کا سال ہو۔ اللہ تعالیٰ دنیا کے تمام مسلمانوں کے مابین پیار محبت اور یک جہتی عطا فرمائے۔ بالخصوص ہمارے ملک کے حالات اچھے کردے۔

☆ایک تسبیح **یا حلیمُ یا علیمُ یا علیُّ یا عظیمُ** کی پڑھیں اور سجدے میں سر رکھ کر دعا مانگیں یا اللہ ہم سب پر اپنا رحم فرما کرم فرما اور فضل فرما اور دونوں جہان میں خیر ہو۔

☆پانچ تسبیح یا رزاقُ کی پڑھیں اور دعا مانگیں یا اللہ رزق بے حساب دے اور ہمیں نیک کام کی توفیق دے، ہمت دے اور وقت دے۔

☆ایک تسبیح **یا اللہُ یا سلامُ یا حفیظُ** کی پڑھیں اور دعا مانگیں اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہر بیماری، ہر پریشانی، ہر آفت اور ہر حاسد دشمن سے محفوظ رکھنا اور صرف اپنا محتاج اور اپنی پناہ میں رکھنا۔

نوٹ: عزیز قارئین اپنی دعاؤں میں اپنی باجی انجم انصار اور ادارۂ پاکیزہ کے تمام اراکین کو یاد رکھیں۔

ہانڈی تالے کا وظیفہ

ایسا اکثر گھرانوں میں ہوتا ہے کہ لڑکے، لڑکیوں کی شادیاں کرنا بہت بڑا مسئلہ بن جاتا ہے، خاص طور پر لڑکیوں کی شادیاں کہ لوگ آتے ہیں، انہیں دیکھتے ہیں اور پسند بھی کر جاتے ہیں اور پھر اچانک کچھ ایسا ہو جاتا ہے کہ وہ آتے ہی نہیں ہیں۔

بعض گھرانوں میں لڑکیاں بے حد خوب صورت، سلیقہ شعار اور اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں، دینے دلانے کو جہیز بھی ہے مگر ان کی شادیاں ہونا بھی مسئلہ بن رہا ہے۔

یہ اس لیے ہوتا ہے کہ بعض مرتبہ ان کو نظر لگی ہوئی ہوتی ہے اور بعض مرتبہ فضا میں موجود ناری قوتوں کی زد میں وہ آجاتی ہیں۔

اس لیے سب سے پہلے تو اپنی نظر اتاریں پھر روزانہ حسبِ استطاعت اپنا صدقہ دیں، اس کے ساتھ ساتھ نماز کی پابندی کریں، بزرگوں کی دعا لیں، سلام میں پہل کریں اور اپنی زبان سے کسی کو

تکلیف نہ پہنچائیں۔

اور اب آجائیں ہانڈی تالے کے وظیفے کی جانب۔ پہلے تو یہ یقین کرلیں کہ نہ ہانڈی کچھ کرے گی اور نہ تالا کہ ہر کام پر صرف اللہ ہی قادر ہے یہ تو صرف ایک ٹوٹکا ہے جو صرف یٰسین شریف کی برکت سے ہزاروں نہیں فیض یاب ہوئی ہیں۔

آپ ایک نئی مٹی کی ہانڈی لے لیں اور اس میں پانی بھرلیں پھر ایک نیا تالا لے کر کسی ایسے شخص سے تالا بند کروائیں جس کی شادی ہو چکی ہو...... وہ تالا مٹی کی ہانڈی میں ڈال دیں۔ اب وہ تالا پانی میں ڈوبا رہے اس کی چابی اپنے پاس رکھ لیں اب روزانہ وہ مٹی کی ہانڈی اپنی گود میں رکھ کر یا اپنے سامنے رکھ کر اس پر ایک مرتبہ سورۂ یٰسین پڑھ کر اس پانی پر دم کردیں۔ اوّل آخر تین، تین بار درود شریف بھی پڑھنا (درودِ ابراہیمی جو نماز میں پڑھا جاتا ہے) اس طرح چالیس دن تک پڑھیں، ناغے کے دن نکال کر معینہ تعداد پوری کی جائے۔

اکتالیسویں دن وہ تالا پانی سے باہر نکالا جائے اور باہر رکھی ہوئی کنجی سے اس لڑکی سے وہ تالا کھلوائیں جس کی شادی نہ ہو رہی ہو اکثر تالے میں زنگ لگ جاتا ہے اور وہ چابی سے نہیں کھل پاتا تو پریشان نہ ہوں اور بٹا مار کر تالا کھول دیں اور پھر وہ تالا، چابی، ہانڈی کسی بھی بہتے ہوئے پانی میں بہا دیا جائے گا۔

یہ ٹوٹکا کرتے ہوئے دل میں ہمیشہ یہی سوچ رکھیں کہ جس طرح یٰسین شریف دلوں کے قفل کھول دیتی ہے اگر بالفرض میری شادی پر کوئی قفل پڑ گیا ہے تو وہ سورۂ یٰسین کی برکت سے کھل جائے۔ اس عمل کو کرتے ہوئے روزانہ دو رکعت نمازِ حاجت بعد نماز عشا پڑھیں۔ زیادہ اوقات باوضو رہنے کی کوشش کریں۔ شادی ہو جانے کے بعد شکرانے کے نفل پڑھیں اور کسی غریب کی لازمی مدد کریں۔

☆☆☆

دماغ کی کمزوری یا بھولنے کے مرض کو دور کرنے کے لیے

☆ہر کام **بسم اللہ** پڑھ کر کریں اگر آپ کو شوگر نہیں ہے تو صبح نہار منہ اور رات کو سوتے وقت ایک چمچ شہد پر گیارہ مرتبہ سورہ فاتحہ پڑھ کر کھائیں۔ ہر نماز کے بعد سر پر ہاتھ رکھ کر ایک مرتبہ آیت الکرسی پڑھیں اور گیارہ مرتبہ یا قوی پڑھیں۔ انشاء اللہ فائدہ ہوگا۔

پاؤں کے درد کے لیے

☆اگر کسی کے پاؤں میں درد رہتا ہے تو پانچوں وقت کی نماز باقاعدگی سے پڑھیں اور ہر نماز کے بعد ایک سو گیارہ مرتبہ **اللہ، الباقی الحکیم** کا ورد کرے اور دعا مانگے انشاء اللہ درد ٹھیک ہو جائے گا۔

شیطانی وسوسوں سے نجات کے لیے

☆اگر آپ کو ایسا لگتا ہے کہ شیطان سر پر سوار ہے اور آپ کو نیکی کے کام نہیں کرنے دیتا...... یا نماز پڑھنے تک کو دل نہیں چاہتا...... تو سب سے پہلے اپنے گھر کے ماحول کو چیک کر کے اس میں مثبت تبدیلیاں لائیں۔ ہر وقت ٹی وی دیکھنا یا ہر وقت گانے سننا کوئی اچھی عادت نہیں ہے۔ استغفار کی تسبیح صبح شام پڑھیں۔ اچھی کتب کا مطالعہ کریں۔ سورۂ مومنون کی آیت نمبر 97 اور 98 ہر نماز کے بعد کم از کم تین مرتبہ ضرور پڑھیں اور چلتے پھرتے وضو، یا بے وضو، یا حی یا قیوم پڑھیں۔ ہر وقت باوضو رہنے کی سعی کریں۔

☆☆☆

WWW.PAKSOCIETY.COM

شوابے ہومیو کلینک

SCHWABE

From Nature. For Health.

اس بات کی ضرورت کافی عرصے سے محسوس کرائی جارہی تھی کہ کسی مستند ادارے کے تحت ماہر تجربہ کار ہومیو پیتھک ڈاکٹروں کا بورڈ ہو جو لوگوں کی صحت کے مسائل کو اپنی ماہرانہ رائے اور تجربے کی روشنی میں نہ صرف حل کرے بلکہ ان کی رہنمائی بھی کرے۔ لہٰذا اس سلسلے کے تحت ہماری کوشش ہوگی کہ ہم آپ کو مختلف امراض کے متعلق آگاہی بھی فراہم کریں اور آپ کے جو صحت کے مسائل ہوں اس کو بورڈ کے ماہر و تجربہ کار ڈاکٹرز کے ذریعے حل کرائیں تاکہ آپ کا معیارِ صحت بلند ہو لہٰذا آپ کے جو بھی صحت کے مسائل ہیں انہیں ہمیں اس پتے پر لکھ بھیجیں' پوسٹ بکس نمبر 733 کراچی۔ ہم ماہنامہ پاکیزہ کے ذریعے آپ کی بیماری کے متعلق آپ کی رہنمائی کریں گے لیکن اس کے لیے اپنا مکمل نام، عمر، پتا اور جو کام کرتے ہیں اس کے متعلق ازدواجی حیثیت، بیماری کے متعلق، کب سے ہوئی، کیا علاج کیا؟ کسی قسم کی کوئی رپورٹس ہوں تو اس کی فوٹو کاپی جو پڑھنے کے قابل ہوں ساتھ بھیجیں تاکہ صحیح تشخیص کی جاسکے اور دوا بھی صحیح تجویز ہو۔

دوائیوں کا ملغوبا

یاسمین شاہ میانوالی

مسئلہ: میں ہر مہینے رسالہ لیتی ہوں۔ آپ مہربانی کرکے اس میں جواب دے دیں، مہربانی ہوگی۔ پہلے بھی لیٹ جواب ملا تھا۔ آنکھ کی لیزر ہوئی ہے وین بلاک ہیں۔ میں نے شوابے کے قطرے دس مہینے ڈالے کہ موتیا ختم ہوجائے۔ موتیا تو نکال دیا لینس نہیں ڈالا اس کے لیے بھی کوئی دوا تجویز کریں۔ ہومیو پیتھک میں تو ہر چیز کا علاج ہے۔ میں بہت پریشان ہوں۔ اللہ آپ کو اجر دے گا۔ رپورٹ بھیجی تھی آپ نے فرمایا تھا کہ آپ اپنے قریبی ہومیو پیتھک ڈاکٹر سے علاج کروائیں...... اصل میں ہم لوگ کراچی سے آئے ہیں ہم نے وہاں اپنا کافی علاج کروایا لیکن فائدہ کچھ نہیں ہوا۔ مجھے عرق النساء کی تکلیف تھی۔ علاج کرواتے کرواتے دس بیماریاں اور لگ گئیں۔ اب مجھے شوگر اور ہیپاٹائٹس سی ہے، میں کراچی کے حکیم سے علاج کروا رہی ہوں۔ اب ہماری رہائش میانوالی میں ہے۔ میں بیٹی کے ساتھ رہتی ہوں۔ اس دفعہ آپ کے رسالے میں بڑی عمر کی بیماریوں کا علاج پڑھا ایسا لگا کہ ساری بیماریاں مجھے ہیں۔ پیر بھی میرے ایسے ہیں کہ کسی نے بہت کس کے باندھ دیئے ہیں۔ پیروں کی انگلیاں حرکت نہیں کرتی ہیں ایک پیر میں فٹ ڈراپ ہے۔ دس مہینے ہوگئے آپریشن کروایا انہوں نے راڈ وغیرہ ڈال دیئے ہیں' کہتے ہیں درد ختم ہوجائے گا۔ اب ماشاء اللہ درد کمر نہیں ہے۔ لیکن پیروں کا علاج

ٹوکن

برائے شوابے ہومیو کلینک

فروری 2014ء

اپنا مسئلہ اس ٹوکن کے ساتھ روانہ کریں۔ ٹوکن کے بغیر آئے ہوئے مسئلوں پر توجہ نہیں دی جائے گی۔ اپنا مسئلہ جس مہینے بھیجیں اسی مہینے کا ٹوکن استعمال کریں۔

نام: __________

پتا: __________

____

آپ سے کروانا ہے۔ آپریشن سے پہلے ہی ایسے تھے۔ پاؤں سوجے ہوئے ہیں جب لیٹتی ہوں تو صحیح ہوجاتے ہیں۔ واکر سے چلتی ہوں۔ پیر ساتھ نہیں دیتے، میں چلنا چاہتی ہوں لیکن بغیر سہارے چل نہیں سکتی۔ رات کو نیند کی گولی لیتی ہوں، اگر نہ لوں تو دل سارا دن اداس رہتا ہے اور گزری باتیں فلم کی طرح چلتی ہیں۔ میں کہتی ہوں مجھے کوئی بات یاد نہ آئے۔ میں محتاج ہوگئی ہوں۔ اپنا کوئی کام نہیں کرسکتی۔ حکیم کی دوائی بھی استعمال کر رہی ہوں۔ آپ مجھے کوئی ایسی دوائی لکھ دیں جس سے میرے پیر صحیح ہوجائیں۔ وقفے سے لیتی رہوں۔ آپ کو اللہ اس کا اجر دے گا۔

جواب: محترمہ یاسمین صاحبہ ہر انسان کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ جلد از جلد ٹھیک ہوجائے خواہ بیماری کی نوعیت کیسی بھی ہو، اس کو کتنے عرصہ علاج کرانا کس طرح کرانا ہے یہ یقیناً مریض نہیں بلکہ معالج جانتا ہے۔ آپ کے مسائل بڑے اور پرانے ہوچکے ہیں عمر بھی ماشاء اللہ ایسی ہے کہ اس میں آپ کو لگاتار علاج کی بھی اور ڈاکٹر کی نگرانی و سرپرستی کی ضرورت ہے۔ حکمت کا علاج بھی کر رہی ہیں اور ایلوپیتھک بھی اور اب بذریعہ خط و کتابت ہومیو پیتھک علاج۔ جو کہ ہر کیس میں ممکن نہیں ہے۔ میرا خیال ہے کہ جب آپ ایلوپیتھک علاج کر رہی ہیں اور ادویات بھی باقاعدگی سے لے رہی ہیں تو پھر ڈاکٹر کی ہدایت پر بھی عمل کریں' اس خیال سے کہ میں جلدی ٹھیک ہوجاؤں جسم کو دوائیوں کا ملغوبا نہ بنائیں اس طرح فائدے کے بجائے نقصان کا زیادہ احتمال ہوتا ہے۔

ہومیو پیتھک علاج کرانا اگر اتنا ہی ضروری سمجھ رہی ہیں تو پھر باقاعدہ ڈاکٹر کی نگرانی میں براہ راست کرائیں۔

بیٹی کی ناک

مسئلہ: میری بیٹی کی عمر 32 سال ہے جس کی جلد سمندر کے پانی میں جانے سے خراب ہوگئی تھی۔ آفس میں جاب کرتی ہے۔ منہ اتنا خراب ہوگیا تھا کہ دو سال اس کا ہر ڈاکٹر ایلوپیتھک ہومیو پیتھک سے علاج کروایا لیکن صحیح نہیں ہوا۔ ہومیو پیتھک کالم میں آپ نے کسی کو دوائیاں لکھ کر دیں وہ میں نے اسے استعمال کروائیں۔ اللہ کے فضل سے اس کا منہ صحیح ہوگیا۔ مجھے آپ کی دوائیوں پر اعتماد ہے۔ پوسٹنگ میں ان دوائیوں کے نام گم ہوگئے ہیں۔ اب مسئلہ یہ ہے بیٹی کے ساتھ کہ صبح سو کے اٹھے تو چھینکیں شروع ہوجاتی ہیں۔ کچن میں جائے تو مصالحے کی خوشبو سے بھی اچانک چھینکیں شروع ہوجاتی ہیں۔ ساتھ ہی ناک اور آنکھوں سے پانی آنا شروع ہوجاتا ہے۔ ناک کا ایک نتھنا بھی بند رہتا ہے۔ ناک بھی ٹیڑھی لگنے لگی ہے۔

جواب: آپ کی بیٹی کی ناک کی ہڈی اور گوشت بڑھ گیا ہے۔ دن میں 4/5 مرتبہ نیم گرم پانی میں نمک ملا کر اس کو ناک میں چڑھائیں۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Teucrium 30, Nat.mur 30 اور Calc. Flour 30 کے 5،5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر دن میں تین مرتبہ استعمال کریں۔ سردی سے بچیں، ٹھنڈی چیزوں کا استعمال نہ کریں۔ ایک ماہ بعد کیفیت سے مطلع کریں۔

نواسی کی کمزوری

مسئلہ: میری نواسی کی عمر سات سال ہے اس کے ساتھ بھی مسئلہ ہے۔ اس کی گردن، کندھے اور دائیں بازو میں تکلیف ہوتی ہے۔ چھ مہینے پہلے اسے یہ تکلیف شروع ہوئی۔ سب ایکسرے رپورٹس ٹھیک ہیں۔ گردن میں تکلیف کے ساتھ ساتھ گردن کے ساتھ جو بازو کو پٹھا جاتا ہے اس میں بھی تکلیف ہوتی ہے۔ کھانا کھانے کو جی نہیں چاہتا، رنگ پہلے اچھا تھا اب رنگ کالا ہوتا جارہا ہے۔ ڈاکٹر صاحب آپ مجھے اس کا جواب دیں بہت مہربانی ہوگی۔ دعائیں دوں گی۔

جواب: اس کا وزن اور قد نہیں لکھا میرا خیال ہے کہ بچی خون کی کمی کا شکار ہے CBC Profile

WWW.PAKSOCIETY.COM

کرا کر رپورٹ بھیجیں تب تک ایک ماہ تک بچی کو ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات استعمال کرائیں۔ Alfalfa Q کے سات قطرے آدھا کپ پانی میں صبح ناشتے کے بعد اور ہر کھانے سے آدھا گھنٹا پہلے جبکہ Calc. Phos اور Ferr.met30 کے پانچ پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں کھانے کے بعد دیں۔ دودھ گوشت، انڈے، سبزی اور پھلوں کا استعمال کرائیں۔ ڈرائی فروٹ بھی دیں۔

شوگر اور مثانے کا انفیکشن

فریدہ جاوید لاہور

مسئلہ: میں پاکیزہ کی بہت پرانی قاری ہوں۔ میں آپ کا کالم شوابے ہومیو کلینک بہت شوق سے پڑھتی ہوں۔ میرے بھی دو تین مسئلے ہیں۔ شوگر ہے اس کے لیے انسولین لگواتی ہوں تو شوگر نارمل رہتی ہے دوسرا ہڈیوں کا گودا سوکھ رہا ہے یا ختم ہو رہا ہے۔ ایم، آئی، آر اور سٹی اسکین سے پتا چلا کہ کیلشیم کی بے حد کمی ہے اور مثانے میں انفیکشن یعنی زخم ہے، بہت سے انجکشن لگے ہیں مگر آرام نہیں آتا۔ میں ڈاکٹر کی دوا بالکل نہیں کھا سکتی معدہ خراب ہو جاتا ہے، صرف ہومیو پیتھک دوا موافق ہے میری دونوں بیماریوں کے لیے دوا تجویز کر دیں۔ شکریہ۔

مثانے کے انفیکشن کو چار پانچ سال ہو گئے ہیں، ہڈیوں کے گودے کو ایک سال ہو گیا ہے شدید درد ہڈیوں میں ہوتا ہے عمر 48 سال ہے۔

جواب: اس عمر میں جب عورتوں میں ماہواری بند ہو رہی ہوتی ہے یا بند ہو جاتی ہے تو جسم میں بہت ساری تبدیلیاں ہوتی ہیں جن میں ایک کیلشیم کی کمی بھی ہے جو یقیناً ہڈیوں کی مختلف بیماریوں بالعموم آسٹیوپروسس کا شکار ہوتی ہیں۔ صبح یا شام کو اپنے جسم کو دھوپ میں آدھا گھنٹے کے لیے رکھیں، ہلکے کپڑے پہنیں تا کہ جسم میں دھوپ اچھی طرح لگے جو وٹامن ڈی کا خزانہ ہے، غذا میں دودھ، انڈا مکمل ابلا ہوا اگر دیسی ہے تو ہاف بوائل لیں، پنیر، دہی کا استعمال بڑھائیں۔ ایک ماہ تک شوابے کی مندرجہ ذیل ادوایات استعمال کریں۔ دن میں 3 مرتبہ تھوڑے پانی کے ساتھ ایک گولی Cratex کی لیں Syziumjambo کے 10 قطرے دن میں آدھا کپ پانی میں جبکہ Calc. Carb-30 ، Merc.Cor 30 آدھا کپ پانی میں تین مرتبہ لیں۔ Urine D/R Serum Calcium اور Vit-D ، Hb A1C اور Bone Density کی تازہ رپورٹ کروا کر بھیجیں۔

بہتے کان سے کم سنائی دینا

عظمیٰ اویس، گوجرانوالہ

مسئلہ: ڈاکٹر صاحب میں پاکیزہ کی پرانی قاری ہوں اور بڑے شوق سے ہومیو کلینک پڑھتی ہوں۔ اس میں بہت سی مفید باتیں اور معلومات ہوتی ہیں ہمارے لیے۔ میرا مسئلہ یہ ہے کہ دو ماہ تقریباً ہو گئے ہیں میں ایک دن صبح سو کر اٹھی تو میرا دایاں کان بہنا شروع ہو گیا۔ میں ہومیو پیتھک میڈیسن ہی لی رہی ہوں مگر بالکل بھی افاقہ نہیں ہو رہا ہے۔ ڈاکٹر کہہ رہے ہیں کہ آرام کیا جائے مگر کان مسلسل بہتا رہتا ہے اس میں سے پیلے رنگ کا مواد نکلتا ہے۔ جب بہت زیادہ گرمی ہو تو کان بہت زیادہ بہتا ہے اور سیدھی کروٹ سوؤں تو بہت ہی زیادہ بہتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب تقریباً 12 سال پہلے بھی میرا یہی دایاں کان ہی بہتا تھا جب میں نے ایلوپیتھک میڈیسن لیں مگر فرق نہ پڑا اور اب تو ڈاکٹر صاحب میں اونچا بھی سننے لگی ہوں، مجھے سننے میں مسئلہ ہوتا ہے ویسے اتنا زیادہ تو نہیں کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے اور بعض اوقات تو کوئی مجھے آوازیں دے رہا ہو تو مجھے سنائی نہیں دیتا۔ میں جوائنٹ فیملی میں رہتی ہوں اور مجھے بہت شرمندگی ہوتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب میں بہت پریشان ہوں اور مہنگا علاج افورڈ نہیں کر سکتی بڑی امید سے آپ کو خط لکھ رہی ہوں کہ آپ ضرور میری مدد کریں گے۔ دوسرا مسئلہ میری یادداشت بہت کمزور ہوتی جا رہی ہے، چیزیں رکھ کر بھول جاتی ہوں، پرانی باتیں تو

یاد ہیں مگر چھوٹی چھوٹی روزمرہ کی باتیں بھول جاتی ہوں۔ میرے والد صاحب کو بھی مسئلہ تھا وہ سب کچھ ہی بھول گئے تھے اب تو ان کی ڈیتھ ہو گئی ہے۔ کسی کی کال آئی یا کسی کی برتھ ڈے وغیرہ مجھے نہیں یاد رہتی، پلیز اس کے بارے میں بھی مجھے جواب دیں۔

جواب: کاٹن بڈ کا یا کسی اور نکیلی چیز کا کان میں استعمال نہ کیا کریں۔ اس طرح کان کے پردے میں سوراخ ہو سکتا ہے۔ نیز روئی سے کان صاف کرنے پر روئی کے ذرات کان میں چپکے رہ جاتے ہیں جو کان میں انفیکشن کا باعث بنتے ہیں۔ ٹھنڈی، کھٹی چیزوں سے پرہیز کریں، نزلہ کا بھی علاج کریں، نہاتے وقت کان میں روئی رکھیں تا کہ پانی کان میں نہ جائے۔ ایک ماہ تک ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات استعمال کریں۔ Kalimur30 اور Pulsatilla30 کے پانچ پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ، Cratex کی ایک گولی دن میں تین مرتبہ تھوڑے پانی سے لیں۔

نظر کی کمزوری

مسئلہ: ڈاکٹر صاحب میرے بیٹے کی عمر اب چھ سال ہے اور دو سال پہلے اس کے ساتھ مسئلہ ہوا تھا کہ اگر وہ ٹی وی دیکھ رہا ہے یا کسی اور کو تو اس کا Stuck-Eye ball کر جاتا تھا۔ وہ کہتا کہ ماما مجھے دو دو چیزیں نظر آ رہی ہیں اور آئی بال اپنی جگہ پر نہیں رہتا۔ ہم نے اس کی نظر چیک کروائی تو اس کی نظر کمزور نکلی۔ ہم نے اس کا ہومیو پیتھک ڈاکٹر سے علاج کروایا تو ڈاکٹر کے مطابق کہ نظر پہلے سے کافی بہتر ہوئی ہے اور میرے بیٹے کو دوبارہ وہ مسئلہ بھی نہیں ہوا لیکن ہم وہ علاج جاری نہیں رکھ سکے کیونکہ ہمارے حالات بھی ٹھیک نہیں ہیں۔ اب آپ کو خط لکھ رہی ہوں کہ وہ ون کلاس کا اسٹوڈنٹ ہے اور بہت ذہین بچہ ہے مگر مجھے اس کی بہت فکر ہے کیونکہ اکثر ہوم ورک کرتے ہوئے یہی شکایت کرتا ہے کہ مجھے ٹھیک نظر نہیں آ رہا اور اکثر سر درد کی بھی شکایت کرتا ہے۔ اس کو جب نظر چیک کروانے کے بعد عینک لگوائی تو تقریباً 9/10 ماہ لگائی ہو گی پھر ہم نے ہومیو پیتھک علاج کروایا ڈاکٹر نے ڈراپس اور میڈیسن کھانے کو دیں۔ تقریباً یہ علاج ہم نے کوئی پانچ چھ ماہ کیا ہو گا اور اس سے اس کو فرق پڑ گیا تھا۔ اب وہ عینک تو نہیں لگاتا لیکن ابھی بھی اسے مسئلہ ہے اور میں بہت پریشان ہوں اس کے لیے۔ دودھ بہت مشکل سے پیتا ہے بار بار بولنے پر۔ اس کی جسمانی صحت بھی بس ٹھیک ہی ہے۔ بہت پتلا سا ہے۔ ڈاکٹر صاحب پلیز میرے بیٹے کے لیے بہت اچھی سی دوا تجویز کر دیں تا کہ اس کی نظر بالکل ٹھیک ہو جائے میں آپ کی بہت شکر گزار ہوں گی۔ اس خط کا جواب جلدی دیجیے گا اور ضرور ضرور دیجیے گا۔ اللہ آپ کو اس کی جزا دے گا۔

جواب: دیگر چیزوں کے ساتھ بادام، سیب، گاجر کا استعمال بڑھائیں ساتھ میں ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی دوا Calc. Flour 30 اور Physostigma 30 کے پانچ پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ استعمال کرائیں۔ ایک ماہ تک استعمال کر کے مطلع کریں۔ نیز بچے کی نظر کا معائنہ ایک بار پھر کروائیں اور عینک بھی لگوائیں اگر نظر کمزور ہے۔

خواتین میں خون کی کمی

ہمارے یہاں خواتین میں جلد کی پیلاہٹ، کمزوری، تھکن چڑچڑاپن، بے زاری، بھوک کی کمی، کمر، ٹانگوں میں درد، نظر کی کمزوری، منہ کا ذائقہ خراب رہنا، جس کی وجہ اچار چٹنیاں اور مصالحے دار اشیا کا استعمال عام ہے۔

کبھی غور کیا کہ ایسا کیوں ہے؟

جی ہاں! اس کی سب سے بڑی اور اہم وجہ خون کی کمی ہے جسے طبی زبان میں Anaemia کہتے ہیں۔

یہ کیسے ہو جاتی ہے؟

ا...... لال گوشت (بکرا، گائے) کا استعمال نہ کرنا

WWW.PAKSOCIETY.COM

یا ضرورت کے مطابق نہ کرنا

۲......متوازن غذا گوشت، انڈا، مچھلی، دیسی مرغی، دودھ، پنیر، دیسی گھی، دالیں، سبزیاں اور پھل کا استعمال جسمانی ضرورت کے مطابق نہ کرنا۔

۳......جنک فوڈز باربی کیو یا مرغن غذائیں (برگر، پیزا، فرائز، تکے، کباب، قورمہ، نہاری، بریانی) کا استعمال کرنا۔

۴......کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ جن کو دو وقت کی روٹی بھی میسر نہیں ہے۔

۵......خاندانی یا سماجی روایت کہ جس میں لڑکیوں کو کم غذا دی جاتی ہے یا موٹاپے کے خوف سے غذا میں کٹوتی خود ہی کر دی جاتی ہے۔

۶......خواتین کے ایام میں بے قاعدگی (کم/زیادہ درد کے ساتھ وغیرہ)

۷......ذہنی دباؤ، معاشی دباؤ، تفکرات۔

۸......ہارمونز کی خرابی۔

۹......کوئی اور جسمانی بیماری (السر، کینسر، ٹیومر، رسولی جگر کی فعلی خرابی)

۱۰......زچگی میں خون کا زیادہ اخراج۔

۱۱......شرم و حیا کی وجہ سے اپنی بیماری کو چھپانا یا ذکر نہ کرنا۔

۱۲......چائے، کافی، شربت، کولڈرنک خصوصاً کولا مشروبات وغیرہ کا استعمال۔

نتائج:

مسلسل خون کی کمی کا شکار رہنے والی خواتین میں۔

۱......خون کی مزید کمی ہو جاتی ہے۔

۲......جسم پھول جاتا ہے۔

۳......رنگ خراب ہو جاتا ہے۔

۴......بال گرنے لگتے ہیں۔

۵......بیماریوں کے خلاف مدافعت کم ہو جاتی ہے۔

وہ زیادہ بیماریوں کا شکار رہنے لگتی ہیں۔ کسی بھی غذائی یا موسم کی تبدیلی کا جلدی اثر قبول کرتی ہیں۔

۶......بے زاری، کوفت، الجھن بے رغبتی، چڑچڑا پن کا اظہار کرتی ہیں۔

۷......تھکتی جلد ہیں۔

۸......بھولنے کی عادت بڑھ جاتی ہے۔

۹......کمر، ٹانگوں، ہاتھوں میں درد ہوتا ہے۔

۱۰......نظر کمزور ہو جاتی ہے۔

۱۱......منہ کا ذائقہ خراب ہوتا ہے اور متلی کی شکایت ہوتی ہے۔

۱۲......لیکوریا کی شکایت بڑھ جاتی ہے۔

۱۳......ایام کی بے قاعدگی ہوتی ہے۔

۱۴......چاہنے کے باوجود کھانا نہیں کھایا جاتا۔

۱۵......ان بیماریوں کی وجہ سے ساس بہو کے جھگڑے، میاں بیوی کے جھگڑے، اولاد کی نافرمانیاں بھی اسی کا نتیجہ ہوا کرتی ہیں۔

کیا کریں۔

شعور پیدا کریں۔

۱......متوازن غذا کا استعمال۔

۲......صحیح طریقے سے کھانا کھانا۔

۳......مناسب طریقے سے پانی کا استعمال۔

۴......ورزش کرنا۔

۵......غذا میں بکرے اور گائے کے گوشت کا اضافہ کریں، کلیجی کا استعمال کیا جا سکتا ہے۔

۶......گاجر، چقندر، ٹماٹر سیب بھی خون کی کمی دور کرنے میں معاون ہوتے ہیں۔

۷......کسی قسم کی تکلیف، پریشانی یا علامت پر ڈاکٹر سے رجوع کریں تاکہ بروقت تشخیص ہو سکے اور اس علامت/بیماری کا سدِ باب کیا جا سکے۔

***

Dr. Willmar Schwabe , Germany.
Available at All Leading Medical & Homoeopathic Stores

WWW.PAKSOCIETY.COM